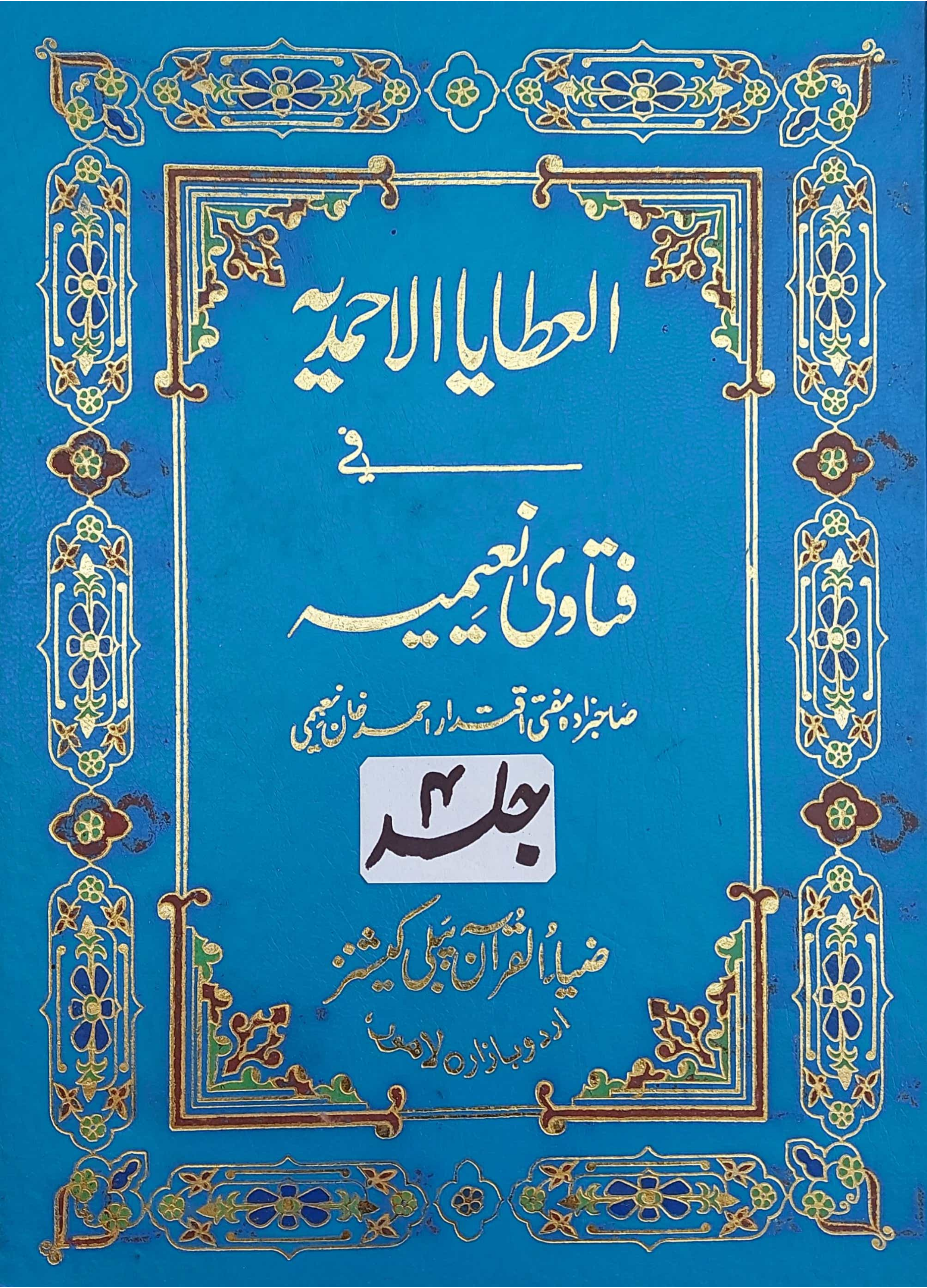


العطایا الاحمدیہ
فی
فتاوی نعیمیہ
صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی
جلد ۴
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

مجموعہ

العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

سنہ ۱۳۹۶ھ و سنہ ۱۹۷۶ء

جلد چہارم

مصنفہ

مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ و شیخ الحدیث

صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

ملنے کا پتہ نعیمی کتب خانہ گجرات

ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز ۹، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون: ۷۲۲۵۰۸۵ - ۷۲۲۱۹۵۳

نام کتاب ——— العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

جلد ——— چہارم

نام مصنف ——— صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری اشرفی

اشاعت ——— نومبر ۱۹۹۹ء
تعداد ——— ۱۱۰۰
کتابت ——— سیف اللہ شاہد کاتب حضرت کیلیانوالہ
ہدیہ ———

ناشر ——— نعیمی کتب خانہ گجرات
ضیاء القرآن لاہور

ملنے کا پتہ

نعیمی کتب خانہ احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

فہرست مضامین العطایا الاحمدیہ فی فتاوای نعیمیہ جلد چہارم

۷۸۶ ——————— ۹۲

فتوای۔ تمام مسلمان مردوں کو خواہ کسی بھی عمر والا ہو کالا خضاب لگانا حرام ہے

سوال نمبر ۱:۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ کیا مسلمان مرد اور عورت کو جب کہ اُس کے بال بڑھاپے سے سفید ہو جائیں۔ سر یا داڑھی پر کالا خضاب لگانا جائز ہے یا حرام یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی۔ آج کل اکثر مساجد کے امام داڑھی اور سر کے بالوں پر بالکل سیاہ خضاب لگاتے ہیں اور امامت بھی کراتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیتے مگر خضاب لگانے سے باز بھی نہیں آتے۔ ابھی حال ہی میں مکتبہ ضیاءُ القرآن لاہور کی مطبوعہ ایک چھوٹی سی کتاب ہماری نظر سے گزری جو تقریباً اڑتالیس صفحات کی ہے۔ اُس کے مصنف خطیبِ اہلِ سنت علامہ اُوکاڑوی ہیں۔ ہم ان کو بہت اچھی طرح بچپن سے جانتے ہیں پہلے یہ نعت خوان تھے پھر دینی علوم حاصل کر کے عالم دین بنے اہلِ سنت والجماعت کے بہت بڑے قابلِ فخر خطیب ہیں۔ مولانا قبلہ غلام علی اکاڑوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ وعظ اور تقریروں کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ نقشبندی سلسلے سے ہیں خود کو سنی بریلوی کہتے ہیں مگر یہ کتاب دیکھ کر ہم کو افسوس بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ کہ انہوں نے کالے خضاب لگانے کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمام علماءِ اہل سنت اس کو حرام کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حرمتِ خضابِ سیاہ پر ایک کتاب لکھی ہے اُس کے ہوتے ہوئے پھر جواز پر کتاب لکھنا ہم نہیں سمجھتے کہ ایک بریلوی سنی کے لیے یہ کہاں تک مناسب ہے۔ اس لیے آپ کے آستانے پر رجوع کر رہے ہیں کہ آپ اس کتاب کا مکمل جواب تحریر فرمائیں اور مکمل تردید فرماتے ہوئے اعلیٰحضرت کا مسلک روشن فرمائیں۔ اس وقت آپ کے سوا کوئی ایسا صاحبِ قلم عالم نظر نہیں آتا جو ہماری

علمی تشنگی دور کر سکے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔
دستخط سائلین۔ منجانب علماءِ اہل سنت سیالکوٹ وڈسکہ۔
عبد اللطیف شیرازی وغیرہ　　9/9/91

بعونِ العلّام الوھاب

الجواب

آپ کا مرسلہ استفتاء اور کتاب مسمّٰی بہ مسئلہ سیاہ خضاب۔ وصول ہوئی۔ میں نے اس کتاب کا بہت غور سے مطالعہ کیا، اس کتاب کی علمی کمزوریوں نے مجھے حیران کر دیا مزید حیرانی یہ کہ ٹائٹل پر القابات کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم کو مجدد مسلک اہل سنت بنایا گیا ہے۔ حضرت علامہ کو میں بھی بہت اچھی طرح قریب سے جانتا ہوں۔ مگر ان کی اس کتاب کا مجھ کو علم نہیں تھا۔ حضرت علامہ اب وفات پا چکے ہیں اس لیے ان سے تو کچھ استفسار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اُن کی زندگی میں جب ایک دفعہ گجرات شہر میں میری اُن سے ملاقات ہوئی اور ان کی خضاب سیاہ لگی داڑھی مبارک کی وجہ سے ان کی اعزازی امامت میں اُن کے پیچھے میں نے باجماعت نماز پڑھنے سے انکار کر دیا تو وہ ازراہِ احترام یا لحاظ مصلے سے ہٹ گئے تھے اور نماز نہ پڑھائی تھی بعدہٗ میں نے مسئلہ خضاب پر اُن سے گفتگو کرنا چاہی تو یہ فرما کر کہ اس وقت میرا ذہن اس مسئلے پر حاضر نہیں ہے۔ معذرت چاہ لی تھی ایک اور ساتھی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے صاحبزادہ سے اس مسئلے پر گفتگو کیوں نہ فرمائی تو بقول اُس ساتھی کے فرمایا کہ یہ میرے استاد کا استاد خانہ ہے میں یہاں کسی مسئلہ پر مباحثہ نہیں کر سکتا۔ حضرت علامہ کمال نیاضی طبیعت کے مالک تھے اور ہم میں سب سے زیادہ اخلاقِ حسنہ والے کسی مسئلے پر اختلاف ہونا علیحدہ بات ہے مگر جہاں تک علمی قابلیت اور وجاہت بشری کا تعلق ہے تو حضرت مرحوم بہت بلندیوں پر تھے۔ اس کتاب کی علاوہ دیگر کتب عظیم علمی سرمایہ ہے۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار تھے۔ تمام اہل سنت اور خاص کر اہل کراچی پر آپ کے علمی احسانات بہت ہیں۔ وہ مفتی شفیع دیوبندی جن کو وہابیوں اور اہل دیوبند نے خدا بنایا ہوا تھا ان کی طاغوتیت کو اگر کسی نے توڑا تو وہ

اِن کی ہی باکمال ذات تھی اِن کارہائے درخشاں کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اُن کے خاندانی چمن میں ہمیشہ بہار رہے۔ آپ کی مرسلہ کتاب جو غالبًا اُن کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ طبع ہوئی اس کے مسئلے سے مجھ کو واقعی اختلاف ہے جس کا تردیدی جواب میں ضرور ضرور آپ کو دوں گا کیونکہ آپ کے استفتا کے بعد یہ تسلی بخش جواب دینا مجھ پر فرضِ علمی ہے مگر تصنیفی اعتبار سے حضرت علامہ مرحوم کی یہ کتاب بہت اہمیت اور ادب والی ہے۔ مسئلہ دلائل اگرچہ کمزور ہے لیکن طرزِ تحریر بہت میٹھی باادب واحترام ہے۔ رہا ٹائٹل پر لفظ مجدد کا لقب لکھنا تو اس بات کا مجھ کو یقین ہے کہ ان کی خواہش سے یا اُن کے اپنے قلم سے یہ نہیں لکھا گیا بلکہ بعد کے کسی ایسے عقیدت مند نے یہ لکھا ہے جو مجدد کی شرعی حیثیت اور اسلام کے اس اعلیٰ منصب کی حقیقت سے قطعًا ناواقف ہے یہ منصب وہبی ہے کسبی نہیں جو کسی ڈگری سند، سرٹیفکیٹ، یا تمغہ کی طرح کسی تھالی میں رکھ کر پیش کر دیا جائے اور جسے چاہا دیدیا جائے یا جو شخص چاہے جس کو چاہے مجدد بنا تا پھرے یہ مرتبہ عظمیٰ تو خاص عطیۂ الٰہیہ ہے۔ جس کو حاصل کرنے اور نبھانے سنبھالنے کے لیے ہزار ہا صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ فی زمانہ اسلامی مناصب۔ مدارج اور دینی ذمہ داریوں والے مخصوص تعارفی صفاتی القابات کا استعمال ایک فیشن بنتا جا رہا ہے۔ ہر شخص مفتی و علامہ اور مجدد و مجتہد بنا پھر رہا ہے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں جب کہ دنیوی عہدوں میں کوئی اپنے آپ کو پولیس کا سپاہی یا تھانیدار نہیں کہہ سکتا۔ ڈی۔ سی۔ ایس پی۔ کہنا کہلوانا یا لکھنا تو بڑی بات ہے اور اگر کوئی بیوقوف ایسا کرے بھی تو اُس کو جعلی تھانیدار بننے کے جرم میں گرفتار کر کے قانونی سزا دی جاتی۔ کہ یہ اس عہدے اور منصب کی توہین ہے۔ مگر آج اسلامی عظیم عہدوں کی کوئی بھی توہین کرتا پھرے کوئی گرفت نہیں۔ لیکن کوئی شخص یہ نہ بھولے کہ جس طرح جعلی تھانیدار وغیرہ بننا اِس عہدے کی توہین ہے اور ایسے جعلی بننے بنانے والوں کو ملکی قانون سزا دیتا ہے۔ اِسی طرح جعلی مفتی۔ مجدد مجتہد وغیرہ بننا بنانا بھی اِن اسلامی عہدوں کی توہین و گستاخی ہے جس کی سزا آخرت میں یقینًا ملے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ دنیا میں تو لوگوں نے اس چیز کو کھیل بنا لیا ہے لیکن آخرت میں۔ دیگر جرائم کی طرح اس جرم کا پتہ چل جائے گا۔ نیز مجدد

مسلک اہل سنت لکھ کر۔ لکھتے یا لکھانے والے نے مزید نادانی کا ثبوت دیا کیونکہ اضافت سے مجددیت کو تقسیم کر دیا۔ حالانکہ یہ خدا داد عہدہ علاقہ یا حصہ دار عملی یا علاقائی منصب نہیں ہے تو بفرمانِ حدیثِ مقدسہ ہر صدی بعد پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک ہی خوش قسمت دیا اصلاحیت شخصیت پر عطیۂ الٰہیہ ہوتا ہے اور اسلام کے ہر شعبہ میں پورے سو سال تک اس ہی ایک مجدد منجانب اللہ کے فیوض و برکات و تجدیدی کارنامے جاری و طاری رہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مجدد مسلک اہل سنت ہو اور دوسرا کوئی مجدد مسلک اہل حدیث ہو۔ یا نماز کا مجدد علیحدہ زکوٰۃ کا مجدد علیحدہ۔ صبح کا علیحدہ شام کا علیحدہ۔ پھر تو ایک ایک وقت میں سینکڑوں مجدد بنتے چلے جائیں گے ہر شوقین آدمی اپنے گھر کا علیحدہ مجدد بن بیٹھیگا۔ یہی وہ غلط عقیدت مندی ہے جو قیامت کی نشانیاں ہیں وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی یہ تو تھا پہلے ٹائٹل کی ألقابی عبارت پر تبصرہ اور شرعی گرفت اب آیئے اندر کے مسئلے کی طرف تو چونکہ اس مسئلے کے جواز پر میرے پاس ایک چھوٹی سی اور مکمل کتاب بھیجی گئی ہے اس لیے میں بھی اس کا تحریری تردیدی جواب صرف سطری فتوے کی شکل میں نہیں بلکہ مکمل ہر ہر سطر کا مدلل جواب دیتے ہوئے ایک کتاب ہی کی شکل میں پیش کروں گا۔ اور اصول جواب کے مطابق پہلے شرعی مسئلہ اور کالے خضاب کا اسلامی حکم۔ پھر اُس کے تمام دلائل اور پھر دیگر فقہاءِ کرام ائمہ مجتہدین کے نظریات و مسلک اور پھر حضرت محترم علامہ مرحوم کے پیش کردہ تمام دلائل کا نمبر وار جواب تاکہ موافقین سائلین کی تسلی و تشفی کے لیے اور مخالفین کی مزید مخالفت و اعتراض و سوال کرنے کی رکاوٹ میں کوئی گوشہ تشنہ یا کسر باقی نہ رہے سب توفیقیں میرے اللہ تعالیٰ کو ہیں وہ ہی مجھ پر اس تحریر میں آسانیاں اور درستیاں نازل فرمانے والا ہے وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔

قانونِ شریعت کے مطابق متفقہ طور پر تمام ائمہ اربعہ مجتہدین کے نزدیک مسلمانوں کو اپنے سر اور داڑھی شریف کے بالوں پر بالکل سیاہ خضاب لگانا قطعاً حرام ہے جو دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ متعدد احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہے اور ایک مسلمان کی تسلی کے لیے تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی کافی ہیں۔ مگر فی زمانہ مخالفین کے جاہلانہ اعتراض کے پیش نظر۔ احادیثِ مبارکہ

کے ذکر کے بعد فقہاءِ اُمت کے اقوال بطورِ دلائل پیش کئے جائیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔
پہلی دلیل۔ مسلم شریف جلد دوم کتابُ اللّباس صہ ۱۹۹۔ اور ابو داؤد جلد دوم صہ ۲۲۲، نسائی شریف دوم صہ ۲۳۶ مطبوعہ سعید کراچی۔ پر ہے کہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد محترم فتح مکہ کے دن جو ۸ھ میں ہوئی جب حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے اس وقت حضرت ابو قحافہ کی عمر اکانوے ۹۱ سال تھی چھ سال بعد ۱۴ھ میں وفات ہوئی ہے۔ ستانوے سال شمسی سال ۶۲۹ء۔ اور ۶۳۵ء تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی داڑھی اور سر کے بال سفید دیکھ کر ارشاد پاک فرمایا۔ غَیِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ۔ وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ (الخ) ترجمہ: اے لوگو اس طرح کے بالوں کو متغیر کر دو۔ اور سیاہ رنگ کرنے سے بچتے رہنا۔ اس کو مسند احمد اور ابن ماجہ میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس حدیثِ مُقدّس کی مختصر تشریح۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت کردہ یہ حدیث ظاہراً تو حضرت ابو قحافہ رض کو دیکھ کر فرمائی گئی لیکن غَیِّرُوْا اور وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ جمع کے صیغے بتا رہے ہیں کہ یہ حکم ہر مومن مسلمان مرد کے لیے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی تا قیامت ہر مسلمان بلا قید عمر اپنے کسی بھی سفید بال پر جو بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہوئے ہوں کالا رنگ نہیں لگا سکتا اور بیماری سے سفید ہونا یہ شاذو نادر ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ طبی اور فقہی لحاظ سے عام طور پر پچاس سال کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا: کی تعبیر میں مفسرین نے فرمایا کہ اجْتَنِبُوْا۔ کی تنبیہ شدید سے حرمتِ خضاب اَسْوَدْ ہی ثابت ہو رہی ہے اس کو کراہت یا مکروہ تنزیہی پر محمول نہیں کیا جا سکتا امام نووی مالکی محی الدین ابو زکریا یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح مسلم میں اسی حدیث پاک کے اسی لفظ واجْتَنِبُوْا سے استدلال بیان کرتے ہوئے کالے خضاب کے حرام قطعی ہونے پر مذہب امام مالک بیان فرمایا۔ جس کی مکمل عربی عبارت انشاءاللہ تعالیٰ اگلی سطور میں بیان کی جائے گی۔ بعض نفس کے بندوں نے یہاں وَاجْتَنِبُوْا۔ کے ساتھ ہُ ضمیر کا اضافہ وضع کر دیا۔ احادیث میں اس طرح کی ملاوٹ کرنا تخریب کاری ہے اور اس ملاوٹ وضعی سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہوئے کتاب ھٰذا کے مصنف مرحوم نے اس ضمیر کا مرجع ابو قحافہ کو بنایا جو سراسر غلط اور نادانی ہے۔ اس کا مکمل جواب اگلی

سطور میں دیا جائے گا انشاءَ اللہ تعالیٰ۔ بہر حال تقریباً تمام کتب احادیث میں۔ وَ اجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ ہی ہے۔ ضمیر کو شامل کرنا اور حدیث پاک کو توڑ موڑ کر بیان کرنا ایک نفسانی خواہش ہے۔ دوسری دلیل۔ ابو داؤد شریف جلد دوم صـ ۲۲۲ اور نسائی شریف جلد دوم صـ ۲۳۶۔ طبع کراچی ایچ ایم سعید میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِی آخِرِ الزَّمَانِ یَخْضِبُوْنَ بِھٰذَا السَّوَادِ کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ۔ لَا یَجِدُوْنَ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔ ترجمہ:۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں ایسی قومیں بھی پیدا ہو جائینگی جو اس کالے رنگ والی جڑی بوٹی اور مسالے سے اپنے بالوں کو خضاب کیا کریں گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔ اس حدیث کی مختصر شرح۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ آخر زمانے میں ایسی قومیں بھی پیدا ہو جائیں گی جو اس کالے رنگ والی جڑی بوٹی اور مسالے سے اپنے بالوں کو خضاب کیا کرینگی کبوتر کے پوٹوں کی طرح وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔ اس حدیث کا معنیٰ اور شرح۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سیاہ خضاب لگانا بتائی کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ مسلمان ایسے بھی پیدا ہو جائیں گے جو سیاہ خضاب کو جائز سمجھ کر لگائیں گے اور اپنے بالوں کو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ کرتے پھریں گے۔ وہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے شارحین حدیث نے اس جملے کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں ۱ وہ جنت میں تو جائیں گے مگر جنت کی یا جنت کی چیزوں پھول پھل فروٹ دودھ شہد وغیرہ کی روح پرور خوشبو سے تا ابد محروم رہیں گے۔ اور یہ بڑی محرومی ہو گی ۲ یا یہ جملہ محاورۃً استعمال فرمایا گیا کہ جنت سے اتنی دور کسی اور عالم میں ان کو چند یومی سزا ملے گی جہاں وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکیں گے۔ دوری کا فاصلہ بتانا مقصود ہے۔ (از حاشیہ ابو داؤد و نسائی) ۳ یا یہ زمانہء قبر و حشر کی کیفیت بتائی جا رہی ہے۔ اور میت شخص کے لیے یہ محرومی بھی ایک سخت عذاب ہے۔ یہاں حدیث پاک

میں خضاب کی سیاہی کو کبوتر کے پوٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ دنیا میں کبوتر بہت سی قسم کے ہوتے ہیں تقریباً اسی نوے ۹۰ قسم کے کبوتر تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے جن میں ہر رنگ کے کبوتر ہیں اور مختلف جسامت والے ۱۹۹۱ء میں منیٰ کے برآمدے میں دوپہر کے وقت میں نے چڑیا کے برابر کبوتر جوڑے دیکھے اور اپنے ساتھیوں کو دکھائے سب نے عرب کے ان کبوتروں پر تعجب کیا۔ عرب میں ہی بالکل سخت سیاہ کبوتر بھی پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض کبوتر اتنے سخت کالے پروں والے ہوتے ہیں کہ ان کی کھال بھی سیاہ ہوتی ہے۔ یہاں کالے خضاب سے منہ کالا کرنے والوں کو کبوتروں کے پوٹے سے تشبیہ دینے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں ۱۔ یا اس لیے کہ جس طرح کبوتروں کے سیاہ پوٹوں کی دیگر پروں کے علاوہ اُن کی کھال بھی سیاہ ہوتی ہے اس طرح کالا خضاب لگانے والوں کے بال بلکہ نیچے کی کھال بھی سیاہ ہو جاتی ہے بلکہ یہاں تو دل بھی سیاہ ہو جاتا ہے ۲۔ یا اس لیے کہ جس طرح کبوتر کا پوٹا بھرا ہو تو بہت گردن اکڑا اکڑا کر چلتا ہے اس طرح یہ بڈھے میاں بھی بال سیاہ کر کے مغرور ہو کر اپنی جوانی دکھاتے پھرتے ہیں ۳۔ یا اس لیے کہ عام جنگلی کبوتروں کے پوٹے پر دیگر پروں کے علاوہ ذرا سی ہلکی سیاہی ہوتی ہے۔ تو ارشادِ نبوی کا ارشارہ اس طرف ہے کہ خالص سیاہی اگر ہلکی بھی ہو گئی تب بھی حرام ہے اِس حدیث پاک میں بِهٰذَا السَّوَادِ۔ کے سخت تاکیدی اشارے سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ جنت کی خوشبو نہ پانا اِسی کالے خضاب لگانے کی وجہ سے ہے۔ یہ خضاب لگانے کا ذکر اُس قوم کی نشاندہی یا شناخت کی وجہ سے نہیں جیسا کہ بعض احمق لوگوں نے یہ مطلب نکالا ہے۔ اگر خضاب کا ذکر صرف شناخت کے لیے ہوتا تو جنت کی خوشبو نہ پانے کی وجہ ضرور بتائی جاتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے وعیدی عذاب کا ذکر کر دیا جائے اور اُس کی وجہ نہ بتائی جائے ماننا پڑے گا کہ یہ وجہ یہی کالا خضاب ہے۔ اور انشاء اللہ یہ بدنصیب کالا خضاب لگانے والے لوگ کل قیامت میں سر پکڑ کر روئیں گے کوئی بھی اس حرام کام کرنے کی سزا سے نہ بچ سکے گا۔ خواہ کوئی پیر فقیر ہو یا مولوی خطیب۔ دنیا میں تو توڑ موڑ کر کے دلیلیں بنا سکتے ہیں آخرت میں یہ ہیرا پھیری نہ چلے گی۔ (تیسری دلیل۔ مسند احمد رضی اللہ عنہ بن حنبل رضی اللہ عنہ میں ہے حدیث نمبر ۳

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ وَ لَا تَقْرِبُوا السَّوَادَ۔ ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑھاپے تبدیل کرو۔ لیکن سیاہی کے قریب بھی مت جانا۔ چوتھی حدیث پاک حاکم مستدرک جلد سوم ص۲۰۲ اور طبرانی نے معجم کبیر میں حدیث شریف بیان فرمائی۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَلصُّفْرَۃُ خِضَابُ الْمُؤْمِنِ وَالْحُمْرَۃُ خِضَابُ الْمُسْلِمِ وَالسَّوَادُ خِضَابُ الْکَافِرِ۔ ترجمہ:۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرمایا آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا خضاب پیلا رنگ بالوں کا خضاب لگانا ہے۔ اور عام مسلمانوں کا خضاب سرخ رنگ لگانا ہے۔ کفار کا خضاب کالا رنگ لگانا ہے دونوں حدیثوں کی مختصر شرح۔ سب سے بدترین رنگ بالوں کے لیے کالا خضاب ہے اس سے جتنا دور ہٹا جائے ہٹنا چاہیئے اس لیے متقی مومن لوگ اس حرام سیاہ خضاب سے دور ہٹنے کے لیے سرخ رنگ کا خضاب بھی نہیں لگاتے اس لیے کہ سرخ رنگ سیاہی کے قریب ہے سرخی کو جتنا تیز کیا جائے وہ سیاہی بنتی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا منشا یہ ہے سیاہی سے بھی بچنا تقویٰ ہے جو مومن کی احتیاط ہے سرخی کو جتنا ہلکا کیا جائے وہ پیلا رنگ بنتا جاتا ہے۔ اور اس طرح سیاہی بلکہ اُس کی جھلک سے بھی کافی دوری ہو جاتی ہے اس طرح۔ لَا تَقْرَبُوا السَّوَادَ۔ والی حدیث پاک پر مکمل عمل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سرخ رنگ سے خضاب بھی شرعاً بالکل جائز ہے۔ اس لیے جو شخص سرخ خضاب لگائے تو جواز کی حد تک اس کو فائدہ ہوگا۔ حدیث نمبر ۵۔ لیکن تقویٰ مومن کے زمرے میں احتیاط کا ثواب نہ ملے گا۔ چوتھی دلیل۔ امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حدیث بیان فرمائی۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَلشَّیْبُ نُوْرٌ مَنْ خَلَعَ الشَّیْبَ فَقَدْ خَلَعَ نُوْرَ الْاِسْلَامِ۔ ترجمہ۔ بالوں کی بوڑھی سفیدی نور ہے جس نے اُس کو چھپایا۔ یعنی ختم کیا اُس نے اسلام کا عطا کردہ نور ختم کیا۔ (اور یہ ہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے) مختصر شرح۔

علامہ محمد حنفی علیہ الرحمۃ اسی کتاب میں اسی مقام پر حاشیے میں اس کی شرح فرماتے ہیں۔ لہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مَنْ خَلَعَ الشَّیْبَ اَیْ اَزَالَہٗ فَسَتَرَہٗ بِاَنْ خَضَبَہٗ بِالسَّوَادِ فِیْ غَیْرِ جِہَادٍ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے بالوں کی سفیدی کو زائل کر دیا چھپا دیا۔ یعنی لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا۔ اور یہ لوگوں کو دھوکا دینا ہے اسی وجہ سے غالبا کالا خضاب حرام ہوا ہے۔ امام مناوی فقیہ اُمت علیہ الرحمۃ اور علامہ عزیزی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فَنَتْفُہٗ مَکْرُوْہٌ۔ وَصِبْغُہٗ بِالسَّوَادِ لِغَیْرِ الْجِہَادِ حَرَامٌ۔ ترجمہ۔ سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے اور سیاہ خضاب لگانا جہاد کی حالت کے علاوہ حرام ہے یعنی مجاہد کے لیے بھی کسی حالت میں کالا خضاب جائز نہیں۔ صرف میدانِ جہاد میں جب کفار کا سامنا کرنا ہو۔ اس لیے کہ کالا خضاب سراسر دھوکا دینا ہے اور کفار کو بحالتِ جنگ اپنی جوانی کا دھوکا دینا جائز ہے کیونکہ جوانی ہاتھ پاؤں کی طاقت کی نشانی ہے خیال رہے کہ مجاہد کے لیے صرف بحالتِ جنگ سیاہ خضاب کا جواز بھی احادیث سے ثابت نہیں ہے یہ فقہاءِ کرام کا استنباطی مسئلہ ہے۔ نیز سفیدی اور بڑھاپے کے بالوں کو بدلنا صرف کالے رنگ سے ہوتا ہے پیلا یا سرخ رنگ بڑھاپا نہیں بدلتا۔ اس لیے کہ بالوں کا اصلی رنگ جوانی میں کالا اور بڑھاپے میں سفید ہوتا ہے۔ پیلا یا سُرخ رنگ کسی بھی انسانی بالوں کا کبھی کسی عمر میں نہیں ہوتا اس لیے پیلا یا سرخ رنگ بڑھاپے کے لیے دھوکا نہیں بن سکتا۔ اسی وجہ سے حرام بھی نہیں۔ پانچویں دلیل۔ حدیث نمبر ۶ اس کو مسند دیلمی نے صحیح کہا ہے مسند دیلمی جلد پنجم صفحہ ۳۰ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ نَجَّارٍ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلم اَوَّلُ مَنْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ ابراھیم عَلَیْہِ السَّلَام وَاَوَّلُ مَنْ اِخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ۔ ترجمہ۔ سب سے پہلے بالوں کو مہندی اور کتم کی گھاس سے جس نے رنگ کیا وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور سب سے پہلے جس نے کالا خضاب لگایا وہ فرعون تھا۔ مختصر شرح۔ اوّلاً تو ایمانی عرفانی عقلِ سلیم والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام

اور خاص کر آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات کوئی تاریخ بتانے یا قصہ گوئی حکایت سازی کے لیے نہیں اور انبیاءِ کرام علیہم السّلام مؤرخ و قصّہ گو بن کر تشریف نہیں لاتے بلکہ ان پاکیزہ مقدس ہستیوں کا ہر قول و کلام قانونِ الٰہی اور حکم شریعت و مسئلہ دینی ہوتا ہے خواہ کسی وقت کسی جگہ کسی بھی انداز یا کسی بھی طرزِ بیانی سے ارشاد ہو۔ لہٰذا یہ مندرجہ بالا حدیث مطہرہ اَوَّلُ مَنْ خَضَبَ۔ (الخ) بھی اگرچہ بطرزِ خبرِ اطلاعی بیان فرمائی گئی ہے مگر اس سے مقصود تاریخی معلومات نہیں بلکہ تا قیامت ایک شرعی قانون بیان فرما دیا گیا۔ اور علماءِ مجتہدین نے اِس حدیث پاک سے تین مسئلے مستنبط فرمائے۔ پہلا مسئلہ یہ کہ حناء و کتم سے ملا کر خضاب کرنا جائز اور مستحسن ہے کیونکہ اس سے سیاہی بالکل نہیں آتی بال سرخی نیز ہوتی ہے اور سفید بالوں کو سرخ کرنا دھوکے بازی نہیں لہٰذا حرام بھی نہیں کالا رنگ کرنا اس لیے حرام کہ وہ دھوکے بازی اور بد دیانتی ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ اس حدیث شریف میں کالے خضاب سے مسلمانوں کو نفرت دلانا ہے کیونکہ کفار کے اعمال و کردار مومن مسلمان کے لیے یقیناً قابلِ نفرت ہونا چاہئیں۔ تیسرا مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانۂ مقدسہ سے لے کر زمانۂ موسیٰ علیہ السّلام تک اور زمانہ موسوی سے زمانۂ اسلام تک ہزاروں بلکہ لاکھوں انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اولیا علما صالحین دنیا میں گزرے مگر اس فرمانِ عظمت تک کسی نے بھی کالا خضاب نہ لگایا ورنہ اولیت فرعون کو نہ ملتی۔ اور حدیث پاک میں بطور نشانی فرعون کا ذکر نہ ہوتا اور اگر فرعون کے بعد کسی اور مسلمان نے لگایا ہوتا۔ تو دوسرے نمبر پر اس کا بھی ذکر ہوتا مگر احادیث میں کسی مسلمان مومن کے لگانے کا ذکر نہیں۔ اس حدیث پاک کی طرز بیانی بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی عالم سے عرض کرے کہ میں اپنے ماتھے پر تلک لگاؤں کیا اجازت ہے یا کوئی اجازت چاہے کہ میں ہاتھ میں کڑا پہن لوں۔ یا سکھوں کی طرز پر پگڑی باندھ لوں تو یہی کہا جائے گا کہ دیکھو بھئی یہ ہندؤں اور سکھوں کی نشانی ہے۔ یعنی اس سے بچو۔ ورنہ لوگ ہندو یا سکھ سمجھیں گے۔ چھٹی دلیل۔ حدیث ۷ طبرانی شریف جلد سوم میں بسندِ حسن ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ فَلَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ خَلَاقٌ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے بالوں کا مُثلہ کرے یعنی بگاڑے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لیے اُخروی ثواب کا کوئی حصہ نہیں۔ مختصر شرح۔ شرح تیسیر میں فرمایا کہ بالوں کا مُثلہ تین قسم کا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ قولہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ اَیْ غَیَّرَہٗ مُثْلَۃً بِالضَّمِّ بِاَنْ نَتَفَہٗ اَوْحَلَقَہٗ مِنَ الْخُدُوْدِ اَوْغَیَّرَہٗ بِالسَّوَادِ ترجمہ۔ داڑھی وغیرہ بالوں کا مُثلہ یہ ہے کہ یا ان کو اکھاڑے یا منڈائے یا کالا خضاب لگائے۔ ساتویں دلیل، طبقات ابن سعد جلد پنجم صفحہ ۱۴۰ پر ہے

حدیث ۸۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی علیہ وسلم عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ منع فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالا خضاب لگانے سے۔ اس سے بحث نہیں کہ خضاب کس چیز سے لگاؤ کس چیز سے نہ لگاؤ۔ ہم حنا کتم وسمہ نیل وغیرہ کی چھان بین میں نہیں پڑتے نہ ان اُلجھنوں پریشانیوں کی ضرورت نہ کتب لغات کی جامہ تلاشی لینے کی حاجت۔ نہ لوگوں کی عملی علمی اور شرعی عبارتوں میں پھنسنے کا وقت ہے حرمت تو کالے رنگ میں ہے اگر کسی شخص نے اپنے بالوں پر دوات کی سیاہی لگالی اور سفید بالوں کو کالا کر لیا تب بھی یہ فعل حرام ہوگا۔ نیز مجھے اس فتویٰ لکھنے میں وقت خرچ کرنے سے یہ غرض نہیں کہ کوئی ضد میں بھرا ہوا عالم خطیب امام یا کسی پیر کا مرید میرے اس فتوے کو مانتا ہے یا نہیں مجھ کو اپنی اور اپنی قوم مسلم کی نمازوں کی فکر ہے فی زمانہ ایک پنج وقتہ نماز ہی تو مومن کا سرمایۂ آخرت رہ گیا ہے اور یہی تو عملِ صالحہ باقی بچا ہے اگر اس کو بھی یہ مسجدوں کے امام وخطبا اپنے بالوں پر حرام خضابِ سیاہ لگا کر اپنی اور ہم مقتدیوں کی نمازیں برباد کردیں۔ تو ہم بے چارے مقتدی مسلمان تو مفت میں مارے گئے۔ میں ان ضدی مولویوں سے کہتا ہوں کہ تم شوق سے کالا خضاب لگاؤ۔ ہم تو تم کو کچھ نہیں کہتے مگر اپنے اس فعلِ بد سے ہمارا اور تمام مقتدیوں کا نقصان تو نہ کرو ان کی نمازیں تو برباد مت کرو۔ اگر کالا خضاب ضروری ہی لگانا ہے

تو امامت چھوڑ دو۔ اور نیز اپنے اِس برے عمل کے لیے بزرگوں کو ملوّث مت کرو کہ فلاں بزرگ ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ اِن لوگوں نے قبلہ حضرتِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی اس زمرے میں شامل کر دیا کہ وہ بھی سیاہ خضاب لگاتے تھے اور جائز جانتے تھے حالانکہ یہ قطعاً غلط اور الہام تراشی ہے جس کا کوئی تحریری ثبوت آج تک تلاش بسیار کے باوجود نہ مِل سکا اور نہ ان کو اس دھوکہ دہی کی ضرورت تھی۔ تصوراتی طور پر بھی جب انسان کالا خضاب لگا رہا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ مجھ کو جوان سمجھیں اور دھوکہ کھائیں احادیث مبارکہ تو اور بھی بہت ہی ہیں مگر ہم نے اتمام حجت کے لیے صرف یہ آٹھ حدیثیں نقل کر دیں یہ احادیث پاک اپنے اپنے مدارج میں محدثین کے نزدیک سنداً و متناً، رِوایتاً وَدَرایتاً۔ صحیح۔ حسن و مشہور ہیں۔ ان میں سے کوئی حدیث شریف ضعیف یا موضوع نہیں اس کی پوری تحقیق کر لی ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی روایت کو ضعیف۔ شاذ یا منکر کہے تو اُس کی اپنی عقل ضعیف ہے۔ صرف زبانی ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا ثبوت نہ دینا تو احمقانہ کردار ہے اگرچہ احادیثِ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مومن مسلمان کے لیے کسی اور قول و عقیدے کی ضرورت نہیں ایک مسلمان کے لیے تو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہی کافی۔ مگر فی زمانہ بعض لوگ حدیث پاک سن کر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ غالباً اسی زمانے کی طرف اُس حدیث پاک میں اشارہ فرمایا گیا کہ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ۔ یہ حدیث پاک تو ہم بچپن سے سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں مگر یہ گمان تک نہ تھا کہ اُس بدقسمت قوم میں ہمارے ہی گروہ کے امام و خطیب وغیرہ شامل ہوں گے۔ مجھے اس کتاب کا لا ٹو دیکھنے کی اس لیے بھی ضرورت پیش آئی کہ یہ کتاب ظاہراً اُس انداز میں لکھی گئی کہ عام آدمی اُس کو پڑھ کر مرعوب ہو جائے اور عاشقانِ خضابِ سیاہ اس کو اپنی بہت بڑی ڈھال اور سند سمجھ بیٹھیں۔ حالانکہ ذرا سا غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب اور اس کے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ پائیدار نہیں بلکہ یہ کتاب سراسر خود ہی خضابِ سیاہ ہے۔ احادیث مبارکہ کے بعد اگر مسلمانوں کے پاس دلائل ہیں تو وہ فرمودات مجتہدین اور اقوالِ ائمہؒ اربعہ ہی ہیں۔ ان ہی اقوال و فرمودات کی تقلید سے مسلمان

حنفی مالکی شافعی حنبل بنتے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس لیے اب ہم مجتہدین کرام کے فرامین سے حرمتِ خضاب سیاہ کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ بیروت کی طبع کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد دوم کے ص ۴۶ اور ص ۴۷ پر اس کے مصنف علامہ امام عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں کہ چاروں ائمہ کالا خضاب لگانا ناجائز فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ۔ اَلْمَالِکِیَّۃُ یُکْرَہُ تَنْزِیْھًا لِلرَّجُلِ صَبَاغَۃُ شَیْبِہٖ بِالسَّوَادِ وَمَحَلُّ الْکَرَاھَۃِ اِذَا لَمْ یَکُنْ ذَالِکَ لِغَرَضٍ شَرْعِیٍّ کَارْھَابِ عَدُوٍّ فَاِنَّہٗ لَاحَرَجَ فِیْہِ بَلْ یُثَابُ عَلَیْہِ وَاَمَّا اِذَا کَانَ لِغَرَضٍ فَاسِدٍ کَاَنْ یَّغُشَّ اِمْرَأَۃً یُرِیْدُ زَوَاجَھَا فَاِنَّہٗ یَحْرُمُ۔ (اَلْحَنَفِیَّۃُ) قَالُوْا وَکَذَا یُکْرَہُ لَہٗ صَبَاغَۃُ شَعْرِہٖ بِالسَّوَادِ۔ (اَلْحَنَابِلَۃُ) قَالُوْا یُسَنُّ الْخِضَابُ بِالْحِنَاءِ وَنَحْوِھَا کَالزَّعْفَرَانِ اِنَّمَا الصَّبَاغَۃُ بِالسَّوَادِ فَاِنَّہٗ مَکْرُوْہٌ مَا لَمْ یَکُنْ لِغَرَضٍ شَرْعِیٍّ فَاِنَّہٗ لَا یُکْرَہُ اَمَّا اِذَا کَانَ لِغَرَضٍ فَاسِدٍ کَالتَّلْبِیْسِ عَلَی اِمْرَأَۃٍ یُرِیْدُ زَوَاجَھَا فَاِنَّہٗ یَحْرُمُ (اَلشَّافِعِیَّۃُ) قَالُوْا یُکْرَہُ صَبَاغَۃُ اللِّحْیَۃِ وَالشَّعْرِ بِالسَّوَادِ اِلَّا الْخِضَابُ بِالصُّفْرَۃِ وَالْحُمْرَۃِ فَاِنَّہٗ جَائِزٌ۔ ترجمۃ۔ یعنی چاروں ائمہ اسلامیہ کے نزدیک کالا خضاب لگانا حرام مکروہ اور ناجائز ہے۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے بلکہ حرام ہونا متفق علیہ ہے۔ دلیل آٹھویں۔ مسلک حنفی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی کالا خضاب لگانا حرام ہے۔ فقہ حنفی کی صحاح ستہ ۱ فتاوی درمختار شامی ۲ فتاوی عالمگیری ۳ فتاویٰ فتح القدیر ۴ فتاویٰ بحرالرائق ۵ فتاویٰ قاضیخان ۶ فتاویٰ بزازیہ۔ اور فتاویٰ امام محمد کے ظاہر روایت میں کالے خضاب لگانے کو حرام اور مکروہ تحریمی لکھا ہے ان فقہاءِ احناف کے فرمودات ہی مسلک حنفی ہے اور پھر اس زمانے میں امام احمد رضا مجدد ملت سے بڑا حنفی کون ہے آپ نے تو حرمتِ خضاب سیاہ کے بارے میں نہایت مضبوط دلائل سے ایک کتاب لکھ دی جس کا نام مبارک حَکُّ الْعَیْبِ فِیْ حُرْمَۃِ تَسْوِیْدِ الشَّیْبِ۔ ہے۔ تمام فقہاءِ احناف کی عبارات کا خلاصہ فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت ہے جلد ۴ ص ۱۳۹ پر ہے

وَ اَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ (الخ) فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ لِيُزَيِّنَ نَفْسَهٗ لِلنِّسَاءِ اَوْ يُحِبُّ نَفْسَهٗ اِلَيْهِنَّ فَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ۔ ترجمہ جو مرد مسلمان کالا خضاب صرف عورتوں کے لیے لگائے۔ جہاد میں جانے کے وقت یا کفار کے رکھا وے کے لیے نہ ہو تو اس کو کالا خضاب مکروہ تحریمی یعنی حرام ظنی ہے۔ نویں دلیل۔ مسلک مالکی۔ حضرت امام علامہ محی الدین شرف الدین ابو زکریا نووی شارح مسلم شریف جن کے متعلق مشہور ہے مالکی مسلک کے تھے بعض لوگوں نے ان کو شافعی المذہب لکھا ہے واللہ اعلم اپنے مذہب کے نہایت مستند فقیہ تھے۔ وہ شرح مسلم جلد دوم ص۱۹۹ مطبوعہ سعید کراچی میں لکھتے ہیں وَ يَحْرُمُ خِضَابُهٗ بِالسَّوَادِ عَلَى الْاَصَحِّ وَقِيْلَ يُكْرَهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيْهِيَّةً وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيْمُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهٰذَا مَذْهَبُنَا وَقَالَ الْقَاضِيْ اِخْتَلَفَ السَّلَفُ (الخ) هٰذَا مَا نَقَلَهُ الْقَاضِيْ وَالْاَصَحُّ وَالْاَوْفَقُ لِلسُّنَّةِ مَا قَدْ مَنَاعَنْ مَذْهَبِنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ترجمہ۔ اور قطعاً حرام ہے کالا خضاب لگانا۔ صحیح مذہب میں اور (بعض مجہول افراد کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور صحیح (مختار (سب فقہا کا اختیار کیا ہوا) مذہب یہ ہی ہے کہ کالا خضاب حرام ہے اس فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کہ اور بچتے رہنا ہمیشہ خضاب کی سیاہی سے۔ یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔ لیکن قاضی نے کہا ہے کہ گزشتہ کچھ لوگوں نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے یہ باتیں تو قاضی کی نقل کردہ ہیں۔ مگر صحیح سچا اور سنت کے مطابق وہی مذہب ہے جو ہم نے ابھی پہلے بیان کیا جو ہمارا مذہب ہے۔ اس تمام عبارت سے کتنا صاف ثابت ہوا کہ امام مالک اور یا امام شافعی (بقول شخصے) کا مذہب بھی یہ ہے کہ کالا خضاب لگانا حرام ہے امام نووی اپنے امام مالکؒ یا شافعیؒ کا مذہب اس ابو قحافہ والی حدیث وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ سے استنباط و استعمال کر کے بیان فرما رہے ہیں۔ اور قاضی کی بات کی سخت الفاظ میں تردید فرما رہے ہیں۔ دسویں دلیل۔ امام شافعی کا مسلک۔ فتاویٰ بجوری جلد دوم ص۱۶۶ پر ہے۔ وَالْخِضَابُ بِالسَّوَادِ حَرَامٌ عِنْدَ الْجَمَاهِيْرِ وَوَرَدَ

عَلَیْہِ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ فِی الْاَحَادِیْثِ۔ ترجمہ۔ سیاہی سے خضاب لگانا حرام ہے ہر مسلک کے جمہور فقہا علما کے نزدیک اور احادیث مبارکہ میں تو اِس خضاب سیاہ لگانے پر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ گیارھویں دلیل، مسلک حنبلی ابھی پہلے مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ یَکُوْنُ قَوْمٌ فِی آخِرِ الزَّمَانِ (الخ) والی حدیث ہم نے بیان کر دی اس سے بھی حنبلی مذہب واضح وثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی کالا خضاب حرام اور باعث عذاب ہے ومحرومی جنت ہے چنانچہ فتح الباری جلد دھم ص۳۵۴ پر امام احمد وامام شافعی کا مذہب ان لفظوں سے نقل فرمارہے ہیں وَفِی السَّوَادِ عَنْہُ کَالشَّافِعِیَّۃِ رِوَایَتَانِ۔ اَلْمَشْہُوْرَۃُ یُکْرَہُ وَقِیْلَ مُحَرَّمٌ۔ نیز حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ والی حدیث امام احمد نے نقل فرمائی۔ اور اس میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کے الفاظ ہیں ان الفاظ سے فقہا نے حرمت کا استدلال کیا ہے۔ امام احمد حنبل بھی اسی سے حرمت کا استدلال فرماتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ ابھی تک دلائل سے ہم نے ثابت کر دیا کہ احادیث میں بھی خضاب سیاہ سے سخت نفرت وممانعت فرمائی گئی اور آئمہ اربعہ کے مذاہب سے بھی حرمت خضاب ثابت اب اگر اب بھی کوئی نہ مانتے ضد پر اڑا رہے تو وہ منکر احادیث ہونے کی گستاخی وگمراہی کے علاوہ اپنے امام مذہب کی تقلید سے منہ موڑ کر انحراف کر رہا ہے اور دین میں نئے فرقے کو جنم دے رہا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

اِن گیارہ دلائل کے بعد اب ہم عَلاّمہ خطیب پاکستان اکاڑوی نقشبندی صاحب مرحوم کی اِس کتاب کا مکمل طور پر تردیدی جواب دیتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے دو باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائیں۔ (پہلی بات) یہ کہ اِس کتاب میں مندرجہ ذیل کمزوریاں ہیں (۱) ایک کمزوری یہ کہ اس کے بعض حوالے غلط ہیں ان کتابوں میں وہ عبارتیں سرے سے ہی نہیں ہیں جو اس کتابچہ میں بڑے فخر سے لکھ دی گئی ہیں (۲) دوسری یہ کہ کچھ عبارتوں کا مطلب اور معنیٰ مصنف نے نہیں سمجھا اور اوٹ پٹانگ الفاظ لکھ کر دلیل بنانے کی کوشش بے فائدہ کی (۳) کچھ حوالے ایسے پیش کئے گئے ہیں کہ اس مصنف کی اصل مسلکی عبارت چھوڑ کر دہ عبارت درج کر دی جس کی خود صاحب کتاب تردید کر رہے

ہیں ۴ چوتھی کمزوری یہ کہ بعض حوالوں میں توڑ موڑ کر کے خیانت کی گئی ہے ۵ اپنا باطل نظریہ بچانے کے لیے جھوٹی من گھڑت روایتوں کا سہارا پکڑا گیا ہے ۶ چھٹی کمزوری یہ کہ بعض بڑوں کی طرف بلا ثبوت اور غلط بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ بھی خضابِ سیاہ لگاتے تھے اور جواز کے قائل تھے حالانکہ آج تک اِس کا کوئی ثبوت پیش نہ سکا ۷ ساتویں کمزوری یہ کہ بعض عبارتوں کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے ۸ آٹھویں یہ کہ صحیح احادیث کو صرف اپنی مطلب برآری کے لیے نہایت خستہ اور غلط انداز میں غیر صحیح کہا گیا ہے ۹ بعض جگہ حدیث پاک کو صحیح مانتے ہوئے اس میں غلطی نکالی گئی۔ (العیاذ باللہ) غرض کہ مصنفِ کتاب ھٰذا نے اللہ رسول سے بے خوف ہو کر نہایت غصیلے اور جذباتی انداز میں اپنی پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس تصور سے یہ کتابچہ لکھی ہے کہ گویا اِس وقت پورے جہان میں اِس کتاب کا تردیدی جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ کاش اِس وقت علامہ بقید حیات ہوتے تو تحریر سے پہلے لفظاً، تقریراً و مکالمتہً اُن سے گفتگو ہو جاتی میں یقین کرتا ہوں کہ حضرت علامہ خطیب کراچی صاحبِ مضمون مرحوم اپنی اس تحریر سے ضرور رجوع فرما لیتے اور اُن کو اپنی علمی فکری تحریری کمزوریوں کا شدت سے احساس ہو جاتا۔ بہرکیف اب ہم اگلی سطور میں تردیدی جواب کے ساتھ ان کمزوریوں کی با دلائل نشاندہی بھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ دوسری دلیل۔ یہ کہ کسی ایک حدیث شریف میں بھی کالے خضاب کا جواز ثابت یا مذکور نہیں نہ ہی اِس کتاب میں کوئی حدیث پیش کر سکے۔ صرف ایک من گھڑت اور موضوع روایت کو ابن ماجہ سے پیش کر کے فخریہ سہارا حاصل کر رہے ہیں حالانکہ تمام محدثین اس روایت کو غلط اور ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ ثابت کیا جائے گا تقریباً اٹھارہ ۱۸ احادیث مبارکہ میں حرمتِ خضابِ سیاہ مذکور ہے۔ یہاں تک کہ کسی مجاہد کے لیے بھی کسی جنگ کی حالت میں کالا خضاب لگانے کی اجازت کسی حدیث پاک سے صراحتاً ثابت نہیں۔ مجاہدین کو صرف بحالتِ جہاد کالے خضاب کی اجازت فقہاء کرام نے ایک حدیث سے استنباط کر کے دی ہے گویا کہ مجاہد کو کالے خضاب کی اجازت ملنا فقہی اور استنباطی مسئلہ ہے نہ کہ حدیث و قرآن کا یہ باتیں تمام مسلمانوں کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئیں اور یہ استنباط اس حدیث پاک سے مستنبط فرمایا گیا کہ جنگ میں دھوکہ دینا جائز ہے

تو چونکہ سیاہ خضاب سراسر دھوکے بازی ہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اس لیے کفار پر اپنی جوانی کا دھوکہ ڈالنے کے لیے جائز ہوا اور جس طرح دیگر مسلمانوں کو دھوکہ دینا جائز نہیں اسی طرح خضاب کالا لگانا بھی جائز نہیں خاص کر نکاح کرنے کے لیے کسی عورت یا اس کے لواحقین کے سامنے کالا خضاب لگا کر جانا تو بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ مگر عیش پرست لوگ اس کو نہیں سمجھیں گے۔ مندرجہ بالا فتوے کا خلاصہ۔ اس فتوے میں پانچ چیزیں بیان کی گئیں اوّلاً یہ کہ احادیث مبارکہ میں خضاب سیاہ کی صرف حرمت اور ممانعت ہی مذکور ہے۔ جواز یا تحسین کا کسی بھی شخص کے لیے کسی بھی وقت کسی بھی حالت میں کوئی ذکر نہیں لہٰذا جو شخص مرد مسلمان کالا خضاب لگائے وہ سراسر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ اور شریعت کا مقابلہ۔ ثانیاً یہ مجاہد کے لیے کالا خضاب لگانا احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ یہ فتاویٰ فقہاءِ کرام کا استنباطی مسئلہ ہے اور اس میں بوقتِ مجبوری کی شرط کے ساتھ سینکڑوں قیدیں لگائی گئیں ہے مثلاً ۱ جہاد کے لیے نکلتے وقت لگائے ۲ سب بال سفید ہوں تب لگائے ۳ سفر میں کالا خضاب ساتھ رکھے تاکہ آدھا کالا آدھا چٹا نہ بن سکے اور بجائے دشمن پر رعب ڈالنے کے خود مذاق ہی نہ بن جائے ۴ جہاد سے واپس آکر مجاہد کے لیے بھی کالا خضاب حرام ہے اور فی زمانہ مجاہدین کے لیے کالا خضاب جائز نہیں کیونکہ آج کل کے جہاد کی نوعیتیں ہی بدل گئی ہیں نہ آج کل دوبدو آمنے سامنے لڑائیاں ہوتی ہیں نہ تیر تلوار چلانے کی مشقت کے بہادرانہ مظاہرے بلکہ آج کل تو سفید بال آنے سے پہلے پہلے فوجی کو نوکری سے سبکدوش در یٹائر کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے آج کل میدان جہاد میں بھی کالا خضاب جائز نہیں۔ ثالثاً اپنی بیوی کے دکھلاوے کے لیے یا دوسری کرنے کے لیے خضاب سیاہ لگانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ سراسر دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے۔ رابعاً یہ کہ کالے خضاب میں زینت نہیں ہے بلکہ بدزینتی ہے کیونکہ خضاب سے نیچے کی کھال بھی سیاہ ہو جاتی ہے۔ اور چند دن بعد جب کہیں کہیں سفید بال ظاہر ہوتے ہیں تو آدھا تیتر آدھا بٹیر بن کر انسان زیادہ بدصورت لگتا ہے۔ بلکہ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔ خامساً یہ کہ کسی بھی بزرگ مشائخ یا علماء نے کبھی کالا خضاب نہ لگایا نہ ہی جائز کہا یہ جو بعض لوگ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی جانب

جواز کا فتویٰ منسوب کرتے ہیں یہ سراسر جھوٹ اور مطلب برآری کے لیے اِتہام کاذبہ ہے نہ عملاً ثابت نہ تحریراً اس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ اگلی سطور میں کی جائے گی ہاں البتہ پہلے زمانوں کے فقہاء کرام علیہم الرضوان اپنی اپنی کتب میں حرمت خضاب یا کراہتِ خضابِ سیاہ کا ذکر کرنے کے بعد قَالَ بَعْضُ یا قِیْلَ کے صیغہائے تمریض سے کچھ مجہول لوگوں کا ذکر کرتے ہیں کہ بعض غیر معروف لوگوں نے اس کو جائز کہا ہے تو یہ کوئی دلیل یا سند نہیں ایسے تخریب کار فاسقین تو ہوتے ہی رہتے ہیں حدیثِ رسولُ اللہ کے مقابل ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

علامہ خطیب مصنف صاحب اکاڑوی کی کتاب خضاب سیاہ کا تردیدی جواب

غلطی نمبر۱:۔ اس کتاب کے سرورق (ٹائٹل) پر لکھا ہے۔ مجدد مسلک اہل سنت۔ **جواب**۔ یہ لقب دینا قطعًا جھوٹ اور غلط ہے۔ بلا ثبوتِ شرعی کسی کو مجدد کہنا گناہ ہے۔ خاص کر نقش بندی حضرات تو مجددِ الف ثانی کے بعد کسی کو بھی مجدد نہیں مانتے۔ اگر علامہ مرحوم حیاتِ ظاہری میں ہوتے تو یہ لقب کبھی نہ لکھنے دیتے نمبر۲ صفحہ نمبر۵ پر ایک سوال لکھا ہے جس میں چھ باتیں درج ہیں۔ جواب۔ سوال کی اس جذباتی اور غضبیلی طرز سے ہم متفق نہیں۔ مسائل میں گرم مزاجی نامناسب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ دین میں تشدد اور تندخوئی نہیں ہونی چاہئے اس لیے کہ اس کا اثر ہمیشہ اُلٹا ہوتا ہے۔ سوال اشتہاری کی سخت گیری کا ہی یہ اثر ہے کہ جواب میں خاصہ تشدد ہے۔ غلطی نمبر۳ صفحہ نمبر۶ پر الجواب کے ضمن میں سطر نمبر۲ میں لکھا ہے۔ جواب۔ اس طرح سیاہ خضاب بھی مجاہدین کے لیے بالاتفاق جائز ہے لیکن یہ جواز احادیث میں سے نہیں حدیث سے کبھی ثابت نہیں صرف فقہا کا استنباطی مسئلہ ہے وہ بھی کئی طرح کی قیود کے ساتھ گھر بیٹھے مجاہد کے لیے بھی جائز نہیں اسی صفحہ کی سطر نمبر۳ پر لکھا ہے۔ البتہ محض زینت کے واسطے سیاہ خضاب کرنے میں

اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک حرام ومکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے
جواب۔ یہ عبارت اگلی ساری کتاب کی بنیاد ہے اسی عبارت کو مصنف نے سہارا بنا کر یہ
کتاب اور اسی چند حرفی عبارت کی اساس پر اپنے اس کتابی گھروندے کو تعمیر کرنے کی
لغزش کر گئے۔ حالانکہ اسی ذرا سی ایک فطری عبارت میں بھی مصنف مرحوم نے تین لغزشیں
کیں۔ پہلی لغزش یہ کہ مصنف نے کالے خضاب کو زینت کا نام دیا۔ حالانکہ کالے خضاب
لگاتے ہیں تو تھوڑی سی بھول چوک سے چہرہ انتہائی بدصورت اور بھیانک ہو جاتا ہے
جیسا کہ خضاب زدہ لوگوں سے پوشیدہ نہیں۔ دوسری لغزش یہ کہ مصنف مذکور نے
فرمایا کہ بعض کے نزدیک حرام ومکروہ ہے۔ مصنف کی کتنی عجیب بھول ہے یا عمداً
لغزش ہے کہ خود اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر فتاوی عالمگیری اور فتاوی شامی
کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فَذَالِکَ مَکْرُوْہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمَشَائِخ اور
اسی طرح صفحہ ۱۴ پر اشعۃ اللمعات سے محدث اہل سنت حضرت عبدالحق دہلوی علیہ
الرحمۃ کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خضاب بسواد مکروہ بود نزد اکثر
مشائخ۔ ترجمہ تینوں عبارتوں کا۔) کہ عام اور اکثر مشائخ کے نزدیک سیاہ خضاب
مکروہ ہے۔ مگر یہاں لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک کالا خضاب مکروہ ہے (مکروہ
تحریمی جس کو اصطلاح فقہ میں حرام ظنی کہا جاتا ہے) کیا ہم سمجھ لیں کہ مصنف علّام
کا عام علم عام۔ اکثر اور بعض کے فرق سے بھی نا آشنا ہے۔ مصنف صاحب کو اتنا
بھی نہیں پتہ کہ اکثریت کا درجہ عند الاسلام و اسلامی فقہ میں کیا ہے۔ اس لیے اس بخت
فحش اور خود ساختہ غلطی کی نشاندہی اور اصلاح ضروری ہے۔ فقہاء کرام کے نزدیک
۱ لفظ عامۃ المشائخ سے جمہور فقہاء عظام مراد ہوتے ہیں۔ مصنف نے دونوں
مسئلوں یعنی سیاہ خضاب کے جائز و ناجائز ہونے میں۔ بعض۔ کہہ کر عمداً غلطی کا
ارتکاب کیا ہے جو امانت داری کے سراسر خلاف ہے۔ ۲ لفظ اکثر سے حکم شرعی کی
مراد کلیت ہوتی ہے چنانچہ علم اصول فقہ میں لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ۔ اکثر کو تمام افراد کا
درجہ دیا گیا ہے۔ لہٰذا عامۃ المشائخ اور اکثر مشائخ کا معنی ہوا کہ اسلام کے تمام
فقہا علما فضلا سیاہ خضاب کو مکروہ تحریمی ہی کہتے ہیں ۳ اصطلاح فقہ میں لفظ
بعض۔ لفظِ قیل۔ لفظ قَالَ بَعْضُ سے ایک یا چند مجہول اور غیر مشہور نامعتبر فرد

افراد اور لوگ مراد ہوتے ہیں جو خود مصنّف کتاب محولہ کے نزدیک مردود و ناپسندیدہ ہوتے ہیں ۔ ۴ اصطلاح فقہ میں لفظِ مکروہ مطلقاً سے مراد ہمیشہ مکروہ تحریمی لیا جاتا ہے ۔ ۵ اور مکروہ تحریمی سے مراد حرام ظنی ہوتا ہے ۔ فقہاء کرام کی یہ اصطلاحیں کتبِ اصول فقہ اور کتبِ فتاویٰ میں موجود ہیں ۔ مگر مصنفِ مذکور نے کراہت خضاب سیاہ کو منسوب الی البعض کر کے اپنی بے علمی اور اس بات کا ثبوت مہیا کیا کہ مصنف صاحب فقہاءِ عظام کی اِن اصطلاحات و کتبِ اصول سے بالکل ناواقف ہیں ۔ اگر خدانخواستہ واقعی ایسا ہی ہے تو پھر ایسی مشکل کتابیں لکھنے کا شوق ہی کیوں ہوا پہلے کتب بینی کرنی چاہیئے تھی تاکہ لکھنے میں احتیاط ہوتی ۔ ایسی بے احتیاطیاں تو مسلک کا سراسر نقصان و تضیع وقت ہے ۔ مصنف کی (نیسری غلطی) یہ کہ ۔ زینت کے واسطے سیاہ خضاب کرنے میں اختلاف ہے یہ بھی غلط ہے ۔ سیاہ خضاب کی حرمت اور کراہت میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اس غلطی سے یہ ثابت ہوا کہ مصنفِ صاحب کو فقہی لحاظ سے متفق علیہ ۔ اور مختلف فیہ کی تعریف نہیں آتی ورنہ وہ بعض ۔ بعض کہہ کر اس کو اختلافی مسئلہ نہ بناتے ۔ آج کل یہ عام رواج پیدا ہو گیا ہے کہ جس مولوی کو کوئی مسئلہ یاد نہ ہو اور غلط مسئلہ سنائے جب اُس کو ٹوکا روکا جائے تو جان چھڑانے کے لیے یہ ہی کہتا ہے کہ جناب یہ اختلافی مسئلہ ہے بالکل یہی روش اس کتاب میں اختیار کی گئی ہے اختلاف اختلاف کہہ کر مسئلے بتانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ۔ اسلام میں ہر چیز کے لیے ضابطے مقرر ہیں ضابطوں کو توڑنا مروڑنا فرقہ بازوں کا وطیرہ ہے خیال رہے کہ اختلافی مسئلہ صرف وہ ہوتا ہے جن میں آئمہ اربعہ کا اختلاف ہو اس طرح فقہ میں متفق علیہ مسئلہ بھی وہی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور یہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا کہ کالا خضاب لگانا ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل ۔ تمام کے نزدیک حرام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ حرمتِ خضاب کو اختلافی مسئلہ نہ فرمایا ۔ اس لیے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے نہ کہ اختلافی اس کے لیے مصنفِ مرحوم کو شرح نبراس اور عقودِ رسم المفتی جیسی قانونی کتابیں پڑھنی چاہیئے تھیں تب ایسی غلطی نہ فرماتے ۔ خیال رہے کہ مسئلہ کا اختلافی ہونا اور مسئلے میں مختلف اقوال ہونا اس میں فرق ہے ۔ ہمارے بھولے

بھائے مصنف کو بھلا ان باریکیوں سے کیا غرض کسی مسئلے میں مختلف اقوال ہونا اس کو اختلافی نہیں بناتا ورنہ تو پھر کوئی مسئلہ بھی متفق علیہ نہ ملے گا۔ اسلام کے ہر ہر مسئلے میں تخریب کار شامل ہیں۔ تاریخ ہو یا تفسیر شرح ہو یا فقہ وغیرہ وغیرہ۔ لطیفہ۔ اس طرح کا ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کراچی ہی کے ایک صاحب سے اچانک کسی نے سوال کر دیا کہ جناب بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا یہ کون سے ملک میں ہے سوء اتفاق سے خطیب صاحب کو اس کا علم نہ تھا مگر اس کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے اپنے مقتدیوں کے سامنے خفت اور شرمندگی محسوس کی۔ فوراً کہتے ہیں کہ یہ ملک عراق میں ہے۔ اس پر کسی دوسرے صاحب نے کہا کہ نہیں جناب یہ غلط ہے ابھی وہ شاید کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ خطیب صاحب نے فوراً فرمایا۔ دراصل یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اور اختلافی مسئلے نہ پوچھا کرو۔ اس طرح کہہ کر جان تو چھڑالی مگر بات بہت مشہور ہوئی۔ کچھ لوگوں کا یہ لفظ تکیہ کلام بن چکا ہے۔ اگر یہ حرمت خضاب کا مسئلہ اختلافی ہوتا تو مصنف صاحب کو چاہئے تھا کہ اس پر بھی کسی کتاب مستند کا حوالہ پیش کرتے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کی ممانعت پر صاف صاف احادیث کثیرہ صحیحہ وارد ہیں اس میں بعد والا کوئی شخص مجتہد یا فقیہ اختلاف کی جرأت کرے۔ احادیث مبارکہ کے صریحی حکم سے مخالفت تو کوئی گمراہ ہی کرسکتا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے نہ ہوسکتا ہے اس کو اختلافی کہنا مصنف مذکور کی خاصیت ہے۔ چوتھی غلطی۔ کتابچے کے صفحہ ۷ پر کچھ روایتیں نقل کی ہیں جس میں صرف خضاب کا ذکر ہے کسی رنگ کا ذکر نہیں صفحہ ۸ پر مصنف نے اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کو مطلق خضاب قرار دیا ہے۔ اور اپنی اس لغزش پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لو حضرات احادیث سے ہر قسم کے خضاب کی اجازت مل گئی اب کھلی چھٹی ہے خوب جی بھر کر من مانیاں کرلو اور اپنی بات پر آنکھیں بند کر کے فتح الباری شرح بخاری کا حوالہ بھی جڑ دیا۔ لکھتے ہیں۔ وَقَدْ تَمَسَّكَ بِهٖ مَنْ اَجَازَ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک اس حدیث سے تمسک کیا ہے اس نے جس نے کالے خضاب کی اجازت دی ہے۔ (جواب) اس عبارت سے مصنف مذکور کو یہ دھوکہ لگا کہ انہوں نے سمجھ لیا شاید فتح الباری شرح بخاری کے مصنف شارح

ابن حجر عسقلانی کا اپنا مذہب بھی خضاب سیاہ کے جواز میں ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مصنّف ابن حجر اس سے پہلے جمہور فقہا کا مسلک نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام عُلَما کے نزدیک کالا خضاب لگانا حرام یا مکروہ ہے۔ پھر بعد کی سطور میں اُس شخص کا مسلک نقل فرماتے ہیں جو جواز کا قائل ہے۔ اور یہ عبارت فقط اسی کے مسلک کی دلیل ہے۔ اور یہ تذکرہ تائید میں نہیں بلکہ تردید میں ہے کہ اس حدیث میں خضاب کے رنگ کے ذکر نہ فرمانے سے مخالف کو موقعہ ہاتھ لگ گیا اور فوراً اس روایت سے استدلال بنا بیٹھا کہ کالا خضاب جائز ہے شارح علیہ الرحمۃ تو اُس استدلال کرنے والے کی حماقت ظاہر فرمارہے ہیں ان الفاظ کی سنجی پر ذرا غور فرمایئے کہ اس حدیث سے تمسک کیا ہے۔ (فقط) اس نے جس (اکیلے) نے کالے خضاب کی۔ قَدْ تَمَسَّكَ اور مَنْ کی وحدت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُس بدبخت انسان کی جرئت تو دیکھو کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو منع فرمائیں اور وہ مقابلتاً اجازت دیتا پھرے۔ اسی کا نام ضلالت ہے۔ خیال رہے کہ شارحین اور مفسرین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر جائز ناجائز۔ صحیح وغلط۔ مقبول ومردود قول کو نقل کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کا اپنا مسلک اس میں شامل نہیں ہوتا۔ اُن کے مسلک کے لیے چند الفاظ مقرر ہیں۔ مثلاً ۱ عندا الجمہور ۲ عَلَيْهِ عَامَّةُ المشائخ ۳ وَالْاَصَحُّ ۴ وَمَذْهَبُنَا ۵ وَعِنْدَنَا ۶ وَ الْفَتْوٰى علیہ۔ انہی الفاظ میں مؤلف اور صاحبِ کتاب کا اپنا مسلک ہوتا ہے مردود اور غلط عقیدوں کو وہ قَالَ بَعْضُ، وعند البعض۔ وقیل جیسے تمریض کے صیغوں سے نقل کر دیتے ہیں یہی طریقہ فتح الباری میں ہے بلکہ تمام ان کتابوں میں ہے جن کے حوالے اس مصنف صاحب کی کتاب میں ہیں۔ مثلاً طبقات ابن سعد۔ عالمگیری۔ شامی۔ اشعت اللمعات وغیرہ۔ علامہ مرحوم نے یا تو بذاتِ خود ان کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا رسالوں یا کسی اور کتاب سے یہ حوالے نقل کر دئے ہیں یا سیاق وسباق پر نظر نہ ڈالی یا پھر جان بوجھ کر عبارات مردودیہ کو نقل کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا ہے۔ صاحب فتح الباری کا اپنا مسلک یہی ہے کہ کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے ہماری اس بات کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ علامہ مرحوم خود اسی صفحہ ۸ پر فتح الباری ہی کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت

ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بوڑھوں پر گزرے جن کی داڑھیاں سفید تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ۔ (بحوالہ مسند احمد۔ عینی شرح بخاری ص۵ اور فتح الباری ص۲۹۹ جلد ۱۰) ترجمہ۔ اے گروہ انصار اپنی داڑھیوں کو سرخ اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ اس حدیث پاک میں۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں جو خضاب لگانا ہے اُس کی وضاحت فرمادی گئی۔ کہ پہلی احادیث میں جو فقط خضاب کا ذکر ہے تو اُس کو کوئی اپنی حماقت سے مطلقاً نہ سمجھے نہ سیاہ خضاب کے جواز پر دلیل بنائے۔ نہ دھوکہ کھائے اور نہ دھوکہ دینے کی کوشش کرے بلکہ وہاں خضاب سے مراد حَمِّرُوا وَصَفِّرُوْا۔ والا۔ سرخ و زرد ہے۔ شارح علیہ الرحمۃ نے تو فَقَدْ تَمَسَّكَ و اے احمق شخص کی کمر توڑی ہے اور اُس کے تمسک کو باطل کیا ہے مگر وہ ہمارے علامہ مرحوم فتح الباری کا سہارا لے کر پھر اسی باطل کی طرف مائل ہو گئے فتح الباری میں جس کی تردید ہے۔ اور تمام شارحین اس غلط تمسک کی کیوں نہ تردید کریں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ مطلق کیا ہوتا ہے اور مقید کیا بلکہ آج مدرسے کا چھوٹا طالب علم بھی علم اصول فقہ اصول شاشی اور شرح تہذیب نور الانوار تلویح وغیرہ سے جانتا ہے کہ مطلق اور مقید کیا ہوتا ہے خیال رہے کہ کسی چیز کی ترکیب اضافی یا توصیفی چھوڑ دینے اور اس کو مفرد ذکر کر دینے سے وہ چیز مطلق نہیں بن جاتی بلکہ مطلق و مقید کے لیے کچھ شناختی شرائط ہیں جو اصول فقہ کی کتب میں درج ہیں مثلاً مطلق ہونے کی سات شناختی شرطیں ہیں۔ (۱) وہ چیز کسی مرکب اضافی کا مضاف نہ ہو۔ (۲) کسی مرکب توصیفی کا موصوف نہ ہو۔ (۳) کسی اسم اشارہ کا مشار الیہ نہ ہو۔ (۴) نکرہ معینہ نہ ہو۔ (۵) وہ چیز کسی معنوی اشارے سے بھی معین نہ ہو (یعنی ہاتھ یا آنکھ کے غیر لفظی اشارے سے نہ ہو) مثلاً اندھا آدمی کہے۔ یَا رَجُلاً خُذْ بِيَدِیْ اے مرد میرا ہاتھ پکڑ۔ یہاں رَجُلاً مطلق ہے لیکن اگر آنکھوں والا دیکھ کر کہے یَا رَجُلاً خُذْ بِيَدِیْ۔ یہاں رَجُلاً مقید ہے۔ (۶) متکلم کے کسی لفظ سے اُس چیز کا تعین مستنبط نہ ہوتا ہو۔ (۷) یا متکلم خود اپنے کسی اشارے یا لفظ اور کلامِ سابق یا مسبوق میں اس چیز کی وضاحت کر دے جس سے یہ مفرد چیز مقید بن جائے ان سات

شناختی قیود میں سے اگر ایک بھی کسی جگہ پائی جائے تو وہ چیز مقید ہو گی ورنہ مطلق۔ مصنف مذکور کی صفحہ ۷ پر پیش کردہ احادیث میں لفظ خضاب یا اس کا اشتقاقی صیغۂ امر مطلق نہیں۔ بلکہ ممانعت والی تمام احادیث اور حمّروا وصفّروا کی وضاحتی کلام مقدس نے اُس کو مقیّد بنا دیا۔ مگر علامہ مرحوم کو ان باریکیوں میں جانے کی زحمت کرنا کب گوارہ تھا۔ اگر مؤلف کتاب ھٰذا ان اصولی باتوں کے مطابق چلتے تو احادیث کی روشنی اور سچی سمجھ حاصل کر لیتے پھر ایسی غلط کتاب تالیف نہ کرتے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ مصنف نے اپنی زندگی میں یہ کتاب کیوں نہ چھاپی نہ شائع کرائی غالباً وہ اس کو ان ہی کمزوریوں کی بنا پر اور تردیدی جواب کے اندیشے سے چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔ پانچویں غلطی۔ اسی ص۸ پر فتح الباری کا تحریری ایک یہ قول بھی نقل کرتے ہیں۔ وَاِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ فِي الْجِهَادِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ مطلقاً۔ جواب۔ یہاں بھی حضرت شارح علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو بچالیا۔ رہا دوسرے مخالف گروہ کو مِنْهُمْ کہکر زمرۂ علما میں شامل کرنا۔ یہ صرف ظاہری نسبت اور ظاہر داری ہے ورنہ ایسے گمراہ اور مخالف احادیث لوگوں کو علما میں شامل نہیں کیا جاتا۔ آج ہم بھی بہت سے امام وخطیب ومشرع داڑھی والے حضرات کو جُبّہ و دستار کے ساتھ دیکھ کر عالم کہہ دیتے ہیں حالانکہ حقیقت میں عالم نہیں ہوتے۔ صرف شعلہ بیان خطابت یا وعظ شیریں بیان یا قرأت پُرسوز امامت سے تو عالم و محقق نہیں بن سکتا اس کے لیے تو بہت مستند ہونا پڑتا ہے چھٹی غلطی کتابچی کے صفحہ ۹ پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بحوالہ نسائی ترمذی اوّل ص۳۰۵ ابن ماجہ، شرح عینی، شرح فتح الباری۔ نقل کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّهٗ اَفْضَلُ۔ ترجمہ۔ بے شک بہت ہی اچھا ہے جو تم مہندی اور وسمہ سے بالوں کی سفیدی کو بدلتے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بے شک وہ بہت افضل ہے۔ جواب۔ اس روایت پاک کا مضمون ہے کہ حنا اور کتم یعنی مہندی میں برابر کی مقدار سے وسمہ ملا کر خضاب کرنا بہت ہی اچھا اور افضل ہے۔ اسی مضمون کی سات ۷ روایتیں مصنف مذکور نے اپنی کتاب میں درج کیں ہیں۔ چنانچہ ۲ روایت اسی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر بحوالہ عینی

شرح بخاری جلد ۲۲ صہ۵۰ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ اِخْتَضَبَ اَبُوْ بَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ روایت ۳ صفحہ انیس ۱۹ پر لکھتے ہیں رَاَيْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ الْحَنَفِيَّةِ يَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد صہ۱۱۴ جلد ۵) روایت ۴ محمد ابن عمرو وعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ (کتاب کا صہ۲) اَنَّهٗ كَانَ يَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد صہ۱۶۳ جلد ۵ ۔ مصنف نے کتاب کے صفحہ ۲۲ پر روایت ۵ لکھی ۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ ۔ رَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَاَبَانَ ابْنَيْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَجَدِّيْ يَخْضِبُوْنَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد صہ۲۹۷ جلد ۶) مصنف صاحب کی پیش کردہ روایت ۶ صفحہ ۲۲ پر ہی لکھتے ہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن ابی سبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ وَكَانَ اَبُوْعُبَيْدَةَ يَصْبِغُ رَاْسَهٗ وَلِحْيَتَهٗ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ (بحوالہ طبقات ابن سعد صہ۲۸۵ جلد ۷) مصنف صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر لکھا روایت ۷ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ اَوَّلُ مَنْ اخْضَابَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ اِبْرَاهِيْمُ وَاَوَّلُ مَنِ اخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ (بحوالہ سراج منیر شرح جامع صغیر صہ۸۲ جلد ۲) ان ساتوں روایتوں کا مضمون یہی ہے کہ حنا میں کتم ملا کر خضاب کرنا جائز بھی ہے اور صحابہ کرام نے ایسا خضاب لگایا بھی ہے ۔ بلکہ بہت زمانوں سے اہلِ ایمان ایسا خضاب لگاتے چلے آ رہے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتِ عملی ہے ۔ یہاں پہلی اور ساتویں روایت میں فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے ۔ پہلی میں حنا وکتم کے خضاب کی تعریف ہے ساتویں میں اس کی وجہ ہی بیان فرمائی گئی ۔ بقیہ پانچ روایتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا عمل مبارک بیان کیا گیا مگر چونکہ یہاں حنا وکتم کے ملاپ سے پیدا ہونے والے رنگ کی وضاحت نہیں فرمائی گئی اگرچہ دلالۃً واقتضاءً واشارۃً اور دوسری روایات کے تفسیری وتشریحی فرمودات وارشاداتِ نبوی سے سرخ اور پیلے رنگ کی وضاحت ثابت ہے یہ ہمارے ان مصنف صاحب نے کمال لاعلمی سے ان روایت مقدسات میں یہی تخریب کاری کر کے عوام کو لغزش دینے کی کوشش کی اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ حنا وکتم کی ملاوٹ والے خضاب سے بھی کالا رنگ ثابت کریں جس کے لیے انہوں

نے اشعتُ اللّمعات اور المنجد کے حوالوں سے سہارا تلاش کرنا چاہا مگر بات پھر بھی نہ بنی۔ اور یہاں تک حد سے بڑھے کہ اعلیٰ حضرت کی ایک عبارت کا غلط مطلب بیان کرتے ہوئے جھوٹ تک بول گئے۔ مثلاً صفحہ ۱۰ پر اعلحضرت کا قول نقل کرتے ہیں کہ حنا وکتم کا خضاب لگانے سے سیاہی کی جھلک ہوتی ہے مگر اگلے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ اعلحضرت کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ دا لخ) حنا اور کتم کے خضاب سے سیاہی غالب اور سرخی مغلوب ہوتی ہے اب غور کیجئے کہ اگر انسان اس طرح کی غلط بیانیاں اور کج فہمیاں ہی کرتا رہے تو اپنے باطل نظرئے اور خود ساختہ مسلک ومذہب کو کب تک بچا سکے گا۔ ایسی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کو اردو زبان تک کی سمجھ نہیں فرمودات نبوت سمجھنا تو بے انتہائی دشوار ہے۔ لفظ جھلک کا معنیٰ ہے شائبہ بہت ہی خفیف مثل سایہ جس کو فارسی میں پرتو کہتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض ریشمی سرخ ہرے وغیرہ کپڑے پر بوجہ چمک، اِدھر اُدھر کرنے سے دوسرے رنگ کی جھلک پڑتی ہے۔ اسی طرح حنا وکتم سے خضاب کرکے داڑھی اور بال ایسے سرخ ہوتے ہیں کہ اِدھر اُدھر پھرانے سے سیاہی کا سایہ اور جھلک پڑتی۔ اردو میں یہ لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو نظر نہ آتی ہو صرف کسی طرح کا اشارہ ملتا ہو۔ اتنے عام استعمال محاورے کو بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر کیا کہا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ باطل نظریات بچانے کے لیے انسان کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ ہمیں حنا وکتم ملے خضاب کے رنگ کی وضاحت کے لیے اشعت اللمعات یا منجد کو کھولنے کھکھوڑنے کی ضرورت کیا ہے جب کہ خود آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ارفع اور ارشادات مقدسہ کی تین احادیث مبارکہ اس کی بہترین ومکمل تشریح فرما رہی ہیں صرف بصیرت وعقلِ سلیم چاہئے۔ پہلی وہ روایت کہ۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا۔ دوسری یہ روایت کہ اَوَّلُ مَنْ اِخْتَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ اِبْرَاھِیْمُ وَاَوَّلُ مَنْ اِخْتَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرْعَوْنُ۔ یہاں حنا وکتم کے مقابلے اور مخالفت میں بالسَّوادِ ارشاد ہے کم سے کم عقل والا بھی جان جاتا ہے کہ حنا وکتم کا خضاب سیاہی نہیں لاتا اگر بقولِ مصنف حِنَا وَکَتَمْ سے بھی سیاہی غالب آتی اور اس سے خضاب بالسّواد ہی بنتا تو پھر اس تقسیم نبوی کی ضرورت کیا تھی اور فرعون کی

اولیت کیسے ہوتی لیکن اگر اشعت اللمعات و منجد کے حوالے ضرور ہی لکھنے ہیں اور عوام پر حوالوں کی بھر مار سے رعبِ علمیت ڈالنا ہی ہے تو آیئے اِس پر بھی غور کر لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت علامہ کے یہ حوالے علامہ مرحوم کا کب تک اور کس طرح ساتھ دیتے ہیں۔ مصنف علام نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹ و ۱۰ پر عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب اشعت اللمعات کے چار حوالے نقل کئے ہیں۔ پہلا حوالہ جلد ۳ ص۶۱۸ پر ہے۔ وسمہ آن گیا ھیست و بعضے گفتہ اند درختے است بہ یمن کہ سیاہ کردہ میشو د ببرگ وے موئے۔ دوسرا حوالہ جلد سوم ص۶۱۸ واز کلام بعضے مفہوم نی شود کہ خضاب بکتم صرف۔ موجب سواد خالص است و بخلط و جمع آں بحنا سرخ آید بختہ مائل بسواد۔ نہ سواد پس مراد خضاب بمجموع حنا و کتم باشد گذا قِیلَ۔ تیسرا حوالہ یہی مقام جلد سوم ص۶۱۸ و بعضے گفتہ اند کہ کتم ہماں وسمہ است گذا قَالَ الطِّیْبِیْ۔ تینوں عبارتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف کتم سے خضاب کرنے سے بالکل خالص سیاہی آتی ہے۔ مہندی کے ساتھ ملا کر خضاب کرتے سے پختہ اور مکمل سرخی آتی ہے جس سے میلان یعنی جھلک سیاہی کی آتی ہے نہ کہ سیاہی اور کتم و وسمہ ایک ہی پودے کا نام ہے۔ یعنی کتم اُس کا صفاتی نام ولقب ہے۔ کیونکہ "کتم" کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ پوشیدہ کرنا۔ تو چونکہ اس بوٹی سے بڑھاپا چھپکر بے نشان ہوجاتا ہے اس لیے اس کو کتم کہا گیا۔ اس کا ذاتی نام ہر زبان میں وسمہ ہے۔ چونکہ یہ تینوں حوالے علامہ موصوف کے منشا و باطل نظریات کے خلاف جاتے تھے۔ اس لیے مطلب بر آری لیے۔ چوتھا حوالہ (یہی مقام ص۶۱۸ ج۳) نقل کرتے ہیں چنانچہ حنا چوں خلط کردہ شود باکتم خضاب سیاہ افتد۔ ترجمہ۔ کہ مہندی اور کتھ یعنی وسمہ کو ملا دینے سے خضاب سیاہ ہوجاتا ہے۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) یہ بیہودہ حوالہ حقیقت کے قطعاً خلاف ہے اگر یہ حوالہ درست ہے اور یہ عبارت اشعت اللمعات میں موجود ہے تب تو حضرت عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ پر تضاد بیانی کا اعتراض آتا ہے۔ کہ یہ حوالہ و عبارت پہلی عبارت ۲ کے سراسر خلاف ہے۔ اور یا پھر مصنف مذکور نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور یا اصل عبارت کو آگے پیچھے سے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ جو ایک

مولف کی دیانت داری کے خلاف۔ اور اس طرح کا ارتکاب علامہ مرحوم سے کئی جگہ سرزد ہوا ہے۔ جو اگلی سطور میں انشاء اللہ ظاہر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا۔ صفحہ ۸۰ پر المنجد کی عبارت نقل کی ہے۔ (الکتم والکتمان) نَبْتٌ يُخْضَبُ بِهِ الشَّعْرُ وَيُصْنَعُ مِنْهُ مِدَادُ الْكِتَابَةِ۔ (الوسم) شجرة ورقها خضابٌ۔ یہ حوالے لکھ کر علامہ بہت خوش ہو رہے ہوں گے کہ میں نے اللہ رسول کے حرام کو حلال ثابت کر دیا حالانکہ یہ حوالہ بھی ان کو مفید نہیں کیونکہ یہاں صرف کتم اور وسمے کی لغوی تشریح کی گئی ہے جس میں یعنی لغوی تشریح میں کسی کا اختلاف نہیں اور یہی خضاب حرام ہے، بات تو حنا و کتم کی ہے اس کی سیاہی ثابت کرو تو بات بنتی ہے۔ اور یہی ناممکن لہٰذا یہ ساری کتاب اور آپ کی محنت برباد۔ **ساتویں غلطی** ۔ مصنف صاحب ص۶ پر ابن ماجہ کتاب اللباس کے ص۲۶۷ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

عَنْ صُهَيْبِ الْخَيْرِ۔ قَالَ قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ أَحْسَنَ مَا اخْتَضَبْتُمْ بِهِ هٰذَا السَّوَادُ اَرْغَبُ لِنِسَائِكُمْ فِيْكُمْ وَاَهْيَبُ لَكُمْ فِيْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ۔ ترجمہ۔ بے شک سب سے زیادہ اچھا وہ چیز جس سے خضاب کرتے ہو تم یہ سیاہی ہے جو زیادہ رغبت دینے والا ہے تمہاری عورتوں کو تم میں اور زیادہ ہیبت میں ڈالنے والا ہے تمہارے لیے تمہارے دشمن کے سینوں میں۔ **جواب** ۔ فقط ایک یہ ہی روایت دستیاب ہو سکی کالے خضاب کے دلدادگان اور ان مصنف صاحب کو اس کے علاوہ کوئی بھی کسی قسم کی بھی روایت دنیا بھر میں کسی بھی کتب حدیث سے نہ ملسکی ورنہ مصنف مذکور فوراً وہ بھی وہاں سے لکھ ڈالتے۔ مگر اس روایت میں چار قسم کی غلطیاں اور کمزوریاں ہیں جس کی وجہ سے اِس روایت کو کبھی حدیثِ رسول اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس روایت کی پہلی کمزوری۔ یہ روایت بناوٹی اور موضوع ہے۔ چنانچہ اس روایت کے متعلق شرح انجاح کی عبارت حاشیہ ابن ماجہ ص۲۶ پر ۵ میں صاف لکھا ہے کہ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ۔ لِاَنَّ عَبْدَ الْحَمِيْدِ ابْنَ حَنِيْفِيْ لَيِّنُ الْحَدِيْثِ (حوالہ از اسماء الرجال کی مشہور کتاب تقریب التہذیب ص۱۰۹) یہ بات مصنف مرحوم کو یقیناً معلوم تھی مگر نہ اس کا ذکر

کیا نہ اس کا رد کر سکے نہ کوئی تبصرہ۔ بس خاموشی سے گول کر گئے اسی کو کہتے ہیں مطلب پرستی اور حقیقت سے روگردانی۔ ایسی کج روی اور ریت کی دیواریں کھڑی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا الٹا بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ دوسری کمزوری یہ روایت اُن تمام احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے جن میں بڑی شدت سے کالے خضاب کی ممانعت اور وعید مذکور ہے۔ خاص کر اس حدیث مقدسہ کے جس کے بحوالہ ترمذی اوّل کتاب اللباس ص۳۰۵ اور بحوالہ نسائی دوم ص۲۲۶ اور بحوالہ ابوداؤد دوم ص۲۲۲ الفاظ اس طرح ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَ بِہِ الشَّیْبُ اَلْحِنَاءُ وَالْکَتَمُ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک سب سے زیادہ اچھا وہ خضاب جس سے بڑھاپا متغیر کیا جاتا ہے وہ حنا اور کتم کی ملاوٹ والا خضاب ہے۔ اس حدیث میں بھی اَحْسَنَ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور مصنف کی پیش کردہ ابن ماجہ والی حدیث میں بھی اَحْسَنَ ہے اور اُس روایت میں سیاہ خضاب کو اَحْسَنَ فرمایا جا رہا ہے جس کو بہت سی احادیث میں حرام و ممنوع فرمایا گیا اور اس ترمذی وغیرہ کی حدیث مقدسہ میں حنا و کتم کے خضاب کو اَحْسَنَ فرمایا گیا۔ اس حدیث پاک کو بہت سی کتابوں نے بہت سی سندوں کے ساتھ روایت فرمایا اور شارحین نے اس وجہ سے اس حدیث پاک کو حَسَنٌ صحیح فرمایا اور لکھا کہ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ لیکن مصنفِ مرحوم کی پیش کردہ روایت کو صرف ابن ماجہ نے لیا صرف ایک ہی سند سے اس میں بھی ایک راوی عبدالحمید ابن صیفی ہے جو اسماء الرجال میں۔ لین ہے۔ محدثین کے نزدیک لین کے معنیٰ ہے کمزور، نرم ضعیف لین کی تین قسمیں ۱۔ لین فی الحفظ ۲۔ لین فی العقل ۳۔ لین فی الدیانت راوی کے لین ہونے کی وجہ سے روایت ضعیف اور ناقابلِ قبول ہو جاتی ہے (دیکھو اصولِ حدیث کی کتب) اگر اس ابن ماجہ کی غلط روایت کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں تضاد بیانی پائی جاتی ہے کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ (معاذ اللہ) اور یہ سراسر گستاخیِ نبوت ہے مولف مرحوم اگر زندہ ہوتے تو اُن سے توبہ کرائی جاتی اور

وہ یقیناً اپنی اس پوری کتاب سے توبہ ورجوع فرما لیتے۔ تیسری کمزوری۔ اگرچہ
اب اس روایت کے موضوع ثابت ہو جانے کے بعد مزید جرح کی ضرورت نہیں ہے
مگر باطل کی یہ غلط بیانی ختم وتوڑنے کے لیے اتمام حجت ضروری ہے اس لیے
یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ روایت اخلاقاً بھی غلط ہے آقائے کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کبھی بھی ایسی بات نہیں فرما سکتے۔ یہاں کہا گیا ہے اَنْ تُعْجِبَ نِسَاءَکُمْ۔ نساءکم
کے تین معنی ہو سکتے ہیں ۱ تمہاری بیویاں ۲ تمہارے پیغام نکاح کے لیے تمہاری
پسندیدہ عورتیں جن کو تم پیغام نکاح دینا چاہتے ہو ۳ عام عورتیں جن کو تم نفسانی خواہش
سے اپنا جوان چہرہ دکھا کر اپنی طرف راغب کرنا چاہو۔ مصنف نے پہلا ترجمہ کیا
ہے مگر تدبر سے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ بھی نہ سوچا کہ بیوی جو تمہاری جوانی سے تمہارے
ساتھ ہے تمہارے دن رات خلوت جلوت اوپر نیچے کے سب حالات سے باخبر
ہے تمہارے سفید بالوں کو بھی جانتی ہے اور تمہارے بڑھاپے کو بھی تمہاری عمر
کو بھی وہ صرف منہ کالا کرنے سے کس طرح تمہاری طرف راغب ہو سکتی ہے اس
بیچاری کا پلہ تمہارے ساتھ بندھا ہوا ہے تو وہ جانتی ہے کہ بڈھے میاں اب
کالا خضاب لگاتے جا رہے ہیں اب منہ سیاہ کر کے آئے ہیں وہ ان ھتکنڈوں
اور شعبدہ بازیوں سے راغب نہیں ہو سکتی۔ اس کو تو تمہاری مردمی طاقت ہی راغب
اور مائل کر سکتی ہے جو تمہاری داڑھی کے کالے اور خضاب آلودہ بالوں میں نہیں
بلکہ نیچے ہے جس کو وہ جانتی ہے کہ حقیقت باطنی کیا ہے۔ اس کے بغیر ایک داڑھی
اور سر کیا پورے جسم کو کالا کر کے آجاؤ وہ کبھی راغب تو درکنار متاثر بھی نہ ہوگی
بلکہ بڈھے میاں کا مذاق ہی اڑائے گی۔ اور اگر تمہارے پاس قوت مردمی ہے
تو اس کے لیے تمہارے سفید بال اور کانپتے بڑھاپے کے ہاتھ بھی منظور
ہیں پھر خضاب سیاہ کی فریب کاریوں کی ضرورت ہی نہیں۔ حاجت مشاطہ نیست
قوت مردانہ را۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کو ایک عام گھریلو آدمی بھی جانتا ہے۔ تو کیا
نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کو پوری کائنات کا علم
ہے ان باتوں کو نہ سمجھتے ہوں گے اور بیکار بے فائدہ بات فرما دیں۔ ناممکن ہے
اور بقول مصنف نبی کریم بھی سرخ یا پیلا خضاب لگایا کرتے تھے۔ (اگرچہ بھی حقیقتاً

غلط ہے) تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ازواجِ پاک کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کالا خضاب کیوں نہ لگایا صرف دوسروں کو کیوں حکم دیا اور اُحسن کہہ کر آمادہ کیا سیاہ خضاب کو عملی سنت کیوں نہ بنایا۔ یہ وہ سوالات ہیں جو اس موضوع اور بناوٹی روایت پر وارد ہوتے ہیں جن کا جواب کوئی سیاہی والا نہیں دے سکتا بحمد اللہ تعالیٰ۔ اور اگر لِلنِّسَاءِ کُمْ سے مُنتخب لِلنِّکاح عورتیں مراد ہیں اور بڈھے میاں اُن کو راغب کرتے پیغامِ نکاح منوانے کے لیے کالا خضاب لگا کر عورت والوں کے سامنے منہ دکھلوا کرتے ہیں تو یہ سراسر دھوکہ دہی ہے اگر اس فریب میں آ کر وہ عورت اور لواحقین بڈھے پیغامِ نکاح دینے والے کو جوان سمجھ کر پیغام مان لیتے ہیں نکاح ہو جاتا ہے، پھر جب عیب کھلے گا۔ عورت اور اُس کے لواحقین پچھتاتے ہوں گے تو اس فریب دہی کا گناہ کہاں تک جائے گا۔ خاوند کہے گا مجھ کو فریب کاری کا یہ طریقہ ابن ماجہ کی ایک روایت نے سکھایا اور بیوی عدالت وکچہری میں خیارِ عیب حاصل کرتی پھرے گی۔ بھائیوں کچھ تو سوچو کیوں اندھے بن کر جہنم کا راستہ تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ اور اگر لِلنِّسَاءِ کُمْ سے مراد عام چلتی پھرتی گلی محلے کی عورتیں ہیں اِن کے دکھلاوے کے لیے اور ان کو راغب کرنے کے لیے کالا خضاب لگا کر سرِ راہ عورتوں کو دکھانا مقصود ہو تو یہ کھلی بدمعاشی۔ بے غیرتی فحاشی وعیاشی ہے کیا اِس کا حکم نبی کریم دے سکتے ہیں (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)! غور تو کرو کہ ابن ماجہ کی اِس ذرا سی بے احتیاطی نے کتنوں کے ایمان برباد کر دئے اِس روایت خود ساختہ سے۔ سراسر ناموسِ رسالت کی گستاخی ہو رہی ہے ایک ابن ماجہ کی کیا حیثیت ہے ہزاروں ابن ماجہ عزتِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ یہی وہ روایت ہے جس کو لکھ کر مصنف مذکور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوں گے۔ اُس کا بھی حشر آپ نے دیکھ لیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ

چوتھی کمزوری - اس روایت میں۔ کالے خضاب کا دوسرا فائدہ یہ لکھا ہے کہ وَاَهْيَبُ لَكُمْ فِي صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ۔ یہ عبارت لفظاً بھی نحوی قواعد سے سے کچھ غلط لگتی ہے کیونکہ عَدُوِّ واحد ہے اور صدور جمع ہے ایک عدو کے بہت سے صدور (سینے) کیسے ہو سکتے ہیں علماءِ نحات کے نزدیک واحد سے جمع مراد لینے کی تین شرطیں ہیں ۱۔ وہ واحد الف لام استغراقی سے معرّف ہو۔ ۲۔ نکرہ مفرد غیر مخصوصہ ہو مضاف نہ ہو۔ ۳۔ یا تکرارِ لفظ ہو۔ جیسے عَدُوِّی وَعَدُوِّكُمْ

مگر یہاں یہ کوئی شرط نہیں اس لیے اِس کی وحدت معیّن ہے۔ لہٰذا حدیث کے اندر ایسی غلطی نہیں ہوسکتی۔ نیز یہاں لفظ عَدُوَّکُم مجمل اور غیر واضح ہے یہ پتہ نہیں کہ دشمن سے ذاتی دشمن مراد ہے یا دینی ایمانی دشمن کسی بھی دوسری حدیث نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی نہ کسی شارح کے قول نے حالانکہ احادیث کے احکام قیامت تک سب مسلمانوں کے لیے یکساں ہیں۔ اگر ذاتی دشمن مراد ہیں تو یہ اس طرح داڑھیاں اور سر کے بال کالے کر کے اپنے ذاتی دشمنوں کو دھوکہ دینا اور مرعوب و موھوب (ہیبت زدہ) کرنے کے لیے حکم نبوی نہیں ہوسکتا۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو ذاتی دشمنیاں ختم کرنے تشریف لائے ہیں مگر یہ روایات دشمنی بھڑکانے کا سبق سکھاتی ہے اور اگر کفار دشمن مراد ہوں تو یہ صرف ایک تخیل ہے کہ کالی داڑھی سے کفار ہیبت زدہ ہوجائیں خاص کر آج کل کے ہتھیاروں کے زمانے میں فی زمانہ جنگ و جہاد میں نہ دوبدو آمنے سامنے لڑائی ہوتی ہے نہ تبر و تلوار کی مشقت نہ جوانی کے زورِ بازو کا استعمال اسی لیے کسی بھی مجاہد کے لیے کسی حدیث پاک میں کالے خضاب کی کوئی اجازت مذکور نہیں۔ صرف فقہاءِ کرام نے فقط اُس زمانے کی جنگوں میں مجاہد کے سفید بالوں کے لیے کالے خضاب کی وقتی طور پر بحالتِ جنگ استنباطی اجازت دی تھی اب وہ بھی نہیں۔ صفحہ ۱۲ پر ان ہی الفاظ کی ایک اور روایت بحوالہ عینی شرح بخاری ص۱۵۔ فاروق اعظمؓ کی طرف بھی منسوب کی گئی مگر یہ بھی بناوٹی جھوٹی روایت ہے اور فاروق اعظمؓ پر تہمت کیونکہ خود فاروق اعظمؓ نے کبھی کالا خضاب نہیں لگایا حالانکہ آپ کی بھی بیویاں تھیں اور آپ نے بڑھاپے میں حضرت کلثومؓ بنت علیؓ سے نکاح بھی کیا تھا۔ آپ خود ہمیشہ خالص مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ جمع الوسائل جلد اوّل ص۹۰ شرح مناوی جلد اوّل ص۹۰ مشکوٰۃ شریف ص۳۸۴ بحوالہ مسلم و بخاری ہے اِنَّ اَبَا بَکرٍ کَانَ یَخْضِبُ بِالْحِنَاءِ وَالْکَتَمِ وَعُمَرُ بِالْحِنَاءِ وَحْدَہٗ۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ خود تو ممنوعہ خضاب سے بچیں اور لوگوں کو محض عورتوں کے لیے سیاہ خضاب پر آمادہ کریں وہ بناوٹی روایت بھی ان خرابیوں سوالوں اور اعتراضات اور اندیشوں کے زد میں آتی ہے جن کا جواب ان آشفتگانِ خضابِ اسود کے پاس نہیں ہے۔ آٹھویں غلطی۔ اسی

کتاب کے صـ۱۲ اور صـ۱۴ پر فتاویٰ عالمگیری چہارم صـ۱۳۹ اور فتاوی شامی پنجم صـ۲۹۵ کی عبارت نقل کرتے ہوئے بڑے فخر سے لکھتے ہیں۔ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ قَالَ کَمَا یُعْجِبُنِیْ اَنْ تَتَزَیَّنَ لِیْ یُعْجِبُھَا اَنْ اَتَزَیَّنَ لَھَا۔ کَذَا فِی الذَّخِیْرَۃ
ترجمہ۔ اور روایت کیا گیا ہے امام یوسفؒ سے انہوں نے فرمایا۔ جیسے مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میرے لیے زینت و آرائش کرے اسی طرح اُسے بھی اچھا لگتا ہے کہ میں اُس کے لیے زینت و آرائش کروں۔ **جواب**) اسی عبارت سے ایک دو سطر پہلے فتاویٰ عالمگیری و شامی دونوں نے فرمایا کہ عام مشائخ کے نزدیک عورتوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے۔ اسی سے ان ہر دو فتاویٰ کا اپنا مسلک ظاہر ہو گیا کہ ان حنفی علما فقہا کے نزدیک سیاہ خضاب ناجائز ہے بلکہ پہلی سطور میں لکھا ہے کہ سرخ خضاب مسلمانوں کی علامت خصوصیہ ہے گویا سرخ خضاب چھوڑ کر کالا رنگ کرنا مسلمانوں کی نشانی سے ہٹنا ہے اور کفار کی نشانی اپنے آپ پر لگانا ہے۔ اس بات سے بھی ان کا اپنا مسلک ثابت ہو رہا ہے آگے امام یوسف کے متعلق ایک منسوب شدہ قول نقل کرتے ہیں کہ کسی نامعلوم شخص نے امام یوسف کی طرف سے کہا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مجھ کو بیوی کا بناؤ سنگھار اور نہائی دھوئی اُجلی ہونا پسند ہے اس طرح وہ بھی چاہتی ہے اُس کا خاوند بھی اپنی زینت کرے۔ یہاں فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ذخیرہ سے اور شامی و عالمگیری نے یہ قول مجہول راوی کی طرف سے نقل کر دیا کوئی پتہ نہیں امام یوسف نے کس کتاب میں فرمایا۔ ان دونوں فتاویٰ نے اس کو خضاب کے مسئلے کے ساتھ لکھ کر مصنف کو مزید موقعہ فراہم کیا کہ وہ کالے خضاب کے جواز پر اس عبارت سے استدلال پکڑیں مگر دو وجہ سے مصنف مرحوم کا اس سے استدلال پکڑنا غلط ہے اوّلاً تو اس لیے کہ زینت سے مراد کالا خضاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خاوند بیوی تو شروع دن سے چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے دونوں زینت کریں بلکہ ہر شخص دوست احباب وغیرہ بھی زینت کو پسند کرتے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ بھی زینت کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ ترجمہ۔ ہر مسجد کے پاس زینت اختیار کرو۔ اس آیت سے

ثابت ہو رہا ہے کہ زینت سے پاکیزگی صفائی نہانا دھونا۔ اچھا عمدہ خوب صورت مکمل لباس پہننا ہے اور جسم، بالوں، ہاتھوں پیروں، سر اور چہرے کا میل دھوتا ہے نہ کہ صرف بال کالے کرنا یعنی خاوند، بیوی کے علاوہ ہر شخص صاف ستھرے مہذب نہائے دھوئے آدمی کو پسند کرتا ہے۔ گندے مندے کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ امام یوسف کی روایت کا معنیٰ اور آیت کا منشا فقط یہ ہی ہے۔ اس کا خضاب سے کوئی تعلق نہیں۔ زینت کا معنیٰ کالا خضاب کسی لغت نے نہیں کیے۔ عالمگیری وشامی کا یہ روایت یہاں لکھنا بلا وجہ ایک دوسرے کی نقل مارنا ہے لیکن اس نقل سازی سے بھی مصنف کا مطلب حل نہیں ہوتا کیونکہ۔ اگر زینت سے خضاب ہی مراد لیا جائے تب بھی ہم مسلک اور جائز خضاب مراد ہے یعنی سرخ خضاب۔ نہ کہ ناجائز خضاب۔ اور اگر مصنف کے نزدیک بوڑھے میاں کے کالے خضاب میں ہی زینت ہے تو ان فتاویٰ کے نزدیک فقط سرخ خضاب میں زینت ہے اس لیے جمہور نے اسی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ صفحہ ۱۴ پر بالکل اسی فتاویٰ شامی و ذخیرہ جیسی فارسی عبارت بحوالہ اشعت اللمعات ص۱۶ نقل کی ہے۔ اسی عبارت میں محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا اپنا مسلک یہی بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی کالا خضاب حرام و مکروہ تحریمی ہے۔ نویں غلطی ص۱۵ پر پانچ عبارتیں نقل کی گئیں ہیں ۱ حضرت عثمانؓ بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں۔ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَیْنَا شَعْرًا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم مَخْضُوْبًا۔ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَہ وَاَحْمَدُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ۔ ترجمہ۔ عثمان بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں حضرت اُم سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال شریف نکالا جو خضاب کیا ہوا تھا یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور ابن ماجہ واحمد نے اس روایت میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں وہ بال مبارک مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا ہوا تھا۔

عبارت دوم۔ ابی رمثہ فرماتے ہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ۔ وَھٰذِہِ الرِّوَایَتُ صَرِیْحَۃٌ فِیْ خِضَابِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے

مہندی اور وسمہ کا۔ اور یہ آپ کے خضاب کرنے میں صریح روایت ہے۔ عبارت سوم۔ حضرت ابو جعفرؓ (امام محمد باقر) فرماتے ہیں۔ شَمَطَ عَارِضَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم فخضب بحناء۔ ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں کے بال سفید ہو گئے تو آپ نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا۔ عبارت چہارم حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ رَأَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم مخضوبًا ترجمہ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک خضاب کیا ہوا دیکھا۔ عبارت پنجم صفحہ ۱۶ پر ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن محمدؓ بن عقیلؓ فرماتے ہیں۔ رَأَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم عِنْدَ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا۔ ترجمہ میں نے انس بن مالک کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک خضاب کیا ہوا دیکھا یہ پانچوں روایتیں مصنف صاحب نے کتاب جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی ملا علی قاریؒ سے علی ترتیب الصفحات نقل فرمائیں ص۹۱ ص۹۴ ص۹۷ ص۹۶ ص۹۸ ص۱۰۱ جلد اوّل۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہندی اور وسمہ کا خضاب کیا۔

جواب۔ نامعلوم مصنف نے یہ پانچ عبارتیں کیا ثابت کرنے کے لیے نقل فرمائیں۔ مہندی اور وسمہ ملا کر خضاب کرتے ہیں تو کسی کا اعتراض یا انکار نہیں تمام مسلمان اس کو جائز احسن اور بہتر کہتے ہیں بلکہ حدیث پاک میں خود آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کا خضاب الحناء والکتم کا فرمایا ہے اور اس خضاب کا تقابل بالسواد سے فرمایا یعنی اس کے مقابل ومخالف خضاب سیاہ ہے جو سب سے پہلے دنیا میں فرعون نے لگایا اس تقابل سے ثابت ہوا کہ حنا اور کتم (وسمہ) کا خضاب اسود یعنی کالا نہیں ہوتا اس حدیث پاک کو ہم اپنی پانچویں دلیل میں سنن دیلمی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں یہ حدیث پاک سنداً متناً عباداً، روایتاً درایتاً ہر اعتبار سے درست اور صحیح ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس کی صحت کے تین دلائل ہیں ۱۔ محدثانہ جرح سے صحت ثابت ۲۔ اس کے سب ثقہ راوی ہیں جو جرح محدثین میں ہر اعتبار سے صحیح قابل قبول ہیں ۳۔ سب سے بڑی وجہ یہ کہ اعلیحضرت مجدد بریلوی نے اپنی کتاب حک العیب

کے ص۵ پر اس حدیث مقدسہ سے حرمتِ خضابِ سیاہ اور جوازِ خضابِ سرخ پر استدلال فرمایا اور اعلیٰ حضرت کا کسی دلیل کو قبول فرمالینا ہی صحت کے لیے کافی ہے رہا لیا مصنف مرحوم اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کتم وحنا کا ملا ہوا خضاب بھی سیاہ کرتا ہے۔ اگر یہ بات ہے جیسا کہ اُن کے اشاروں سے اندازہ ہو رہا ہے تو یہ مصنف صاحب کی بدترین غلطی و کم فہمی ہے۔ ہاں البتہ جن روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنا وکتم کا خضاب لگایا وہ غلط ہے اور ایسی سب روایتیں جھوٹی و کذب بیانی ہیں اس لیے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک سفید ہوئے ہی نہیں صرف چند بال مبارک سفید تھے باقی سب سیاہ ہی رہے اور سیاہ بالوں پر تو کبھی خضاب لگایا ہی نہیں جاتا۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف ص۲۶۷ پر ہے۔ باب مَنْ تَرَکَ الْخِضَابَ۔ پہلی حدیث پاک۔ محمد بن مثنیٰ۔ ابوداؤد زُھَیر۔ ابی اسحٰق۔ ابی جحفہ۔ قَالَ رَأَیْتُ رسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ھٰذِہٖ مِنْہُ بَیْضَاءَ یعنی عَنْفَقَتَہٗ۔ دوسری حدیث پاک۔ عَنْ حُمَیْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ ابْنُ مَالِکٍ اَخَضَبَ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم۔ قَالَ اِنَّہٗ لَمْ یَرَ مِنَ الشَّیْبِ اِلَّا سَبْعَۃَ عَشَرَ اَوْ عِشْرِیْنَ شَعْرَۃً فِیْ مُقَدَّمِ لِحْیَتِہٖ۔ تیسری حدیث پاک۔ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ شَیْبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَحْوَ عِشْرِیْنَ شَعْرَۃً۔ ترجمہ تینوں احادیث کا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی قسم کا کسی رنگ کا خضاب نہ لگایا کیونکہ آپ کے بال شریف صرف سترہ ۱۷ عدد یا بیس ۲۰ عدد سفید ہوئے تھے۔ یہ فرمان حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ہر وقت پاس رہنے والے صحابہ کرام کا ہے۔ اور ابوجحیفہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے خود بغور دیکھا کہ آپ کی عنفقہ شریف یعنی نچلے ہونٹ مقدس کے نیچے والے بالوں مبارکوں میں کچھ سفیدی آگئی تھی۔ یہاں ہی حاشیہ میں ہے ۳ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاؤُدَ کَانَ یَصْفَرُ لِحْیَتَہٗ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اپنی داڑھی مبارک کو ورس اور زعفران کی خوشبو لگا لیتے تھے۔ (ابوداؤد ص۲۲۲ جلد اول) مصنف صاحب کی یہاں نقل کردہ پہلی روایت کا جواب ابن ماجہ کے حاشیہ ۹ ص۲۶۶ پر اس

اس طرح ہے۔ قَالَ الْقَاضِیْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ خَضَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم اَمْ لَا فَمَنَعَهُ الْاَكْثَرُوْنَ بِحَدِیْثِ اَنَسٍ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم خَضِیبَ فَقَالَ لَمْ يَبْلُغِ الْخِضَابَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (الخ) يَكُوْنُ ذَالِكَ مِنَ الطِّیْبِ الَّذِیْ كَانَ يُطَيِّبُ بِهٖ شَعْرَهٗ لِاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَسْتَعْمِلُ الطِّیْبَ كَثِیْرًا وَهُوَ يُزِیْلُ سَوَادَ الشَّعْرِ۔ ترجمہ۔ فرمایا قاضی نے کہ علماء نے مختلف باتیں کی ہیں اس بارے میں کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب لگایا۔ یا کہ نہ لگایا۔ تو اکثر فقہاءِ کرام نے یہ ہی فرمایا ہے کہ کبھی خضاب نہ لگایا۔ حضرت انسؓ کی اس (مندرجہ بالا) حدیث کی وجہ سے (جو اوپر ہم نے نقل کی) کہ اُن سے لوگوں نے پوچھا۔ کیا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب لگایا تھا۔ تو حضرت انس نے جوابًا فرمایا کہ بال مبارک خضاب لگانے کی حالت (سفیدی) تک پہنچے ہی نہ تھے۔ اس حدیث کو مسلم شریف نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ پیلا رنگ جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مقدس میں دیکھا جا رہا ہے یہ اُس خوشبو کا رنگ ہے جو آپ اپنے بالوں میں لگایا کرتے تھے اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت استعمال فرماتے تھے۔ اور یہ خوشبو ہی بالوں کی اصلی قدرتی سیاہی کو تھوڑا سا زائل کر کے پیلاہٹ کو غالب کر دیتی تھی۔ ثابت ہوا کہ یہ خضاب نہ تھا۔ حاشیہ ابو داؤد شریف جلد اوّل صـ۲۲۲ پر ہے۔ سکہ مِنْ كَلَامِ اَنَسٍ۔ فَقَالَ مَا اَدْرِیْ فِیْ هٰذَا الَّذِیْ يُحَدِّثُوْنَ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ مِنَ الطِّیْبِ الَّذِیْ كَانَ يُطَيِّبُ بِهٖ شَعْرَهٗ، لِاَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم كَانَ يَسْتَعْمِلُ الطِّیْبَ كَثِیْرًا وَهُوَ يُزِیْلُ سَوَادَ الشَّعْرِ فَاَشَارَ اَنَسٌ اِلٰی اَنَّ تَغَيُّرَ ذَالِكَ لَيْسَ بِصِبْغٍ وَاِنَّمَا هُوَ لِضُعْفِ لَوْنِ سَوَادِهٖ بِسَبَبِ الطِّیْبِ قَالَ وَيُحْتَمَلُ اَنَّ تِلْكَ الشَّعْرَاتِ تَغَيَّرَتْ بَعْدَهٗ لِكَثْرَتِ تَطْيِیْبِ اُمِّ سَلَمَةَ لَهَا اِكْرَامًا۔ ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کے وہ مختلف معنیٰ جو لوگ اپنی رائے میں بیان کرتے ہیں میں اُن سب اقوال کا نتیجہ صرف یہی نکالتا ہوں اور یہی سب کا خلاصہ ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں وہ اس خوشبو کا رنگ تھا جو آپ اپنے داڑھی

مبارک کے بالوں کو لگایا کرتے تھے اس لیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت کثرت سے استعمال فرمایا کرتے تھے اور وہ خوشبو ہی تھی جو بالوں کی اصلی قدرتی سیاہی کو زائل کر دیا کرتی تھی (اور بال سرخ معلوم ہونے لگتے تھے) پس حضرت انس نے خضاب کا انکار کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ تبدیلی کسی خضابی رنگ سے نہیں تھی۔ بلکہ وہ فقط بالوں کی سیاہی کے رنگ کے ہلکا پڑنے سے تبدیلی تھی خوشبو لگانے کی وجہ سے۔ شارح نے فرمایا اور یہ احتمال بھی درست ہو سکتا ہے کہ جو بال شریف حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دکھائے اُن کا سرخ اور بھورا ہونا اُس خوشبو کی وجہ سے ہو جو خود حضرت اُم سلمہ ہی کثرت سے ان کو خوشبو لگاتی تھیں بالوں کی تعظیم کی بنا پر۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتنا صاف ہو گیا یہ مسئلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کوئی خضاب نہ لگایا۔ یہ تھیں وہ اُلجھنیں اور غلطیاں جو ہمارے متقدمین و متاخرین مصنفوں کی نُبکے ہر جھوٹے سچے قول کو لکھ دینے سے پیدا ہو کر ہر مسئلے کو اُلجھا دیتی ہیں۔ مگر ان میں الجھنا اور نیا مسلک بنا لینا یہ وہ غلطیاں ہیں جن میں اُن متقدمین کو معذور سمجھ کر تو معاف رکھا جا سکتا ہے مگر موجودہ دور کے کسی مصنف کا ان تشریحات سے منہ چھپا کر نکل جانا معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ پہلے زمانوں میں کسی روایت کی غلط بیانی یا اُلجھاؤ سے نکل جانا اور سچی وضاحت کا پا لینا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج ہے اُس زمانے میں نہ مکتبے نہ پریس۔ نہ لائبریریاں ہوتی تھیں نہ اتنی کتابیں آج کے مصنف اور سچائی کے متلاشی کو کتنی سہولتیں ہیں کہ ایک ایک مسئلے کے لیے سینکڑوں کتابیں۔ شرحیں۔ تفسیریں وضاحتیں چند لمحوں میں میسّر آجاتی ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مصنف مرحوم کو ہمارے پیش کردہ صحاح ستّہ کے حوالے اور شرحیں اور سچے وضاحتی اقوال میسّر نہ آئے یا نظر نہ آئے۔ ایسا ہرگز نہیں یہ سب کچھ جان کر غلط اور باطل نظرئے کو بچانے کے لیے کیا گیا ہے اور ان وضاحتوں سے مصنف منہ لپیٹ کر نکل گئے۔ کیا اس حرکت کو دیانتدار مصنفین کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اِن لغزشوں کم ظرفیوں سے مسلک بچانا کوئی صحت مند تصنیف ہیں دسویں غلطی ص۱۶ پر ہی ہے۔ اِختَضَبَ

اَبُوْ بَکْرٍ بِالْحِنَاءِ وَالْکَتَمِ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیق حناء وکتم سے خضاب کیا کرتے تھے۔ جواب۔ بالکل ٹھیک کرتے تھے یہ خضاب شرعًا جائز ہے۔ اس میں کوئی تنازعہ نہیں۔ آپ کو کیا اعتراض ہے۔ گیارھویں غلطی ص۱۶ پر یہی ہے۔ امام بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری کی ایک دراز عبارت نقل کرتے ہیں اس کی پہلی سطر اس طرح ہے اَنَّ عُثْمَانَ کَانَ یَخْضِبُ بِہٖ (الخ) ترجمہ بے شک عثمان اس کا خضاب لگاتے تھے۔ جواب۔ یہ عبارت مجہول ہے نہ یہ پتہ کہ یہ عثمان کون سے ہیں۔ اسماء الرجال میں صحابہ وتابعین کے دس حضرات عثمان نامی ہیں۔ یہاں کون سے عثمان مراد ہیں صحابی ہیں یا تابعی اس کی کوئی وضاحت نہیں مصنف اپنے ترجمے میں ان کو عثمان غنی بتا رہے ہیں مگر کوئی ثبوت نہیں اس طرح خضاب کے بارے میں بھی کوئی وضاحت نہیں یخضب بہ میں ہ ضمیر کا معنیٰ ہے اس اب اس سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے اس کا معنی سرخ بھی ہو سکتا ہے پیلا بھی۔ حنا وکتم بھی۔ مصنف نے اپنی مرضی کا ترجمہ سیاہ کر لیا دوسرا کوئی اٹھے گا وہ اپنی مرضی کا ترجمہ کرے گا۔ مسئلہ تو اس طرح حل نہ ہوا یہ ذمہ داری تو مصنف صاحب کی تھی کہ سیاق وسباق کی پوری عبارت نقل کر کے بات صاف کرتے اس طرح کی درمیان سے کانٹ چھانٹ کر کے عبارت لکھ دینی تو اور مشکوک کر دیتی ہے یہ بھی تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے جان بوجھ کر اپنے خلاف عبارت چھوڑ کر درمیانی عبارت لکھ کر اپنے مطلب کا غلط ترجمہ کر دیا ہو جس طرح کہ مصنف نے چندجگہ ایسا کیا ہے۔ جس کو ہم ابھی آئندہ ثابت کریں گے۔ بارھویں غلطی۔ اسی عبارت کی آخری سطور میں لکھتے ہیں۔ وَرَوٰی ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكٍ قَالَ لَمْ اَسْمَعْ فِیْ صِبْغِ الشَّعْرِ بِالسَّوَادِ نَهْیًا مَعْلُوْمًا۔ (الخ) ترجمہ۔ ابن وہب نے مالک سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ بالوں کو سیاہ کرنے کے بارے میں میں نے کوئی معلوم حدیث ممانعت کی نہیں سنی۔ (جواب) اس عبارت میں تین لغزشیں اور چشم پوشیاں ہیں (۱) یہ حوالہ مؤطا امام مالکؒ کا دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ امام مالک رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائے وہاں اس طرح روایت ہے۔ مؤطا جلد دوم باب مَاجَاءَ فِیْ صِبْغِ الشَّعْرِ۔ ہمارے پاس اس وقت مؤطا علیٰ حاشیہ

ابن ماجہ مطبوعہ سعید کراچی ہے اُس کے صــ۲۶۶ پر ہے۔ قَالَ مَالِكٌ فِي صَبْغِ الشَّعرِ بِالسَّوادِ لَمْ اَسْمَعْ فِي ذَالِكَ شَيْئًا مَعْلُوْمًا ۔ وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنَ الصَّبْغِ اَحَبُّ اِلَيَّ (الخ) قَالَ مَالِكٌ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ بَيَانُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَصْبِغْ وَلَوْ صَبَغَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاَرْسَلَتْ عَائِشَةُ بِذَالِكَ اِلٰى عبد الرحمٰن ابن الاسود (اس عبارت میں جس روایت کی طرف اشارہ ہے وہ اوپر اس طرح لکھی ہے۔ مَالِكٌ عَنْ يَحْيٰى بن سَعِيْدٍ عَنْ محمد بن ابراهيم التيمي عن ابي سلمة بن عبد الرحمٰن اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابنَ الاَسْوَدِ بن عَبْدِ يَغُوْثَ قَالَ وكان جليسًا لَّهُمْ وَكَانَ اَبْيَضَ الرَّاسِ وَاللِّحْيَةِ فَغَدَا عَلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ حَمَّرَهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ وَهُوَ الْحَسَنُ ۔ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَرْسَلَتْ اِلَيَّ الْبَارِحَةَ جَارِيَتَهَا نُخَيْلَةَ فَاَقْسَمَتْ عَلَيَّ لَاَصْبُغَنَّ وَاَخْبَرَتْنِيْ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ كَانَ يَصْبُغُ ۔ ترجمہ امام مالک نے فرمایا بالوں میں سیاہ رنگ کرنے کے بارے میں میں نے کوئی معلوماتی چیز یا مشہور بات نہ سنی۔ لیکن میرے نزدیک سیاہ رنگ کے علاوہ زیادہ محبوب ہیں یعنی سرخ یا پیلا۔ امام مالک نے فرمایا اس اوپر والی حدیث میں یہ چیز ثابت اور ظاہر ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی رنگ کا خضاب اپنے بالوں کو نہ لگایا اگر لگایا ہوتا تو اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی بات کا حوالہ بھیجتیں عبد الرحمٰن اُسود کے پاس۔ وہ اوپر والی حدیث شریف یہ ہے کہ امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ عبد الرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث صحابہ کرام کے ایک گروہ میں اکثر بیٹھا کرتے تھے اور آپ کی داڑھی اور سر کے بال سب سفید تھے۔ ایک دن وہ صبح صبح ان ہی صحابہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کے سارے بال سرخ تھے اُن سب صحابہ نے دیکھ کر اُن سے فرمایا اب یہ اچھا لگتا ہے یہ کام اچھا کیا تو عبد الرحمٰن بن اسود نے اُن کو بتایا کہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے کل گزشتہ رات اُن کے پاس لونڈی نخیلہ کو بھیجا اُس نے مجھ کو قسم دلائی کہ میں ضرور ضرور اپنے بالوں کو (سرخ) رنگ لوں۔ اور یہ خبر بھی دی کہ صدیق اکبر بھی ایسا ہی رنگ لگایا کرتے تھے۔ (الخ) اس تمام

حدیث اور امام مالک کے فرمان سے چار باتیں ثابت ہو رہی ہیں ۱۔ امام مالک اپنی معلومات کے متعلق فرما رہے ہیں کہ میں نے کالا خضاب کے بارے میں ابھی تک کسی کا کوئی قول نہ سنا۔ (نہ جواز کا نہ حرمت و کراہت کا) ۲۔ یہ کہ صدیق اکبر سرخ خضاب لگایا کرتے تھے اس لیے تو عبدالرحمن نے اُمّ المومنین کے قسم دلاتے اور صدیق اکبر کا حوالہ دینے پر سرخ خضاب لگایا ۳۔ سرخ رنگ دیکھ کر ان تمام صحابہ نے تعریف کی اور سرخ رنگ کو حَسَنٌ فرمایا ۴۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی خضاب کبھی نہ لگایا۔ مصنف مرحوم نے مؤطا کی عبارت میں شیئاً معلوم کے بجائے نَهْيًا مَعْلُومٌ۔ لکھا یہ خیانتی تبدیلی ہم کس کے ذمہ لگائیں۔ بدرالدین علینی صاحب کے یا ان مصنف صاحب کے۔ اگر حیات ہوتے تو ضرور اس خیانت پر توجہ کروائی جاتی نیز مصنف مذکور صاحب نے مؤطا کی اس اوپر والی صاف اور واضح حدیث پاک کو چھوڑ دیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یا تو انہوں نے یہ غلط حرکت جان بوجھ کر کتاب کو دیکھتے بھالتے کی ہے اپنے خلاف اس حدیث پاک سے منہ لپیٹ کر نکل گئے اور یا پھر یہ ساری کتاب رسالوں اخباروں سے دیکھ کر نقل کی ہے خود کسی بڑی کتاب کو دیکھنے کی زحمت نہ کی ورنہ یہ باطل عقیدہ و عمل نہ بناتے۔ اس ساری عبادت سے بھی امام مالک کا مسلک ظاہر ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک پیلا و سرخ خضاب محبوب ہے اور کالا مردود ہے۔ مصنف کی اس عبارت میں۔ دوسری لغزش۔ مصنف اس عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مؤطا سے معلوم ہوا کہ نہی اور ممانعت اسود خضاب کی کوئی حدیث قطعی موجود نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں توڑ پھوڑ اور ردّ و بدل کر کے انسان جو چاہے کہتا چلا جائے مگر حقیقت میں مؤطا سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ احادیث کی کتب میں کوئی حدیث ممانعت ہے ہی نہیں بھلا یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ دیگر تمام محدثین حرمت خضاب اسود پر کثیر احادیث بیان فرماتے ہیں اور شارحین اس کا تذکرہ کر رہے ہیں اور جمہور علما نے بھی حرمت خضاب اسود کا مسلک اُن احادیث مبارکہ کی وجہ سے بنایا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کے حاشیہ ۷ ص ۲۶۶ اور ۳ ص ۲۶۶ پر ہے۔ وَ اَكْثَرُ الْاَحَادِيْثِ تَدُلُّ عَلٰى تَحْرِيْمِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ وَمَذْهَبُ الْجُمْهُوْرِ الْمَنْعُ۔ ترجمہ ۔ اور بہت ساری حدیثیں صاف صاف

بتاتی ہیں کہ کالا خضاب حرام ہے۔ ۵ اور جمہور یعنی تقریباً تمام ہی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ کالا خضاب ممنوع ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مصنف مرحوم کو یہ عبارتیں نظر نہ آئیں یا جان کر آنکھیں بند کرلیں۔ تیسری لغزش یہ کہ مصنف نے اپنی پیش کردہ عبارت میں لفظی خیانت کے علاوہ ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ معلوماً کا ترجمہ قطعی روایت کرتے ہیں۔ اور اگلی پچھلی عبارت جو ان کے مخالف ہے اس کو چھوڑ جاتے ہیں۔ نیز امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ مجھ کو یہ روایت نہ ملی یا میں نے نہ سنی۔ حدیث پاک نہ ہونے کی دلیل نہیں امام مالک صرف اپنی معلومات کی کمی کا انکار کر رہے ہیں اور اس زمانے میں یہ بات کہنا معذوری تھی مگر آج کوئی ایسا کہیگا تو اس کی جہالت اور کم علمی ونا دانی یا آرام طلبی ہوگی (تیرھویں غلطی) مصنف مرحوم اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۸ پر امام نووی رح شافعی رض کا نام لے کر ایک عبارت لکھتے ہیں اور تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ گویا امام نووی کا یہ مسلک ہے۔ چنانچہ ۱۸ پر لکھا ہے۔ (۱۹) امام نووی شافعی علیہ الرحمۃ شارح صحیح مسلم شریف فرماتے ہیں۔ وَخَضَبَ جَمَاعَۃٌ بِالسَّوَادِ (الخ) اور اس دراز عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت نے سیاہ خضاب کیا ہے روایت کیا گیا ہے اس کو حضرت عثمان اور حسن اور حسین بن علی و عقبہ بن عامر و ابن سیرین اور دوسرے بزرگوں سے امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ (الخ) **جواب**۔ اس عبارت کو خطیب مجدد نے اس طرح سے توڑا پھوڑا ہے اور کتر کر کے لکھا ہے کہ میں حیران رہ گیا۔ سوچتا ہوں کہ کیا اس کو بھی دیانت داری کہا جاسکتا ہے کیا قیامت میں ایسی تحریبات کی سزا نہ ملے گی عوام کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے مگر اپنے نامۂ اعمال کا کیا بنے گا۔ باطل نظریے اور عورتوں کی دلچسپی کے لیے اپنا ایمان تو نہ بیچو ابھی پہلی سطروں میں اپنے دلائل کے تحت اپنی نویں دلیل میں ہم نے امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک مذہب درج کردیا۔ امام نووی اسی صفحہ ۱۹۹ پر اپنا صاف صاف اور بالوضاحت عقیدہ لکھ رہے ہیں کہ۔ وَيُحْرَمُ خِضَابُہٗ خِضَابُہٗ بِالسَّوَادِ عَلَى الْاَصَحِّ (الخ) وَھٰذَا مَذْھَبُنَا (الخ) پوری دلیل ۹ میں دیکھئے۔ مصنف نے عبارتوں کو آگے سے کاٹا پیچھے سے نوچا درمیان سے کھسوٹا۔ اور ٹوٹی پھوٹی عبارت لکھ کر اپنی دیانتداری کا اچھا نقشہ چھوڑا آنے والی نسلیں کیا یاد کریں گی

کہ بریلوی کہلانے والے اہل قلم ایسے ہوتے ہیں۔ (یا اَسفا) مصنف صاحب نے جو عبارت وَخِضَابُ جَمَاعَةٍ" سے شروع کی ہے۔ وہ امام نوویؒ نے اس طرح مکمل واضح شروع فرمائی ہے وَالْمُخْتَارُ اَلتَّحْرِیْمُ لِقَوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَھٰذَا مَذْھَبُنَا۔ وَقَالَ الْقَاضِیْ اِخْتَلَفَ السَّلَفُ۔ (الخ) ترجمہ: امام نووی نے فرمایا کہ کالے خضاب کے بارے میں پسندیدہ اور صحیح مذہب یہ ہی ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے مسلمانو بچو اس سے (اور یہی سختی والا حکم حرام ہونے کی دلیل ہے) اور یہی ہمارا مذہب ہے اور صرف قاضی نے کہا ہے کہ سلف نے اختلاف کیا ہے۔ امام نووی اس عبارت کی پُر زور طریقے سے تردید کر رہے ہیں اور اس قاضی کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں اسی لیے یہ پوری عبارت لکھ کر آخر میں امام نووی پھر فرماتے ہیں ھٰذَا مَا نَقَلَہُ الْقَاضِیْ۔ وَالْاَصَحُّ وَالْاَوْفَقُ لِلسُّنَّۃِ مَا قَدْ مَنَاعَنْ مَذْھَبِنَا۔ ترجمہ۔ یہ (تمام خرافات اور غلط بیانی) وہ ہے جو قاضی نے کہیں سے نقل کر دی ہے۔ اور صحیح و سچا مذہب اور سنتِ نبوی کے مطابق وہی مذہب ہے جو ہم نے ابھی پہلے اپنے مذہب سے ظاہر کیا۔ دیکھ لیا کہ امام نووی علیہ الرحمۃ کتنے واضح اور ٹھوس انداز سے اس مجہول قاضی کی مکذوبہ عبارت کی تردید فرماتے ہیں امام نووی نے نہیں بتایا کہ یہ قاضی کون ہے۔ مگر مصنف مرحوم اپنی اختراع سے اس کو قاضی عیاض کہہ رہے ہیں۔ امام نووی اس قاضی کی تکذیب وتردید کر رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں تین قاضی مشہور ہیں ۱۔ قاضی شریح ۲۔ قاضی عیاض ۳۔ قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانی۔ یہاں نہ جانے کونسا قاضی مراد ہے۔ مصنف اپنی خودساختہ مرضی سے اس کو عیاض کہہ رہے ہیں یہ بھی علما کے نزدیک سخت غلط بیانی میں شمار ہے نیز قاضی اپنی اس عبارت میں لکھتا ہے۔ بالوں کے بدلنے نہ بدلنے میں احادیث مروی ہیں۔ (الخ) یہ بھی قاضی کا ایک جھوٹ ہے۔ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو سیاہ خضاب سے بدلنے کو جائز کہتی ہو۔ جواز کی سرے سے کوئی حدیث شریف ہے ہی نہیں اگر کوئی ذرا سی بھی حدیث ہوتی تو قاضی ضرور نقل کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتا ہاں البتہ مصنف مرحوم کو اپنا پورا زور لگا کر ابن ماجہ کی ایک بناوٹی روایت ملی جس کا حشر آپ نے ابھی پہلی

سطور میں دیکھ لیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اب اندازہ لگاؤ کہ جب شرح مسلم میں مصنف مرحوم نے ایسی غلطیاں یا غلط بیانیاں خوب زور شور سے کر ڈالیں تو باقی کتب کو کب بخشا ہوگا۔ اُن کے ساتھ بھی ایسی ہی توڑ پھوڑ کی ہوگی۔ کیونکہ۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ دیگ کے تین چاول دیکھ کر، ساری دیگ کا پتہ لگ جاتا ہے۔ تو اس کتاب کا بھی اسی ایک انداز سے پتہ لگ گیا۔ اِس کتاب میں طبقات ابن سعد کے بہت حوالے دیئے گئے ہیں اور یہی ثابت کرنے کی ناجائز کوشش کی گئی ہے کہ طبقات والے امام ابن سعد کا مسلک بھی سیاہی کے جواز کا ہے۔ حالانکہ ہم نے پہلے دلیل ۶ میں ابن سعد کا مسلک طبقات ہی کی عبارت سے ثابت کر دیا کہ وہ بھی کالے خضاب کو حرام سمجھتے ہیں۔ نیز ہم آخر میں اِنْشَاءَ اللہ تعالیٰ۔ ان تمام مصنفین کا مسلک ومذہب لکھیں گے جن کی کتب کے حوالے ان مصنف صاحب نے اپنی کتاب میں دے کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کالے خضاب کی طرح یہ کتاب بھی سراسر دھوکہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کالا خضاب نئی نئی عورتوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہوتا ہے اور یہ کتاب عوام کو دیجو دھویں غلطی۔ اکتابچی کے ص۱۸ سے ص۲۲ تک مصنف صاحب بارہ عبارتیں لکھتے ہیں را امام عینی شارح بخاری کی کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری سے ایک دراز عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ ابن ابی عاصم نے کئی سندوں سے ذکر کیا ہے کہ بے شک امام حسن رض وحسین رض دونوں سیاہ خضاب کرتے تھے۔ اس طرح ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک وہ خضاب پسندیدہ ہے جو اعلیٰ درجہ کا سیاہ ہو (تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پوری پوری ہو کسی طرح گستاخی ومقابلہ بازی میں کمی نہ رہ جائے)، ایسا ہی شرجیل بن سمط نے فرمایا ہے اور عنبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ تمہارے بال بمنزلہ تمہارے کپڑوں کے ہیں تو رنگو جس رنگ سے چاہو (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جی بھر کر مخالفت کرو) اور ہمیں تو اعلیٰ درجہ کا سیاہ خضاب پسند ہے اور اسماعیل بن ابو عبداللہ بھی سیاہ خضاب کرتے تھے۔ اِس کتابچے کے صفحہ ۱۹ر فتح الباری شرح بخاری کی عبارت لکھتے ہیں۔ اِس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور بے شک سیاہ خضاب

کی رخصت دی ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے ان میں (مصنف نے ترجمہ غلط کیا۔ عربی کا لفظ ہے فَھُمُ۔ اس کا ترجمہ اُن میں نہیں ہو سکتا۔) سعد بن ابی وقاص اور عقبہ بن ابی وقاص اور عقبہ بن عامر۔ اور حسن و حسین رض و جریر ابن ابی عاصم نے اپنی خضاب کی کتاب میں اسی کو اختیار کیا۔ اسی صفحہ ۱۹ پر طبقات ابن سعد جلد پنجم ص ۱۱۴ کی عبارت نقل کرتے ہیں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن موہب فرماتے ہیں۔ میں نے نافع بن جبیر کو مہندی اور وسمے کا خضاب کرتے دیکھا (یہاں عربی عبارت خود مصنف نے ہی اس طرح لکھی ہے۔ رَایتُ نَافِعَ ابنَ جُبَیرٍ یَخْضَبُ بِالسّوادِ۔ اس کا ترجمہ کیا مہندی اور وسمہ۔ یہ کتنا اپنے ہی خلاف غلط اور دھوکہ دہی والا ترجمہ ہے) ۴ اسی صفحہ ۱۹ پر تیسری عبارت طبقات بن سعد پنجم ص ۱۸۱ کی جس کا ترجمہ ہے محمد بن عمرو فرماتے ہیں۔ حضرت عروہ خضاب کرتے تھے جو قریب قریب سیاہ ہوتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں وسمہ ڈالتے تھے یا نہیں۔ صفحہ ۲۰ پر طبقات کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ عبد اللہ ابن موہب نے فرمایا۔ کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ کو دیکھا وَقَدْ خَضَبَ بِالسّوادِ۔ انہوں نے سیاہ خضاب کیا ہوا ۶ اسی کتابچی کے صفحہ ۲۰ پر طبقات ابن سعد پنجم ص ۱۶۳ سے یہ عبارت نقل کی جس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ سعید مقبری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے فرزندوں کو سیاہ خضاب کرتے دیکھا ان میں سے ایک عمرو بن عثمان بن عفان ہیں۔ ساتویں عبارت صفحہ ۲۱ پر طبقات ابن سعد کی ہی عبارت نقل کرتے ہیں جلد پنجم ص ۳۲۳۔ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ عبد الاعلیٰ نے فرمایا کہ میں نے محمد بن علی کرم اللہ وجہہ سے وسمہ اور سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ھُوَ خِضَابُنَا اَھلِ البَیتِ وہ ہم اہل بیت کا خضاب ہے۔ آٹھویں عبارت۔ مصنف اپنی اسی کتابچی کے ص ۲۱ پر طبقات ابن سعد پنجم ص ۳۱۴ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اُس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔ عطاف بن خالد المخزومی فرماتے ہیں میں نے علی بن عبد اللہ بن عباس کو سیاہ خضاب کرتے دیکھا نویں عبارت۔ کتابچی کے ص ۲۲ پر طبقات ابن سعد جلد ہفتم ص ۱۸۵ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اِس طرح کرتے ہوئے عقبہ بن ابی صہبا۔ ابو قلابہ کے

متعلق فرماتے ہیں۔ اَنَّہٗ کَانَ یَخْضِبُ بِالسَّوَادِ۔ بے شک وہ سیاہ خضاب کیا کرتے تھے۔ دسویں عبارت۔ صفحہ ۲۲ پر ہی ہے۔ از طبقات ابن سعد ہفتم صد ۲۱۱ زیاد بن ابی مسلم ابو عمر فرماتے ہیں کہ میں نے بکر بن عبد اللہ کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کیا کرتے تھے گیارھویں عبارت صد ۲۲ پر ہی از طبقات ابن سعد ہفتم صد ۴۹۸ ابو عشانہ فرماتے ہیں ہیں میں نے عقبہ بن عامر کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کرتے تھے۔ بارھویں عبارت۔ کتابچی صد ۲۰ سعد بن ابراہیم اپنے باپ سے راوی انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کو دیکھا وہ سیاہ خضاب کرتے تھے (طبقات ابن سعد پنجم صد ۱۵۶) جواب) محترم مصنف صاحب مرحوم نے اپنی اس کتاب صفحہ ۱۸ سے صد ۲۲ تک تین کتابوں فتح الباری عینی اور طبقات ابن سعد سے یہ بارہ عبارتیں نقل کی ہیں اور ان کا آخری ایڑی چوٹی کا زور ہے جس پر ان کو فخر ہونے کا حق ہے مگر یہاں بھی عبارات میں وہی توڑ پھوڑ اور کتر و بیونت ہے جیسا کہ امام نووی کی شرح مسلم میں انہوں نے کیا۔ اس قسم کے اُڑتے پھرتے آوارہ اَقوال تو اسلام کے ہر مسلم و متفق علیہ مسئلے کے خلاف مل جائیں گے یہی تو پُرانے دشمنانِ اسلام کی دینِ اسلام کے خلاف زبردست سوچی سمجھی تخریب کاری ہے کہ اسلام کا ہر مسئلہ الجھا کر رکھ دو مسلمانوں کو کسی بھی دینی مسئلے میں اطمینان و سکون کا سانس نہ لینے دو۔ لیکن مخلصین مومنین خادمینِ اسلام علما فقہاء نے اِس لغو یاری تخریب کاری و اقوالِ آواری کا سدِ باب بھی شروع ہی سے فرماتے ہوئے ایک مکمل و مضبوط ضابطہ بنا دیا کہ خبردار ائمہ اربعہ کے اقوالِ طیبات کے سواء کسی بھی اِدھر اُدھر کے قول کو نہ ماننا۔ بس وہی مسئلہ اختلافی ہوگا جس میں اَئمہ اربعہ کی آرا مختلف ہوں۔ اور جس مسئلے میں ائمہ اربعہ کی رائے متفق ہو وہ مسئلہ قیامت تک متفق علیہ رہے گا۔ اگرچہ ہزارہا اقوالِ آوارہ اُس کے خلاف سر نکالتے رہیں گے بھٹکتے پھریں گے مصنف صاحب نے تو بڑے جوش و جذبے سے یہ بیمار اقوال چن چن کر جمع کر لیے مگر ہم مصنف مرحوم سے پوچھتے ہیں کہ جن کتابوں سے آپ نے یہ قول نقل کئے ہیں اُن کتابوں کے مصنفین۔ امام ابن حجر عسقلانی مصنف فتح الباری اور امام بدر الدین عینی و امام ابن سعد مولفِ طبقات کا اپنا مسلک کالے خضاب کے بارے میں کیا ہے؟ ذرا ہمت کر کے اوپر کی سطور میں وہ بھی دیکھ لیتے۔ اور اپنی اس

کتاب میں جرأت کر کے وہ بھی لکھ دیتے تو زمانہ آپ کو انصاف پسند کہتا۔ یہ سراسر بے انصافی و کج خلقی ہے کہ نام ان کا استعمال کر کے اقوال وہ لکھتے ہو جن کی یہ سب مصنفین تردید کر رہے ہیں اور ان آوارہ اور باطل و مردود اقوال کو تحرید و تمریض کے طریقے پر لکھ کر مسلمانوں کو ان عقیدوں سے بچا رہے ہیں۔ کیسی کم فہمی ہے کہ جن باطل اقوال سے یہ شارحین بچا رہے ہیں اُن ہی بیماروں کی گود میں مصنف مرحوم پناہ لے رہے ہیں۔ خیال رہے کہ امام ابن حجر عسقلانی۔ امام بدر الدین عینی اور ابن سعد علیہم الرحمتہ کا اپنا مسلک واضح الفاظ میں یہ ہے کہ کالا خضاب حرام ہے۔ اور اس پر انہوں احادیث کی وعیدیں بھی نقل فرمائیں ہیں جیسا کہ ہم آخر میں ثابت کریں گے۔ مگر ان حقائق سے مصنف کی آنکھیں بند ہیں وہی یہ بات کہ امام عالی مقام امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سیاہ خضاب لگایا تو اس کی وجہ فقہاء کرام نے تاریخی ثبوت کے ساتھ یہ بیان فرمائی کہ امامین کریمین نے میدانِ جنگ میں سیاہ خضاب لگایا تھا وہ بھی ایک دفعہ۔ دسویں غلطی۔ کتابچے کے ص۲۴ پر لکھا ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور اُن کے فرزند رشید غلام محی الدین شاہ بابوجی۔ میاں غلام اللہ صاحب قبلہ لاثانی شرقپوری۔ علامہ عبد الغفور ہزاروی اور حضرت پیر خواجہ قمر الدین سیالوی اور اُستاذ العلماء علامہ عطا محمد صاحب بندیالوی وغیرہم جیسے اکابر سیاہ خضاب لگاتے رہے اور لگا رہے ہیں۔ حالانکہ علماء و مشائخ کے افعال دین میں سند ہوتے ہیں (الخ) جواب :- اس اردو عبارت میں مصنف مرحوم نے چھ بزرگوں کے نام لکھے ہیں کہ وہ کالا خضاب لگاتے رہے اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی کتاب بریق المنار ص۱۸ سے ثابت کیا ہے کہ اہل دین کے افعال سند ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے واقعی اہلِ دین یعنی فقہاءِ عظام اکابر دین کے ذاتی اعمال بھی امت کے لیے سند ہیں لیکن اہل دین کے لیے فقہاءِ کرام نے چھ شرطیں بیان فرمائی ہیں ۱:- ہر کام سنت نبوی کے مطابق ہو ۲:- اس کا علم و فکر اجتہاد فی التصحیح تک پہنچا ہوا ہو ۳:- دیگر اکثر علماءِ ہم عصر اس کو سند مانتے ہوں ۴:- اس کا کوئی کام بھی اپنی رائے سے نہ ہو اپنے امام کی تقلید میں ہو (یعنی مجتہد فی الاصول ائمہ اربعہ میں سے اپنے امام کا ہمہ وقتی

پوری احتیاط سے عملی مقلد ہو ۵ خود بھی صاحبُ الرّائے اور اہلِ فتوٰی ہو اپنے ہر عمل پر دلیل و مّاخذ کا ماہر ہو ۶ تقوے اور خشیت سے معمور ہو (از شرح نبراس)
اہل دین کا امتِ مسلمہ کے لیے سند ہونا ان چھ شرطوں سے مشروط ہے۔ جہاں اور جس شخصیت میں یہ شرطیں پائی جائیں گی وہ واقعی امت کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے اگر ایک بھی کم ہو گی تو معیار ختم ہو گا۔ علم اصول کے اس قاعدے سے ماضی قریب کی صرف چند شخصیات ہی سندِ اسلام ہونے کے مقام پر فائز نظر آتی ہیں۔ خشیت اور تقویٰ طہارت تو بحمد اللہ تعالیٰ ان سب شخصیات کو بدرجہ اتم حاصل ہے۔ مگر اجتہاد فی الفروع اور صاحبُ الرّائے وماخذ و دلائل فی المسائل کا ملکہ۔ اور اہلِ فتوٰی ہونا۔ اس مقام پر صرف چند بزرگ ہی نظر آتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰحضرت مجدد بریلوی ۲ صدر الافاضل مراد آبادی ۳ پیر سید مہر علی شاہ حضرتِ اعلیٰ محدث گولڑوی ۴ امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری فنا فی الرّسول و عاشقِ سنت مصطفیٰ ۵ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہی وہ آئینۂ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو دیکھ کر دورِ صحابہ کی یاد تازہ ہوتی تھی یہی مقدس ہستیاں کفش بردارِ صحابہ تھیں۔ شیخ الحدیث لائلپوری یہ ہستیاں واقعی سندِ اسلام حجۃ اللہ البالغہ ہیں۔ لیکن میری تحقیق کے مطابق ان میں سے کسی نے کبھی بھی کالا خضاب نہیں لگایا نہ ہی جواز کا فتویٰ دیا۔ میں نے کالے خضاب سے متعلق اپنے دور کے تین بزرگوں سے گفتگو کی تھی ۱ حضرت قبلہ پیر ابوالحقائق شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی ۲ حضرت محترم صاحب زادہ بابو جی گولڑوی مرحوم ۳ حضرت علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ العالی ۱ اور خواجہ قمر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کو بہت ہی قریب سے چند بار دیکھنے اور زیارت کا شرف حاصل ہوا حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کبھی بھی سیاہ خضاب نہیں لگایا بلکہ ان کا خضاب تیز سرخ ہوتا تھا جس میں سیاہی کی جھلک ہوتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ تیز خضاب لگا ہے اصل سیاہی کا رنگ نہیں نہ کسی کو بالوں کے اصلی رنگ کا دھوکہ ہو سکتا تھا۔ غالباً ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے کہ آپ گجرات میں سید عبد الغنی شاہ صاحب کے گھر تشریف لائے میں نے بھی حاضری دی۔ یہ ان کی کرامت

تھی یا فراستِ علمی کے میرے بار بار دیکھنے سے از خود لوگوں سے فرمانے لگے۔ میں مہندی اور وسمے کا خضاب لگاتا ہوں۔ وہ بھی کبھی کبھی۔ خالص سیاہ تو حرام ہے۔ لوگ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ محدث گولڑوی حضرتِ اعلیٰ کالا خضاب جائز بھی سمجھتے تھے اور لگایا بھی کرتے تھے اور یہاں تک اڑائی گئی ہے کہ ایک دفعہ اعلیٰحضرت بریلوی اور پیر مہر علی شاہ کا مسئلہ خضاب پر مناظرہ ہونے لگا تھا۔ مگر پھر محدثِ گولڑوی نے انکار فرما دیا اور مناظرہ ملتوی ہو گیا میں کہتا ہوں یہ سب باتیں غلط جھوٹی اور افواہیں ہیں۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی علیہ الرحمۃ کی طرف یہ اتہام ونسبت دلدادگانِ خضاب کے چھوڑے ہوئے شوشے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اسی سلسلے میں نے پہلے وزیرآباد جاکر علامہ ہزاروی علیہ الرحمۃ سے شرفِ زیارت حاصل کیا اور اُن سے پوچھا کہ محدث گولڑوی کی کوئی تحریری عبارت دکھاؤ جس میں آپ نے جوازِ سیاہ کا فتویٰ دیا ہو یا اپنے عمل کا ذکر کیا ہو۔ علامہ ہزاروی نے فرمایا کہ عجالہ بردو سالہ کا مطالعہ کرو۔ میں نے عرض کیا کئی مرتبہ پڑھ چکا ہوں مگر نہ وہ حضرتِ اعلیٰ کی تحریر ہے نہ اس پر حضرت کی تائیدی تحریر ہے۔ اس پر حضرت قبلہ ہزاروی صاحب فرمانے لگے کہ گولڑے شریف جاؤ اور پیر صاحب سجادہ نشین بابوجی صاحب سے ملو۔ وہ تحریری ثبوت یقیناً دیں گے۔ میں چند دن بعد گولڑے شریف حاضر ہوا سب سے پہلے مزارِ اقدس پر حاضری دی پھر مسجد میں نماز عصر پڑھنے کے لیے گیا دیکھا کہ ایک امام صاحب مصلے پر تشریف فرما ہیں کالا خضاب لگا ہوا ہے اور اوپر سے سفید چمکتے ہوئے بالوں نے چغلی کھائی کہ یہ خضاب ہے اصل قدرتی رنگ نہیں اس لیے جب جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے اور میرے ساتھی نے علیحدہ نماز پڑھی جب جماعت ختم ہوئی تو امام صاحب اور اُن کے مقتدیوں نے ہم کو علیحدہ نماز پڑھتے دیکھا۔ ہم دونوں اٹھ کر حضرت بابوجی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے تھوڑی ہی دور پر آپ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے راولپنڈی جانے کی تیاری میں تھے مجھ کو دیکھ کر میری طرف تشریف لائے اور مجھ کو اپنے گیرج میں لے گئے اور مجھ سے خیریت پوچھنے لگے اتنی دیر میں مسجد کے امام صاحب محترم صاحب اور چند نمازی اُن کے ہمراہ وہیں تشریف لائے۔ بابوجی قبلہ کی دست بوسی کر کے فرمانے لگے کہ حضرت

صاحب اِن بزرگوں نے ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ گیراج میں دو چار پائیاں بچھی نھیں ایک پر بابو جی قبلہ تشریف فرما ہوئے دوسرے پر مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا درمیان میں پیچھے خوب صورت صاف ستھری پاکیزہ دری بچھی تھی اُس پر پیچھے امام صاحب اور اُن کے چند ساتھی بیٹھ گئے۔ امام صاحب کے سوال پر بابو جی قبلہ مسکرائے اور میری طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس کا جواب تو یہ ہی دے سکتے ہیں میں نے عرض کیا کہ نماز سے پہلے مجھ کو شک گزرا تھا کہ شاید امام صاحب محترم نے کالا خضاب لگا رہا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو چونکہ میری تحقیق کے مطابق کالا خضاب لگانا حرام ہے اور جس نے یہ ناجائز خضاب لگایا ہو میں اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا بلکہ کوئی بھی شرعی گناہ جب کسی امام کے ساتھ نماز میں نظر آتا ہو تو اُس کے پیچھے نماز منع ہے اگر پڑھی گئی تو لوٹانی واجب ہے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ کالا خضاب تو حضرتِ اعلیٰ قبلہ بڑے پیر صاحب علیہ الرحمۃ لگایا کرتے تھے اور جائز فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے ہم بھی اس کو جائز مانتے ہیں میں نے عرض کیا کہ دنیاءِ اسلام میں پیر صاحب قبلہ کی ذات بابرکات سند کی حیثیت ہے۔ اگر حضرت علیہ الرحمۃ کا کوئی تحریری فتویٰ یا ذاتی عمل شریف کا ثبوت مجھ کو مل جائے تو میں بھی تسلیم کر لوں گا بشرطیکہ ذاتی عمل شریف میں حضرت کی اپنی تحریر ہو۔ اس پر امام صاحب نے بھی رسالہ مجالہ بردو سالہ کا ہی حوالہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ رسالہ نہ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی تحریر ہے نہ تصنیف نہ تالیف نہ اِس پر آپ کی تحریری تائید لہٰذا یہ کوئی ثبوت نہیں امام صاحب اس پر خاموش ہو گئے اور کافی دیر خاموش رہے۔ اس دوران میں بھی اور بابو جی قبلہ بھی امام صاحب کی طرف دیکھتے اور جواب کا انتظار کرتے رہے جب وہ خاموش ہی رہے تب قبلہ بابو جی نے اُٹھتے ہوئے اپنے مخصوص پنجابی لہجے میں فرمایا۔ آپ کے اِس سوال کا جواب مجھ پر اُدھار ہے۔ میں نے عرض کیا یہ جواب بہت ضروری ہے میں کب حاضر ہوں ارشاد فرمایا اُس کے لیے آنے کی ضرورت نہیں وہیں گجرات آپ کو مل جائے گا۔ اِس کے بعد قبلہ محترم اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئے اور ہم اپنی گاڑی میں واپس آ گئے۔ اسی دوران حضرت نے چائے سے ہماری دعوت بھی فرمائی۔ اتنی بڑی شخصیت اور مجھ جیسے کی یہ عزت و قدر افزائی

میرے لیے سدا بہار پھول ہے۔ مگر وہ اُدھار آج تک ادا نہ ہوا نہ ہی مجھ کو پھر اب گولڑہ شریف جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ میں نے اور بھی بہت سے حضرات قبلہ محدث گولڑوی علیہ الرحمۃ کے منوسّلین سے اس بارے استفسار اور تحریر طلب کی مگر مجھ کو آج تک کوئی تحریر نہ مل سکی۔ نہ کسی نے دکھائی جس سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ نسبت غلط ہے۔ اور پھر ہو کیسے سکتا ہے کہ اتنا عظیم انسان درویشِ رسالت عاشقِ کفشِ نبوت وہ خضاب لگائے جس کو صریحی احادیث میں وعید شدید سے منع فرمایا گیا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ پیر صاحب کو کس کس غلط طریقوں سے ملوث کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ گولڑوی سرکار کی طرف کالے خضاب کی نسبت (معاذ اللہ) درست ہوتی تو اُس دور کے فقہاءِ اسلام سے ضرور مباحثہ تحریری و تقریری کہیں نہ کہیں مذکور ہوتا۔ نیز گولڑوی سرکار آخر کس عورت کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے لگاتے۔ یا کالا خضاب لگاتے وقت کس کو جوانی کا دھوکہ دینے کا ارادہ فرماتے۔ بات بنانے سے پہلے کم از کم یہ ہی سوچا ہوتا۔ اسی زمرے میں مصنف صاحب مرحوم نے بلا سوچے سمجھے اڑتی خبر کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا ہو سکتا ہے کہ حضرت قبلہ لاثانی شرقپوری علیہ الرحمۃ کے متعلق بھی بناوٹی اور بے پر کی کسی نے چھوڑی ہو اور ان کے متعلق تو یہ خضاب سیاہ لگانے والی بات میں نے اس سے پہلے سنی ہی نہیں یہ صرف مصنف صاحب کی اس تحریر سے پتہ لگا۔ اور سابقہ حوالوں کو دیکھتے ہوئے مصنف صاحب کو یہ خبر بھی غلط ہی معلوم ہوتی ہے۔ علامہ عبد الغفور ہزاروی صاحب قبلہ محترم سے میں نے خود پوچھا کہ آپ یہ کالا خضاب کیوں لگاتے ہیں تو آپ نے اپنے مخصوص پنجابی لہجہ میں فرمایا کہ میں تو صرف اپنے پیر کی نقل کرتا ہوں۔ رہا مسئلہ حضرت محترم علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ کا تو واقعی آج تک کالا خضاب لگا رہے ہیں۔ مگر ان کا لگانا تو ہمارے مصنف مرحوم کے نزدیک بھی حرام ہے اس لیے کہ علامہ بندیالوی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تک پہنچے ہوئے ہیں یا پہنچنے والے ہیں۔ اور مصنف صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ پر اپنے ہی حوالہ ۱۷ ۱۸ کتیبَ اَبِی قُحَافَۃ پر شرح نووی کے قاضی کی خود ساختہ تطبیق کا سہارا لے

سے کر لکھتے ہیں کہ جن کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں حضرت ابو قحافہ کی عمر کے
برابر علماءِ اصول کے ان ضوابط سے معلوم ہو گیا کہ کون سند ہو سکتے ہیں کون نہیں
ہو سکتے جنہوں نے اپنے کسی فعل پر فرمانِ شریعت کو مقدم نہ رکھا۔ خیال رہے کہ سند
استدلال کا یقینی خزانہ ہوتی ہے۔ یعنی اُس شخص کی ذات سند ہوتی ہے جس نے
کبھی کوئی عمل بغیر دلیل نہ کیا ہو۔ اور وہ شخصیت اِس بات میں اتنی مشہور ہو جائے
کہ اُس کے عمل کو دیکھتے ہی ہر شخص جان لے کہ اُس عمل کی یقیناً دلیل ہوگی جب تک
کسی بزرگ کی یہ خداداد احتیاط نہ ہو وہ سند نہیں ہو سکتا اس لیے ہر عالم امام
وخطیب اُمت کے لیے سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو تھا عملی سند کا تعارف قولی
سند اور دلیل میں فرق یہ ہے کہ۔ لغوی معنیٰ میں دلیل وہ ہے جس سے کسی مسئلہ
یا کسی شی کی رہنمائی حاصل کی جائے اور اصطلاح شریعت میں دلیل وہ ہے کہ جس
کے علم اور جاننے سے کسی دوسری شی کا علم حاصل ہو۔ دلیل۔ دلٌ سے مشتق ہے بمعنی
راستہ دکھانا دلالت کرنا پتہ یا نشانی بتانا۔ اور سَنَد کا لغوی معنیٰ ہے ٹیک
لگانا بھروسہ کرنا۔ اعتماد کرنا چنانچہ مناظرہ رشیدیہ ص۲۷ پر ہے۔ اَلسَّنَدُ مَا یُذْکَرُ
لِتَقْوِیَةِ الْمَنْعِ وَالدَّلِیْلِ سَوَاءٌ کَانَ مُفِیْدًا فِی الْوَاقِعِ اَوْلَا۔ یعنی سند
اصطلاحاً وہ ہے جو ممانعت اور دلیل کو قوی کرنے کے لیے ذکر کی جائے اصلاً
خواہ وہ مفید ہو یا نہ ہو۔ بہر حال مصنّف صاحب مرحوم مغفور کی یہ بات بھی صحیح
ثابت نہ ہو سکی کہ فلاں فلاں بزرگ کالا خضاب لگاتے تھے اس لیے جواز ثابت
ہوا جو بزرگ جو شخصیاتِ واقعی سندِ اہل سنت ہیں اُن کے نزدیک کالا خضاب
حرام ہے ان کا لگانا درست نہیں اور دیگر بزرگانِ دین جو واقعی لگاتے ہیں
ان کے پاس جواز کی کوئی دلیل موجود نہیں دسویں غلطی، صفحہ ۲۵ سے آگے مصنف
مذکور اُن احادیث کا جواب دیتے ہیں جن سے خضابِ سیاہ کی حرمت ثابت ہے
جواب کیا ہیں بس بچگانہ طفل تسلیاں ہیں۔ بلکہ اتنے بڑے اور مشہور علامہ مرحوم
سے ایسی کمزور باتیں حیران کن ہیں۔ چنانچہ ص۲۵ پر جواب الزامی کے طریقے پر
فرماتے ہیں کہ جن چھ۶ احادیث میں کالے خضاب کی حرمت مذکور ہے وہ سب
مطلق ہیں تو کیا ان ارشادات میں مجاہدین کے لیے استثنا ہے اگر ہے تو دکھاؤ

اور اگر مطلقاً ہیں تو پھر ان ارشادات کی رو سے تو مجاہدین بھی ان کا مصداق قرار پا گئے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے غازی مجاہدین کے لیے استثنا ثابت بھی کر دیا جائے (جو کہ ہے) تو کیا آپ جانتے ہیں کہ جہاد اور مجاہدین کی کتنی قسمیں ہیں اگر نہیں تو ملاحظہ فرمائیے۔ اگلے صفحہ ۲۶ اور ۲۷ پر مصنف صاحب نے مجاہدین کی چھ قسمیں بیان کی ہیں اور حوالوں میں فتح الکبیر ص ۲۰۸/۲ اور مشکوٰۃ کتاب الجہاد کا ذکر کیا ہے۔ جواب۔ کیا عجیب لغزش ہے کہ دین میں مجاہدہ کرنے والے حکمی مجاہدین کو حقیقی مجاہدین اور لُغت کو اصطلاحات کی صنف میں شامل کیا جا رہا ہے خیال رہے کہ شریعت ہو یا طریقت رسم ہو یا رواج اصطلاح یا عرف عام کبھی بھی لغوی معنیٰ کو اصطلاحی اور اصطلاحی کو لغوی نہیں بنایا جا سکتا۔ اور حقیقی کو مجاز یا مجاز کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ اصطلاحات شریعت کی ہوں یا عرفِ عام کی ہر لفظ کا حقیقی معنیٰ ہی مراد ہوتا ہے نہ کہ مجازی یا لُغوی۔ یہ قاعدہ کلیہ مصنف کو بھی معلوم ہے مگر یہاں یہ فرق نہ رکھنا اور حقیقت و مجاز کو مخلوط کرنا مصنف کی عمداً لغزش ہے۔ یہ بھی مصنف صاحب کو معلوم ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے ہر لفظ کا لغوی اور مجازی معنیٰ بھی ہوتا ہے اور حقیقی و اصطلاحی معنیٰ بھی مگر استعمال میں صرف حقیقی معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر حقیقت کسی جگہ متعذر ہو تو مجبوراً مجازی معنیٰ مراد ہوں گے بلا وجہ کھلے عام نہ مجازی معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں نہ بیک وقت ایک لفظ سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ علمِ اصول کے یہ قواعد مشہور و مضبوط ہیں۔ اسی کلیہ سے۔ نبی۔ رسول۔ شریعت۔ شہید۔ مجاہد۔ پیغمبر وغیرہ الفاظ کا معنیٰ متعین ہو جاتا ہے۔ ان الفاظ کے لغوی معنیٰ کچھ اور ہیں اصطلاحی معنیٰ کچھ اور ہیں۔ لیکن جب مطلقاً بغیر قید یہ لفظ بولے جائیں تو حقیقی معنیٰ مراد ہوں گے نہ کہ مجازی یا حکمی نیز مجازی معنیٰ تو حقیقت کے مشکل ہونے کے وقت مستعمل ہیں اور حکمی معنیٰ اس وقت مراد ہوتے جب تھوڑی سی تشبیہ یا مشابہت و مماثلت بین الحقیقی والمجازی۔ اس وقت اس معنیٰ مراد کو حکمی کہا جائے گا۔ لیکن اصلی معنیٰ پھر بھی حقیقی ہی رہیں گے مجازی معنیٰ عارضی ہوں گے۔ مثلاً شیر اصلی تو جنگل کا جانور ہے مگر مجازاً و حکماً صرف بہادری کی مشابہت سے زید وغیرہ انسان کو بھی کہدیا جاتا ہے

یہی حال شہید کا ہے اور یہی حال مجاہد کا ہے اسی مشابہت پر شہید کی بھی دو قسمیں ۱؎ شہید حقیقی ۲؎ شہید حکمی اسی طرح مجاہد بھی ۱؎ مجاہد حقیقی ۲؎ مجاہد حکمی۔ مجاہد اصلی حقیقی ہی کو کہا جائے گا۔ وہ وہی ہوگا جو ہتھیار بند ہو کر میدانِ جہاد میں کفار سے لڑنے کے لیے چلا جائے۔ مگر مصنف صاحب کی عقل نے یہ فرق نہ رکھا اور لگے بیوقوف بنانے اگر مصنف ہی کی طرح قلمی پچکاریاں چھوڑی جائیں تو دین اسلام کا پھر اللہ ہی حافظ ہے مصنف کی تقسیم سازی کتنی خطرناک ہے، آج مصنف نے مجاہد کی چھ قسمیں بنا کر ہر ایک بستر پر لیٹے آرام طلب مولوی خطیب اور امام کے لیے کالا خضاب جائز کر دیا۔ کل کوئی اور ایسا ہی گمراہ کُن قلم اٹھا کر نبی رسول، پیغمبر کا لغوی ترجمہ کرکے ہر ایرے غیرے کو نبی رسول اور پیغمبر کہتا پھرے گا۔ ہم مصنف سے پوچھتے ہیں کہ اگر نیکی کا حکم دینے والا ۲؎ برائی سے منع کرنے والا ۳؎ مشکل جگہ صدق و حق سے قائم رہنے والا ۴؎ فاسق و بدعقیدہ سے نفرت کرنے والا ۵؎ نفس کی ناجائز خواہشات کو کچلنے والا ۶؎ فساق و بدعقیدہ و بے دین کی دلائلِ حقّہ سے تردید کرنے والا اور مذہب حق کی تائید کرنے والا بھی حقیقی مجاہد اور میدانِ جنگ میں حاضر ہونے والے شخص کی طرح ہی مجاہد ہیں تو پھر چاہیئے کہ ان تمام مولویوں کے لیے۔ ریشم کا لباس اور کذب بیانی۔ دھوکہ فریب دینا بھی جائز ہو جائے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ مجاہدین کے لیے جائز ہے کہ کفار کو دھوکہ دے سکتا ہے ان سے جھوٹ بول سکتا ہے۔ صرف کالے خضاب تک کیوں رہا جائے۔ چنانچہ مجاہدین کے لیے احادیث مبارکہ اس طرح ہیں ۱؎ بخاری جلد اوّل ص ۴۲۵۔ بَابُ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ۔ طبع سعید کراچی۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ۔ مَعْمَر۔ هَمَّام عن ابی هریرة۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم وَسَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً ۲؎ عن ابی هريرة قَالَ سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم الحربَ خُدعةً ۳؎ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عبدِ اللهِ قَالَ قَالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ ۴؎ ابوداؤد اوّل بَابُ الْمَكْرِ فِي الْحَرْبِ ص ۳۵۵ پر ہے۔ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم قَالَ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ ۵؎ ابوداؤد۔ عن محمد بن عبید۔ ابوثور۔ معمر۔ الزهری۔ عبد الرحمٰن بن کعب۔ بن مالک۔ عَنْ اَبِيهِ۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم

کَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرّٰى غَيْرَهَا۔ وَكَانَ يَقُوْلُ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ
(۶) بخاری شریف جلد اوّل ص۴۲۵ پر ایک باب ہے۔ اَلْكِذْبُ فِي الْحَرْبِ (۷) بخاری اوّل ص۴۰۹ بَابُ الْحَرِيْرِ فِي الْحَرْبِ۔ طبع کراچی
عن احمد بن مقدام۔ خالد بن حارث۔ سعید۔ قتادہ۔ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِيْ قَمِيْصٍ مِنْ حَرِيْرٍ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا۔
(۸) اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرَ شَكَوَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم يَعْنِيْ الْقُمَّلَ فَارْخَصَ لَهُمَا فِي الْحَرِيْرِ۔ فَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا فِيْ غَزَاةٍ۔
ترجمہ۔ خلاصہ ان آٹھوں حدیثوں کا یہ ہے کہ مجاہدین کو میدانِ جنگ میں اور جنگ کی تیاری میں کفار سے مکر کرنا۔ ان کو دھوکا دینا۔ ان سے جھوٹ بولنا۔ بوقت ضرورت کپڑے کے ریشم کا لباس پہننا۔ سب کچھ جائز ہے۔ حالانکہ میدانِ جہاد اور تیاری جہاد کے علاوہ یہ سب کام ہر مسلمان پر حرام ہیں۔ چنانچہ حاشیہ ابوداؤد ص۳۵۵ پر ہے لہ وَإِنْ كَانَ مَحْظُوْرًا فِيْ غَيْرِهَا۔ ترجمہ۔ اگرچہ جنگ کے علاوہ یہ تینوں کام ہر مسلمان پر ہر شخص کے ساتھ مسلم غیر مسلم کے ساتھ جھوٹ فریب مکر ممنوع ہیں۔ اور ہر مرد پر ریشم بھی حرام ہے۔ آپ بتائیے عاشقِ خضاب سیاہ مصنّف صاحب کہ آپ کا فتویٰ اپنے لیے اور دیگر حکمی مجاہدین عاشقانِ سوادِ خضاب مولویوں کے لیے۔ ان چیزوں کے جواز کے بارے میں کیا ہے روٹی توڑ۔ پراٹھا چھوڑ مجاہد بنا ہے تو صرف خضاب جائز کیوں؟ جھوٹ مکر بھی جائز کر دو۔ یقیناً اُن مولویوں اماموں کی طرف سے بہت دعائیں ملیں گی۔ خیال رہے کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ احادیث اور فرمانِ نبوت سے مجاہدین کے لیے بھی کالے خضاب کی رخصت و اجازت ثابت نہیں بلکہ کسی بھی حدیث شریف میں ہاں۔ نا۔ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ یہ اجازت صرف فقہا کے استنباطی مسئلے سے ہے اور کئی شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ کتاب جمع الوسائل شرح شمائل مقدسہ جلد اوّل کے ص۱۰۲ پر ہے۔ فَذَهَبَ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ إِلٰى كَرَاهَةِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ وَجَنَحَ النَّوَوِيُّ إِلٰى اَنَّهَا كَرَاهَةُ التَّحْرِيْمِ وَاِنَّ

مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ فِي الْجِهَادِ وَلَمْ يُرَخِّصْ فِيْ غَيْرِهِ وَاسْتَحَبُّوا الْخِضَابَ بِالْحُمْرَةِ اَوِ الصُّفْرَةِ لِحَدِيْثِ جَابِرٍ۔ ترجمہ۔ علماءِ اسلام کی اکثریت یعنی جمہور علما فقہا (تقریبًا سارے ہی علما نے) سیاہ خضاب کو حرام بلکہ اشد تحریمی کا مذہب بنایا ہے۔ یہی امام نووی کا مذہب ہے ہاں چند علما نے صرف مجاہد کو صرف جہاد میں کالے خضاب کی (عارضی) اجازت دی ہے۔ اور جہاد کے علاوہ کوئی اجازت ان کو بھی نہیں ہے اور عام حالات میں تمام مسلمانوں کے لیے انہوں نے بھی سرخ یا پیلے خضاب کو پسند فرمایا ہے حدیث جابر رض کی دلیل سے۔ (ستارھویں غلطی) صفحہ ۲۸ پر ایک مشہور حدیث پاک کی توہین و گستاخی کے ساتھ کذب بیانی اور غلط تاویلیں کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نسائی شریف کی وہ حدیث۔ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ اس ارشاد گرامی میں جو باتیں ارشاد ہوئیں کہ وہ قوم آخر زمانے میں ہوگی۔ سیاہ خضاب کرے گی کبوتر کے پوٹوں جیسا ۳ جنت کی خوشبو نہ پائے گی۔ یہ تینوں باتیں سیاہ خضاب کی حرمت ثابت نہیں کرتیں بلکہ سیاہ خضاب صرف ان کی نشانی کے لیے بیان کیا گیا ہے جرم کچھ اور ہوگا جس کی وجہ سے اس قوم کو جنت سے بالکل محرومی ہوگی۔ اپنی اس فضول اور لایعنی تاویل کی تائید میں وہ مصنف صاحب دو روایتیں تمثیلاً پیش کرتے ہیں ایک عربی اور ترجمہ کے ساتھ دوسری کا صرف ٹوٹا پھوٹا اور ادھر اُدھر سے ادھورا ترجمہ لکھتے ہیں اصل عبارت عربی اور حوالہ درج نہیں کیا اس لیے کہ یہ اُن کے خلاف جاتی ہے۔ چنانچہ پہلی تقابلی تمثیل میں بحوالہ ترمذی لکھتے ہیں کہ دجَّالُ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ (الخ) آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جو دنیا کو دین میں ملائیں گے لوگوں کے لیے دنبوں کی کھالوں کی پوستینیں پہنیں گے (الخ) مصنف مرحوم اس روایت سے اپنا مطلب نکالتے ہوئے لکھتے ہیں دیکھئے اس ارشاد میں ایک گمراہ قوم کی نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ پوستینیں پہنیں گے اور نرم زبان شیریں کلام ہوں گے۔ حالانکہ پوستین پہننا۔ نرم زبان ہونا

حرام یا عیب و گناہ نہیں۔ مگر یہ ان کی نشانی بتائی گئی۔ اس طرح آخری قوم کا سیاہ خضاب لگانا بھی صرف ان کی نشانی بتایا گیا نہ کہ گناہ یا حرام یا باعثِ محرومی۔ اپنی اس غلط تشریح میں امام ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری جلد دہم صفحہ ۳۰ کا عربی حوالہ بھی پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں خضاب والی روایت کا یہ مطلب فتح الباری نے کیا ہے نہ کہ فقط ہم نے۔ دوسری تمثیل میں لکھتے ہیں کہ۔ اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ وہ سر امنڈائیں گے۔ سکون سے نمازیں پڑھیں گے۔ یہ بھی ایک قوم کی نشانی ہے کیونکہ سر منڈانا اور سکون سے نمازیں پڑھنا اچھی بات ہے حرام یا بری نہیں۔ پس اس طرح کالا خضاب لگانا بھی اس قوم کی نشانی بتائی نہ کہ حرمت کے لیے نیز لکھتے ہیں کہ گزشتہ صفحات میں گزرا (یعنی مصنف نے ثابت کر دکھایا) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاہ خضاب کو اَحْسَنُ فرمایا۔ متعدد صحابہ و تابعین۔ اہل بیت۔ ائمہ محدثین فقہا حنفیہ اور ہزاروں علماء و مشائخ اس کے جواز کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔ نیز جنگلی کبوتر کے پوٹے سیاہ نہیں ہوتے بلکہ سیاہی کے ساتھ بہت زیادہ نیلا پن ہوتا ہے (الخ) جواب۔ یہاں ہمارے محترم مصنف مرحوم نے تقریباً پانچ زبردست غلطیاں کیں جو غلط بیانیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ حدیث پاک نے فرمایا کہ سیاہ خضاب کبوتر کے پوٹوں کی مثل۔ یعنی حدیث پاک نے کبوتر کے پوٹوں کو سیاہ فرمایا اور ان کے ساتھ خضاب کو تشبیہ دی مگر مصنف لکھتے ہیں کہ پوٹے سیاہ نہیں ہوتے۔ گویا کہ مصنف صاحب حدیث پاک کی غلطی نکال رہے ہیں۔ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو سیاہ فرمائیں اور یہ کہیں سیاہ نہیں ہوتے اپنی معلومات کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ طرزِ تکلم سراسر گستاخی و گمراہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی معلومات ناقص ہے۔ کبوتر کی ہزار ہا قسمیں اور سینکڑوں رنگ ہوتے ہیں۔ جنگلی کبوتر بھی بہت سے رنگ والے ہوتے ہیں۔ بستر پر لیٹے لیٹے کتابیں لکھنا تو بہت آسان ہے علم حاصل کرنا مشکل ہے اسی چیز کی مصنف مرحوم کے پاس کمی ہے ورنہ ایسی گستاخی نہ کرتے ہم نے پہلے اسی حدیث پاک کی شرح میں ثابت کر دیا کہ جنگلی کبوتر سے پوٹے سیاہ بھی ہوتے ہیں بلکہ بعض جنگلی تو بالکل پورے سیاہ بھی ہوتے ہیں۔ مصنف اور ان

کی معلومات غلط ہیں دوم یہ کہ۔ اِس آخری قوم کی جنت سے محرومی اِسی سیاہ خضاب کی وجہ سے ہوگی یہ سیاہ خضاب کا ذکر فرمانِ رسول کریم میں فقط نشانی کے لیئے نہیں ہے۔ تین وجہ سے ۱۔ وجہ یہ کہ تمام فقہا اور محدثین نے اس حدیث پاک سے حرمت اور کراہت کا استدلال کیا ہے۔ بلکہ اِس حدیث کو جس باب میں لکھا ہے اس باب کا نام بھی۔ باب منع الخضاب بالسواد۔ باب ترک الخضاب السواد۔ رکھا ہے۔ ۲۔ وجہ یہ کہ تمام احادیث۔ اللہ رسول کے شرعی احکام بتانے کے لیے ہوتی ہیں خواہ کسی طرز بیانی سے ہوں۔ فرمان نبوّت نہ تو تاریخی مقولے ہوتے اور نہ ہی پہیلیاں۔ مصنف نے جو اوٹ پٹانگ غلط تشریح کر ڈالی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس آخری قوم کی نشانی تو بتا دی اور سزا بھی بتا دی۔ یعنی نشانی سیاہ خضاب لگانا اور سزا جنت سے محرومی مگر قوم کا نام اور جرم نہ بتایا۔ جس سے یہ حدیث ایک پہیلی بن گئی کہ تا قیامت لوگ سوچتے رہیں۔ وہ قوم کونسی ہو گی۔ خود مصنّف بھی نہیں بتا سکتے کہ وہ قوم کون سی ہوگی۔ مصنف کی اس خود ساختہ تشریح نے حدیثِ رسولُ اللہ کو ایک مذاق بنا دیا۔ امام عسقلانی کی عبارت بھی مصنّف کو اِس گستاخیِ حدیث سے نہ بچا سکی نہ یہ حوالہ ان کو کار آمد۔ کیونکہ یہ تشریح امام عسقلانی خود نہیں فرما رہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ کسی کم عقل نے اس بہترین واضح اور صاف حرمتِ خضاب والی حدیث پاک میں بھی ایسی جہالت کا مظاہرہ کیا کہ سیاہ خضاب کو قوم کی نشانی بنا دیا حالانکہ یہ سیاہ خضاب لگانا اُس قوم کی نشانی نہیں بلکہ اصل جرم ہے۔ اور صرف سیاہ خضاب لگانے کی پاداش میں جنّت سے محرومی یا قربِ جنت سے محرومی یا جنت کی خوشبو سے محرومی ہوگی۔ عبارتِ حدیث تو صاف یہی فرما رہی کہ قَوْمٌ یَخْضِبُوْنَ۔ وہ قوم خضابِ سیاہ لگایا کرے گی۔ بلکہ اب ایسی کتابیں پڑھ کر صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شاید حدیث پاک میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی زمانے کا ارشارہ فرمایا ہو۔ کیونکہ یہ زمانہ بھی آخری زمانوں میں سے ہے۔ ۳۔ وجہ یہ کہ حدیث پاک کے واضح الفاظ بھی حرمتِ خضاب کو ثابت کر رہے ہیں اور علی الترتیب وضاحت ہے کہ پہلے قوم کا جرم بتایا جا رہا ہے پھر نشانی پھر سزا۔ اس حدیث پاک میں ایسا ہی کیا گیا کہ قوم کا زمانہ اور جرم و نشانی اور سزا

سب کچھ بیان فرما دیا گیا۔ ۱ قوم کا زمانہ آخری ہے ۲ جرم خضاب لگانا ہے ۳ اور نشانی کبوتروں کے پوٹوں کے مثل کالے سیاہ اور سزا محرومی جنت اب کوئی اعتراض وسوال حدیث پر نہیں پڑتا۔ یہ ہے حدیث پاک کی سچی سمجھ اور صحیح تشریح مصنف کی عقل کی رسائی اگر یہاں تک نہ ہو سکے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ سوم یہ کہ مصنف نے ابن ماجہ والی پیش کردہ غلط اور ضعیف روایت کا ذکر کیا معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے خضاب کو اَحْسَنُ فرمایا۔ ہم نے پہلے اس کا جواب عرض کر دیا کہ یہ جھوٹی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کالے خضاب کو اَحْسَنُ نہ فرمایا بلکہ بہت سی کتاب اور خود ابن ماجہ نے کتم وحنا کے ملے ہوئے خضاب کو اَحْسَنُ فرمایا اور اسی حدیث پاک کو سب محدثین نے صحیح فرمایا۔ اگر غلط روایت کو بھی حدیث کہہ دیا جائے تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے کیونکہ تضاد بیانی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کی زبان کبھی حنا و کتم کے سرخ خضاب کو اَحْسَنُ فرماتی ہے کبھی اس کے خلاف سیاہ کو اَحْسَنُ فرماتی ہے اور کبھی سیاہ سے منع کرتی ہے اور مطابقت ناممکن منکرین حدیث کو انکار وگستاخی کا موقع دیتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ جھوٹی روایت کو جھوٹا ہی رہنے دیا جائے اس کو باطل نظرئے کا سہارا نہ بنایا جائے۔ اسی طرح صحابہ وتابعین وہزاروں علماء مشائخ کا ذکر کرنا بھی کذب بیانی اور جھوٹ تہمت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ اسی لیے تمام مصنفین متقدمین ومتاخرین عامۃ المشائخ وجمہور فقہا کا مسلک یہی بیان فرماتے ہیں کہ ان سب کے نزدیک کالا خضاب حرام ہے۔ مصنف کی چوتھی لغزش۔ مصنف مرحوم نے ترمذی کی ایک عبارت بطریقۂ حدیث نقل فرمائی کہ آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو لوگوں کے لیے کھال کی پوستین پہنیں گے۔ یہ روایت ترمذی میں نہیں ملی ہیں نے تو بہت تلاش کی۔ بہر کیف اگر ہو بھی تو یہاں بھی مصنف کی عقل وفکر نے کام نہیں کیا۔ اور غلط مطلب سمجھا، یہ روایت بھی پوستین پہنتے کو ہی اس قوم کا جرم قرار دے رہی ہے۔ اس لیے فرمایا گیا۔ یَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ۔ ان کا پوستین پہننا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہوگا فرمایا گیا لِلنَّاسِ اور ان کی میٹھی گفتگو بھی لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے ہوگی۔ اور واقعی اس فریب کاری کے لیے پوستین

پہننا میٹھی چاپلوسی کی باتیں کرنا سب حرام ہیں۔ ہاں اگر ویسے اپنی عزت یا عجز وانکسار کے لیے کوئی پہنے تو جائز ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی جاہل آدمی جبہ و دستار۔ اور علماء جیسا لباس پہنے تاکہ لوگ اُس کو عالم سمجھیں اُس سے مسئلے پوچھیں اور جھوٹے غلط شلط مسئلے بتانا شروع کر دے تو یہ جبہ و دستا اُس کے لیے حرام ہوگی۔ کوئی جعلی پولیس بن جائے توحکومت کا مجرم ہوگا یا نہیں بس یونہی سمجھ لو کہ پوستین اور گودڑی اولیا اور درویشوں کا لباس ہے۔ اگر کوئی جھوٹا پیر فقیر بنے تو یہی گودڑی۔ پوستین اور تسبیح و مرقع اُس کے لیے منع ہے۔ اور وہ اس فریب دہی کے لباس سے شرعی مجرم ہوگا۔ مصنّف کی پیش کردہ روایت کا سچا مطلب یہی ہے۔ مصنّف صاحب نے۔ جُلُودُ الضَّانِ اور یَلْبَسُوْنَ کو دیکھا لِلنَّاس کو نہ دیکھا اگر اتنی ہی فہم تھی تو کتاب وقلم پکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ پانچویں لغزش یہ کہ مصنّف نے دوسری تمثیلی روایت کی عبارت پیش نہ کی صرف ادھورا ترجمہ کانٹ چھانٹ کر لکھ دیا۔ اصل روایت اس طرح ہے کہ نبی کریم غیب دانِ عالم نے وہابی نجدی گروہ کا نام لے کر ان کی نشانیاں بتائی ہیں کہ وہ سر منڈایا کریں گے اور لمبی نمازیں پڑھا کریں گے۔ صرف۔ یَکُوْنُ قَوْمٌ۔ یا یَخْرُجُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ۔ نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہاں بھی مصنّف کی بات نہیں بنی۔ پس ثابت ہوا کہ یَخْضِبُوْنَ بِھٰذَا السَّوَادِ۔ سے۔ حرمت خضابِ سیاہ ہی ثابت ہو رہی ہے۔ (اٹھارھویں غلطی۔) مصنّف مرحوم صنہ۳ پر۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُس روایت کو ضعیف کہہ رہے ہیں جس میں ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حِنَاوٌ کتم کا خضاب سب سے پہلے ابراہیم علیہ السّلام نے اور کالا خضاب فرعون نے لگایا۔ اور حوالے میں سراج منیر شرح جامع صغیر صہ۸۲ عبارت نقل کر رہے ہیں کہ۔ قَالَ الشَّیْخُ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ۔ (جواب) باطل لوگوں کا یہ ایک فیشن بن چکا ہے کہ جس حدیث پاک کو نہ ماننا ہوا اُس کو ضعیف کہہ دیا۔ کتنا آسان ہے بچ نکلنا۔ یہ عادت وہابیوں سے چلی ہے۔ مصنّف صاحب کو جب اس کا جواب نہ آیا تو باطل عقیدے کو بچانے کے لیے ضعیف کہہ دیا۔ اور پھر استدلال میں کیسی مجہول و ناکارہ عبارت۔ کہ۔ قَالَ الشَّیْخُ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ۔ نہ معلوم کہ قال کا متکلم کون

ہے شیخ کون ہے۔ کس حدیث کو ضعیف کہہ رہا ہے کیوں کہہ رہا ہے۔ کیا ثبوت ہے ضعیف ہونیکا حالانکہ ہم پہلے اپنی پانچویں دلیل میں مسند دیلمی کی سند سے اس روایت کو صحیح ثابت کر چکے ہیں۔ اس کو جمع الوسائل جلد اوّل ص۱۰۲ پر ملا علی قاری رح نے اپنے دلائل میں بیان کیا ہے وہ اِس کو ضعیف نہیں کہتے۔ علامہ مناوی نے اس کو صحیح فرمایا اور سب سے بڑی سند اس روایت کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اعلحضرت مجددِ بریلوی رضا نے اِس کو اپنی دلیلوں میں شامل وشمار فرمایا۔ لہذا صرف مصنف صاحب اور اُن کے شیخ کے سر پھیرنے اور میں نہ مانوں کہنے سے تو یہ ضعیف نہیں ہوسکتی۔ آگے اسی ص۳۰ پر۔ مصنف ایک الزامی سوال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیکھو فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص۳۳۴ میں ہے۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ الصَّفَّارِ اَلْخُفُّ الْاَحْمَرُ خُفُّ فِرْعَوْنَ وَالْخُفُّ الْاَبْيَضُ هَامَانَ۔ سرخ رنگ کا موزہ فرعون کا ہے اور سفید رنگ کا موزہ ھامان کا ہے۔ تو اگر کالا خضاب اس لیے منع ہے کہ وہ فرعون نے لگایا تو سرخ وسفید موزہ بھی فرعون وھامان کا ہے وہ بھی منع ہونا چاہیئے۔ نیز اسی کتابچی کے ص۳۱، ص۳۲ پر ٹوپی اور عمامے کی مثال دی ہے کہ ٹوپی صرف بغیر عمامہ کفار کی نشانی ہے۔ تو چاہیئے کہ صرف ٹوپی بغیر عمامہ پہننا بھی حرام ہونا چاہیئے۔ (جواب) فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص۳۳۲ کا یہ قاسم الصفار جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ بہر کیف اگر سچ بھی ہو تب بھی فتاویٰ عالمگیری کے عام مصنفین کی عبارت کو فرمانِ نبوت کے مقابل لانا اور مساوی درجہ دینا سراسر گمراہی وگستاخی حدیث ہے۔ کہاں وہ وحیِ الٰہی کی زبان شریعت اسلام کے کلمات ترجمانِ خداوندی کے الفاظ۔ چشمۂ فیض وحکمت سرکارِ کائنات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی ہاں اور نا کا نام شریعت اور جن کی ہر ہر ادا قانونِ الٰہی ہے۔ جن کے منہ مقدس کے ادا کیئے ہوئے جملے نطقِ قرآن وحکمِ رحمٰن بن جاتے ہیں۔ اور کہاں یہ بیچارے عالمگیری کے مولوی ومفتی۔ عالمگیری کا یہ کہنا غلط اور جھوٹ بھی ہوسکتا ہے۔ تاریخی یا وہ گوئی بھی ہوسکتی ہے۔ یا صرف تاریخی معلومات بھی ہوسکتی ہے قصہ کہانی بھی بنائی جاسکتی ہے عالمگیری کا یہ قول کوئی شریعت کا پیمانہ نہیں کہ اُس کو ایمان کی بنیا دیا حرام وحلال کا معیار سمجھ لیا

جائے ایسے لاکھوں اقوال ٹھکرائے و جھٹلائے جا سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ واقعتًا یہ بات کسی نے بے پَر کی چھوڑی ہو۔ اس لیے کہ عالمگیری نے جہاں یہ عبارت لکھی ہے وہاں کے سیاق و سباق سے یہ عبارت بے تکی سی معلوم ہوتی ہے سمجھ نہیں آتا کہ مؤلف نے یہ بیکار بے فائدہ بے جوڑ عبارت کس مقصد کے لیے یہاں لکھ دی ہاں اگر یہ عبارت فرمانِ نبوت ہوتا تو واقعی سرخ اور سفید موزے سے مسلمانوں کو نفرت ہو جاتی اور عبارت لکھنے کا مقصد سمجھ آجاتا۔ اسی بے جوڑ۔ بے تکی ہونے کی وجہ سے دل کہتا ہے کہ یہ عبارت جھوٹی ہے۔ اور اگر سچی بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کو تاریخی معلومت میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن وہ فرعون و خضاب کی حدیثِ مقدسہ اُن کے الفاظ ہیں جن کی زبان پر قرآن بولتا ہے۔ جن کے لب و دندان مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کے لقبِ عظیم سے مزین ہیں۔ افسوس مولنٰا کہ تم نے کس کے مقابل کس کو لا کھڑا کیا۔ مَا قَدَرُوا الْحَدِيْثَ الْمُقَدَّسَةَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مورخ بن کر نہیں آئے کہ صرف تاریخی معلومت سنبھالتے رہیں۔ آپ کا ہر ہر لفظ قانون ساز ہے اس حدیث پاک سے یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں کالے خضاب سے نفرت کرو کیونکہ اس کی ابتدا ہی ظالم و کافر سے ہے اس طرح پر اور بھی بہت سے قانونِ اسلامی ہیں جس کی وجہ کراہت فقط کفار سے نفرت پیدا کرنا ہے۔ رہا عالمگیری کی عبارت تو اُس کی فرمان نبوت کے مقابل حیثیت ہی کیا ہے۔ نیز وہ عبارت لفظًا بھی غلط ہے۔ کیونکہ لکھا ہے دَالْخُفُّ الْاَبْيَضُ هَامَان۔ یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اس کو بنانے والا عربی سے جاہل ہے۔ اِس عبارت کا ترجمہ بنتا ہے۔ کہ سفید موزہ ھامان ہے۔ مصنف صاحب بے چارے شاید نیند میں ایسی عبارت بنا گئے جس کا سر پیر ہی نہیں رہا ٹوپی عمامے کا مسئلہ تو وہ اپنی جگہ درست ہے۔ مگر خطیب مذکور مولوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکتا ایسے ارشاد سمجھنے کے لیے وسیع علم تدبر، تفکر، تجربہ مشاہدہ۔ اور ذہن و عقل کی محنت کرنی پڑتی ہے خیال رہے کہ اسلامی قانون دو قسم کے ہیں (۱) محکم و مستقل (۲) عارضی و ہنگامی۔ قانون محکم وہ ہوتا ہے جو کسی وجہ سے نہ ہو وہ دائمی ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یا فقط مرد یا فقط عورت

کے لیے ہر وقت ہر جگہ ہر ملک میں فرض واجب یا نفل سنت مستحب رہتا ہے۔ لیکن ہنگامی قانون کسی خاص وجہ سے عارضی طور پر واجب لازم یا مستحب کیا جاتا ہے جب وہ وجہ ختم ہو جائے یا جس جگہ وہ وجہ نہ پائی جائے وہاں سے وہ حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مستحکم و مستقل کی مثال تو پوری شریعت اسلامیہ ہے لیکن ہنگامی و عارضی حکم تو اس کی دو صورتیں ہیں ۱۔ جب کوئی کام کسی کافر قوم کا مذہبی شعار بن جائے تو وہ کام اُس وقت تک تمام مسلمانوں پر وہ حرام ہوگا جب تک وہ کفار کا مذہبی نشان بنا رہے گا۔ لیکن جب وہ کافر قوم ختم ہو جائے یا ان کا مذہبی نشان بدل جائے۔ اُس وقت وہ کام حرام نہ رہے گا۔ مثلاً پہلے زمانے میں یہودی کفار کا نشان زنار باندھنا تھا۔ آج کل عیسائیوں کا صلیب لٹکانا وغیرہ وغیرہ ۲۔ جب کوئی کام کفار کی دنیوی نشانی اور شناخت بن جائے۔ وہ کام مسلمانوں پر اس وقت اور اُس علاقہ تک حرام ہے جب تک اور جہاں تک وہ کفار رہتے ہوں یا مشہور ہوں۔ یہ کام مسلمانوں پر حرام اور ممنوع ہوں گے مگر صرف اسی ماحول میں اُسی علاقہ میں جہاں تک لوگ ایسے کام کو دیکھ کر یہ محسوس کریں کہ وہی کافر ہے۔ مثلاً یہاں برطانیہ اور یورپ میں سر پر چھوٹی سی گول کپڑے کی ٹوپی یہودیوں کی شناخت ہے اس طرح کالا اونچا ہیٹ عام یہودیوں کی نشانی ہے مگر ہندو پاک میں اسے کوئی نہیں جانتا نہ وہاں کوئی یہودی دکھائی دیتا ہے تو یہ ٹوپی اور یہ ہیٹ جس کا نام یہودی لغت میں ۱۔ کِپَا ۲۔ کوپلے ۳۔ یَمَلکا ہے ھیٹ کا نام۔ اسٹیریمر ہے، شرعی طور پر مسلمانوں کو پہننا یورپ میں حرام ہے پاکستان میں جائز ہے۔ اسی طرح سکھوں کی طرز پر پگڑی ان علاقوں میں پہننا حرام ہے جہاں لوگ سکھوں کو جانتے ہیں اگرچہ ان کی پگڑی بھی ٹوپی کے ساتھ ہے مگر جہاں سکھوں کا نام و نشان بھی نہیں وہاں ان کی طرز پر پگڑی مسلمان کو حرام نہ ہوگی۔ یہی حالت خضاب لگانے کا ہے۔ کہ سرخ پیلا رنگ والا خضاب اُن علاقوں میں لگانا ضروری ہے جہاں یہودی رہتے ہوں کہ وہ نہ لگائیں تو مسلمانوں کو اپنی شناخت بنانے کے لیے ضروری ہے تاکہ خَالِفُوھُمْ پر عمل ہو جائے لیکن جہاں یہودی نہیں رہتے مثلاً ہندوستان پاکستان تو وہاں اپنے سفید بالوں کو سرخ یا پیلا رنگ کا خضاب لگانا ضروری

نہیں۔ حدیثِ خضاب میں خالفوھم کا جملہ خضابِ حنا وکتم کی وجہ بتا رہا ہے اور جو حکم کسی وجہ سے ہو وہ عارضی و ہنگامی ہوتا ہے۔ اگر آج یہودی تمام رواجی طور پر سرخ خضاب لگانا شروع کر دیں تو مسلمانوں کو منع کر دیا جائے گا۔ لیکن خضابِ سیاہ کی ممانعت وکراہتِ تحریمہ میں کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی گئی اس لیے کالے خضاب کی حرمت دائمی و مستقل قانون ہے۔ کہ دنیا بھر میں کسی وقت کسی عمر کسی حالت کا مرد مسلمان ہو یا اس کے بال پورے سفید ہوں یا ملے جلے سب کے لیے کالا خضاب حرام ہے۔ ہاں عورت پر کالا خضاب لگانا حرام یا مکروہ نہیں مسلمان عورت کو خضاب لگانا جائز ہے۔

چنانچہ جمع الوسائل شرح شمائل جلد اوّل ص۱۰۲ پر ہے۔ وَلِحَدِیْثِ اَبِیْ دَرْدَاءٍ رَفَعَہٗ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللہُ وَجْہَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَخْرَجَہُ الطِّبْرَانِیْ وَابْنُ عَاصِمٍ وَسَنَدُہٗ لَیِّنٌ۔ وَمِنْھُمْ مَنْ فَرَّقَ فِیْ ذَالِکَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَۃِ فَاَجَازَ لَھَا دُوْنَ الرَّجُلِ وَاخْتَارَہُ الْحَلِیْمِیْ (الخ) ترجمہ ابو درداء کی ایک مرفوع حدیث پاک ہے جس کو طبرانی اور محدث ابن عاصم نے بھی روایت فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص دنیا میں کالا خضاب لگائے گا اللہ تعالیٰ اس کا منہ قیامت کے دن کالا کر دے گا۔ اس کی سند نرم ہے۔ اور کچھ فقہاءِ کرام نے کالے خضاب کے مسئلے کو عورت مرد کے لیے منفرق کیا ہے کہ عورت کے لیے کالا خضاب لگانا جائز رکھا اور مرد کے لیے حرام و ناجائز۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کالے خضاب کی حرمت دھوکہ دینے اور فریب کرنے کی وجہ سے ہے مرد کا کالا خضاب لگانا سراسر دھوکہ بازی ہے کیونکہ وہ داڑھی کو لگائے گا اور داڑھی کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ جو دیکھے گا وہ اس کو جوان سمجھے گا اور کالے خضاب کی نیت بھی یہی ہوتی ہے خواہ پیر صاحب لگائیں یا مرید صاحب عالم لگائیں یا عوام۔ لیکن عورت صرف سر کے بالوں کو لگا سکتی ہے اور ڈھکنا ہر عورت پر فرض ہے تو اس کے بالوں کا خضاب نہ کسی کو نظر آئے نہ کوئی دھوکہ کھائے دھوکہ ہمیشہ اجنبیوں کو دیا جا سکتا ہے اور اجنبی سے سر ڈھکنا فرض ہے۔ جب یہ عارضی و ہنگامی حکم کا فرق سمجھ لیا تو ٹوپی اور پگڑی بھی عارضی و ہنگامی

حکم ہے۔ اس لیے کہ صرف ٹوپی کی ممانعت بزی المشرکین کی وجہ سے ہے یعنی کفار کی نشانی ہونے کی وجہ سے اور کفار کی مخالفت تو واجب تو ان کی نشانی سے بچنا و ہٹنا بھی واجب ہوگیا، بالکل سرخ خضاب جیسا مسئلہ ہے۔ تو جہاں جہاں ٹوپی پہننا کسی قسم کے کفار کی نشانی بن جائے وہاں کے لیے اعلحضرت کا یہ فرمان بھی اور حدیث پاک کا شرعی حکم بھی لیکن جہاں پر کفار کی نشانی ٹوپی نہیں یا اس طرز کی ٹوپی نہیں وہاں صرف ٹوپی پہننا بغیر عمامہ جائز ہوگا۔ فَمَا جَوا بُکُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا مصنف صاحب کو چاہئے تھا کہ زندگی میں یہ حدیث و عبارت استادوں سے سمجھ لیتے پھر قلم اٹھاتے۔ انیسویں غلطی۔ ص۳۳ پر مسلم دوم ص۱۹۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے۔ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ فَلَا تَلْبِسْهُمَا وَفِیْ رِوَایَةٍ قُلْتُ اَغْسِلُهُمَا۔ قَالَ بَلْ اَحْرِقْهُمَا۔ ترجمہ تو فرمایا بے شک یہ کفار کے لباس میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں ان کو دھو کر رنگ اتار دوں۔ فرمایا بلکہ ان کو جلا دو آگے مصنف اپنی نادانی کم فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ زرد رنگ کے کپڑوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کفار قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ میں دھو کر رنگ اتار دوں تو ارشاد ہوتا ہے کہ نہیں بلکہ جلا دو۔ حضور کی اس صریح اور شدید ممانعت اور لباس کے رنگ کو دھو دینے کے باوجود جمہور علما صحابہ و تابعین، امام اعظم ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک ثوب معصفر یعنی زرد رنگ کے کپڑے پہننا (الخ) مباح فرماتے ہیں چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔ وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِی الثِّیَابِ الْمُعَصْفَرَةِ قَالَ۔ وَالْمَصْبُوْغَةِ بِعُصْفُرٍ فَاَبَاحَهَا جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَاَبُوْحَنِیْفَةَ وَمَالِكٌ لٰكِنَّهٗ قَالَ غَیْرُهَا اَفْضَلُ مِنْهَا۔ ترجمہ۔ علما نے پیلے رنگ کے کپڑے پہننے میں اختلاف کیا ہے جمہور (یعنی اکثر) علمائے صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علما نے پیلے کپڑے

پہننا بالکل جائز اور مباح حلال فرمائے اور یہی امام شافعی۔ امام ابو حنیفہ۔ اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ مباح ہے۔ لیکن صرف امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ پیلے کپڑوں سے دوسرے رنگ کے کپڑے افضل ہیں مصنف صاحب خود ہی اپنی اوندھی سمجھ کی وجہ سے الجھتے ہیں اور پھر خود ہی حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ جس طرح لباس معصفر کو ثیاب الکفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح سیاہ خضاب کو کافر کا خضاب فرمایا۔ تو یہ کیا وجہ ہے کہ پیلا لباس تو گناہ بھی نہ ہو مگر (ہائے ہمارا پیارا) کالا خضاب کرنا۔ حرام قطعی۔ اور کرنے والا جہنمی ہو اور آخرت میں منہ کالا ہو۔ اس عظیم فرق کی کیا وجہ۔ (جواب) ہاں آؤ ہم بتاتے ہیں کہ اس عظیم فرق کی کیا وجہ ہے مگر پہلے اتنا سنو کہ خدا جب دین لیتا ہے سمجھ بھی جاتی رہتی ہے۔ سچ فرمایا بزرگوں نے کہ انسان جب باطل پر چل پڑتا ہے تو اس کا چراغ شعور بجھ جاتا ہے اور معمولی اور نہایت آسان بات بھی نہیں سمجھ پاتا۔ اولاً تو یہ غور کرو کہ حدیث پاک میں صریح وعید و شدید ممانعت ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جمہور اپنا مذہب اس کام کے جواز و مباح پر بنالیں گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح مخالفت اور مقابلہ کریں۔ کیا ان جمہور کو جہنم کا خوف نہیں۔ کیا ان کو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ کی آیت غضب الٰہی یاد نہیں۔ پھر مصنف نے جمہوریت تک ہی بات نہ رکھی اس نے اپنی نادانی میں امام اعظم امام شافعی مالک کو بھی ملوث کرنا چاہا اور امام نووی کو بھی بے شعور ہی سمجھ لیا۔ اور پھر کمال نادینی سے۔ فَمَا جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔ کا جملہ بے موقعہ محل بطور تکیہ کلام بول دیا۔ اور اندھے کی لاٹھی ہوا میں چلا دی۔ اللہ کے بندو اگر تم کو اپنی خود ساختہ اس الجھاؤ کا سلجھاؤ نہیں آتا تھا تو کتاب لکھنے کی کیا مصیبت پڑی تھی اور پھر گھبرا کر اور جواب کی سمجھ نہ پا کر علماء حق کی منتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ بزرگو خدا کے لیے جواب سمجھاؤ۔ فَمَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔ اے علماء کرام جو تم جواب دو گے وہ ہی ہم اپنا جواب سمجھ لیں گے اور گمراہی سے نکل آئیں گے۔ مصنف صاحب نے اس کتاب میں بہت جگہ یہ جملہ تحریر فرمایا ہے یعنی پہلے اپنی ناسمجھی سے خار زار عقلیات میں پھنس جاتے ہیں پھر جب نکلنے کا راہ

نہیں پاتے تو۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ (الخ) کہ بچاؤ، بچاؤ۔ آیئے مجدد یہاں ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی غلط فہمی سے بچاتے ہیں۔ لہذا با در کھیئے اس حدیث پاک میں کسی بھی رنگ سے بحث نہیں نہ پیلے رنگ کے کپڑوں سے ممانعت ہے نہ شدید نہ خفیف۔ نہ امام نووی نہ جمہور نہ امام اعظم امام شافعی و امام مالک نے اِس حدیث پاک میں رنگ کی بحث سمجھی سب کی سمجھ بحمدہ تعالیٰ اِس حدیث مبارکہ کی فہم میں بالکل درست ہے۔ صرف ہمارے مصنفِ صاحب اور اِس طرح کی کم سمجھی والے حضرات جو پہلے زمانوں میں ہوئے اور انہوں نے اپنی کم فہمی سے اِس فرمان پاک سے پیلے رنگ کی ممانعت سمجھ لی امام نووی علیہ الرحمۃ اپنی شرح میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے اُن ناسمجھوں کو جواب دیر ہے ہیں کہ نادانوں اِس حدیث پاک کی ممانعت شدید پیلے رنگ کی وجہ سے نہیں۔ نہ ہی مذہب اسلام رنگ و روپ میں کسی کو اُلجھاتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام نہ تو ہندوؤں کی طرح کسی کالے یا سبز رنگ کا پجاری بنائے کہ ان رنگوں کی مسلمانوں کو تعظیم کا حکم دے جیسا کہ فی زمانہ بعض کم عقل نادان پیر لوگ ہر کالے اور سبز رنگ کی تعظیم میں جھکے پڑتے ہیں اپنے مریدین کو بھی اِن دو رنگوں کی تعظیم کا حکم دیتے ہیں کہ کالے رنگ کی جوتی نہ پہنو سبز رنگ کا فرش نہ بنواؤ کہ یہ غلاف کعبہ کا رنگ ہے اور یہ سبز گنبد کا رنگ ہے۔ اسلام ان خرافات کو نہیں مانتا اللہ تعالیٰ نے کالی بھینس کالا ریچھ بہت سے کالے حرام جانور پیدا فرما دئے۔ یہاں تک کہ ہر مرد کے کالے بال ناف سے پیروں تک اگا دئے۔ اب کرو اِن کی تعظیم سجا کر رکھو تو کیسی ہیں۔ اِسی طرح سبز گھاس کے میدان سجا دئے کہ ہر طرح ان پر چلو پھرو گنتے دوڑاؤ۔ مسلمان صرف اُس رنگ کی تعظیم کرے گا جو غلافِ کعبہ سے لگ چکا ہے آج کل کالا ہے تو کالے غلاف کی تعظیم ہے اگر کل کسی حکومت نے سرخ یا پیلا غلاف ڈال دیا تو اُس غلاف کی تعظیم ہو گی یہ تعظیم فقط کعبہ کی نسبت اور اُس کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہے جو اُس پر لکھے ہوئے ہیں نہ کہ کپڑے یا کالے رنگ کی وجہ سے اسی طرح صرف اُس سبز رنگ کی تعظیم ہو گی جو سبز گنبد میں لگ چکا ہے۔ اُس لگے ہوئے رنگ کا ٹکڑا اگر ہم کو مل جائے تو تاج شاہی سے بھی زیادہ اُس کی تعظیم کریں گے یہ مومن کا فرض ہے۔ لیکن اُس کے علاوہ

کسی بھی ہرے کالے پیلے سرخ رنگ میں شریعتِ اسلامیہ مسلمانوں پر کوئی بھی حکم صادر نہیں فرماتی نہ کوئی رنگ واجب نہ کوئی حرام نہ مکروہ نہ تحریمی نہ تنزیہی۔ اسلام اِن بناوٹوں اور خود ساختہ پابندیوں کے خلاف ہے۔ اسلام قرآن وحدیث کا نام ہے۔ ان کے تمام قوانین نہایت ٹھوس مضبوط بنیادوں پر ہوتے ہیں۔ ایسی ہی اڑتی باتیں نہیں ہوتیں اسلام کی حرام وحلال کی ہوئی چیزوں کی وجہ کوئی شناخت یا نشان یا نفع نقصان کی بنیاد ہوتی ہے روایت میں عورتوں جیسے کپڑے مردوں کو پہننے منع ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فقہاءِ کرام نے مسئلہ بتایا کہ ہر قسم کا چمکدار اور بھڑکیلے رنگ کا کپڑا بھی مرد کو حرام ہے اگرچہ اُس کی بناوٹ ونمونہ مردانہ طرز پر ہو۔ صرف اس لیے کہ چمکیلا کپڑا عورتوں کے لیے مخصوص ہو گیا وہ عورتوں کی شناخت بن گیا۔ اگرچہ سفید رنگ میں ہی چمک ہو لیکن بغیر چمک کے ہر قسم کے رنگ کا لباس مرد کو جائز ہے معلوم ہوا کہ رنگوں میں حِلّت حرمت نہیں بلکہ شناخت ومشابہت کی وجہ سے ہے اس طرح حدیث پاک میں بھی کہ جب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو کو پیلے رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا تو۔ منع فرماتے ہوئے رنگ کا بالکل ذکر نہ کیا۔ بلکہ فرمایا اِنَّ ھٰذِہٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ۔ یہ کپڑے اپنی بناوٹ اور نمونے میں کفار کے ہیں ان کو پہنے تو دیگر اجنبی مسلمان دھوکا کھا سکتے ہیں کہ یہ پہننے والا شاید کافر چلا آرہا ہے اس لیے لَا تَلْبَسْھُمَا اس کو کبھی نہ پہننا۔ (بلکہ اس ایک اشارے میں تا قیامت مسلمانوں کے لیے ایک قانون وضع فرما دیا کہ کسی دور میں کسی بھی رنگ میں ہو کفار کا شناختی اور مروجہ لباس کسی مسلمان کو پہننا جائز نہیں۔ خواہ پورا لباس ہو یا فقط ٹوپی۔ پگڑی۔ یا مخصوص ھیٹ کی شکل میں ہو) مگر حضرت عبد اللہ بن عمرو جلدی میں فرمانِ نبوت کا اصل اشارہ اور وجہ ممانعت نہ سمجھ سکے آپ کا دھیان پیلے رنگ کی طرف چلا گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ کیا! میں اِس رنگ کو دھو ڈالوں پھر کیا یہ لباس جائز رہے گا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ ان دونوں کپڑوں کو جلا دو۔ یعنی یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں وہ تو واقعی دُھل کر ختم ہو جائے گا۔ اصل ممانعت تو اس کی نشانِ کفار والی بناوٹ کی وجہ سے ہے جو دھلنے سے ختم نہیں ہو سکتی اِس کا ایک ہی علاج ہے

کہ جلاکر اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ یہ اتنی شدید ممانعت ہے کہ اس نشانِ کفر اور کفار کی اس وردی کو تم نہ کسی کو دے سکتے ہو کافر کو بھی نہیں کہ تعاوُن علی الکفر کے مشابہ ہے اور نہ اس کو اپنے پاس اپنے گھر میں ظاہر یا پوشیدہ رکھ سکتے کہ کل کوئی دوسرا مسلمان نہ پہن لے یا کوئی آدمی کچھ زمانے گزرنے کے بعد صحابی کے گھر سے ملا ہوا تبرک سمجھ کر تعظیماً تبرکاتِ صحابہ میں شامل نہ کر دے۔ ان تمام خدشات کے پیشِ نظر فرمایا۔ بل اَحرِقھُمَا۔ اس نشانی کفر کو جلاکر فنا کر دو۔ تمام فقہا نے اسی حدیث پاک کے استدلال و استنباط سے ہر دور کے کفر یہ نشانات و شناخت والے لباس کو مسلمانوں کے لیے حرام فرمایا۔ لیکن نووی دَور کے چند کم فہم علماء نے اس حدیث پاک سے پیلے رنگ کی ممانعت سمجھی ان کی تردید فرماتے ہوئے امام نووی نے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاءِ صحابہ و تابعین کا مذہب و مسلک ظاہر فرمایا کہ نادانوں حدیث پاک کا وہ منشا نہیں جو تم سمجھ بیٹھے ہو۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ زبانِ نبوت تو ایک چیز کو شدت سے منع فرمائیں اور جمہور فقہا تو درکنار کوئی ایک مسلمان ہی اُس کو مباح کہہ دے۔ زبانِ رسالت سے شدت کی ممانعت کو فقہاءِ اسلام حرامِ قطعی کہتے ہیں۔ نہ کہ مباح۔ یہاں لباسِ معصفر کو مباح کہکر حدیث کی سچی فہم کا اشارہ فرما دیا۔ کیوں۔ مصنف صاحب اب آپ کو حدیث کی یہ سچی سمجھ آئی ؟
رب تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے میری قلبی دعا ہے۔ کیونکہ آپ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نعت خوان ہیں یقیناً رب تعالیٰ رحمٰن و رحیم بندوں کی ایسی لغزشیں معاف فرما دیتا ہے۔ یہ تردیدی جواب صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ خطرہ موجودہ زندہ لوگوں سے ہے کہ وہ کہیں اس غلط کتاب سے گمراہ ہو کر کالے خضاب کی حرمت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ وَاللّٰہُ یَھدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّستَقِیْم۔
(بیسوی غلطی) صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ مسلم شریف میں ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم۔ لَا تَاکُلُوا بِالشِّمَالِ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَاکُلُ بِالشِّمَالِ۔ ترجمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا فعلِ شیطان ہے۔ (جواب)

مصنف کی یہ بات بالکل درست ہے واقعی بائیں یعنی الٹے ہاتھ سے کھانا تمام فقہا اور شارحین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیونکہ بفرمانِ نبوت شیطان کا کام ہے۔ اور کسی صورت میں کسی مرد یا عورت مسلمان کے لیے کبھی بھی جائز نہیں اور اگر کوئی مسلمان بلا سخت مجبوری۔ اور بغیر عذر الٹے ہاتھ سے کھائے گا تو گناہِ کبیرہ وفعل حرام کا مرتکب ہوگا۔ یہاں تک تو مصنف ٹھیک چلے مگر آگے چل کر بے عقلی و کج فہمی کا ثبوت دے دیا کہ اس حدیث مبارکہ پر ایک الزامی سوال قائم کر دیا۔ فرماتے ہیں۔ امام بدر الدین عینی اپنی شرح عمدۃ القاری جلد ۲۱ ص۲۸ پر لکھتے ہیں دائیں ہاتھ سے کھانا ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک مستحب ہے یہی امام غزالی اور امام نووی کی تصریح ہے۔ دوم یہ کہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمتہ مراۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ دودھ یا پانی وغیرہ ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے جمہور علما کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ اس شرح سے ثابت ہوا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا مستحب ہے۔ آگے اپنی ہیچر لگاتے ہیں۔ اگر بائیں ہاتھ سے کھائے پیئے گا تو مستحب کے خلاف کا مرتکب ہوگا۔ اور مستحب کا خلاف یا ترک گناہ نہیں۔ تو کیا فرماتے ہیں۔ اشتہاری مولوی کہ سب سے بڑے کافر ملعون دشمنِ خدا شیطان کے فعل کو کرنے والا اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے والا گناہگار کیوں نہیں۔ (جواب:) مصنف صاحب کی عقل و فکر پر کبھی تو ہنسی آتی ہے اور کبھی رونا۔ واللہ اگر میرے علم میں اُس وقت یہ تحریر آجاتی تو میں اُن کا یہ قلم پکڑ کر ہمیشہ کے لیے جلا دیتا۔ یہاں محترم مرحوم نے چار ٹھوکریں کھائیں ہیں ایک یہ کہ عینی کی پوری عبارت نہیں لکھی دوم یہ کہ بائیں اور دائیں سے کھانے کی ممانعت اور استحبابی جواز میں فرق نہ جانا۔ سوم یہ کہ اُلٹے (بائیں) ہاتھ سے کھانے کو ترکِ مستحب کے زمرے میں شامل کیا۔ چہارم یہ کہ ہر مستحب کو مصنف نے ایک ہی درجہ دیا کہ اِن کے نزدیک ہر مستحب کا ترک گناہ نہیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس پوری عبارت اور اِلزامی سوال میں دائیں بائیں سے کھانے نہ کھانے کا تعلق اِس کتاب سے کیا ہے۔ اور حرمتِ خضابِ سیاہ کے بیان اور مخالفت میں اس چلے کی کیا

ضرورت و نسبت تھی۔ بہر حال قلم ہاتھ لگ گیا ہے جو چاہیں لکھتے پھریں۔ واضح رہے کہ عینی نے ان ہی صفحات پر یہ بھی لکھا کہ۔ وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِي فِي الْاَمْرِ عَلٰی وَجُوْبِهٖ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے سیدھے ہاتھ سے کھانے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عینی جلد ۲۱ کے ص ۲۹ پر ہے۔ وَاَمَّا الْاَكْلُ بِالْيَمِيْنِ فَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰی اَنَّهٗ وَاجِبٌ لِظَاهِرِ الْاَمْرِ وَبِوُرُوْدِ الْوَعِيْدِ فِي الْاَكْلِ بِالشِّمَالِ ترجمہ دائیں (سیدھے) ہاتھ سے کھانا بعض علما کے نزدیک واجب ہے کیونکہ حدیث شریف کے ظاہری اَمر سے وجوب ثابت ہوا کرتا ہے۔ (اور کسی حکم کو مستحب بنانے کے لیے کسی دلیل یا قید کی شرط ہے) اور بائیں ہاتھ سے کھانے پر سخت وعید آئی ہے۔ نیز یہ کہ سیدھے ہاتھ سے کھانا مستحب ہے اور مستحب کا ترک گناہ نہیں لیکن اس ترک سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ضرور وہ بائیں اور اُلٹے سے ہی کھائے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ دائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ پئے بلکہ منہ لگا کر پیئے۔ بغیر کوئی ہاتھ استعمال کئے ہوئے جیسے کہ عموماً دیہاتی کرتے ہیں یا وہ ہاتھ کے بجائے چمچے سے کھالے۔ اس صورت میں ترک مستحب ہو گیا مگر بائیں ہاتھ سے سراسر گناہ ہی ہو گا۔ کیونکہ سخت وعیدیں وارد ہیں۔ اس لیے مصنف صاحب کا الزامی سوال غلط ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیدھے ہاتھ سے نہ کھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بندہ اُلٹے ہاتھ ہی سے کھلئے کھانے پینے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں دائیں کے استحباب سے اُن دیگر طریقوں کا جواز و اجازت ثابت ہوئی دائیں سے کھانا شرعاً مستحب اور بائیں سے کھانا حرام دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

اکیسویں غلطی۔ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں۔ عَنْ اَبِيْ رَيْحَانَةَ۔ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ عَشْرٍ۔۔۔۔ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ اِلَّا لِذِي سُلْطَانٍ۔ (مشکوٰۃ) دیکھئے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے لیئے انگوٹھی پہننا منع فرمائی۔ باوجود اس ممانعت کے آپ لوگ انگوٹھی کیوں پہنتے ہو (جواب) مصنف صاحب کی اِن کچی کچی بچگانہ باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صاحب کو نہ تو فقہ کے

مسائل سے کچھ لگاؤ اور واقفیت ہے اور نہ ہی احادیث کے علوم و معارف کی تحقیق ہے۔ ابو ریحانہ (جن کا نام مبارک شمعون بن زید ازدی ہے انصار کے حلیف اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) کا یہ فرمانا منسوخ ہے حضرت انس کی اس حدیث پاک سے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو چاندی کی انگوٹھی کی اجازت دی ہے۔ خیال رہے کہ احادیث پاک میں سونے پیتل لوہے تانبے وغیرہ کی انگوٹھی سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں روایت اس طرح ہے۔

بحوالہ عُمْدَۃُ الْقَارِی جلد ۲۲ ص ۳۳ وَمِنْ ذَالِكَ مَا رَوَاہُ احمد اَیْضًا مِنْ حَدِیْثِ عَمَّارِ بْنِ عَمَّارٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَاٰی فِیْ یَدِ رَجُلٍ خَاتَمًا مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ اَلْقِ ذَا۔ فَتَخَتَّمَ بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِیْدٍ فَقَالَ ذَا اَشَرُّ مِنْہُ فَتَخَتَّمَ مِنْ فِضَّۃٍ فَسَکَتَ۔ ترجمہ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا اتار دے اس کو۔ ان صحابی پاک نے اتار دیا اور پھر لوہے کی انگوٹھی بنا کر پہن لی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھی تو فرمایا یہ تو اس سے بھی زیادہ شر ہے (بری ہے) پھر اس نے چاندی کی انگوٹھی پہنی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر کچھ نہ فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے امام عینی نے ابو ریحانہ کی حدیث کا جواب دیا ہے کہ ابو ریحانہ والی حدیث کی نہی وجوب پر نہیں بلکہ اولویت پر ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

اَنَّ الْحَمْلَ بِہٖ لَا عَلٰی طَرِیْقِ الْوُجُوْبِ بَلْ عَلَی الْاَوْلَوِیَّتِ وَتَرْکُہٗ اَوْلٰی لِغَیْرِ ذِیْ سُلْطَانٍ لِاَنَّہٗ نَوْعٌ مِنَ التَّزَیُّنِ وَالْاَلْیَقُ لِلرِّجَالِ خِلَافُہٗ۔ (مصنف کا یہ الزامی اعتراض نہی عن الخضاب الاسود دیکھ)

ترجمہ۔ بادشاہ اور حاکم کے علاوہ کسی اور شخص کو پہننا فقط فیشن ہے اور مردوں کو فیشن سے بچنا لائق ہے۔ ثابت ہوا کہ حرام یا مکروہ نہیں لہٰذا مصنف صاحب کا یہ اعتراض کہ انگوٹھی سے منع کے باوجود آپ سب لوگ کیوں پہنتے

ہو۔ غلط اور ناسمجھی کی بنا پر ہے علمی مطالعے کی کمی سے اکثر ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں ہاں یہ سوال کہ کالے خضاب کی ممانعت والی حدیث سے حرمت ثابت اور انگوٹھی والی ممانعت سے اولویت ثابت یہ کیا وجہ۔ تو خیال رہے کہ دین اسلام کے تمام مسائل احکام و قانون جن کا ماخذ صرف قرآن و حدیث ہے۔ وہ دس قسم کے ہیں ۱ جائز ۲ واجب ۳ فرض ۴ مستحب ۵ اولی ۶ ناجائز ۷ مکروہ تحریمی (اس کو حرام ظنی بھی کہا جاتا ہے) ۸ مکروہ تنزیہی ۹ حرام قطعی ۱۰ ترکِ اولی۔ مگر یہ الفاظ و القاب آیت یا احادیث سے ثابت نہیں یہ القاب فقہاءِ کرام نے خود مقرر کئے ہیں۔ یعنی فقہاء کرام نے آیات و احادیث سے استنباط فرما کر۔ کسی کام کو فرض کسی کو واجب کسی کو مستحب کسی کو اولی کا نام دیدیا۔ اسی طرح ممانعت کی آیات و احادیث سے فقہا نے استنباط کر کے کسی کو ناجائز کسی کو مکروہ کسی کو حرام کہدیا۔ اس کی تفصیل ایک علیحدہ کام ہے یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جس عمل پر ممانعت کے ساتھ جھڑک اور شدت والی وعید بھی آجائے فقہاءِ عظام کے نزدیک وہ کام حرام ہوتا ہے تو چونکہ کالے خضاب کی ممانعت کے ساتھ سخت جھڑک اور عذاب شدید کی وعید بھی ہے اس لیے جمہور یعنی تمام فقہا علماء مشائخ خاص کر آئمہ اربعہ نے کالے خضاب کو تا قیامت ہر عمر والے ہر قسم کے بالوں کے لیے متفقہ طور پر حرام قرار دیا۔ جنہوں نے مکروہ فرمایا ان کا منشاء بھی مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ہی کا دوسرا نام حرام ظنی ہے۔ ہاں انفرادی طور پر کسی کا خضابِ سیاہ کو جائز کہہ دینا یا لگانے لگوانے کا فیشن کرنا فرقہ بازی و تخریب کاری ہے ایسے تخریب کار ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں اور جھوٹی بناوٹی عبارتوں روایتوں کا سہارا پکڑتے رہتے ہیں ہمارے مصنف صاحب بھی ایسے ہی لوگوں کی عبارتوں سے دھوکا کھا گئے۔ (بائیسویں غلطی) کتابچی کے صـ۳ پر ہی۔ اس روایت پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ کہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ سَنَدُهٗ لَيِّنٌ (دجہ ہب) علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ یا جمع الوسائل کا بس صرف اتنا کہدینا کسی حدیث کو ضعیف نہیں کرتا۔ دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ یہ حضرات صرف شارح

ہیں محدث نہیں علم اصولِ حدیث کے مطابق احادیث میں صرف محدث کی جرح وتنقیص وتقسیم معتبر ہوتی ہے نہ کہ غیر محدث کی کیونکہ محدث کی نگاہ اسماءُ الرجال پر ہوتی ہے لہٰذا علامہ عسقلانی یا مُلّا علی قاری کا اتنا سا جملہ بولدینا۔ بالکل نامقبول ہے دوم یہ کہ لیّن ہونے کی وجہ بتانی ضروری ہے کیونکہ اُصولِ حدیث میں لین کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ لین فی الرّاوی ۲۔ لین فی اسم راوی ۳۔ لین فی الفاظِ متن ۴۔ لین فی بیان حدیث۔ یعنی حدیث کس طرح پہنچی۔ حَدَّثَنَا سے یا اَخبَرَنَا سے۔ نِی سے یا اَنَا سے اَخبَرَنِی یا حَدَّثَنِی یا حَ وحدّثنا یعنی تحویل سے۔ ان میں پہلی قسم روایت کو صرف نرم کرتی ہے ضعیف وہ بھی نہیں کرتی اور باقی چار قسمیں کوئی فرق نہیں ڈالتیں اُس سے حدیث پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مگر مصنف صاحب نے جھٹ سے حدیث پاک ضعیف کہدیا اس سے ان کا اپنا لیّن ہونا ثابت ہوگیا۔ عسقلانی علیہ الرحمۃ کو بتانا چاہئے تھا کہ کیوں لیّن ہے۔ دیکھئے حقانیت تو یہ ہے کہ عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فقط لین کہا ضعیف انہوں نے بھی نہ کہا۔ یہ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا مصنف کی اپنی بناوٹی لغزش ہے۔ دتیئیسویں غلطی کتابچی کے صفحہ ۳۷ پر مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت لکھ کر اُس پر ایک الزامی سوال قائم کرتے ہیں اور آخر میں وہی تکیۂ کلام کہ۔ فَمَا جَوَابُکُم فَھُوَ جَوَابُنَا۔ یعنی ہم کو اس سوالِ خود کردہ کا جواب نہیں آتا تم جواب دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو جواب تم دوگے ہم اسی کو اپنا جواب بنالینگے اور تمہارے جواب سے متفق ہو جائیں گے چنانچہ لکھتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَۃً مِنْ ذَھَبٍ قُلِّدَتْ فِی عُنُقِھَا مِثْلَھَا مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَیُّمَا امْرَاَۃٍ جَعَلَتْ فِی اُذُنِھَا خُرْصًا مِنْ ذَھَبٍ جَعَلَ اللّٰہُ فِی اُذُنِھَا مِثْلَہٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مشکوٰۃ) ترجمہ۔ کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت کے دن اُس کی گردن میں اس طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا اور جو عورت اپنے کانوں میں سونے کی بالی پہنے گی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کے کانوں میں اسی طرح کی آگ کی بالی ڈالے گا۔ اس حدیث میں سونے کے ہار اور بالیوں کی ممانعت وعیدِ سخت کے ساتھ ہے اِس کے باوجود آپ کے گھروں میں سونے کے زیورات

پہنتے بھی جاتے ہیں اور آپ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں ایسا کیوں ہے۔ مصنف صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خضابِ سیاہ پر اگر سخت وعید کے ساتھ ممانعت آجائے تو آپ لوگ اس کو ناجائز و حرام کہہ دیتے ہو۔ مگر یہاں ممانعت اور وعید شدید کے باوجود یہ سونے کا زیور جائز رہا۔ یہ فرق کیوں اس کا جواب کیا (جواب) مصنف صاحب اپنے کالے نظریے کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے ہر جائز ناجائز مفید و غیر مفید حربہ استعمال کر رہے ہیں مگر بات پھر بھی نہیں بنتی۔ ایسی آسان اور واضح حدیث پاک میں بلا وجہ الجھاؤ اور الزامی سوال پیدا کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ دنیا میں اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں مگر اہل عقل جانتے ہیں کہ یہ سوال نہیں بلکہ بچگانہ ضد ہے اور اس طرح کی ضدوں سے اپنا فائدہ کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلمانوں کو اَحَادِیثِ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے شکوک و شبہات میں ڈالا جا رہا ہے اور منکرین حدیث کو احادیث کی گستاخی کرنے کا موقعہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ مصنف کی ان حرکات سے تاثر یہ لیا جائے گا۔ کہ معاذ اللّٰہ آقائے کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے فرمودات میں تضاد بیانیاں ہیں۔ سوچنے والا کیا سوچے گا کہ اسی مشکوٰۃ کے ص۳۷۵ کتابُ اللِّبَاس میں ہے عَنْ اَبِی مُوسٰی اَلْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ اُحِلَّ الذَّھَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاُنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُکُوْرِھَا۔ رَوَاہُ التِّرمذی وَالنِّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرمذی ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ ترجمہ۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی تمام عورتوں کے لیے سونا اور ریشم پہننا حلال کیا گیا ہے اور مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث پاک کو دیکھ کر مسلمان عورتیں ہر قسم کا سونا ہار بُندے بالیاں پہنتی ہیں ہر مسلمان کے گھر میں اور ساتھ ہی اسی مشکوٰۃ کے تین صفحہ بعد ص۳۷۹ پر مصنف کی نقل کردہ یہ حدیث ہے پس اگر ہر مسلمان کی کم عقلی اور نافہمی مصنف صاحب کی طرح ہو تو اسلام میں مصیبت پڑ جائے۔ کاش مصنف کسی دینی مدرسے میں پڑھ لیتے تو اس طرح کی الجھنوں میں نہ پڑتے یہ حدیث پاک صاحبِ مشکوٰۃ نے مصابیح کی نقل کرتے ہوئے

کتابُ اللّباس بابُ الخاتم کے صفحہ ۳۷۹ پر لکھ ڈالی اس لیے مصنف صاحب کو اس اُلجھانے بیوقوف بنانے کا موقعہ مل گیا۔ حقیقت میں یہ حدیث پاک کتاب الزکوٰۃ کی ہے اور اس طرح کی سخت وعید والی بہت سی احادیث وہاں مشکوٰۃ شریف نے درج کی ہیں۔ حدیث میں فرمایا جا رہا ہے کہ اَیُّمَا اِمْرَأَۃٍ (الخ) یعنی جو مسلمان عورت اپنے استعمال زیور کی زکوٰۃ نہ دے گی تو اسی زیور (ہار بندے بالیوں) کی شکل قیامت کے دن آگ کے بُندے بالیں اور ہار پہنائے جائیں گے۔ اسی طرح کی دوسری حدیث مشکوٰۃ شریف کتابُ الزکوٰۃ صفحہ ۱۶۰ پر ان الفاظ سے ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ اِمْرَاَتَیْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللہ علیہ وسلم وَفِیْ اَیْدِیْھِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھُمَا تُؤَدِّیَانِ زَکوٰتَہٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَتُحِبَّانِ اَنْ یُّسَوِّرَکُمَا اللّٰہُ بِسِوَارَیْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا۔ قَالَ فَاَدِّیَا زَکوٰتَہٗ۔ ترجمہ۔ دو عورتیں بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اُن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے ان کی زکوٰۃ نکالی ہے عرض کیا نہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم پسند کرتی ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں میں آگ کے کنگن پہنائے ان دونوں عورتوں نے (گھبرا کر ڈر کر) عرض کیا کہ نہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو۔ یقیناً یہ کنگن آٹھ تولے کے ہوں گے۔ اس حدیث پاک نے مشکوٰۃ کی اُس بعد والی حدیث کی شرح کر دی یعنی یہ وعید زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہے اور وہ زیور جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ عورت کو پہننا حرام ہے۔ مصنف صاحب نے سوال کیا ہے کہ اس ممانعت کے باوجود آپ کے گھروں میں زیور کیوں پہنا جاتا ہے تو جواب صاف ظاہر ہے کہ ایسا زیور کوئی مسلمان متقی نہیں پہنتا اور مسلمان اس کو تا قیامت حرام سمجھتے رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ قانونِ شریعت ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ جس چیز پر وعید شدید وارد ہو گی۔ وہ چیز اور اس کا استعمال حرام ہو جاتا ہے خواہ وہ سونے کا زیور ہو یا کالا خضاب دونوں حرام۔ اس حدیث پاک میں صرف سونے کا ذکر کیا گیا ہے

چاندی کا ذکر نہیں کیونکہ چاندی کا زیور اگرچہ پورے جسم کا بنا لیا جائے چاندی کے نصاب تک نہیں پہنچتا کہ چاندی کا نصاب ½ ۵۲ تولے ہے جو آدھے کلو سے زیادہ بن جاتا ہے چاندی کے کسی زیور میں اتنی چاندی استعمال نہیں ہو سکتی نہ کوئی عورت اتنا بوجھ پہننا برداشت کرتی ہے۔ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک استعمالی زیور میں زکوٰۃ فرض ہے امام اعظم نے اپنے اس مسلک میں آٹھ حدیثیں پیش فرمائی جن میں یہ اسماء بنت یزید والی حدیث بھی شامل ہے۔ کتابُ الدرایہ نے اِن احادیث کو کتاب الزکوٰۃ میں نقل فرمایا ہے امام اعظم اور امام محمد نے بھی کتاب الزکوٰۃ میں اس کو لکھا۔ لیکن امام شافعی امام احمد بن حنبل کے مسلک میں استعمالی زیور پر زکوٰۃ نہیں وہ اِن آٹھ حدیثوں سے دلیل نہیں لیتے کیونکہ اُن کے زمانے تک اِن اَحادیث کے راویوں میں ضعف آگیا تھا۔ اور ضعیف راوی سند میں شامل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اِن اَئمہ ثلاثہ کو یہ اَحادیث ضعیف ہو کر ملیں۔ فقط اسی وجہ سے انہوں نے استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہ جانی۔ یہ اَئمہ استعمالی سونے کو استعمالی کپڑوں پر قیاس کرتے ہیں۔ مگر غلط قیاس کرتے ہیں۔ کو یہ قیاس نہایت کمزور ہے۔ یا اُن کے پاس پانچ صحابہ کے ذاتی فعل کی اور قول و عمل کی روایتیں ہیں جیسا کہ درایہ نے ذکر فرمایا۔ بہر کیف اِن اَئمہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول مبارک نہیں جس میں اِس زکوٰۃ کی معافی کا ذکر ہو۔ لیکن امام اعظم کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مقدس کی مرپجی آٹھ اَحادیثِ صحیحہ موجود ہیں امام کا اُن سے دلیل لینا اِس بات کی سند ہے کہ امام اعظم کے زمانے تک اس میں کوئی ضعیف راوی نہ تھا۔ ہو سکتا ہے امام اعظم نے خود صحابہ کرام سے یہ اَحادیث سنی ہوں کیونکہ اَئمہ اربعہ میں صرف امام اعظم ہی تابعی ہیں۔ بہر حال صحیح اور مضبوط یہ ہی مسلک ہے کہ گھریلو استعمالی سونے کے زیور پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ہدایہ شریف میں عبارت اس طرح ہے۔ جلد اول ص ۱۵۴ پر ہے۔ قَالَ وَفِی تِبْرِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِیِّھِمَا وَاٰنِیَتِھِمَا الزَّکٰوۃُ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَا تَجِبُ فِی الْحُلِیِّ النِّسَاءِ۔ اور بین السطور میں ہے۔ وَبِهٖ قَالَ اَحْمَدُ وَمَالِکٌ۔ ترجمہ۔ فرمایا کہ سونے اور چاندی کے ٹکڑوں میں اور ان کے زیور اور برتنوں میں زکوٰۃ فرض ہے لیکن

امام شافعی امام مالک واحمد بن حنبل نے فرمایا کہ عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔
جیسا کہ استعمالی کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ سونا چاندی ہر حال
میں مالِ متقوّم اور نامی یعنی بڑھنے والا ہے۔ اور مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نیز
آٹھ احادیث سے بھی فرمانِ شریعت واضح فرضیت کا ثبوت موجود ہے اُن ہی
آٹھ میں یہ مصنف صاحب کی پیش کردہ حدیث پاک ہے جس کی وعید شدید غیر
زکوٰتی زیور کے پہننے استعمال کرنے کی حرمت بتا رہی ہے اسی طرح وعید شدید
کی وجہ سے کالا خضاب حرام ہوا۔ (چوبیسویں غلطی) اس کتابچی کے ص۳۷ پر ہی
شرح نوویؒ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے
لشکرِ اسلام کے سپاہ سالار حضرت عتبہؓ بن فرقد کو آذربائیجان میں خط لکھا کہ تم
چادر اور تہبند پہنو موزے اور سلواروں کا پہننا چھوڑ دو اپنے باپ اسماعیل علیہ
السّلام کا لباس اپنے اوپر لازم کر لو خبردار عیش وعشرت سے بچو۔ اور لکھا کہ مالِ
غنیمت کو سب مسلمانوں کی ضروریات کے لیے بلا تخصیص خرچ کرو اور اپنے عیش
وعشرت سے بچو۔ یہ مال سب مسلمانوں کا ہے نہ کہ فقط تمہارا (از شرح نووی جلد ۲
ص۱۹۱ اس کے بعد ص۳۸ پر اس پر الزامی سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کیوں جناب
مشہر صاحب فرمائیے اب کیا خیال ہے موزے اور سلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ منع فرما رہے ہیں۔ آپ کیوں پہنتے ہیں اور پہننے کے جواز کا فتویٰ
دیتے ہیں۔ یہاں بھی مصنف مرحوم نے تحریری وعدہ کیا ہے کہ۔ فَمَا جَوَابُکُمْ
فَهُوَ جَوَابُنَا۔ کاش مصنف صاحب زندہ رہتے اور اس وعدے پر قائم
رہتے۔ خیر کسی کو تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے اس جواب سے ہدایت مل ہی
جائے گی۔ جواب۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ سچ بات یہ ہے کہ میں اس
کتاب سے پہلے حضرت علامہ کو اہل سنت کا بہت بڑا عالم اور محقق سمجھتا تھا
اگرچہ بجز چند تاریخی اور واعظین کی کتابوں کے ان کی کوئی علمی محققانہ تصنیف
میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ مگر اس کتاب کو دیکھ کر مجھ کو بہت مایوسی
ہوئی کہ یا اللہ اہل سنت کی قسمت میں ایسے کمزور اور نقصان دہ قلم رہ گئے ہیں
فاروق اعظم کا یہ فرمان نہ تو کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کے لیے ہے۔ اور نہ دائمی

تاقیامت۔ اور نہ فاروقِ اعظم کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ نہ صدیق اکبر نہ عثمان غنی نہ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہ کوئی صحابی نہ تابعی۔ تبع تابعی نہ امام اعظم ابوحنیفہ نہ مالک نہ احمد بن حنبل نہ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ غرض کہ تاقیامت کوئی عالم فقیہ مجتہد نہ کسی چیز کو حرام کرسکتا ہے نہ حلال اسی لیے ان کے فرمودات میں وعید یا وعیدِ شدید نہیں ہوسکتی۔ خیال رہے کہ وعید یا وعیدِ شدید صرف عذابِ الٰہی یا قہر و ناراضگیِ رب تعالیٰ کو کہا جاتا ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اور وہ صرف انبیا علیہم السّلام ہی بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ حرام و حلال کرنا صرف اللہ تعالیٰ اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ تو فقط حدیث و قرآن کے استنباط سے حِلت و حرمت ثابت اور ظاہر کرسکتے اور کرتے ہیں فاروقِ اعظم تو اس فرمانِ شاہی کے ذریعے صرف مجاہدین کو عیش و عشرت اور زینت و فیشن سے بچنے بچانے کی تلقین فرما رہے ہیں تاکہ دنیوی لذات میں پھنس کر مسلمان جہاد اور عبادات ریاضات میں کمزور کسل مند اور غافل نہ ہو جائیں۔ اس فرمان کے بعد بھی کسی مجاہد پر سلوار اور موزے حرام یا ناجائز یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی نہ ہوئے تھے نہ کسی صحابی وغیرہ کا قلمی لسانی تحریری و تقریری فرمان شریعت سازی کی جرأت کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی کے مسئلے بتانے پر دوسرے صحابہ اُن سے اس مسئلہ پر حدیث و قرآن کے دلائل پوچھا کرتے تھے۔ اگر مسئلہ بتانے والے صحابی پاک اُس کی دلیل نہ پیش کرسکتے یا اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استنباط یا استدلال کمزور ہوتا تو دیگر صحابہ اُس مسئلے کو تسلیم نہ فرماتے۔ اِس کی مثالیں کتبِ احادیث و فقہ میں بہت ہیں۔ اسی طرح فاروق اعظم نے بھی اپنے قلم سے کسی مسلمان پر کسی چیز کو کبھی حرام یا حلال نہ فرمایا۔ مصنف صاحب کی یہ پیش کردہ تحریر بھی ایک خاص موقعہ اور جنگی حالات کے پیشِ نظر دنیوی زینتوں سے بچانا مقصود ہے وہ بھی وقتی طور پر۔ ورنہ حقیقت ہے کہ مسلمان مرد عورت پر نہ شرعی جواز والی لذتیں حرام نہ زینتیں بلکہ قرآن و حدیث میں تو لذت و زینت کا مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۳۱) اور مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۷ پر ہے۔

بابُ اللباسِ۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثَرُ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ رواہ الترمذی۔ ترجمہ۔ آیت پاک کا اے مسلمانوں اپنی زینت خوب کرو مسجدوں کے پاس۔ یعنی جب مسجد میں آتے لگو تو اپنے اپنے جسم ولباس کو خوب مزین کرو (خوشبو۔ طہارت اور صفائی خوب صورتی وغیرہ سے) ترجمہ حدیثِ پاک کا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ یہ بات بہت پسند فرماتا ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کو بندہ خوب اور ہر وقت استعمال کرے اور ہر وقت اُس کے جسم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ہو۔ اللہ تعالیٰ کو فقیر بنا رہنا۔ گندہ مندہ ہونا پسند نہیں۔ بھلا فاروقِ اعظم اللہ رسول کے اِس فرمان کے خلاف کس طرح لکھ سکتے تھے فاروقِ اعظم کا فرمان مالِ غنیمت کے بارے میں ہے یعنی اے فوج کے افسر و مجاہدین کے مشترکہ غیر تقسیم شدہ مال میں سے صرف کم سے کم ضروریات پوری کرو اور تمام فوجیوں کی ضروریات پر ایک جیسا خرچ کرو۔ اپنے لیے مہنگی مہنگی شلواریں اور موزے مت خریدو نہ پہنو۔ نہ دنیا کی عیاشیوں کے خوگر بنو۔ اِس طرح کے وقتی اور خصوصی احکام تو احادیث نبوی سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری امام بدر الدین رح عینی۔ اسی ترک زینت کے خصوصی حکم کے لیے جلد ۲۲ صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔ کَمَا کَانَ یَنْھٰی اَھْلَہٗ عَنِ الْحِلْیَۃِ مَعَ اَنَّھَا کَانَتْ مُبَاحَۃً لِلنِّسَاءِ۔ ترجمہ۔ آقاءِ کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل یعنی ازواج پاک کو زیور پہننے اور رکھنے بنانے سے منع فرمایا کرتے تھے حالانکہ (خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہی) تمام مسلمان عورتوں کے لیے تاقیامت سونے چاندی کا زیور حلال ہے۔ اِس فرمان سے بھی ازواجِ مطہرات پر زیور حرام نہ ہوا تھا نہ مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ کیونکہ اِس کَانَ یَنْھٰی اَھْلَہٗ کی ممانعت میں کسی قسم کی وعید نہیں تھی حرمت صرف اُس ممانعت سے آتی ہے جس میں ممانعت کے ساتھ وعید شدید بھی ہو۔ جیساکہ کالے خضاب میں وعید بھی ہے۔ ثابت ہوا کہ اِس قسم کی ہنگامی خصوصی ممانعتیں۔ قانونِ شرعی نہیں۔ بن جاتیں نہ دوسروں کے

کے بنے ممانعت ہوتی ہے مگر مصنّف کہ ان باتوں اور فقہی و اصولی احکام کی سمجھ نہیں
ہماری اِس شرح کے بعد مصنّف صاحب کا یہ سوال کہ تم اب کیوں موزے اور شلواریں
پہنتے ہو کتنا بھونڈا اور بے موقعہ لگتا ہے (چھبیسویں غلطی) صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں
کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نَهٰى
اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔ (مسلم شریف) ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مرد کو کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ ۲ حضرت ابوہریرہ سے روایت
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا يَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ قَائِمًا فَمَنْ
نَسِيَ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَقِئْ۔ ترجمہ۔ تم میں کوئی کھڑے ہو کر ہرگز نہ پئے جو بھول کر
کھڑے کھڑے پانی پی لے وہ قے کر دے۔ ان دو روایت کو لکھ کر پھر اپنا الزامی
سوال کرتے ہیں۔ اور چار بزرگوں کے حوالے پیش کرتے ہیں ۱ حضرت حکیم الامت
بدایونی کی مراۃ شرح مشکوٰۃ سے ۲ امام بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری
سے ۳ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح کی اشعۃ اللمعات ص ۵۵۸ سے ۴ اعلیٰحضرت
امام اہل سنت بریلوی کے فتاویٰ رضویہ ص ۴۵۱ سے۔ کہ چاروں بزرگ بیٹھ کر پینے
کو صرف مستحب فرماتے ہیں اور کھڑے ہو کر پینے والی ممانعتِ نبوی کو تنزیہی کہتے
ہیں حالانکہ ترکِ مستحب اور تنزیہی کام کو کر لینا گناہ نہیں ہے اور کھڑے ہو کر
پینے والا گنہگار نہیں ہوتا۔ صفحہ ۴۲ پر سوال الزامی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تو
سوال یہ ہے کہ ایسی صریح اور شدید ممانعت کی خلاف ورزی کرنے والا گنہگار
کیوں نہیں ہوتا۔ (جواب) یہاں بھی حضرت علامہ کو الجھن صرف اس لیے ہے
کہ اصولِ فقہ کے قواعد وضوابط حضرت کو یاد نہیں رہے بلکہ مندرجہ بالا چار بزرگوں
نے حدیثِ ممانعت کے باوجود کھڑے ہو کر پینے کو حرام نہ فرمایا مگر وہ تنزیہی فرمایا
اور بیٹھ کر پینے کو مستحب فرمایا۔ انہوں نے احادیثِ پاک کو صحیح سمجھا اور اصول فقہ
کے مطابق اِن احادیث کی شرح اور وضاحت فرمائی۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ممانعت
کس قسم کی ہے۔ مگر مصنّف صاحب اس ممانعت کو کالے خضاب جیسی ممانعت
سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط کم فہمی ہے۔ جمہور علما نے کالے خضاب کی
ممانعت والی احادیث کو دیکھ سمجھ کر حرمتِ خضاب اسود کا فتویٰ صادر فرمایا مگر

اُن ہی جمہور علماء نے کھڑے ہو کر پینے والی ممانعت کو دیکھ کر کھڑے پینے کو مکروہ تنزیہی اور بیٹھ کر پینے کو مستحب فرمایا۔ ان علمی باریکیوں کو مصنّف مرحوم نہ سمجھ سکے اور بے سوچے سمجھے قلم لے کر دوڑ پڑے حالانکہ بات بالکل صاف و آسان ہے کہ کالے خضاب پر وعید شدید ہے کیونکہ یہ خضاب سراسر دھوکہ دینا ہے اور دھوکہ کسی کے حقوق النفس پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ مگر کھڑے پینے کی حدیث ممانعت میں نہ وعید ہے نہ وعیدِ شدید نہ زجر نہ توبیخ۔ رہا قے کرنے کا معاملہ تو اُس کی چند وجہ ہو سکتی ہیں نیز قے کرنا وعید نہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی اور رسول ہی نہیں بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری امّت تا قیامت کے لیے ہزاروں والدین سے بڑھ کر مربّی اور شافیِ اُمراض حکیم و طبیب بھی ہیں آپ کے بہت احکام بلکہ حقوق النفس والے تقریباً سارے ہی احکام طبّی جسمانی لحاظ سے فقط مربّیانہ ہیں۔ مثلاً رات کو چراغ جلتا چھوڑ کر مت سوؤ ۲ برتن کھانے پینے والی چیزوں کے کھلے مت چھوڑا کرو ۳ زیادہ گرم چیز مت کھایا کرو، کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو وغیرہ وغیرہ اس طرح بہت سی ممانعتیں احادیث میں وارد ہیں مگر کسی پر وعید نہیں کیونکہ ان منہیات کا تعلق صرف جسمانی و طبّی حقوق النفس سے ہے اور ان ممنوعہ کاموں سے بندے کو طبّی اعتبار سے نقصان ہے۔ اس طرح کھڑے ہو کر کھانا پینا طبّی لحاظ سے نقصان دہ ہے لہٰذا فرمایا کہ اگر بھول کر کھڑے کبھی پی لو تو قے کر دو یعنی بہتر ہے کہ قے کر دو۔ اِس قے میں طبّی فائدے ہیں۔ اور کیا کیا فائدے ہیں اُن کو وہی مولائے کُل دانائے سُبُل ختم الرُّسل صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی بھی نہی میں کوئی وعید نہیں کرتے نہ کرنے میں بھی ذاتی نفع نقصان اور ذاتی اختیار ہے۔ اب یقیناً جواب سمجھ آجائے گا اور فَھُوَ جَوَابُنَا کا وعدہ پورا ہوگا وہ نہیں تو اُن کے پس ماندگان لواحقین و معتقدین کو یہ وعدہ بھی نبھاتے ہوئے آئندہ ایسی غلط کتاب چھاپنے چھپوانے سے گریز کرنا چاہیئے اور کالے خضاب لگانے کو حرام جاننا چاہیئے۔ ورنہ سراسر نافرمانیِ اسلام ہے۔ اور جہنم کی راہ۔ (العیاذ باللہ) کم از کم لوگوں کی نمازیں بچانے کے لیے آئمہ مساجد کو

تو کالا خضاب نہ لگانی چاہئے۔ چھبیسویں غلطی، مصنف مرحوم اپنی کتابچی کے صفحہ ۴۲ سے ۴۶ تک دراز عبارت میں اعلحضرت بریلوی کے فتاوی رضویہ ص۲/۲۲۴ وص۲/۲۲۵ وص۲/۲۲۷ پر دراز عبارت سے ایک اور الزامی سوال تراشتے ہیں۔ اوّلاً تارک نماز کو کافر کرنے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں پھر اپنے گمان میں اس کو کافر کرنے کے بعد الزامی سوال پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے اہل قلم بھی قیامت اور آخری زمانے کی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آخری زمانے کی تمام خرابیوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم از ص۴۲ تا ص۴۶ پانچ صفحات پر مصنف نے اعلحضرت کے فتاوی سے چھ روایتیں اور دس قول۔ اور ایک آیت۔ اور اعلحضرت کی تین تشریحی عبارتیں اور پھر آخر میں اپنی تشریح سے سات چیزوں کو ثابت کیا اور اس کے آخر میں الزامی سوال درج کیا چنانچہ روایت ۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوةِ ۲ عَنْ عَلِیٍّ مَنْ لَمْ یُصَلِّ فَهُوَ كَافِرٌ۔ ۳ عن عبد الله بن عَبَّاسٍ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ ۴ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَلَا دِیْنَ لَهٗ۔ ۵ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ ۶ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم اِنَّ تَارِكَ الصَّلٰوةِ كَافِرٌ ۷ آیت قرآن مجید۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ المشرکین۔ دس قول علما کے نقل کئے ۱ امام ایوب سختیانی ۲ ابن حزم ۳ حکم بن غنبہ ۴ ابو داؤد طیالسی ۵ ابوبکر بن ابی شیبہ ۶ زہیر بن حرب ۷ امام احمد بن حنبل ۸ عبد اللہ بن مبارک حنفی ۹ امام ابراہیم بن نخعی ۱۰ امام العلما حضرت معاذ بن جبل اعلحضرت کے تین قول ۱ صدر اوّل میں نماز مطلقاً ہر مسلمان کا شعار دائم تھی اب بعض لوگوں سے نمازیں چھوٹنے لگیں تو امارت مطلقہ و علامت فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی۔ ۲ زمانہ سلف صالح خصوصاً صدر اوّل کے مناسب یہی حکم تھا اس زمانے میں ترک نماز علامت کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامت کفر ہے ۳ جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون (سستی) آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترک نماز فی نفسہٖ

کفر نہیں۔ مصنف کی اپنی تشریحی تحریریں۔ ۱ اعلیٰحضرت کے ارشادات سے ثابت ہوا کہ صدہا صحابہ، تابعین، مجتہدین، ائمہ اسلام کا یہی مذہب کہ تارکِ نماز کھلا کافر ۲ یہی بات متعدد احادیث سے منصوص اور قرآن کریم سے مستفاد ۳ اس وقت کے لحاظ سے یہی مذہب مناسب ۴ عہد نبوی و عہد صحابہ میں اس طرح علامت کفر تھا جس طرح اب ہمارے زمانے میں قشقہ (تلک لگانا) یا زنار ۵ جب اسلام میں ضعف آیا اور سستی نے جگہ پائی تو اب اس کا ترک علامتِ کفر نہ رہا ۶ ترک نماز فی نفسہٖ کفر نہیں یہی مذہب ہمارے امام اعظم کا ہے ۷ اب ہمارے زمانے میں تارکِ نماز کو کافر یا مرتد کہنا خطاء و خلافِ تحقیق و نا منصوص ہے۔ اور آخر میں اِلزامی سوال۔ تو اب کیا فرماتے ہیں سیاہ خضاب کو حرام کہنے والے مشتہر اینڈ کمپنی کہ ترک نماز عہد نبوی و صحابہ میں بالاتفاق علانیہ کفر تھا وہ اب سستی کی وجہ سے کفر نہ رہا۔ یہ تھیں مصنف صاحب کی اتنی لمبی چوڑی ناسمجھی کی باتیں۔ جواب۔ نامعلوم مصنف صاحب کو فتاویٰ رضویہ کی یہ آسان اردو تحریر کیوں سمجھ نہیں آئی جس کو ایک عام طالب علم آدمی بھی سمجھ لے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی بار بار اتنے صاف انداز میں فرما رہے ہیں کہ ترکِ نماز کبھی کسی مسلمان کو کسی بھی دور میں کافر نہیں بناتا۔ کوئی مسلمان کسی نماز کو چھوڑ دینے سے کافر نہیں ہوتا۔ نہ صدرِ اوّل یعنی زمانۂ صحابہ و تابعین میں نہ سلف صالح میں نہ قرآن مجید سے یہ حکم مستفاد نہ روایت و درایت سے منصوص نہ ائمہ اربعہ اس کے قائل نہ کسی فقیہ بزرگ کا یہ مسلک۔ ترکِ نماز پہلے زمانوں میں صرف کفار یا مرتدین کی نشانی تھی۔ جیسے کہ اعلیٰحضرت کے زمانے تک آریہ ہندوؤں کی نشانی تھی کہ ریشم سے بنی زنار کی موٹی پیلے رنگ کی رسی گلے میں ڈالتے تھے اور مجوسی کافر پیٹی کی شکل کی سرخ پیٹی نما زنار کمر پر باندھتے تھے۔ اس کو عربی میں زنار اردو میں جینوا۔ ہندی میں جینو کہتے تھے۔ اسی طرح اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ ہندو کفار ماتھے پر قشقہ لگاتے ہیں۔ یعنی ہندو مرد و عورت ماتھے پر تلک لگاتے ہیں مختلف طرز پر یہ نشانی اب بھی موجود ہے مگر اب زنار کوئی نہیں باندھتا نہ گلے میں نہ کمر پر۔ اس طرح پہلے زمانوں میں کوئی مسلمان مرد یا عورت ترکِ نماز کا سوچ بھی نہ سکتا تھا ہر مسلمان پانچ وقت کی حاضریِ مسجد اتنی پابندی

سے کرتا تھا جیسے سورج طلوع وغروب کی پابندی اور لیل ونہار آنے جانے کی پابندی کرتے ہیں اور وقتِ مقررہ پر ہر مسلمان کی حاضریِ مسجد ایک عظیم الشان نشان وعلامت بن گئی تھی اِس نشانی سے صرف وہی شخص علیحدہ ہوتا جو یا شروع کا کافر ہوتا یا مرتد ہو جاتا۔ وہ شخص نماز پڑھنا چھوڑ دیتا تھا گویا اُن وقتوں میں نماز پڑھنا مسلمان کی نشانی اور ترک نماز کفار اور مرتدین کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ نماز کا ترک کسی کو کافر نہ بناتا تھا بلکہ مرتد کافر بن کر اسلام سے علیحدہ ہو کر نماز چھوڑتا تھا اُس زمانے میں محلے کا اگر کوئی آدمی مسجد میں نہ آتا تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ یہ کافر ہے یا مسلمان بلکہ مسلمان لوگ خود بخود سمجھ جاتے تھے کہ یہ کافر ہے کیونکہ نماز ہی چوبیس گھنٹے کا ایک ایسا اسلامی عمل وعبادت ہے جو کفر واسلام کی نشانی بن سکتی ہے بلکہ نماز کے دم سے مسجدیں ہیں اذانوں کی آوازیں ہیں۔ اور نماز صرف مرد وعورت کی ہی اسلامی نشانی نہیں بلکہ شہروں محلوں کی بھی نشانی ہے آج بھی ہندوستان اور دیگر مخلوط کفرستانوں میں یہی نشانی ہے کہ جس شہر اور محلے میں مسجد آباد تر وتازہ اور صاف ستھری نظر آئے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ محلہ مسلمانوں کا ہے اگر وہاں مندر یا گرجہ گردوارہ آباد ملے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ محلہ کفار کا ہے۔ اعلیٰحضرت بہت شفاف انداز آسان اُردو صاف زبان نہایت عمدہ طریقے سے با دلائل شفاف انداز میں یہی سمجھا رہے اور فتاویٰ رضویہ میں جتنی اَحادیث جمع کی گئیں اُن سب کا معنیٰ یہی ہے کہ ترکِ نماز کفر کی نشانی ہے نہ کہ کفر۔ مگر مصنف صاحب اتنے صاف انداز میں سمجھانے کے باوجود اُلٹا ہی سمجھتے ہوئے تارکِ نماز مسلمان کو کافر بنا رہے ہیں زنار اور قشقے کی مثال پر بھی غور نہیں کرتے اگر مرحوم مصنف زندہ ہوتے تو ہم اُن سے پوچھتے کہ محترم اگر کوئی مسلمان عورت کسی موقعے پر ماتھے پہ تلک یعنی قشقہ لگائے تو کیا وہ کافر ہو جائیں گی۔ ظاہر بات ہے صرف ماتھے پہ تلک لگانے سے کوئی مسلمان مرد یا عورت کافر نہ ہو گا کیونکہ یہ تلک کفر نہیں کفار کا نشان ہے پس اسی طرح ترکِ نماز کفر نہیں کفار کا نشان ہے یہی حضرت ابوہریرہ مولیٰ علی۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود کی روایت کا معنیٰ ہے

یہی آیتِ قرآنی کا منتفاد اور حدیثِ رسول اللہ کا منصوص ہے اور یہی مسلک ائمہ مجتہدین کا ہے۔ مصنف مرحوم سے پہلے ترکِ نماز کو کفر کہنے کا باطل مذہب اسلام کے سب سے کم عقل فرقۂ معتزلہ نے بنایا۔ انہوں نے ہی اپنے بہت سے غلط عقیدوں میں یہ عقیدہ بھی شامل کیا کہ نماز چھوڑنا کافر بنا دیتا ہے وہ فرقہ اور اُس کا نام ونشان دنیا سے مٹ گیا پھر اس کا جانشین وہابی نجدی فرقہ نکلا جن میں سے کچھ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں اور کچھ غیر مقلد اہلحدیث بنے پھرتے ہیں انہوں نے یہ بھی عقیدہ بنا لیا کہ تارک نماز مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ اور دھوکہ اُن ہی روایتوں و آیتوں سے دیا جاتا ہے جو مصنف صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے نقل کیں۔ بس ترجمہ غلط کر کے اپنا مطلب نکال لیا۔ مثلاً اُن چھ روایتوں میں سے ایک روایت۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ۔ یا مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ۔ معتزلی اور وہابی فرقے نے اِس کا ترجمہ کیا۔ بے شک نماز کو چھوڑنے والا کافر ہو گیا۔ اور جس نے نماز کو چھوڑا وہ بے شک کافر ہو گیا۔ یہی ترجمہ مصنف نے کیا۔ حالانکہ یہ ترجمہ عربی لغت اور قواعدِ صرف و نحو کے اعتبار سے غلط ہے۔ عربی لغت میں ہو گیا کے لیے صَارَ فعل ناقصہ آتا ہے۔ اگر ترکِ نماز کسی مسلمان کو کافر بناتی تو عباراتِ حدیث اس طرح ہوتی۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ صَارَ کَافِرًا۔ یا۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ صَارَ کَافِرًا۔ مگر کسی بھی حدیث پاک میں الفاظ ایسے نہیں ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ترکِ نماز سے کوئی کافر نہیں بنتا۔ نہ اب نہ پہلے زمانوں میں یہ معتزلانہ ترجمہ بزرگوں میں سے کسی بزرگ نے بھی نہ کیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اِنَّ تَارِکَ الصَّلٰوۃِ کَافِرٌ۔ بے شک کافر شخص ہی نماز کا تارک ہوتا ہے۔ یا۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ۔ جس نے نماز کو چھوڑا وہ تو پہلے سے کافر ہے۔ قَدْ کَفَرَ فعل ماضی قریب ہے اس لیے۔ فَقَدْ کَفَرَ۔ کا ترجمہ ہو گا وہ تو پہلے سے کافر ہے قَدْ کا معنیٰ ہے تو۔ یہ روایت آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظِ مقدسہ سے ہے یہ ہی فرمان دیگر اقوال کی سند و دلیل ہے اس لیے ان کا ترجمہ بھی ایسا ہی ہو گا کافرٌ اسم فاعل اس میں تینوں زمانے ہو سکتے ہیں اس لیے یہاں ماضی کے معنیٰ میں ہو گا۔ مصنف کی منقولہ پہلی روایت حضرت ابوہریرہ

کا فرمان۔ کَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہ علیہ وسلّم لَا یَرَوْنَ شَیْئًا (الخ)
لَا یَرَوْنَ۔ کا ترجمہ ہے نہیں سمجھتے تھے وہ۔ یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانے میں جو شخص نماز نہ پڑھتا تھا صحابہ کرام سمجھ لیتے تھے
یہ کوئی کافر شخص ہے۔ اور ایسی کبھی نوبت نہ آئی کہ کوئی مسلمان صحابی یا تابعی
نماز ترک کرتا۔ بس کفار ہی نماز اور مسجد سے دور دور رہتے تھے۔ اور مسلمان
سمجھتے جاتے تھے۔ صرف نماز ہی ایک ایسا عمل تھا جو کسی اجنبی کافر کی نشاندہی
کرتا تھا۔ یہ ہے تمام احادیث اور آیت کا معنیٰ مقصد اور یہی ہے صدہا صحابہ کرام
و تابعین و مجتہدین و ائمہ اسلام کا مذہب اور اعلحضرت کا مسلک کہ ترک نماز
اُس زمانے میں کفر کی علامت تھی۔ یعنی ترکِ نماز حکم کفر نہ تھا بلکہ نشانِ کفر تھا
دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر عمل پہلے اور کفر اُس عمل کی وجہ سے ہو تو حکم کفر ہے
لیکن اگر کفر پہلے ہو مگر ظاہر نہ ہو اور اُس عمل سے کفر کا اظہار ہو جائے تو وہ عمل نشانِ
کفر ہے جیسے ہندوؤں کا تلک قشقہ سکھوں کی پگڑی جوڑا کڑا۔ یہودیوں کی چھوٹی
ٹوپی گول کپڑے کی یا اونچا کالا ہیٹ۔ وہابیوں کا موجودہ دور میں سرخ نقطوں
کا عربی سعودی رومال عیسائیوں کے سینے پر صلیب یا ٹائی۔ خیال رہے کہ
نشان دینی ہو یا دنیوی ہر قوم میں کچھ ہوتا ہے۔ اور زمانے کے بدلتے سے
بدلتا بھی رہتا ہے۔ مثلاً فوج کی۔ پولیس کی وردی۔ وکیلوں کا کالا کوٹ ہائی کورٹ
کے وکلا کا کالا جُبّہ اور ججوں کا دھوکہ دینے والی سفید وِگ یہ سب نشانات
دنیوی ہیں۔ اور بدلتے رہتے ہیں پہلے پولیس و فوج کی وردی کچھ اور ہوتی تھی
اب کچھ۔ اور اسی طرح ہر قوم کے دینی نشانات بھی بدلتے رہتے ہیں ہندوں کا پہلے
مذہبی نشان زنار تھی مگر اب نہیں ہے۔ اس لیے مصنف کا الزامی سوال کہ ترکِ نماز
پہلے کفر سمجھا جاتا تھا اب نہیں سمجھا جاتا۔ آخر کیوں۔ یہ سوال نادانی کی بنا پر ہے
اور غلط ہے ترک نماز کفر نہیں علامتِ کفر سمجھا جاتا تھا اگر علانیہ کفر ہوتا تو یقیناً نہ
بدلتا۔ کیونکہ حکم شریعت نہیں بدلتا۔ نشان و علامات بدلتے رہتے ہیں۔ تو چونکہ خضاب
اَسْوَد بحکم شریعت حرام ہے اس لیے ہر جوان بوڑھے پورے سفید اور تھوڑے
سفید ہر قسم کے بالوں پر تا قیامت حرام ہی رہنے گا بے شک مصنف ایڑی

چوٹی کا زور لگالیں جواز ثابت نہیں کر سکتے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی بزرگ کا ذاتی عمل پیش کرنا بھی گستاخی ہے۔ (ستائیسویں غلطی) مصنف صاحب صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص سفید داڑھی دیکھ کر فرمایا کہ ان کی سفیدی کو بدل دو وَجَنِّبُوْهُ السَّوَادَ۔ اور ان کو سیاہی سے بچاؤ امام عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس کو یعنی ابو قحافہ کو سیاہی سے بچاؤ۔ بلاشبہ یہ اس کے حق میں ہے جس کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں اور یہ حکم ہر ایک کے حق میں درست اور جاری نہ ہوگا۔ نیز امام ابن حجر عسقلانی ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سیاہ خضاب کرتے تھے جب کہ چہرہ تروتازہ ہوتا تھا پھر جب چہرے پر جھریاں پڑ گئیں اور دانت ہلنے لگے تو اس کو چھوڑ دیا۔ آگے مصنف صاحب تشریح کرتے تھے جب کہ سیاہی نہ لگانے کا حکم حضرت ابوقحافہ کے متعلق فرمایا کہ ان کو سیاہی سے بچاؤ یہ حکم ان کے لیے تھا سب کے لیے نہیں جواب۔ مصنف صاحب نے امام عسقلانی کا نام لکھ کر یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ یہ امام عسقلانی کا مسلک ہے حالانکہ امام ابن عسقلانی ان تمام اقوال کی تردید فرما رہے ہیں۔ اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری جیسے لوگ من پسند تشریحیں کرنے والے لوگ اس زمانے میں بھی موجود تھے اسی قسم کے شرپسند و مَن پسند لوگوں نے ہی تو اسلام میں یہ الجھاؤ پیدا کر کے مسلمانوں کی عبادات کو برباد کیا اور مسلک پرستی سے اپنا انفرادی ڈیڑھ اینٹ کا مذہب بنا لیا امام حجر عسقلانی کا اپنا مسلک یہی ہے کہ ہر قسم کے بالوں پر سیاہ خضاب حرام جیسا کہ ہم ابھی آگے بیان کریں گے ابن شہاب جیسے لوگوں کے اقوال کو صریح احادیث کے مقابل لانا اور ترجیح دینا شریعت کی گستاخی ہے۔ ابن شہاب زہری کی یہ تقسیم اور بالوں کی یا عمر کی یہ تقسیم کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ حدیث پاک میں ہر قسم کے بالوں پر سیاہ لگانا حرام قرار دیا گیا جیسا کہ خود مصنف صاحب نے اس کتابچے کے صفحہ ۸ پر۔ یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا۔ والی مسند احمد حنبل کے حوالے سے درج کی مگر وہاں چالاکی کرتے ہوئے اوپر اردو میں لکھ دیا (انصار کے بوڑھوں پر گزرے) حالانکہ مسند احمد میں یا عینی میں بوڑھے

کا لفظ نہیں ہے۔ اور اگر فرض کسی کتاب میں یہ لفظ ہو بھی تو وہ اُس کی ذاتی تشریحی وضاحت ہے اس لیے کہ خضاب کی ضرورت ہوتی ہی اُن بالوں کو ہے جو تمام سفید ہوں کالے یا مخلوط بالوں کو تو خضاب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ مخلوط (سفید و کالے) بالوں کو خضاب کرنے کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں مصنف صاحب نے ایک اور سخت غلطی بھی کی ہے کہ حدیث ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمام معتبر کتب احادیث کے الفاظ مشہورہ وصحیحہ۔ فَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ کو چھوڑ کر ملاوٹ شدہ الفاظ۔ جَنِّبُوا السَّوَادَ۔ کو اختیار کیا۔ حالانکہ حضرت ابی قحافہ کا یہ واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا۔ اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو دیکھ کر سیاہ خضاب کی ممانعت کا فرمانا ایک ہی بار ثابت ہے۔ اس واقعے کو جب مسلم شریف جلد دوم ص۱۹۹ اور ابو داؤد شریف جلد دوم ص۲۲۲ اور نسائی شریف دوم ص۲۳۶ نے لکھا تو آخری الفاظ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ باب افتعال کے فعل امر سے لکھا اور باب افتعال لازم ہے نہ کہ متعدی۔ چنانچہ کتب نحو وعلماءِ نحو کے علاوہ ملا علی قاری نے اپنی کتاب۔ جمع الوسائل شرح شمائل میں بھی ص۹۱ پر لکھا کہ۔ اِدَّهَنَ مِنَ الافْتِعَالِ وَهُوَ لَازِمٌ۔ لہٰذا وَاجْتَنِبُوا۔ بھی لازم ہے اور لازم کا ترجمہ اس طرح ہوگا۔ کہ اے مسلمانو بچو تم کالے خضاب سے۔ اس حدیث کے اسی ہی امر سے تمام شارحین محدثین فقہا علماء مشائخ نے کالے خضاب کے حرام ہونے کی دلیل بنایا۔ چنانچہ امام نووی کی عبارت ہم نے پہلے بیان کر دی آپ نے اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا۔ وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيمُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهُوَ مَذْهَبُنَا۔ ترجمہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث قحافہ میں وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ فرمانے کی وجہ سے تمام فقہا کا پسندیدہ واختیار کردہ مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب حرام ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اسی طرح ابو داؤد جلد دوم ص۲۲۲ کے حاشیہ ۵ پر ہے۔ قَوْلُهُ اِجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ فِيْهِ اَنَّ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ حَرَامٌ اَوْ مَكْرُوْهٌ وَسَيَجِيْءُ فِيْهِ اَحَادِيْثُ اُخَرُ قَالَ فِيْ مَطَالِبِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ

بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِنَّ الْخِضَابَ بِالسَّوَادِ جَائِزٌ لِلْغُزَاةِ لِيَكُوْنَ اَخْوَفَ لِلْعَدُوِّ وَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ لِيُزَيِّنَ نَفْسَهٗ وَلِيُحَبِّبَ نَفْسَهٗ اِلَى النِّسَاءِ فَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَائِخِ (الخ) وَالْمُخْتَارُ فِي السَّوَادِ اَلْكَرَاهَةُ وَالْحُرْمَةُ۔ كَذَا قَالَ الشَّيْخُ عبد الحق قُدِّسَ سِرُّهٗ فی اللمعاتِ۔ ترجمہ۔ یعنی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ فرمانے سے تمام علماء کے نزدیک کالا خضاب حرام ہوگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، جو کالے خضاب کو حرام فرما رہی ہیں۔ ہاں بعض علماء نے نمازیوں کے لیے (میدانِ جنگ میں) دشمن پر رعب جوانی ڈالنے کے لیے کالا خضاب جائز کیا۔ لیکن جو شخص اپنے نفسِ امارہ کو مزین کرنے کے لیے یا عورتوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کالا خضاب لگائے گا۔ یہ برا کام جمہور مشائخ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام ظنی ہے۔ اور تمام کا پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب مکروہ اور حرام ہے ایسا ہی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا۔ اب اندازہ لگاؤ کہ صرف اپنے باطل جھوٹے بیہودہ مذہب کو بچانے کے لیے حدیث مبارکہ کے اصل لفظ مٹا کر جَنِّبُوْهُ کر دیا۔ اسی کو ابلیسی شرارت کہتے ہیں۔ دینوی اعتبار سے کتنا آسان ہے کہ جس حدیث کو چاہا توڑ پھوڑ دیا۔ اور اپنا جھوٹا مذہب بنا لیا میں نہیں کہتا کہ یہ لغزش صرف مصنف صاحب کی بلکہ یہ لغزش ابن ماجہ سے شروع ہوئی اور وہ ایسی موضوع روایات لینے میں مشہور ہیں مصنف صاحب کی غلطی یہاں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا باطل مذہب بچانے کے لیے۔ سچائی کو چھوڑا صداقت سے آنکھ بچا کر نکل گئے۔ اور جھوٹ کا سہارا پکڑا۔ اور پھر بھی مدعیٰ حاصل نہ ہوا کیونکہ جَنِّبُوْهُ السَّوَادَ سے بالوں کی تقسیم کیسے ہوئی امام نووی کے قاضی نے یہ تقسیم کی تو امام نووی نے فوراً سخت تردید کر دی، مگر مصنف اس سے آنکھ بچا کر نکل گئے بلکہ ایک جگہ پچھلے صفحات پر اس غلط بیانی کا سہارا لیا۔ اللہ ہی معاف فرمانے والا ہے ورنہ نفسِ امارہ بھی بڑے بڑوں کو بھٹکا دیتا ہے۔ (اٹھائیسویں غلط) مصنف صاحب اسی کتابچی

کے ص۳۹ پر انتہائی گھبرائے ہوئے ایک الزامی سوال کی شکل میں لکھتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے۔ وَخَالِفُوْهُمْ اور تم اُن کی مخالفت کرو یعنی خضاب کرو، اور غَيِّرُوْا الشَّيْبَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ کہ بالوں کی سفیدی کو بدلو اور سیاہی سے بچو۔ کے متعلق عرض یہ ہے کہ۔ خَالِفُوْهُمْ اور غَيِّرُوْا۔ دونوں امر کے صیغے ہیں۔ تو یہ امر وجوبی ہے یا استحبابی۔ اگر وجوبی ہے تو خضاب لگانا اور یہود کی مخالفت واجب ہو گئی۔ اب اگر کوئی نہیں لگاتا تو مکروہ تحریمی ہوا اور مکروہ تحریمی کا بار بار ارتکاب گناہ کبیرہ ہے تو اب نہ لگانے والے گناہگار ٹھہریں گے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ امر وجوبی نہیں۔ بلکہ استحبابی ہے۔ اِسی طرح احتمال یہ ہے کہ وَاجْتَنِبُوا بھی امر استحبابی ہے اور مستحب کی مخالفت کوئی گناہ نہیں۔ خَالِفُوْهُمْ غَيِّرُوْا۔ اور وَاجْتَنِبُوا۔ تینوں امر کے صیغے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ پہلے دو حکموں پر تو عمل نہ کیا جائے اور تیسرے حکم پر اس قدر سختی کی جائے جواب۔ کیا شاندار تانا بانا بُنا ہے۔ بزرگ سچ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو کھیل کود اور وعظ تقریر اور شعر و شاعری میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے پہلے اپنے علم کو مکمل کرنا چاہئے۔ حضرت محترم مرحوم بھی اگر اس بزرگانہ نصیحت پر عمل کرتے تو آج اِس اُلجھن میں نہ پڑتے اور لوگوں سے نہ پوچھتے پھرتے کہ یہ تینوں امر کس کس قسم کے ہیں۔ واجبی کونسا ہے استحبابی کونسا اور کیوں ہے اور پھر یہ تو خیر ہوئی کہ محترم مرحوم صرف خضاب اسود کی حِلّت و جواز کے پیچھے پڑے رہ کر صرف حدیث و فقہ و شروح کی ہی توڑ پھوڑ کرنے میں لگے رہے اگر خدانخواستہ قرآنِ مجید کے مختلف صیغہائے امر و نہی دیکھ کر کہیں نماز روزے وغیرہ کی فرضیت اور قرآن کریم کی حِلّت و حرمت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے اور اس طرح کی فضول کتابچی خلاف قرآن لکھ دیتے تو غضب آجاتا۔ مصنف محترم شاید آپ بھول رہے ہیں کہ علم اصول فقہ کے مطابق فعل امر سولہ بلکہ اٹھارہ قسم کا ہے، اور نہی اپنے صیغوں میں نو قسم کی ہے بحوالہ توضیح تلویح جلد اوّل ص۳۲۸ یہاں بھی یہ تینوں امر کے صیغے اپنے اپنے موقع میں مختلف حکم رکھتے ہیں۔ لہٰذا۔

خَالِفُوْا اور اس کے ساتھ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ کا امر صنگانی وجوبی ہے۔ اور علیحدہ غَیِّرُوا الشَّیبَ۔ استحبابی امر ہے۔ اور وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ مطلقاً ہر وقت تاقیامت ہر مسلمان مرد کے لیے وجوبی امر ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اسلامی تعلیمات سے یہ بات ظاہر ہے اسلام ہر مقام پر ہر کام میں مسلمانوں کو دنیا بھر کے ہر غیر مسلم سے بالکل علیحدہ شناخت بنانے کی تربیت عطا فرماتا ہے خواہ وہ کام بذاتِ خود جائز ہو یا ناجائز مگر کفار کے عمل کی بنا پر وہ کام مسلمان کو چھوڑنا لازم ہے تاکہ ہر دیکھنے والے اجنبی کو بغیر پوچھے ہی مسلمان کی شناخت ہو جائے۔ یہ شناخت کبھی تو مکمل طور پر کفار کے اُس شناختی قول وعمل کو چھوڑ کر بنانے کا حکم دیا گیا اور اگر پورا عمل چھوڑنا ممکن نہ ہو تو اُس عمل کی کافرانہ اور غیر مسلم طرز وطریقہ چھوڑنا لازم قرار دیا گیا۔ اور صرف لباس یا چال ڈھال ہی کی تبدیلی نہیں بلکہ مسلم معاشرے کی حیات دُنیوی کا پورا ڈھانچہ ہی غیر مسلموں سے مکمل طرز پر شناختی طور سے علیحدہ کرنے کا حکم ہے۔ گھر سے دکان تک صبح سے شام تک کھانے پینے سے اوڑھنے بچھانے تک۔ سر سے پیر تک سونے سے جاگنے تک دنیوی تعمیرات سے دینی عبادت گاہ تک۔ شکل صورت لباس سے نام والقاب تک کفار کے عمل سے ترکِ عمل تک ہر چیز میں مسلمان کی شناخت کفار کی شناخت سے علیحدہ کرنے کا حکم ہے۔ خواہ وہ دینی مذہبی شناخت ہو یا دنیوی علاقائی۔ معمولی کام ہو یا بہت اہم۔ غرضیکہ بحکمِ شریعت ہر طرح سے مسلمان کو کفار سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور قرآن وحدیث میں یہ حکم اتنی سختی سے اور بار بار دیا گیا کہ ہر مسلمان کو اپنی شناخت قائم رکھنا اور کفر کے رنگ ڈھنگ عمل دخل سے علیحدہ ہونا واجب شرعی کا درجہ بن گیا ہے۔ یعنی اگرچہ وہ کام اپنی ذات میں جائز ہی تھا کسی قسم کی قباحت نہ تھی مگر کفار میں رہنے بسنے اور آس پڑوس کی وجہ سے بے شناختی کے دھوکے سے بچنے بچانے کے لیے تعارفاً کفار کی مخالفت مسلمان پر واجب ہے وہ کفار یہود ونصاریٰ ہوں یا ہندو سکھ مجوسی ہوں زندگی کے ہر طرزِ معاشرہ میں غیر مسلم کی مخالفت واجب ہے۔ اور چونکہ دنیوی عملیات اور رہائشی علاقہ بدلتے رہتے ہیں اس لیے شناختیں بھی بدلتی

رہتی ہیں۔ اور اسی طرح مسلمان کا کفر کی مخالفت کا عمل بھی زمانے کے لحاظ سے بدلتا رہے گا یعنی جس زمانے میں کسی کافر قوم کا جو طرزِ عمل ہوگا اُسی طرز کی ممانعت فقط اُسی دور میں مسلمانوں پر واجب ہوگی۔ اور جب وہ کفار کی شناخت یا خود کفار اس علاقہ میں نہ رہیں تو مخالفت کا وہ وجوب بھی نہ رہے گا اِس ضابطۂ اسلامیہ کو سمجھنے کے بعد اب ان احادیث کا سمجھنا اور اُن کے وجوب کے وقت کا تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے جن احادیث میں فرمایا گیا کہ۔ اِنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ۔ کہ یہودی عیسائی بالوں کو خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔ یعنی ضرور لگاؤ۔ یہ حکم مسلمانوں کو اُس وقت اور اُس علاقہ میں دیا گیا جہاں اُس وقت سفید بالوں والے یہودیوں، عیسائیوں کی رہائشیں ہوا کرتی تھیں اور اجنبی لوگ پہچان نہ سکتے تھے کہ مسلمان کون لوگ ہیں اِس لیے اُس وقت کے مسلمانوں پر واجب تھا بالوں کی سفیدی کو خضاب لگانا سرخ یا پیلا کرنا لیکن جب نہ تو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ رہے اور مسلمان بھی دنیا میں پھیل گئے تو دیگر ہنگامی وقتی قوانین کی طرح خضاب لگانا بھی واجب نہ رہا۔ نہ یہ شناختی مخالفت باقی و ضروری رہی اس لیے مصنف صاحب کا یہ سوال و تعجب غلط ہے کہ اب خَالِفُوْا وغَیِّرُوْا پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا اس لیے کہ خَالِفُوْا وغَیِّرُوْا کا وجوب وقتی قانون تھا۔ اب وہ یہودی نہ رہے نہ ان کا عمل لہٰذا وجوب بھی ختم ہوگیا۔ اب سرخ خضاب لگانا صرف مستحب ہے کوئی چاہے تو لگائے چاہے تو سفید ہی رہنے دے۔ یہ تینوں امر علمِ اصول کے مطابق تین قسم کے ہیں وَخَالِفُوا الْیَھُوْدَ۔ یہ امر۔ اُس وقت ہنگامی وجوبی مگر اب نہ واجب نہ مستحب ۲۔ غَیِّرُوْا کا امر اس وقت واجب اب مستحب۔ لیکن وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ کا قانون کسی وقتی شناخت کے لیے نہ تھا اِس لیے یہ سختی اور وعید اور اسی وعیدِ شدید کی وجہ سے حرمت بھی باقی ہے۔ اور تا قیامت ہر مسلمان کو کالا خضاب حرام ہے۔ اننسویں غلطی۔ مصنف صاحب مرحوم صـ۴۶ پر لکھتے ہیں کہ مشتہر اینڈ کمپنی سے گزارش ہے کہ آپ صرف سیاہ خضاب کے پیچھے کیوں پڑے ہو صرف اُسی کی حرمت کے قائل کیوں ہو جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً

خضاب کو خواہ کسی رنگ کا ہو، مکروہ سمجھتے تھے۔ ملاحظہ ہو پہلی حدیث۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے۔ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم کَانَ یَکْرَہُ تَغْیِیْرُ الشَّیْبِ داز مشکوٰۃ ص۳۷۸۔ دوسری حدیث پاک۔ عمرو بن شعیب اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ شَیَّبَ شَیْبَۃً فِی الْاِسْلَامِ کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَنْ یَنْتِفَہَا اَوْ یَخْضِبَہَا۔ تیسری حدیث عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم کَانَ یَکْرَہُ خِصَالًا فَذَکَرَ مِنْہُ تَغْیِیْرُ الشَّیْبِ۔ ترجمہ۔ تینوں کا۔ ۱نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کو بدلنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ۲نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے بڑھاپا پایا وہ بڑھاپا قیامت کے دن اُس کے لیے نور بن جائے گا لیکن اگر وہ مسلمان اُن بڑھاپے کے سفید بالوں کو اکھیڑ دے یا ان کو خضاب لگا دے تو نور نہیں بنے گا۔ ۳نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند خصلتوں کو مکروہ سمجھتے تھے اُن میں سے ایک بڑھاپے کو بدلنا ہے۔ ان تین احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کا خضاب سرخ۔ زرد۔ حنا وکتم وغیرہ سب مکروہ ہیں۔ تو پھر یہ کیا کہ کالا حرام اور سرخ وزرد جائز۔ جب تم یہاں خضاب لگانے والی احادیث میں تطبیق دے لیتے ہو تو پھر (خدا کے لیے ہم پر ترس کھاؤ ہم عورتوں کو چکمہ دینے کے لیے کالا خضاب لگانے والوں کا بھی کچھ خیال رکھو) اور کالے خضاب والی احادیث اور سرخ خضاب کی احادیث میں بھی تطبیق دینے کی کوئی صورت نکالو۔ ورنہ آپ کے فتوے کی ماریں بڑی بڑی مقتدر ہستیاں آگئی ہیں۔ (جواب) تمہاری اُن بڑی بڑی مقتدر ہستیوں کو کس نے کہا تھا کہ حرام خضاب کی لیپا لاپی کرو۔ کہ دنیا میں شرعی فتووں کی اور آخرت میں جہنم کی مار کھاؤ۔ اپنی اُن بڑی بڑی ہستیوں کو پہلے ہی سمجھا دیا ہوتا تمہاری مقتدر ہستیوں نے یہ ناجائز کام کیا ہی کیوں جواب تم اُن سب کے لیے منت سماجت کرتے آگئے۔ بحمداللہ تعالیٰ ہماری کسی مقتدر ہستی نے یہ ناجائز کام کبھی نہ کیا۔ گولڑے والی سچی سرکار قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے لے کر اعلیحضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ تک سب ہی اس حرام خضاب سے بچے رہے

نیز مصنف کہتے ہیں کہ کالے خضاب کے جواز والی احادیث کے ساتھ تطبیق کر لو۔ ہم کہتے ہیں کن خلاؤں میں پھر رہے ہو کالے خضاب کے جواز کی حدیث تو دنیا میں ہے ہی کوئی نہیں۔ کس سے مطابقت کریں۔ مصنف صاحب کو بھی کوئی نہ مل سکی حالانکہ یہ عاشقِ سیاہی ہیں۔ اپنی اس پوری کتابچی میں ابن ماجہ کی ایک گھسی پٹی عبارت وروایت لکھ ڈالی وہ بھی ضعیف بناؤٹی یا چند حضرات کے ذاتی انفرادی اقوال وعمل کی روایتیں۔ تو ان کا ہم نے پہلے جواب دیدیا ہے کہ کسی کے ذاتی عمل بغیر دلیل واستنباط شریعت کا قانون نہیں بن سکتے نہ کسی حرام شرعی کو حلال کر سکیں اس طرح سے اگر بڑا رہا بھی منہ پر سیاہی لگاتے پھریں شرعاً اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن مصنف صاحب کی پیش کردہ تین حدیثیں تو یہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں ہم کو تطبیق دینے کی ضرورت نہیں اِن کے اپنے الفاظ مبارک ہی سچی تقسیم فرما رہے ہیں۔ ذرا ساعقلی تدبر چاہیئے۔ چنانچہ امام بدرالدین عینی اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری بائیسویں جلد ص۵۰ پر لکھتے ہیں۔ وَالصَّوَابُ عِنْدَنَا اَنَّ الْاٰثَارَ الَّتِیْ رُوِیَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم بِتَغْیِیْرِہٖ وَالنَّھْیُ عَنْہُ صِحَاحٌ وَلٰکِنَّ بَعْضَھَا عَامٌّ وَبَعْضَھَا خَاصٌّ فَقَوْلُہٗ خَالِفُوا الْیَھُوْدَ وَغَیِّرُوا الشَّیْبَ اَلْمُرَادُ مِنْہُ الْمَخْصُوْصُ۔ اَیْ غَیِّرُوا الشَّیْبَ الَّذِیْ ھُوَ نَظِیْرُ شَیْبَۃِ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَاَمَّا مَنْ کَانَ اَشْمَطَ فَھُوَ الَّذِیْ اَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ لَّا یُغَیِّرَہٗ وَقَالَ مَنْ شَابَ شَیْبَۃً الحدیث لِاَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَّاْتِیَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْلَانِ مُتَضَادَّانِ وَلَا نَسْخٌ فَتَعَیَّنَ الْجَمْعُ فَمَنْ غَیَّرَہٗ مِنَ الصَّحَابَۃِ فَمَحْمُوْلٌ عَلَی الْاَوَّلِ وَمَنْ لَّمْ یُغَیِّرْہُ فَعَلَی الثَّانِیْ مَعَ اَنَّ تَغْیِیْرَہٗ نُدُبٌ لَا فَرْضٌ وَکَانَ النَّھْیُ نَھْیَ کَرَاھَۃٍ لَا تَحْرِیْمٍ لِاِجْمَاعِ سَلَفِ الْاُمَّۃِ وَخَلْفِھَا۔ ترجمہ۔ کچھ احادیث فرما رہی ہیں کہ خضاب لگاؤ اور کچھ احادیث فرماتی ہیں کہ نہ لگاؤ تو کوئی کم فہم انسان اس کو تضاد بیانی نہ سمجھے نہ کسی حدیث کو منسوخ سمجھے اس لیے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ مقدسہ طیبہ کو متضاد کہنا سخت ناجائز ہے اور بلا ثبوت

کسی فرمان کو منسوخ کہنا بھی جہالت ہے۔ لہٰذا جواب اور صحیح حقیقی تشریح یہی ہے ہمارے نزدیک کہ خضاب سے منع والی احادیث ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے بال پورے سفید نہیں ہیں وہ لوگ کسی قسم کا خضاب سرخ یا پیلا نہ لگائیں یعنی جن کا بڑھاپا شیبۃ الحدیث (نیا بڑھاپا) ہے (یہ لفظ حَدَثٌ سے بنا ہے) اور جن کا بڑھاپا حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل ہے کہ تمام بال سفید ہو چکے ہیں ان کو حنا وکتم کا سرخ یا پیلا خضاب لگانے کی اجازت ہے۔ آگے امام عینی فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تشریح اپنی ذہنی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے عمل کی دلیل سے ہے کہ جن صحابہ کرام نے خضاب لگایا ان کا عمل پاک غَیِّرُو الشَّیْبَ والی احادیث پر ہے کیونکہ ان کے تمام بال سفید ہو چکے تھے اور جن داڑھی عمر کے تازہ وجدید چہرے والے (صحابہ کرام نے اپنے مخلوط دکالے سفید) بالوں پر کسی طرح کا قطعاً کوئی خضاب نہ لگایا ان کا عمل شریف ممنوعہ احادیث پر ہے۔ لہٰذا دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ درست وتا قیامت محکم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود خضاب لگانے کا حکم صرف مستحب ہی ہے فرض یا واجب نہیں اب کوئی سخت بوڑھا بھی سرخ یا پیلا خضاب نہ لگائے تو کوئی بات نہیں (وجوب تو صرف اُس وقت یہود ونصاریٰ کی مخالفت کی وجہ سے تھا) اسی طرح ممانعت ونہی کی احادیث کراہتِ تحریمی کی ممانعت نہیں بلکہ صرف تنزیہی ہے۔ امت کے سلف وخلف کا اِسی شرح پر اجماع ہے۔ سُبْحَانَ اللہ کتنے شاندار اور مدلل طریقے سے امام عینی نے احادیث کی شرح بیان فرما دی۔ حضرت شارح نے تین چیزیں واضح فرمائیں ۱ دونوں قسم کی احادیث موجود بھی ہیں اور صحیح بھی ۲ مگر تضاد بیانی نہیں بلکہ دو قسم کے مردوں کے لیے علیحٰدہ علیحٰدہ حکم ہیں ۳ اس تشریح کی دلیل بھی ہے بے دلیل قول نہیں ۴ اس شرح پر فقہاء سلف وخلف کا اجماع واتفاق وتائید ہے آج تک اس شرح کی کسی نے کسی بھی طرز پر تردید نہیں کی۔ بخلاف شرح نووی کے کہ کسی مجہول نامعلوم قاضی کی تشریح کے کہ اس میں صرف جھوٹ اور غلط بیانی ہی تھی نہ دلیل نہ ثبوت اسی لیے امام نووی کو اُسی وقت فوراً اُس کی پُر زور تردید کرنی پڑی کہ هٰذَا مَا قَالَ الْقَاضِی یعنی یہ لغویات صرف قاضی کی اپنی بناوٹی ہے نہ سند نہ دلیل نہ ثبوت نہ اجماعِ سلف

وخلف ۔ ۔۔ اس لیے اگرچہ ہماری شرح میں لکھی گئی ہے مگر ہے مردود اور مصنف صاحب
ہر مقام پر ایسے ہی بیکار اقوال کا سہارا پکڑتے ہیں ۔ امام عینی اور اجماع سلف وخلف
کی یہ تشریح اس لیے بھی ضروری ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال
طیبات کو جہلا کے تضاد بیانی والے اتہام سے بچایا جائے ۔ اور یہ سب سے
اہم فریضہ ہے کہ قرآن وحدیث کو گمراہوں کی گستاخیوں سے بچایا جائے ۔ لیکن مصنف
صاحب نے ہر جگہ تضاد بیانی کی الجھن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر کسی
الجھن کا خود جواب نہ دیا بلکہ بطور طنز ۔ فَمَا جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا ۔ کہہ کر یہ
تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان احادیث کی الجھن کوئی عالم دور نہیں کر سکتا
حضرت مصنف کی یہ حرکت کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی بلکہ احادیث پاک سے
عوام کو بدظنی پیدا ہو سکتی ہے ۔ اسی گمراہی وگستاخی کے خطرہ سے ہم نے یہ
کتاب لکھ کر مصنف صاحب کی ہر ہر بات کی تردید کر دی کہ مولانا تو دنیا سے بغیر
توبہ ورجوع چلے گئے ۔ بعد کے عوام تو گمراہ نہ ہوں اور حرام خضاب کو حلال وجائز
نہ سمجھ لیں ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے مشکوٰۃ شریف کی اس ۔ کَانَ یَکْرَہُ تَغْیِیْرَ
الشَّیْبِ کی تشریح کرتے ہوئے اپنی کتاب شرح مرقات میں فرمایا کہ تغییر الشیب کا معنیٰ
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ کالے خضاب بڑھاپے کے آثار وشناخت
مٹانے کو مکروہ فرمایا ۔ علامہ قاری کی یہ شرح تغییر کے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے
ہے ۔ تغییر کے لغوی معنیٰ ہوتے ہیں ۱ ۔ بدلنا ۲ ۔ ہٹانا ، ۳ ۔ مٹانا ۴ ۔ چھپانا ۔ حناء کتم
سے تغییر شیبۃ کا فقط معمولی رنگ بدلتا ہے ۔ سرخ یا پیلے رنگ سے بڑھاپا چھپتا
نہیں اس لیے یہ فریب دینا نہیں لہٰذا جائز ہے حرام نہیں ۔ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ کا یہ ہی
معنیٰ ہے ۔ لیکن سیاہ خضاب سے بڑھاپے کو مکمل چھپانا ہے اور نتف یعنی
سفید بال اکھیڑتے سے بڑھاپے کو مٹانا ہے ۔ سیاہ خضاب سے تغیر الشیب
بمعنی چھپانا ۔ اکھیڑ کر تغییر بمعنیٰ مٹانا ۔ اور یہ دونوں کام فریب دینا ہے اس لیے
جن احادیث میں تغیر الشیب سے منع کیا گیا وہاں تغیر بمعنیٰ مٹانا اور چھپانا ہے
یہی دونوں حرام ہیں ۔ یہ تھی ملا علی قاری رح کی تشریح لغوی وضاحت آپ مصنف
کا ملنچیا نہ الزامی سوال ختم ہو گیا ۔ (تیسویں غلطی) مصنف صاحب محترم بہت

ہی اچھے اور ملنچیانہ انداز میں کتابچی کے صفحہ آخری ص۴۷ و ص۴۸ پر لکھتے ہیں۔ حرفِ آخر اس ساری بحث کو پیش کرنے کے بعد بھی عرض یہ ہے کہ مسئلہ سیاہ خضاب ایک اختلافی مسئلہ ہے لہٰذا اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہمارے نزدیک سیاہ خضاب کرنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی نہ کرے تو بہتر کرے تو حرج نہیں اگرچہ ہمارے بعض بزرگوں نے سیاہ خضاب کو حرام لکھا ہے انہوں نے تو لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور بالا خانوں میں رہنا اور لڑکیوں کو سورۂ یوسف پڑھانا بھی ناجائز و حرام لکھا ہے۔ ان بزرگوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور یہ ہمیں جواب لکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن اشتہار میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان فرعون کا پیروکار۔ اللہ کا دشمن۔ بڈھا کوا۔ جانور۔ بدترین گناہ کا مرتکب جنت کی خوشبو نہ پانے والا۔ جہنمی۔ قیامت کے دن اللہ سے منہ کالا کروانے والا سب سے کمتر اور ہمارے مقتدیوں کی نماز کو فاسد قرار دیا گیا۔ تب یہ جواب دیا گیا تاکہ مقتدی اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ۔ (یعنی مصنف صاحب کو صرف مقتدی بھاگ جانے کا خطرہ تھا جس کی وجہ سے شاید امامت ختم ہو جاتی اس خدشے سے یہ جواب لکھا گیا گویا کہ بقولِ خود اقرار ہے کہ اس تحریر میں خلوصِ دین شرعی مسئلے کے اظہار اور دینی خدمت کی نیت نہیں ہے) جواب۔ مصنف صاحب نے جاتے جاتے اپنی تمنا اور آرزو اور کتاب کا مقصدِ تحریر بتاتے ہوئے بھی چھ طرح کی غلطیاں کر دیں ۱۔ لکھتے ہیں کہ یہ فروعی و اختلافی مسئلہ ہے۔ جواب بالکل غلط ہم نے ثابت کر دیا کہ تمام فقہا علماء جمہوری اور متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ کالا خضاب حرام ہے نیز ایک بھی حدیث کالے خضاب کی کسی بھی شخص کو عارضی اجازت بھی نہیں دیتی نہ جوان نہ ادھیڑ نہ بوڑھے مسلمان کو نہ مجاہد کو ۲۔ لہٰذا اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے۔ جواب۔ تشدد کسی کی ذات پر نہ کرنا چاہیئے نہ برے لفظوں و القاب سے نہ سخت برا بھلا کہنے سے لیکن جہاں تک شرعی مسئلے کا تعلق ہے اُس کی اہمیت شدت حلت و حرمت حدودِ اخلاق میں رہ کر ضرور بتانا اور ظاہر و مشہور کرنا چاہیئے اگر یہ بات بھی کسی مخالف کو بری لگے تو پھر

کسی بھی حق گو کو کسی لومتہ لائم یا ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شریعت کا حق پرچم بلند ہی رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ علم اور دین چھپانا بھی گناہ ہے غالبًا کچھ لوگوں نے مصنف صاحب کے کالے خضاب لگانے پر اعتراض بطریقہ اشتہار چھاپ کر کیا ہوگا اور اس میں حضرت مصنف کو کالے خضاب سے روکنے کے لیے شدت اختیار کی ہوگی جو بحوالہ اس تحریر کے کچھ زیادہ ہی شدید ہوگی جس نے مصنف صاحب کو سخت غصہ میں جذباتی بنا دیا۔ اُن لوگوں کا مصنفِ صاحب اپنی اس کتابچی میں کئی جگہ "مشتہر اینڈ کمپنی" کے لقب سے تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ اشتہار اور وہ لوگ تو ہماری نظر و ملاقات سے نہیں گزرے جو حقیقتِ حال کا یقینی پتہ چلتا مگر ہم نے اپنے طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر دو طرف سے کافی شدید مظاہرے ہوئے ہوں گے۔ بہر حال یہ اچھی بات نہیں کسی بھی موقعہ پر مسلمانوں کو حدود شرعی اور اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے ؀۳ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سیاہ خضاب مکروہ تنزیہی ہے۔ جواب۔ چلو جاتے جاتے اتنا ماننا بھی غنیمت ہے جب کہ پہلے صفحات پر یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ وہ شدتِ جذبات کی بنا پر سختی تھی۔ اب آخر میں یقینًا کچھ شدت کم ہوئی تو پیاری تحریر میں مکروہ تک آ گئے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو مجھے کامل یقین ہے کہ بہت پیارے اخلاق والے تھے کم از کم میری ضرور مانکر رجوع فرما لیتے اور مسلکِ جمہور کو سر آنکھوں سے لگاتے ہوئے کالے خضاب کو حرام ہی کہتے ؀۴ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض بزرگوں نے سیاہ خضاب کو حرام لکھا ہے جواب۔ بعض نے نہیں بلکہ تمام بزرگوں نے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ثابت کیا اور ابھی آگے بھی باحوالہ ثابت کریں گے۔ بحمدہٖ تعالیٰ آپ ہماری ہی اہل سنت جماعت سے ہیں۔ آپ ہمارے ہی ہیں ہمارے ہی رہیں گے آپ کے بزرگ وہی ہیں جو ہمارے ہیں از صدیق اکبر تا خواجہ حسن بصری اور از امام اعظم تا شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور از سرکار حضرتِ اعلیٰ گولڑوی تا۔ امام اعلحضرت مجدد بریلوی۔ یہ سب ہم دونوں بلکہ تمام امتِ مسلمہ اہل سنت والجماعت کے بزرگ و پیشوا ہیں ؀۵ فرماتے ہیں کہ بزرگوں نے تو لڑکیوں کو لکھنا سکھانا۔

بالا خانوں میں رہنا۔ سورۃ یوسف کا ترجمہ پڑھانا بھی ناجائز و حرام لکھا ہے یہ اُن کا کمال تقویٰ ہے۔ جواب۔ لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور بالا خانوں میں رہنا۔ آج کل کے کالج کے بد معاشی و فحاشی و بے پردگی کے ماحول کو دیکھتے ہوئے کون سا با غیرت والد یا بھائی ہوگا جو ایسی لکھائی پڑھائی کو حرام نہ کہے گا کالج سکول کی وجہ سے اخباروں میں آئے دن جو چیزیں چھپتی ہیں کیا کوئی غیرت مند اپنی بہن بیٹی پر برداشت کرے گا بس اُن کی دور رس نگاہوں نے اسی ماحول بے تمیزی کو وقت سے پہلے محسوس کر لیا تھا اس کو تقویٰ نہیں شرعی فتوے کے طور پر اُن بزرگوں نے قرآن و حدیث کا فیصلہ ثابت کیا تھا ہمیں حیرت ہے کہ مصنف مرحوم اس طوفان بے غیرتی فحاشی سے بچاؤ کو بھی ذاتی تقویٰ کہہ کر گناہ علم کو حرمت سے نکال کر حلت میں لانے کی خود خا جرانہ کوشش کر رہے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کے سرسید کو بھی علی گڑھ کالج بنانے پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی۔

بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال   حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ   باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

بے پردگی۔ حسن کی نمائش۔ حسن پرستی۔ اغواء۔ پرچہ بازی۔ فلم ناول عشقیہ افسانے سب اسی کالج کی پڑھائی لکھائی کی وجہ سے ہی تو ہے۔ اتنے بڑے بڑے گناہ اور قوم کی تباہی کے اسباب کیا مصنف کے نزدیک حرام نہیں کیا ان کو بُرا سمجھنا محض بزرگوں کا ذاتی تقویٰ ہے یہی حال بالا خانوں اور ان کی کھڑکیوں کا ہے۔ نوجوان طبقے کے لیے خلوت اور بلندی کے مقامات شیطانی جال ہیں فقہاء کرام نے لڑکیوں کو تنہا بالا خانوں کی رہائش سے ممانعت کا فتویٰ حدیث، قرآن کی روشنی ہدایت واستنباط سے دیا ہے اور تا قیامت جاری و نافذ ہے حدیث پاک میں ارشاد ہے عورت کے لیے باہر سے گھر کی چار دیواری بہتر ہے اور اگر آنگن ہے تو برآمدہ اور برآمدے سے کمرہ اور کمرے سے پچھلا کمرہ بہتر ہے۔ ازواج اُمہات المومنین کے گھروں میں تو صحن

و برآمدہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ بری اعلیٰ پیغمبر خدا کے گھر میں آگے پیچھے دو کمرے ہوتے تھے اور فاطمۃ الزہرا نے عمر کا زیادہ حصہ پچھلے کمرے میں گزارا دن کے وقت کبھی دوسرے کمرے میں نہ آئیں۔ آپ کے چہرۂ پاک کو تو کبھی چاند سورج نے نہ دیکھا حضرت حکیم الامت نے شعر فرمایا ہے کہ۔

وہ چادر جس کا آنچل چاند سورج نے نہیں دیکھا   بنے گی حشر میں پردہ گنہگاران اُمت کا

فقہا کے اس شرعی حکم کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو عورت بنا کر رکھو۔ بقول حضرت اکبر الٰہ آبادی۔ کہ خاتون خانہ ہو۔ وہ صبا کی پری نہ ہو۔ نہ معلوم مصنف صاحب کو کیا ہو گیا ہے اپنے ایک باطل نظریے کو بچانے کے لیے اسلام کے کتنے کتنے بڑے فرامین پر طعن کرتے چلے جا رہے ہیں۔ قرآن وحدیث کے دلالۃ النص کو ذاتی تقویٰ کہہ کر عوام کی نگاہ میں بے معنی کرنا چاہتے ہیں۔ رہی مصنف کی تیسری بات کہ سورۃ یوسف کا ترجمہ لڑکیوں کو نہ پڑھاؤ۔ یہ گستاخانہ بات ہمارے کسی بزرگ نے نہ فرمائی نہ معلوم وہ مصنف کا کون ساید بخت بزرگ ہوگا جس نے ایسی بیہودہ بات کہہ کر جہنم کا ایندھن بننا پسند کیا سورۃ یوسف میں کون سی ایسی غلط یا شرمندگی والی بات ہے جو رب تعالیٰ نے بیان فرمادی اور اللہ تعالیٰ کو لڑکیوں کا خیال نہ آیا۔ اُس کم بخت شیطانی بزرگ کو احساس غیرت نے ستا مارا۔ اور پھر یہ نہ بتایا کہ کونسی زبان کا ترجمہ نہ پڑھاؤ اردو فارسی یا پشتو انگریزی۔ اور یا پھر عربی کی یا عربی زبان جاننے والی لڑکیوں کے لیے کیا کیا جائے گا وہاں سورۃ یوسف سے لڑکیوں کو کس طرح بچاؤ گے۔ کیا وہاں کوئی ابلیسی بزرگ یہ کہے گا کہ سورۃ یوسف کو لڑکیوں والے قرآن مجید سے نکال دو۔ (العیاذ باللہ) مصنف صاحب کو ذرا بھی اگر غور وفکر ہوتا تو یہ گستاخی نہ لکھتے۔ محترم مرحوم یہ کوئی بائیل یا یہود ونصاریٰ کی بناوٹی انجیل وتالمود نہیں کہ مبلغ اسلام حضرت محترم احمد دیدات مدظلہ نے ایک محفل مناظرہ میں عیسائی پادریوں کے سامنے بائبل کے بعض مقامات پڑھ کر سنائے تو پادریوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ اور غیرت سے نگاہیں نیچی ہوگئیں۔ مصنف قرآن مجید کے متعلق ایسی غلط بات لکھ کر عیسائیوں کو قرآن مجید پر زبان طعن دراز کرنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں کسی نے سچ فرمایا کہ

خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے رب تعالیٰ تو اس واقعہ یوسف کو احسن القصص فرمائے۔ مگر مصنف صاحب یہ گستاخی لکھ کر کفر کھانے کے درپے ہیں۔ کیا اچھا ارشاد فرمایا تھا کسی درس قرآن کے موقعہ پر حضرت علامہ احمد حسن نوری صاحب خطیب جامعہ حنفیہ فاروقیہ ڈاکخانہ مغلپورہ لاہور نے دورۂ برطانیہ کے دوران کسی محفل میں۔ کہ کیا حسین اندازِ قرآن ہے کہ جس محفل میں چاہو جس کو چاہو پڑھاؤ سناؤ قرآن کریم جدھر سے چاہو کھولو اور سناتے سمجھاتے اور ترجمہ سکھاتے چلے جاؤ اپنے پرائے دوست دشمن چھوٹے بڑے جوان بوڑھے ماں بہن بیٹی کو پڑھاتے چلے جاؤ کبھی شرمندگی نہ ہوگی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک ہم مسلمان جو سچا اور صحیح اعتراض بائبل پر کرتے ہیں۔ اس کے مقابل مصنف صاحب نے غیر مسلموں کو الزامی اعتراض کا ایک جھوٹا موقعہ فراہم کر دیا۔ مصنف نے دو لفظ لکھ کر قلم کا نشتر چلا دیا مگر یہ نہ سوچا کہ اس سے عوام مسلمانوں کے سینوں میں کتنا بڑا زخم پڑے گا۔ ان ہلاکت خیز تحریروں کو سوچو کہ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے کتنی خطرناک زہرِ قاتل گمراہ کن۔ نشتر زخم دار ہے کیا ابھی بھی مصنف کو مجدد مسلک کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ اُن کی یہ کتاب تو مہلکِ مسلکِ اہل سنت ہے۔ ۲۔ مشتہرین نے مصنف صاحب کو تقریباً دس قسم کے بُرے خطاب دیئے۔ اللہ کا دشمن بڈھا کوا۔ جانور۔ بدترین گناہ گار۔ اس کے پیچھے کسی کی نماز جائز نہیں۔ وغیرہ وغیرہ صرف ان بُرے لفظوں کی وجہ سے ہم نے اُس اشتہار کا جواب دینے کے لیے یہ کتاب لکھی تاکہ مقتدی لوگ اشتہار کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔ **جواب**۔ ان لفظوں میں بعض تو واقعی محض برے اور غیر مہذب الفاظ ہیں جو کسی مسلمان کو اخلاقی طور پر زیب نہیں دیتے۔ اور کہنے لکھنے والے کی کم علمی ظاہر کرتی ہے۔ مگر بعض الفاظ احادیثِ پاک کا ترجمہ ہیں۔ مثلاً جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ سیاہ خضاب لگانے والے کا منہ کالا کرے گا۔ رہی یہ بات کہ کالا خضاب لگانے والے امام کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز جائز نہیں۔ تو یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جن کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا کہ کالا خضاب باستنباطِ احادیث اور باستدلالِ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حرام ہے تو اُن کے نزدیک تو یقیناً مُو کالے امام کے پیچھے نماز جائز نہ ہو گی اور وہ اِس مسئلے میں حق بجانب ہیں۔ نماز کا مسئلہ نازک ہے اور نماز ہر مسلمان کی اپنی اپنی دینی ذاتی دولت ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان پر خود واجب ہے اس لیے اِس بات سے مصنف کو غصہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی امام اِس خضاب کو جائز مانتا ہو تو کم از کم اُن مقتدیوں کی نماز کا خیال رکھے جو اس کو حرام کہتے ہیں یا ان کی امامت کرانے والا امام امامت کے وقت نہ لگائے یا امامت کے دنوں میں کالا خضاب چھوڑ دے امامت کی چھٹی کے دنوں میں لگا لیا کرے۔ اگر نہیں چھوڑ سکتا تو پھر امامت چھوڑ دے اور شوق سے کالا خضاب لگاتا پھرے کوئی شخص اعتراض یا اشتہار نہ نکالیگا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اب آخر میں ہم اُن کتابوں کے مصنفین کا اصل ذاتی مسلک کالے خضاب کے بارے اُن کی اُسی کتاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جن کتابوں کا نام لکھ کر محترم مصنف نے ان کی ہی تردید کردہ عبارتوں اور قولوں کو اپنے باطل نظریے کے حق میں نسبتی دھوکہ دیتے ہوئے اِستدلال اور ڈھال بنا کر لکھیں، اور عوام کو دھوکہ دیا کہ یہ ہی مصنف کتاب ھذا کا مسلک ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ چالاکی صرف دکانِ باطل چمکانے کے لیے کی گئی ہے۔ مصنف صاحب نے اپنی اِس اڑتالیس[۴۸] صفحات کی کتابچی میں گیارہ[۱۱] کتابوں کا حوالہ لکھا ہے۔ ۱ نووی شرح مسلم ۲ عمدۃ القاری عینی شرح بخاری ۳ جمع الوسائل شرح شمائل ۴ مناوی شرح شمائل ۵ اشعۃ اللمعات ۶ احناف کا مشہور فتاویٰ عالمگیری ۷ فتح الباری شرح بخاری ۸ سراج منیر شرح جامع صغیر ۹ طبقات ابن سعد ۱۰ طبرانی کبیر ۱۱ فتاویٰ درمختار شامی۔ مصنف صاحب مرحوم نے اِن کُتُب سے سہارا لے کر اِس انداز میں اپنا باطل نظریہ شائع کیا ہے کہ یہ کتابچی بذاتِ خود از اوّل تا آخر سیاہ خضاب بن گئی ہے۔ اور عوام کو اس طرز پر دھوکہ دیا گیا ہے کہ لوگ سمجھیں کہ شاید یہ سب بزرگ بھی کالے خضاب کو جائز مانتے ہیں حالانکہ اصل کتاب دیکھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کیسی کیسی چالاکیاں کی گئیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے بزرگوں کے صاف

انداز کے حوالے دینے کے باوجود آخر میں تھکے ہارے معلوم ہوتے ہیں ورنہ سچے اور صاف گو انسان کو اس طرح ملتجیانہ انداز میں گھگھیانے پر بانے کی ضرورت کیا ہے لیکن ہم مندرجہ ذیل سطور میں یہ پول ضرور کھولیں گے صرف یہ بتانے کے لیے کہ بھلا اتنے عظیم بزرگ حضرات فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا مسلک کس طرح بنا سکتے تھے۔ چنانچہ امام نووی شرف الدین ابو زکریا شارح مسلم شریف ان کی عبارت ہم پہلے بھی دوبار لکھ چکے ہیں آپ نہایت واضح الفاظ میں باسند لال حدیث پاک فرماتے ہیں ص ۱۹۹ یر وَيَحْرُمُ خِضَابُهُ بِالسَّوَادِ عَلَى الْأَصَحِّ (الخ) وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيمُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ وَهٰذَا مَذْهَبُنَا۔ ترجمہ۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ کالا خضاب قطعًا حرام ہے یہی تمام فقہاء کا پسندیدہ واختیار کردہ مذہب ہے کیونکہ آقائے کائنات نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سیاہی سے بچو ۲۔ امام بدر الدین عینی اپنی شرح بخاری میں اپنا مذہب اس طرح بیان فرماتے ہیں عمدۃ القاری جلد بائیسویں ص ۱۱ پر ہے۔ فَالْجُمْهُورُ عَلٰى أَنَّ الْخِضَابَ بِالْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ دُونَ السَّوَادِ لِمَا رُوِيَ فِيهِ الْأَخْبَارُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْوَعِيدِ۔ ترجمہ تقریبًا تمام فقہاء امت، مجتہدین ملت کا متفقہ مذہب اس بات پر ہے کہ خضاب صرف سرخ اور پیلا ہی جائز ہے کالا خضاب قطعًا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اس وجہ سے کہ اس کالے خضاب کے ناجائز ہونے کی دلیل میں بہت احادیث مبارکہ روایت کی گئی ہیں جن میں کالا خضاب لگانے والے کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ ثبوت کے طور پر کچھ آگے چند حدیثیں نقل فرماتے ہیں ۱۔ قَوْمٌ آخَرُونَ يَخْضِبُونَ بِالسَّوَادِ۔ یہ حدیث پاک پہلے بیان کر دی گئی ہے۔ ترجمہ۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی ہے کہ آخری زمانوں میں مسلمان (یعنی خطبا و اعظین اور ان کی دیکھا دیکھی عوام) بڑی خوشی خوشی کالا خضاب لگایا کریں گے (جہاد کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کو دکھانے پھنسانے کے لیے) مگر یہ سوچ لیں کہ چار دن کی حرام عیاشی سے پھر جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکیں گے ۲۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ

اِلَیْہِ۔ ۳۔ مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ۔ ۴۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غَیِّرُوْا وَلَا تُغَیِّرُوْا بِالسَّوَادِ۔ ان چاروں فرمانوں کا معنیٰ یہی ہے کہ اے دنیا میں کالے خضاب سے منہ کالا کرنے والو، قیامت میں منہ کالا کیا جائے گا اور خضاب کے کالے چہرے کو رب تعالیٰ دیکھے گا بھی نہیں۔ اگر خضاب کرنے کا ہی شوق ہو تو سرخ وغیرہ کرو کالا ہرگز نہ کرو۔ ۳۔ امام علامہ ملاعلی قاری کالے خضاب کے بارے اپنا مذہب اس طرح بیان فرماتے ہیں چنانچہ جمع الوسائل شرح شمائل جلد اوّل صفحہ ۹۵ پر ہے۔ وَشَیْبُہٗ اَحْمَرُ۔ اور آپ کا بڑھاپا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے والے چند سفید بال مبارک جب راوی نے دیکھے تو وہ سرخ کئے گئے تھے۔ اس بات سے ملاعلی قاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سفید بالوں کو سرخ کرنا جائز ہے اگرچہ کسی خوشبو سے ہو۔ کیونکہ سرخ رنگ سے بڑھاپا چھپتا نہیں دور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے بال سفید ہیں کسی کو دھوکا نہیں لگتا۔ اور دھوکہ دینا حرام ہے اسی لیے کالا خضاب حرام ہے۔ جمع الوسائل صفحہ ۹۰ پر ہے ثَبَتَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَصْفِرُ لِحْیَتَہٗ وَلٰکِنْ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ خَضَبَ بِالْحِنَاءِ وَالْکَتَمِ۔ (الخ) وَفِی الْفَائِقِ ھُوَ نَبْتٌ یُخْلَطُ مَعَ الْوَسْمَۃِ لِلْخِضَابِ الْاَسْوَدِ۔ فَاِنَّ الْخِضَابَ بِھِمَا یَجْعَلُ الشَّعْرَ اَسْوَدَ۔ وَقَدْ صَحَّ النَّھْیُ عَنِ السَّوَادِ۔ ترجمہ۔ عبد اللہ ابن عمر پیلا خضاب اور صدیق اکبر سرخ خضاب (حنا و کتم) ملا کر لگاتے تھے۔ فائق (کتاب) میں لکھا ہے کہ کتم ایک پودہ ہے اس کے پتے جب وسمہ سے ملائے جائیں تو کالا خضاب بن جاتا ہے۔ (اسی لیے صدیق اکبر وسمہ سے نہ ملاتے تھے بلکہ مہندی سے ملاتے تھے تاکہ سرخ رنگ چڑھے نہ کہ سیاہ) کیونکہ صحیح احادیث میں سیاہ خضاب سے سخت منع فرمایا گیا۔ ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ قَدْ صَحَّ النَّھْیُ عَنِ السَّوَادِ۔ فرما کر اپنا مذہب بیان فرما دیا کہ ممانعت صحیح احادیث سے ثابت ہے اور احادیث ہی مومن مسلمان کا مذہب ہے ۴۔ جمع الوسائل کے حاشیے پر۔ علامہ عبد الرؤف مناوی کی شرح شمائل ہے۔ علامہ مناوی علیہ الرحمۃ مصری کے اپنے مذہب میں بھی کالا خضاب حرام ہے۔ چنانچہ شرح

مناوی جلد اول ص۹۰ پر ہے۔ فِیْ مُسْلِمٍ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ وَعُمَرُ بِالْحِنَّاءِ وَحْدَہٗ۔ فَفِیْہِ اِشْعَارٌ بِاَنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَجْمَعُ بَیْنَھُمَا لَا بِالْکَتَمِ الصِّرْفِ الْمُوْجِبِ لِلسَّوَادِ الصِّرْفِ لِاَنَّہٗ مَذْمُوْمٌ ترجمہ۔ صدیق اکبر صرف کتم کا خضاب نہ لگاتے تھے۔ اس لیے کہ صرف کتم کا خضاب صرف سیاہ کرتا ہے۔ اور وہ کالا خضاب شریعت میں مذموم ہے یعنی قابل نفرت اس عبارت سے دو بزرگوں کے مذہب کا پتہ لگا ایک صدیق اکبرؓ کا مذہب اور دوسرے امام عبدالروٗف مناوی کا مسلک۔ دونوں کے مذہب ہیں کالا خضاب مذموم قابل نفرت ہے۔ اور قابل نفرت چیز حرام ہی ہوتی ہے ۵ امام اہل سنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا مذہب بھی یہ ہی ہے کہ کالا خضاب لگانا مسلمانوں کو حرام ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف جلد سوم میں فرماتے ہیں پیری نور الٰہی است و تغیر نور الٰہی بظلمت مکروہ ووعید درباب خضاب سیاہ شدید آمد (الخ) خضاب بسواد حرام است۔ ترجمہ بڑھاپے کے سفید بال اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہے اور نور کو سیاہی سے بدلنا مکروہ تحریمی۔ اور احادیث میں کالے خضاب لگانے کے لیے عذاب وقہر کی بہت شدید وعیدیں آئی ہیں لہٰذا کالا خضاب حرام ہے ۶ کالے خضاب کے حرام اور ناجائز ہونے کے بارے میں فتاوٰی عالمگیری کا اپنا مذہب چنانچہ جلد پنجم ص۳۵۹ پر ہے۔ اِتَّفَقَ الْمَشَائِخُ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ الْخِضَابَ فِیْ حَقِّ الرِّجَالِ بِالْحُمْرَۃِ سُنَّۃٌ وَاَنَّہٗ مِنْ سِیْمَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَامَاتِھِمْ وَاَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ۔ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ مِنَ الْغُزَاۃِ لِیَکُوْنَ اَھْیَبَ فِیْ عَیْنِ الْعَدُوِّ فَھُوَ مَحْمُوْدٌ مِّنْہُ اِتَّفَقَ عَلَیْہِ الْمَشَائِخُ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لِیُزَیِّنَ نَفْسَہٗ لِلنِّسَاءِ وَیُحَبِّبَ نَفْسَہٗ لِلنِّسَاءِ فَذٰلِکَ مَکْرُوْہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمَشَائِخِ وَبَعْضُھُمْ جَوَّزَ ذٰلِکَ مِنْ غَیْرِ کَرَاھَۃٍ۔ (الخ) کچھ آگے ارشاد ہے وَعَنِ الْاِمَامِ اَنَّ الْخِضَابَ حَسَنٌ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ وَالْوَسْمَۃِ وَلَا بَأْسَ بِغَالِیَۃِ الرَّأْسِ وَاللِّحْیَۃِ وَنَتْفُ الشَّیْبِ مَکْرُوْہٌ لِلتَّزْیِیْنِ لَا لِتَرْھِیْبِ الْعَدُوِّ وَکَذَا نُقِلَ عَنِ

الْاِمَامِ۔ ترجمہ۔ تمام مشائخ علیہم الرحمۃ کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے صرف سرخ رنگ کا خضاب لگانا ہی سنّت (قولی) ہے اور یہ سرخ خضاب مسلمانوں کی نشانی و علامت بن چکی ہے۔ لیکن کالا خضاب تو وہ صرف غازیوں کے لیے اس لیے جائز ہے کہ دشمن کفار کی نظر میں جوان اور طاقتور نظر آئیں۔ اور تمام مشائخ علیہم الرحمۃ نے متفقہ طور پر میدان جہاد میں کالا خضاب لگانا محمود اور جائز رکھا ہے۔ لیکن جو شخص عورتوں کو اپنی جوانی دکھانے کے لیے کالا خضاب لگائے گا یا اپنے آپ کو عورتوں کے سامنے پسندیدہ بنا سنوار کر آنے کے لیے کالا خضاب لگائے گا اس کے لیے کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے یہ مسلک عام مشائخ اسلام کا ہے یعنی اس پر عام مشائخ کا اتفاق ہے۔ ہاں کسی ایک بعض شخص نے ان میں سے اس کالے کو بغیر کراہت کے جائز بھی کہدیا ہے (مگر اُس بعض کا کوئی اتہ پتہ نام نسبت معلوم نہیں) آگے لکھتے ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خضاب صرف وہی حسن اور شرعاً جائز ہے جو مہندی، کتم، وسمہ سے ملا کر بنایا و لگایا جائے۔ اور ایسا سرخ خضاب سر اور داڑھی پر لگانا شریعت میں اس کا کوئی مضائقہ نہیں یعنی جائز ہے۔ اور بڑھاپے کے بالوں کو اکھیڑنا میدانِ جہاد میں جائز ہے مگر عورتوں کے لیے زینت کی نیت سے مکروہ تحریمی ہے (کیونکہ یہ دھوکے بازی ہے)، ۲۔ فتح الباری شرح بخاری دسویں جلد صفحہ ۳۵۴ پر مطبوعہ بیروت میں ہے۔ مسئلہ اِسْتِثْنَاءِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ لِحَدِيْثَيْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ فِي الْجِهَادِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَخَّصَ فِيْهِ مُطْلَقًا وَاَنَّ الْاَوْلٰى كَرَاهَتُهٗ وَجَنَحَ النَّوَوِيُّ اِلٰى اَنَّهٗ كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ (الخ) وَمَا قَالَهٗ خِلَافَ مَا يَتَبَادَرُ مِنْ سِيَاقِ الْحَدِيْثَيْنِ۔ (الخ) ثمرہ۔ قَالَ فَمَنْ كَانَ فِيْ مِثْلِ حَالِ اَبِيْ قُحَافَةَ اِسْتُحِبَّ لَهُ الْخِضَابُ لِاَنَّهٗ لَا يَحْصُلُ بِهِ الْغُرُوْرُ لِاَحَدٍ وَمَنْ كَانَ بِخِلَافِهٖ فَلَا يُسْتَحَبُّ فِيْ حَقِّهٖ (الخ) وَقَدْ نُقِلَ عَنْ اَحْمَدَ اَنَّهٗ يُحِبُّ وَعَنْهُ يُحِبُّ فَلَوْمَرَّةً وَعَنْهُ لَا اُحِبُّ لِاَحَدٍ تَرْكَ الْاِخْضَابِ وَيَتَشَبَّهُ بِاَهْلِ الْكِتَابِ وَفِي السَّوَادِ

کالشَّافِیَۃِ رِوَایَتَانِ۔ اَلْمَشْہُوْرَۃُ یُکْرَہُ۔ وَقِیْلَ یَحْرُمُ وَ یَتَاکَّدُ الْمَنْعُ لِمَنْ تَدَنَّسَ بِہٖ۔ ترجمہ۔ کالے خضاب کی حرمت علیحدہ ثابت اور مستثنیٰ ہوئی ہے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس کی دو حدیثوں سے، اور بے شک علما میں سے کسی نے تو صرف جہاد کے موقعہ پر کالے خضاب میں اجازت دی ہے اور ان میں سے ہی کسی نے مطلقاً اجازت دی ہے۔ اور بے شک (بلاشبہ) بہتر بن مسئلہ کالے خضاب کے مکروہ ہونے کا ہے اور امام نووی نے تو اسی پر زور دیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے۔ لیکن ۔ لیکن جن غیر معروف لوگوں نے کالے خضاب کی اجازتِ مطلقہ کے بارے میں کچھ باتیں کہی ہیں وہ سب اُن دو حدیثوں کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ جو ذھن میں اُن احادیث سے جلدی سمجھ میں آتا ہے۔ (اس لیے وہ سب اقوال غلط وخلافِ حدیث ہیں) تمام احادیث کے قرائین کا انطباقی ثمرہ ونتیجہ یہ ہے کہ جن کا بڑھاپا یعنی سفید بال ابو قحافہ کے حال کی مثل ہو اس کو تو خضاب لگانا مستحب ہے کیونکہ اُن کا خضاب کسی کو دھوکہ نہیں دیتا اور جو حضرت ابو قحافہ کے حال جیسا نہ ہو اُس کو خضاب لگانا مستحب ہی نہیں ہے امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ خضاب لگانا پسندیدہ چیز ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار لگائے اور امام احمد سے یہ روایت بھی ہے کہ میں خضاب چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ اور اہلِ کتاب کی مشابہت بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن کالا خضاب تو اس کے بارے میں امام احمد کی بھی دو روایتیں ہیں امام شافعی کی طرح۔ ایک روایت میں امام احمد نے کالے خضاب کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے۔ یہ روایت مشہور ہو چکی ہے دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ کالا خضاب حرام ہے۔ اور امام احمد کالے خضاب کو بڑی سختی اور تاکید سے منع فرماتے تھے اُس کو جو اُس کالے سے ملوث ہو (ﷺ) سراج منیر شرح جامع صغیر جلد دوم ص ۹۲ پر اور جلد اوّل ص ۷ اپنا مسلک لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام اور جمہور مشائخ کالے خضاب کو حرام لکھتے ہیں اور جمہور علما کا مذہب ہی صاحبِ کتاب کا مذہب ہوتا ہے نیز اسی شرح میں کالے خضاب کو بفرمانِ نبوت فرعون کا خضاب ثابت کیا گیا ہے۔ مصنف صاحب مرحوم اس بات سے بہت ناراض ہیں کہ مشتہر اینڈ کمپنی نے کالے خضاب والے کو

فرعون کا پیروکار کہا ہے بھلا نقل سے پیروکاری کیسے ہوگئی۔ مگر اسی اپنی کتابچی کے صنہ ۲۴ پر ثابت کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام کے عمل کے مطابق عمل کرنا اُن کی پیروی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔ اِقْتَدُوا بِاللَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد والی امت ہوں گے ابو بکر و عمرؓ یہاں یہ حدیث لانا اسی خضاب کے مسئلے کے لیے ہے گویا کہ ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم کی طرح خضاب لگانا اُن دونوں کی پیروی ہے تو مشتہر اینڈ کمپنی کا کہنا بھی یہ درست ہے کہ پھر کالا خضاب لگانا فرعون کی پیروی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کسی صحابی کسی تابعی تبع تابعی اور تا ابندم کسی عالم پیر ولی غوث وقطب نے کالا خضاب نہ لگایا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا صہ۹ طبقات جلد ۵ صنہ ۱۴ ابن سعد کا مسلک ہم پہلے دلیل ۷ میں بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ ابن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حدیث بیان فرمائی کہ نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ کالے خضاب سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ یہ حدیث پاک بہت لحاظ سے صحیح ہے اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو اعلیحضرت مجددِ بریلویؒ نے اپنی کتاب حک العیب میں دلیل بنایا ہے۔ ۱۰ طبرانی کبیر کو ہم تلاش نہیں کر سکے کیونکہ مصنف نے اس کا کوئی اتہ پتہ تحریر نہ کیا نہ مصنف کا نام لکھا نہ جلد نمبر نہ صفحہ نمبر۔ طبرانی دو تین قسم کی مشہور ہیں پتہ نہیں یہ کونسی طبرانی ہے اور کس مسلک و مذھب کی ہے۔ ہمارے مصنف مرحوم خود بھی اس کے حوالے سے کالے خضاب کے جواز پر مفاد حاصل نہ کر سکے۔ صرف مطلقاً خضاب کا ہی تذکرہ نقل فرمایا ہے۔ ۱۱ فتاویٰ شامی نے اپنا مسلک اس طرح بیان فرمایا چنانچہ شامی شرح دُرِ مختار جلد پنجم صہ ۲۹۵ پر ہے۔ وَمَذْھَبُنَا اَنَّ الصَّبْغَ بِالْحِنَّاءِ وَالْوَسْمَۃِ حَسَنٌ۔ وَاَمَّا الْخِضَابُ بِالسَّوَادِ لِلْغَزْوِ لِیَکُوْنَ اَھْیَبَ فِیْ عَیْنِ الْعَدُوِّ فَھُوَ مَحْمُوْدٌ بِالْاِتِّفَاقِ وَاِنْ لِیُزَیِّنَ لِلنِّسَاءِ فَمَکْرُوْہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمَشَائِخِ وَبَعْضُھُمْ جَوَّزَہٗ بِلَا کَرَاھَۃٍ۔ ترجمہ۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ بے شک مہندی اور وسمہ سے ملا ہوا خضاب ہی اچھا ہے۔ لیکن کالا خضاب صرف غازی کے لیے میدانِ جہاد میں جائز ہے تاکہ دشمن کا فر پر

رعب پڑے مگر عورتوں کو دکھلا وے کے لیے خضاب سے سیاہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اِسی پر جمہور مشائخ کا مذہب ہے۔ ہاں ایک عالِم نے عورتوں کو دھوکا دینے کے لیے لگانے کو بھی جائز کہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ جن کتب کا نام لے کر مصنّف نے عوام کو پھسلانے پریشان کرنے کی کوشش کی تھی کہ اُن کتابوں کے مصنفین بھی کالے خضاب کو جائز کہتے ہیں۔ وہ سب کتابیں خضابِ سیاہ کو صاف صاف حرام لکھ رہی ہیں مصنّف صاحب کی چالاکی پاش پاش ہوگئی۔ اِن کتب سے مصنّف صاحب نے جن عبارتوں کو پیچ بیچ سے اُچکا ہے اُن کی تو صاحبِ کتاب تردید کر رہے۔ ہم نے پہلے بھی بیان کر دیا ہے کہ مذھبنا۔ اور مذھبی۔ ھٰذا حَسَنٌ ھٰذا صحیح۔ عَلَیْهِ عامۃ المشائخ مذہب الجمہور۔ عند الجمہور۔ یہ تمام الفاظ مصنّفِ کتاب کے اپنے مسلک کی دلیل ہوتے ہیں۔ واللہ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم۔ آخر میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کالے خضاب کی حرمت اور جواز کے دلائل میں واضح فرق یہ ہے کہ۔ حرمت کی تمام دلیلیں جو ہم نے پیش کی ہیں وہ ۱ اَحادیث مبارکہ گے واضح اور صاف فرمان اور شدید وعیدیں ہیں ۲ آئمہ اربعہ کا مذہب ہے ۳ جمہور فقہاءِ امت کا مسلک ہے۔ لیکن جواز کے دلائل جو مصنف مرحوم نے پیش کئے وہ ۱ اِنفرادی اقوال عام اور غیر معروف راویان کے اپنے اپنے ہیں ۲ یا بعض صحابہ وتابعین کا صرف اپنا اپنا عمل ہے جس سے جواز کا دائمی فتوے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ذاتی عمل کئی خصوصی نوعیتوں کا ہو سکتا ہے مثلاً ۱ بوجہ جہاد جیسے کہ امام حسن رض وحسین رض نے صرف جہاد کے لیے لگایا ۲ کسی جسمانی بالوں کی بیماری کی بنا پر ۳ ذاتی ایک دفعہ ۴ خاص جگہ پہنچ کر جیسے کہ میدانِ جہاد ۵ کسی مجبوری کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ صحابہ وتابعین کا لگانا کسی ایسی ہی عارضی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ شمع رسالت کے پروانے احادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

دوسرا فتویٰ۔ نعلین پاک کے نقشے پر بسم اللہ لکھنا یا۔ اللہ لکھنا یا کوئی آیت وحدیث شریف لکھنا شرعاً قطعاً ناجائز اور بے ادبی ہے۔ نہ دائیں نہ بائیں نہ پیچھے نہ اوپر کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم پاک نہ لکھا جائے جو شخص جانتے بوجھتے سمجھتے عقل رکھتے ایسی گستاخی کرے وہ گمراہ ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ پاکستان کے ایک نوعمر بزرگ جیلانی صاحب نے آقاءِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشۂ نعلین پاک بہت کثیر تعداد میں چھاپ کر بہت سے شہروں میں شائع کیا ہے مختلف سائزوں میں اس کو مختلف قیمت سے فروخت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس کو لوگ تبرکاً خریدتے ہیں۔ ہم کو بھی بوجہ اہل سنت ہوتے کے اس ہی نقشۂ نعلین پاک سے عقیدۃ و محبت و احترام ہے۔ لیکن جب ہم نے اس کو خریدا تو ہم خوفِ الٰہی سے کانپ گئے ڈر گئے کیونکہ جوتی مبارک کے نقشہ اور اردگرد نیچے اوپر اللہ عزوجل تعالیٰ کا نام اور قرآن مجید کی آیت پاک پوری بسم اللہ شریف لکھی تھی کچھ اشعار بھی تھے۔ یہاں کے سب لوگ جیلانی کی اس بات اور اس حرکت پر سخت ناراض ہیں۔ دیوبندی مولوی لوگ توصاف کہتے ہیں کہ یہ شخص بریلوی ہے اور بریلوی سب ہی گمراہ اور گستاخ ہوتے ہیں ہم لوگ بریلوی اہل سنت ہونے کی وجہ سے اُن کی اس بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ ابھی تک تو ہم لوگ وہابیوں کو گستاخ بے ادب کہہ کر عوام مسلمانوں کو ان سے بچایا کرتے دور ہٹایا کرتے تھے اب اُن کے ہاتھ نقشہ آگیا ہے اور وہ ہمارے عوام کے گھروں میں جاجاکر دکھاتے ہیں کہ دیکھو تم ہم کو بے ادب کہتے ہو دیکھو بریلویوں کی یہ گستاخانہ کفریہ حرکت۔ اور یہ بات عوام کے دل میں جلدی بیٹھ جاتی ہے۔ اور دیوبندیوں وہابیوں کی اس چرب زبانی سے عوام اہل سنت کے گمراہ ہوتے کا سخت خطرہ ہے بلکہ بہت سے لوگ یہ نقشہ دیکھ کر توبہ کرتے اور ہم سے نفرت اور طعن وتشنیع کرتے ہیں چونکہ اس علاقے میں ہم ہی چند احباب اہل سنت بریلوی

جماعت کے مبلغ مشہور ہیں اس لیے ہم ہی اُن کے طعنوں اور بُری بھلی باتوں کی زد میں آتے ہیں۔ اس نقشے کی وجہ سے اب تو ہماری اپنی جماعت میں گروہ بندی۔ اور انتشار پیدا ہوتا جا رہا ہے غرضکہ جیلانی کی اس حرکت نے معاشرے میں فساد کا بیج بو دیا ہے۔ جس سے سخت پریشانی ہے مجبور ہو کر ہم سب کے مشورے سے آپ کی خدمت عالیہ میں عرض گزار ہیں کہ ہم کو شریعتِ اسلامیہ کا ٹھوس مضبوط مکمل اور مدلل بدلائلِ قرآن و حدیث فتویٰ عطا فرمایا جائے اور بتایا جائے کہ پاکستان کے یہ بزرگ صاحب آپ نے اس کام میں صحیح ہیں۔ یا غلط اگر غلط ہیں تو کیا یہ جیلانی شخص جو اس وقت بہت سے لوگوں کا پیر بھی بنا ہوا ہے گمراہ ہے یا جاہل۔ اور ایسے شخص کو اپنا رہنما پیر مرشد یا امام بنانا جائز ہے یا نہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا منع۔ آپ ہمیں جاندار جلد پہلی فرصت میں جواب عطا فرمائیں ہم اس فتوے کو انشاء اللہ تعالیٰ پورے پاکستان میں شائع کریں گے۔ بینوا توجروا۔

دستخط سائل۔ بندہ غلام علی توکلی مجددی ساکن حال راولپنڈی 11/3/93
و دیگر سائلان

(نوٹ) یہ سوال تین جگہ سے ہمارے پاس آیا ہم نے یہی جواب سب کو اسی کی نقل دی۔

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانون شریعت کے مطابق نقشۂ نعلین پاک جس کو مدت دراز سے بہت معتبر تاریخی روایات کے مطابق آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جوتی مبارک سے مشابہتی نسبت دی جاتی ہے اور جس کے حقیقی دلائل میں ایک دلیل یہ بھی تجربہ شدہ ہے کہ اس کے توسل سے بارگاہِ الٰہیہ میں بہت سی دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ اور بہت سے مشکل کام آسانی انجام پذیر ہوئے۔ بلکہ اس نقشۂ نعلین پاک کا توسل اسلامی استخارے کے لیے بھی اکسیر ثابت ہوا ہے۔ اور یہ صرف عقیدت کی بات نہیں حقیقت کی انتہا

تک پہنچی ہوئی ہے جس کا تحریری ثبوت نامہ یہ ہے کہ پیشواء دیابنہ مرید از مریدانِ نیچیائی شیدا ء ابنِ قیّم جناب اشرف علی صاحب تھانوی وہابی ہونے کے باوجود نقشۂ نعلینِ پاک کے توسّل کے قائل مجرّب ہونے کے معترف ہیں۔ یہ نقشہ سرور کائنات کی جوتی مبارک کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رُؤسُ المومنین ومقبولُ المسلمین کے لیے تاجِ رفعتِ شاہانہ ہے۔ حضرت مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے توصرف اصل استعمالی جوتی پاک کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور　　تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

مگر ہم جیسے محرومان حرمان نصیبوں کے لیے یہ نقشۂ مبارک جو کسی بھی کاتب کے قلم اور کسی بھی پریس کی طباعت سے فوٹو ہو۔ تاج داری تاج بلکہ مجرّب مشکل کشا اور حاجت روا ہے بلکہ صحابہ تابعین تبع تابعین علما ائمہ مشائخ اولیا غوث وقطب ابدال واوتاد کے لیے بھی یہ نقشۂ نعلین پاک وسیلۂ عظمیٰ ہے اور باعث قُربِ بارگاہ اسی لیے سب پر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشبیہی نسبت کا احترام واجب ہے بعض بزرگان علیہم الرضوان تو اس کو بے وضو ہاتھ بھی نہیں لگاتے کیا شانِ کمال ہے نسبتِ تشبیہی کی کہ ایک کاتب ایک مصوّر اپنے قلم سے چند لکیریں ڈالتا ہے اور وہ لکیریں نقشۂ نعلینِ پاک بن جاتا ہے تو وہی نقشہ عینِ اصلِ نعلینِ مبارک کی طرح اہلِ ایمان غوث وقطب کے سروں کا تاج بن جاتا ہے۔ یہ کیوں ہے۔ صرف اس لیے کہ ہر چیز کا نقشہ اصل چیز کی مثل حکم رکھتا ہے۔ اور دینِ اسلام میں تو مشابہت نسبت کا بہت ہی دخل ہے۔ یہاں تک کہ انسان حیوان جمادات ونباتات۔ بلکہ قوانینِ اسلامیہ کے حلال حرام جائز ناجائز تعظیم وتحقیر۔ اعلیٰ ادنیٰ۔ گھٹیا بڑھیا۔ عزت وذلت دنیا وآخرت غرض کہ ہر چیز میں مشابہت اصل کے ساتھ ساتھ ایک ہی حکم میں چلتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب اللباس فصل دوم ص۳۷۵ پر بحوالہ مسند احمد اور ابو داؤد شریف ہے وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں جس

قوم کی مشابہت کی وہ اسی قوم میں شمار کیا جائے گا یعنی جو شخص اپنے اعمال وافعال کردار اخلاق لباس چال ڈھال ذھن پر جس شخص کا نقشہ بنائے گا مذہبی یا رواجی وہ مشابہت کرنے والا شخص اسی مشبہ شخص کے حکم اور مثل میں شمار ہوگا مثلاً ایک کافر ہر وقت مسلمانوں جیسا بنا رہتا ہے تو رب تعالیٰ کو اُس کی یہ ادا محبوب ہو جاتی ہے اور آخر کار اس کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی نعوذ باللہ مسلمان ہو کر سکھ یا ہندو یا عیسائی کی طرح طرزِ زندگی بنا لیتا ہے اپنے کسی بھی طریقے سے اسلام ظاہر نہیں کرتا تو شرعاً قانوناً رواجاً ظاہراً عیاناً اِس کو اسی قسم کا غیر مسلم ہی سمجھا جائے گا اور اُس کے لباس کلام کی وجہ سے اس کو اُسی قوم پر قیاس کر کے اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے قہر الٰہی سے اس کا قلب بھی اسی کے مشابہ کر دیا جائے۔ یا کم از کم لعنت کا مستحق تو ہو ہی جائے گا (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ) چنانچہ بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۸۷۴ پر ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ۔ ترجمہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرما دی اُن مردوں پر جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بنائے رکھیں ثابت ہوا ان دونوں حدیثوں سے کہ شریعت میں کسی کا نقشہ بنانا اور اُس کی مشابہت اختیار کرنا اُسی کے حکم میں ہے اسی ناجائز مشابہت پر اور ناجائز نقشے پر لعنت کی وعیدِ شدید وارد ہوئی یہ بھی ثابت ہوا کہ نقشہ کو اصل پر ہی قیاس کیا جائے گا۔ اگر اصل اعلیٰ ہے تو نقشہ بھی اعلیٰ اور اصل حقیر شمار کیا جاتا ہے تو اس کا نقشہ فوٹو تصویر بھی حقیر ہی ہوگا۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً اگر کوئی پنسل سے چند لکیریں بنائیں اور وہ لکیریں پھول کا نقشہ بن جائیں تو اُس کاغذ کو ہر شخص پسند کرتا ہے سر اور جسم۔ تکیے اور دیواروں پر سجاتا ہے بلکہ کاغذ کے پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے جاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی نقشہ نویس چند لکیریں ڈالے اور وہ لکیریں کسی حیوانی انسانی چہرے کا ناک نقشہ بن جائے تو وہ نقوش حرام ناجائز بنانے والا گناہگار جہنمی اور وہ نقشہ مومن کے گھر دکان مسجد میں ٹانگنا سجانا سخت منع اُس کی تعظیم حرام مثلِ شرک اُس کے سامنے نماز پڑھنا باطل

جس گھر میں ہو بارشادِ حدیث مقدسہ رحمت کے فرشتے نہ آئیں جس کمرے میں ایسی فوٹوٹنگی ہو اُس میں نماز مکروہ۔ ذکر تلاوت ختم ایصال ثواب درست نہ ہو۔ آخر کیوں اِس چند لکیری نقشے کا کیا قصور ہوا کہ اتنی برائیاں نمودار ہو گئیں۔ صرف یہی کہ وہ بت اور مورتی کا نقشہ ہے اور نقشے کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے اور اِن جاندار نقشوں کی وجہ سے وہ مُصوِّر اور فوٹوگرافر بُت تراش وبُت کش وبُت ساز مانا گیا اور وہ تصویروں سے سجا ہوا کمرہ یا گھر مندر وبتخانہ بن گیا یہ صرف شریعتِ پاک ہی کے احکام وقانون نہیں بلکہ عرفِ عام میں نقشے کو اصل کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فتاوی رضویہ جلد دہم ص۴۵ مطبوعہ اکیڈمی المجدد رضا دار العلوم مجددیہ کراچی میں مجدد بریلوی فرماتے ہیں۔ اور حرام جانور کی تصویر میں ایک شنیع وبد نسبت کھانے والے کی طرف ہوگی کہ اہل عرف تصویر کو اصل ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو مثلاً تصویر کا کتا کسی نے کھایا تو اسے یہی کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے کتا کھایا۔ (الخ) یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسئلہ پوچھا کہ کچھ دکان دار لوگ شکر کے کھلونے بناتے ہیں جن میں حرام حلال جانوروں کی مورتیں تصویریں بناتے ہیں تو کیا یہ تصویریں مسلمانوں کو خریدنی اور کھانی جائز ہیں یا نہیں۔ اعلحضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تصویر کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ اِن تمام دلائل عقلیہ نقلیہ عُرفیہ سے ثابت ہوا کہ ہر نقشہ کو اصل پر ہی قیاس کیا جائے گا۔ لہٰذا نقشہ نعلین کو بھی جوتی ہی کا حکم دیا جائے گا اور دنیا بھر میں جس کسی کی جوتی کا جو مقام ہوگا اُس کے نقشہ کو بھی وہی مقام دیا جائے گا۔ مثلاً شاگرد کے لیے اُستاد کی مرید کے لیے پیر کی بیٹے کے لیے والد کی والدہ کی جوتی کا جو احترام ہے وہی اُس کے نقشے کا بھی اور اِن تمام سے بڑھ کر اُمتی کے لیے انبیاء کرام علیہم السّلام کی جوتی مبارک کا۔ جو احترام ہے وہی ان کے نقشۂ نعلین کا ہے بلکہ اصل جوتی کا درجوں زیادہ مرتبہ ہے اس کے نقشے سے اس طرح جو جوتی جس کے لیے حقیر ہے اس کے لیے اس کا نقشہ بھی حقیر کیونکہ بقول اعلحضرت نقشے کو اصل ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بلا نسبت ہر جوتی حقیر ہی ہوتی ہے خواہ وہ نئی ہو یا پرانی استعمالی

ہو یا غیر استعمالی۔ اُس کی عزت صرف ان کے لیے ہی اُن کی نسبت کی بنا پر ہوتی ہے جو شخصیات لوگوں کے لیے قابلِ عزت ہوں یعنی نبی ولی عالم استاد شیخ کی نعلین صرف امتی مرید شاگرد کے لیے ہی محترم ہوگی نہ کہ ان سے بڑے کے لیے نسبت کی بھی کیا نرالی بات ہے کہ ایک چمڑے سے کچھ حصہ کاٹ کر قرآن مجید کی جلد بنادی تو غوث و قطب اس کو چوم رہے ہیں اور اُسی چمڑے کے کچھ حصہ سے جوتی بنادی تو ہر نظر میں حقیر و ذلیل۔ اور قرآنِ کریم کے قریب لانا تو درکنار کسی عظیم دینی یا دنیوی انسان کے قریب بھی نہیں لائی جاسکتی۔ کتنی عام سی بات ہے کاغذ کے پھول بنا کر کسی کے گلے میں ڈالا تو اُس کی عزت افزائی ہے اُسی کاغذ کی جوتی کا نقشہ گلے میں ڈالا تو تحقیر و تذلیل۔ اِن عام فہم شرعی منقولی معقولی حدیث و فقہ کے دلائل کی بنا پر ہی ہم نے اِس استفتا کے مختصر جواب سے جیلانی صاحب کو آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی کہ نقشۂ نعلین پاک پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا سراسر گستاخی اور گمراہی ہے اس لیے اس فعلِ شنیع سے باز آجاؤ اور آئندہ کے لیے توبہ کرو۔ نقشہ ضرور چھاپو مگر بالکل سادہ بغیر کسی تحریر و آیات و اسماءِ الٰہیہ کے۔ مکمل فتویٰ لکھنے سے پہلے ہم نے ان کو تین وجوہ سے سمجھانا ضروری جانا۔ پہلی وجہ یہ کہ محترم جیلانی صاحب اگرچہ عمر میں بقولِ خود اُن کے مجھ سے بہت ہی چھوٹے ہیں مگر میں ان کا اس لیے بہت احترام کرتا ہوں کہ فی زمانہ وہ اِس وقت خدمتِ اہلِ سنت میں بہت عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ سچے محسنِ اہلِ سنت ہیں رب تعالیٰ نے ان کی بہت بڑی ڈیوٹی لگائی ہے میں اُن کے لیے اکثر محافل و مجالس میں طولِ بقا کی دعا کرتا ہوں۔ اِس انتشار و افتراق و خلفشار کے دورِ بے تمیزی میں ان کی ذات والا صفات نوجوانانِ اہلِ سنت کے لیے سایۂ عاطفت ہے۔ میری اُن سے ایک ملاقات ایک دفعہ ہی ہوئی ہے میں نے ان کو خلوص و انکسار عجز و احترام کا پیکر پایا اُسی ملاقات میں جیلانی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ ہماری دوسری ملاقات ہے بقول جیلانی صاحب پہلی ملاقات ۱۹۷۴ء جنوری میں کراچی بندرگاہ پر اُس وقت ہوئی تھی جب ہمارے استاد محترم نے ہم سے فرمایا کہ دنیاءِ اہلِ سنت کے مفکرِ اسلام حضرت حکیم الامت

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان حج سے واپس آ رہے ہیں
اُن کی زیارت اور اُن سے دعا کے لیے بحری اڈے پر چلنا ہے ہم چند طالب علم
مع استاد محترم آپ کی زیارت سے بندرگاہ پر مشرف ہوئے اور آپ نے سب
سے ملاقات و دعا کے بعد میرے متعلق فرمایا تھا کہ اس طالب علم کے جسم سے مجھ
کو مدینہ منورہ کی خوشبو آتی ہے۔ تو حضرت قبلہ آج میں وہی جیلانی ہوں۔ یہ تھے
وہ الفاظ جو جیلانی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق پہلی ملاقات کے بارے
میں بتائے۔ اگرچہ مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اس لیے آج اس استفتا کے جواب
سے پہلے احتراماً اُن کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ کہ انسان آخر انسان ہے غلطی اور لغزش
یا کسی وجہ سے دھوکہ کھانا انسانی فطرت ہے اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِّنَ الْخَطَأِ وَالنِّسْيَانِ کے
مصداق سمجھنا فرض بنتا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیلانی صاحب
کو اس حرکت نازیبا اور فعلِ بیہودہ کا علم نہ ہو اُن کی بغیر اجازت اُن کے عملے نے
ایسا کیا ہو اس لیے ہمارا یہ خط اُن کے علم میں لانے کی ایک اطلاع بن جائے اور
فتویٰ لکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ تیسری وجہ۔ بطورِ مفتی برِ اسلام ہونے کے
مجھ پر فرض بنتا ہے کہ سائل مدعی نے اپنی استفتا میں جس کو مدعیٰ علیہ بنایا ہو
اُس کے خلاف شرعی فیصلہ و فتوءِ اسلامیہ جاری کرنے سے پہلے اس کو مطلع کرنا
بحکمِ شریعت لازم و واجب ہے۔ تاکہ اسلامی جج مدعیٰ علیہ کے موقف سے بھی
واقفیت حاصل کرے اور اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقعہ ملے۔ کیونکہ یک
طرفہ فتویٰ دینا ظلم اور گناہ اور مفتی کی جہالت ہے ایسے یک طرفہ فتویٰ دینا ظلم
حق تلفی کی بنا پر عدالتِ اسلامیہ کے وقار کو مجروح کرتے اور گمراہی پھیلاتے ہیں
خاص کر مفتیانِ اسلام کو اس زمانے میں لازماً یک طرفہ فیصلوں فتووں سے بچنا
چاہیئے مدعی کا بیان غلط و اتہام ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے اپنا یہ اطلاعی
خط مع اپنے شرعی موقف کے بذریعہ خط مستفتی جیلانی صاحب کو بھیجا۔ جس کا
جواب بہت دنوں کے بعد بمبئی کے دو غلط فتووں کے ساتھ اور جیلانی صاحب
کا ایک اپنا خط ہم تک پہنچا۔ جس کے طرزِ تحریر میں تین انداز اختیار کئے گئے پہلا
اندازِ احترام دوسرا انداز جذباتی و غصیلا۔ تیسرا اپنے پر لگے ہوئے اتہام کا اعتراف

اور اُس کی صحت پر غیر علمی فکری عقلی ضد اور اصرار اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے گستاخ موقف پر کمزور دلائل۔ جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل سطور میں کچھ اس طرح ہے ۱ بمبئی کا فتویٰ ۔ بمبئی کے کسی طالب علم نے فتویٰ لکھا کہ نقشۂ نعلین پاک پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا جائز ہے دلیل یہ ہے کہ دیکھو یہاں انڈیا میں اخبار چھپتے ہیں جن میں اکثر ایسے اشتہارات چھپتے رہتے ہیں کہ مکمل عام جوتوں کا نقشہ تصویر بنی ہوتی ہے اور جوتوں کے دکاندار نے اُس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا انشاء اللہ تعالیٰ لکھوایا ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اخبار کے ایک طرف جوتے کا اشتہار بمع تصویر ہوتی ہے اور دوسری طرف بالمقابل اُسی جگہ (یعنی جوتے کے تلے کے نیچے) کسی دوسرے مضمون یا اشتہار میں کوئی آیت یا اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ جب یہ جائز ہے تو نعلین پر کیوں ناجائز ہوگا۔ دوسرا فتویٰ۔ بمبئی ہی کے کسی نووارد سے اِن ہی جیلانی صاحب نے لکھوایا جس میں بھی اِس گمراہ و گستاخی کو جائز کہتے ہوئے دلیل یہ لکھی کہ دیکھو تابوت سکینہ میں جن کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے۔ اِس میں توریت کی تختیاں بھی تھیں اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی جوتیاں بھی تھیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ توریت کی تختیوں پر جب وہ جوتیاں رکھنا جائز ہے تو نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام یا آیت کیوں ناجائز ہوگا۔ اس کے بعد جیلانی صاحب کا خط مختصراً اس طرح ہے۔ سگِ مدینہ جیلانی کی جانب سے نبیرۂ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت وغیرہ وغیرہ وغیرہ اقتدار احمد خان صاحب دامت۔۔۔ کی خدمت میں مرکزِ تجلیات مدینۃ المرشد بریلی شریف کی پُربہار فضاؤں کی برکتوں سے مالامال جھومتا ہوا اسلام۔ اس خط کے پورے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے۔ مدینہ، مدینہ، مدینہ، مدینہ، مدینہ غالباً سگِ مدینہ سے مراد بھی مدینۃ المرشد ہے اور تمام حاشیے سے مراد بھی مدینۃ المرشد ہے۔ حالانکہ باادب علما فرماتے ہیں کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر پاک کا نام جب سے مدینہ (المنورہ) رکھا گیا ہے اُس کے بعد سے کسی بھی شہر کا نام مدینہ رکھنا یا مدینہ کہنا اخلاقاً جائز نہیں یہ تقویٰ قلبی ہے اور اگر جیلانی صاحب کی مراد سگ مدینہ۔ اور حاشیہ کے مدینہ مدینہ سے مراد بلدُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو پھر اُس بلدِ مقدس کو مدینہ منورہ کہنا واجب ہے صرف مدینہ کہنا یا لکھنا گستاخی

اور بے ادبی ہے خفیفت ہے کہ یہ سب کمیاں کمزوریاں علمی فقدان عقلی معدومی کی وجہ سے ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک تحریر کا عکس موصول ہوا جس میں تمثالِ نعلِ اقدس پر اسماءِ الٰہیہ۔ لکھنے کو آپ نے گمراہی وکفریہ عقیدت اور گستاخی بے ادبی قرار دیا ہے اس کے جواب میں سگِ مدینہ نے یہ فتاویٰ حاصل کئے ہیں اور میرے پاس مندرجہ ذیل دلائل اس کے جواز پر موجود ہیں۔ (الخ) خیال رہے کہ نقشۂ نعلین کو جیلانی صاحب نے نعلِ اقدس کا لقب دیا ہے حالانکہ کسی بھی جوتی کو اگرچہ وہ اصل جوتی ہو جو اپنی بڑی عظیم نسبت میں نقشے وتمثال سے درجوں بلند ہے اس لیے کہ نسبت کا جو قرب اصل استعمالی جوتی کو حاصل ہے وہ نقشے وتمثال کو حاصل نہیں اس کو بھی اقدس یا مقدس کہنا جائز نہیں خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کی جوتی شریف کو اقدس یا مقدس کہنا جائز نہیں یہ مسئلہ قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ سے مستنبط ہوا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ (الخ) پ۱۶ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲ ترجمہ اے موسیٰ اپنی جوتیں اتار دو، بے شک تم مقدس وادیِ طویٰ میں ہو۔ ہمارا یہ استدلال اس آیتِ کریمہ کے اقتضاءُ النص سے ہے یعنی موسیٰ علیہ السّلام کی اصلی جوتی شریف جس کو قربِ نبوت کی نسبت کا شرف بہت زیادہ حاصل اور موسیٰ علیہ السّلام خود بھی نبی مرسل اُولُوالعزم صاحبِ کتاب کلیم اللہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہیں مگر ان کی نعلین شریف مقدس اور اقدس نہیں۔ بلکہ وادی مقدس ہے اس لیے اتروائی گئی وادی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے یعنی یہ جوتی وادی کے لیے معزز نہیں ہے۔ اس طرح دیگر انبیا بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک یا تمثال کو مقدس کہنا جائز نہیں اقدس تو اس سے بھی زیادہ بڑا لقب ہے۔ ہاں پاک طاہر مطہر۔ مکرم محترم۔ شریف کا لقب دیا جانا چاہیئے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

محترم جیلانی صاحب آگے لکھتے ہیں۔ پہلے مجھ کو تم سے بہت عقیدت اور محبت تھی اور میں تم کو علمی گھرانے کا ایک صاحبِ علم شخصیت سمجھتا تھا مگر تمہارے تمثال نعلینِ شریف پر اللہ کا نام اور قرآن کی آیت لکھنے کو گستاخی بے ادبی کہنے سے اور مجھ کو منع کرنے سے میری دل سے تمہاری ساری عقیدت ختم ہوگئی۔ اس سے آگے جیلانی صاحب اپنے دلائل لکھتے ہیں۔ دلیل ۱ فاروقِ اعظم نے صدقہ وزکوٰۃ

کے جانوروں کی رانوں پر حُبُسٌ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ داغ فرمایا تھا۔ جب جانوروں کی رانوں پر اللہ کا نام لکھنا جائز تو جوتی شریف کے نقشہ پر بھی جائز حالانکہ رانوں پر لید پیشاب گوبر جیسی پلیدی کا زیادہ احتمال بلکہ وقوع یقینی اور جانور بذات خود بھی حلال وحرام ہوتے ہیں مثلاً اونٹ گائے بکری اور گھوڑا، خچر، گدھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نقشۂ نعلین پر بدرجۂ اولیٰ جائز ہوا۔ ہاں البتہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ آپ کی جوتی شریف پر نام الٰہی یا بسم اللہ شریف لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے۔ دلیل ۲ دارمی میں بروایت مالک بن اسمٰعیل عَنْ مَنْدَلُ بِنْ عَلِی اَلْعَنْزِی عَنْ جَعْفَرْ بِنْ اَبِی الْمُغِیْرَہْ عَنْ سَعِیْد بِنْ جُبَیْر ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا انہوں نے کاغذ پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا کاغذ کم پڑ گیا تو انہوں نے بقیہ مضمون کے لیے میری جوتیوں کو اُلٹا کیا اور جوتیوں کی پشت پر لکھا۔ یہ جوتیں سعید بن جبیر کے استعمال میں تھیں اور پہنکر آئے تھے دلیل ۳ اصلی استعمال جوتی پر نقشہ اور قلم سے بنے ہوئے تمثال کو قیاس کرنا قیاس مَعَ الْفَارِق ہے۔ جو یقیناً غلط ہے۔ اصل جوتی مبارک پر لکھنا منع ہے مگر نقشۂ نعلین پر نام الٰہی لکھنا جائز ہے۔ دلیل ۴ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ہماری نیت اس لکھنے سے بسم اللہ شریف کی توہین کرنا نہیں۔ بس یہ تھیں وہ کمزور بیکار اور خود اِن کے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے نقصان دِہ دلیلیں جن کے سہارے پر انہوں نے اِس بے ادبی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اور اپنے ان چار دلائل میں یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ یہ دلائل انہوں نے کہاں سے اخذ یا نقل کیے ہیں ان دلیلوں کو دیکھ کر کم از کم ہم نے یہ انداز لگایا تھا۔ کہ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مخاطب جیلانی صاحب جاہل بایں علم کم عقل نہیں ماشاءاللہ پڑھے لکھے اور صاحبِ نظر ہیں عربی دینی کتب زیر مطالعہ ہیں رہا دلائل سے لغزش کھا جانا تو یہ ایک انسانی فطرتی کمزوری ہے۔

بہر حال ہم اُن کے اِس خط سے ان کی علمیت کے معترف ہو گئے تھے اور غالباً نسبت دلائل کی پردہ پوشی سے بھی علمی دھاک بٹھانا ان کا مقصد تھا وہ ان دلائل میں حق بجانب تھے مگر اُن کو دلائل کی کمزوری کا احساس نہ ہوا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے عظمت الٰہیہ کا معاملہ ہے ورنہ ہم بھی اِن سے درگزر کر جاتے مگر کَاتِمُ الْعِلْمِ مَلْعُوْنٌ کی وعید یاد ہے کہ کم علم تو لغزش کرتے ہی ہیں لیکن علماء سے بھی چشم

پوشیاں اور لغزشیں ہوجاتی ہیں خواہ آں ہوں یا ماوشما۔ لیکن جُہلا و علماء میں فرق یہ ہے کہ بے علم اپنی لغزش پر ضد و اصرار کرتا ہے جب کہ علماءِ حق پسند رجوع سے آخرت سنوارتے ہیں اسی فکر کی بنیاد پر ہم نے اِس جوابُ الجواب خط اور دونوں فتووں کی علمی فکری استدلالی کمزوریاں ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ چند آیات و احادیث اور تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرتے ہوئے اُن کو پھر خط لکھا۔ کہ ہمارے ان دلائل کی روشنی میں اسماءِ باری تعالیٰ کے ساتھ اور آیتِ قرآنِ مجید سے ایسا گستاخانہ سلوک اور بے ادبانہ برتاؤ کرنا آپ کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکیں گے اور آپ کے یہ سب دلائل اور فتوی میدانِ قیامت و قبر و حشر میں کام نہ آسکیں گے اپنے اسی ہی خط میں ہم نے اپنے جیلانی صاحب پر کچھ سوالات بھی قائم کئے اور لکھا کہ یا اِن سوالات کے جوابات دے کر اپنی کمزوریوں کی مضبوطی ثابت کرو اور یا آئندہ کے لیے اس طرح کی گستاخی بے ادبی سے توبہ و رجوع فرماؤ۔ اور صرف سادہ صاف بغیر کچھ لکھے نقشہ طبع فرمایا جائے۔ اور ہم نے اُن کو اپنے اِس دوسرے خط میں یہ بھی لکھا کہ آپ اِس کے جواب میں جلدی نہ فرمائیں بلکہ اچھی طرح اپنے ہم خیال تمام علما فقہا سے مشورہ کر کے جواب لکھیں بلکہ ہم کو بھی ہمارے سوالات و اعتراضات کی کمزوریوں سے آگاہ و مُطلع فرمائیں بحمدہٖ تعالیٰ مجھ کو کسی موقعہ پر آپ ضدی یا متعصب نہ پاؤ گے نہ مجھ کو حق کی جانب رجوع سے شرمساری ہوتی ہے۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں بلکہ حرمتِ اسماءِ مقدسات و عزتِ آیاتِ مطہرات کا سوال ہے۔ ہمارے اس خط کے جواب میں بہت دنوں کے بعد جیلانی صاحب کا جواب تشریف لایا جس کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ جناب مولوی اقتدار احمد صاحب سلام مسنون میرے خط کا جواب لکھے ۵ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ میرے نام وصول ہوا جس میں میرے بھیجے ہوئے فتاویٰ اور میرے خط میں لکھے ہوئے دلائل کا آپ نے رد کرتے ہوئے مزید کچھ عقلی دلائل دئے ہیں اور کچھ مجھ پر سوالات کئے ہیں جواباً عرض ہے کہ میں نے جو دلائل لکھے تھے وہ دراصل میرے نہیں بلکہ امام اہل سنت عظیم البرکت مجددِ دین و ملت پروانۂ شمع رسالت مولٰینا شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص۵ سے نقل کر کے

بھیجے تھے اگر یقین نہ آئے تو میں اُس صفحہ کا فوٹو کاپی ساتھ ہی بھیج رہا ہوں اگر اب بھی یقین نہ آئے تو خود فتاویٰ رضویہ بعینہٖ ملاحظہ فرمالیں۔ مگر حیرت بالائے حیرت کہ حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے ہو کر اور متصلب سُنّی ہونے کے باوجود ایک سُنّی کا رد کرتے ہوئے مجددِ ملت امام اہل سنت کے دلائل نقلیہ کا اپنے براھین عقلیہ سے رد کرنا شروع کر دیا اور صفحات بھر ڈالے۔ عالی جاہ گستاخی معاف میں اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے در کا ادنیٰ کتا ہوں لہٰذا فرمودات اعلحضرت اور فتاویٰ رضویہ کے خلاف سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔ ہم نے تو کوئی بات نہ کی ہماری یہ بحث تو خط و کتابت سے ہے اور لکھنے پڑھنے کا تعلق آنکھ سے ہے نہ کہ کان سے چاہئے تھا کہ لکھتے میری آنکھیں فتاویٰ کے خلاف سننے سے اندھی ہیں۔ اور حقیقت بھی ہے گویا کہ "صُمٌّ" کے ہونے کا اقرار اور "عُمْیٌ" ہونے کی حقیقت۔ ادلہ توہینِ الٰہی سے توبہ نہ کر کے "بُکْمٌ" ہونے کا لسانی ثبوت۔ اور یہ صفات اللہ تعالیٰ نے جس کی فرمائی ہیں اس کو وہ خوب جانتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) (در کا ادنیٰ کتا) ہونے سے سمجھ آگیا کہ سگِ مدینہ سے مراد بھی سگِ مدینۃ المرشد ہے۔ میں اس سے پہلے یہ کسی اور نسبت سے سمجھتا تھا مگر ایک دوست نے اس خط کو پڑھ کر یہ نکتہ سمجھایا۔ (واللہ اعلم) اگر آپ نے نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام لکھنے کو منع اور حرام کہا یا اُس کو گستاخی کہا تو اہلِ سنت کی رُسوائی اور جگ ہنسائی ہوگی۔ حضرارا جذبات کی رو میں بہکر مغلوبُ الغضب ہو کر اہل سنت کی رسوائی کا باعث نہ بنو آپ کی اس تحریری ضد سے اہل سنت کی جگ ہنسائی ہوگی اور سنیت اس وقت جس نازک دور سے گزر رہی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ بالفرض اگر مجدد ملت اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے فتویٰ سے بھی آپ کا دل مطمئن نہ ہو۔ تب بھی سکوت ہی میں عافیت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اعلحضرت اور فتاویٰ کی گستاخی بے ادبی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ہم اللہ کا نام یا آیت قرآن مجید جوتی شریف کے نقشہ پر لکھیں تو تم چپ رہو اور سکوت کرو ہم کو مت روکو اگر اس کو گستاخی سمجھتے ہو تو بھی برداشت کرو (چپ رہو) اللہ آپ کے سینے کو مدینہ (مدینۃ المرشد) بنائے میں امید کرتا ہوں آئندہ میرے خلاف اور

نقشۂ نعلین کے خلاف جواب جارحانہ نہیں بھیجو گے۔ فقط والسّلام مع الاکرام ایک سنی۔
اس خط میں جیلانی صاحب نے ہمارے اُن سارے دلائل کو جن میں قرآنِ مجید کی آیت حدیثِ پاک اور عباراتِ فقہاءِ کرام تاریخی واقعات کو یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ سب عقلیات ہیں۔ اور جو دلیلیں اُن کے فتوؤں اور خود ان کی تحریریں تھیں جن کو بعد میں مجدد ملت کی طرف منسوب فرمایا اُن پر جو سوالات و اعتراضات قائم کئے تھے ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب ان کے کسی ساتھی نے آج تک نہ دیا اور انشاء اللہ نہ دے سکتے ہیں اور یہی ان کے دلائل کی کمزوری ہے۔ ہم نے ان کو سمجھاتے ہوئے پھر جوابی خط بھیجا کہ دیکھو اس گستاخانہ بے ادبانہ حرکت سے باز آجاؤ۔ اگر میرا یہ اعتراض اور تحریراً سمجھانا جگ ہنسائی بقول آپ کے بن رہا ہے تو آپ کی یہ حرکت بے ادبانہ جگ رلائی اور اہل سنت کے خلاف مخالفین کی بدزبانی اور سنیوں کی بدنامی شرمندگی کی باعث بن رہی ہے جیسا کہ مستفتی نے اپنے استفتا میں حالات بیان کئے۔ اور جہاں جہاں یہ نقشۂ نعلین شریف پہنچا وہاں وہاں جیلانی صاحب کے اِس غیر شرعی عمل و گستاخانہ بے ادبانہ تخریب کاری نے فساد فی الامت پیدا کر دیا۔ اور بھی ہر طرح سمجھایا گیا مگر اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اور نہ ہی انکار تو بہ یا رجوع شائع ہوا نہ انہوں نے جوتی شریف کے نقشہ پر اللہ تعالیٰ کا نام اور قرآنِ مجید کی آیت و بسم اللہ شریف لکھنا ترک کیا۔ بلکہ سنا گیا ہے کہ کسی سے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض لوگ نقشۂ نعلین پاک پر بسم اللہ اور اللہ کا نام لکھنے کو ناجائز کہہ رہے ہیں وہ بے عقل ہیں ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہ نقشہ کتنی معزز معظم جوتی پاک کا ہے۔ اور کتنی عظیم الخلائق ہستی کی جوتی ہے۔ یہ تمام خط و کتابت اور ہمارے پاس استفتا کی وصولی 11/5/93 کو ہوئی ہم نے بہت تحقیق و تفتیشی چھان بین سوچ و فکر۔ تدبر و تحمل اور آگاہی و اطلاعی وصیت و نصیحت کے بعد اور مخالف کے تمام دلائل و ضوابط نہایت غور و فکر تسلی و تشفی سے سننے کے بعد اتمام حجت کر لیا لہٰذا آج پورے ایک سال بعد مورخہ ۲۲ ۶ ۱۹۹۴ء مطابق گیارہ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ بروز بدھ مندرجہ ذیل سطور میں شرعی فتویٰ جاری کر رہے ہیں طریقہ کار

فتوٰی کا یہی ہوگا کہ پہلے اپنا موقف پھر اپنے دلائل پھر مخالف کی دلیلوں کا تردیدی جواب ان شاء اللہ تعالٰی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ وَ ھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

اَلْجَوَابُ

قانونِ شریعت کے مطابق جوتی شریف کا وہ نقشہ جو مشہور ہے کہ یہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا نقشہ ہے اُس پر اللہ تعالٰی جَلَّ مَجْدُہٗ کا نام لکھنا یا قرآن مجید کی آیت لکھنا خواہ بسم اللہ شریف ہو یا کوئی اور دوسری آیت ہو سخت ترین حرام حرام اشد حرام ہے اور اگر خدا نخواستہ تحقیر کا ارادہ ہو تو لکھنے والا کافر ہے اور اگر لکھنے والا اپنی حماقت وجہالت سے اسماءِ الٰہیہ و آیات قرآنیہ کا درجہ و مرتبہ نقشۂ نعلین شریف کے برابر سمجھتا ہو یا کمتر تو وہ شخص گمراہ اور ضال و مُضِل ہے۔ ایسے گمراہ اور گستاخ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا غلط اس کو اپنا پیر و مرشد یا رہنما تسلیم کرنا شرعًا منع اور ناجائز ہے اگر ایسا گستاخ اور بے ادب انسان توبہ نہ کرے ضد پر اڑا رہے تو جملہ مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق لازم ہے۔ فی زمانہ پاکستان کے جس صاحب کے متعلق مستفتی مذکور نے یہ فتوٰی طلب کیا ہے اُس شخص سے اتمام حجت کرنے کے بعد مندرجہ ذیل دلائل قرآن مجید حدیث پاک فقہ اسلام اور حالات اولیاءُ اللہ کے واقعات کی روشنی میں یہ شرعی اسلامی قانونی فتوٰی جاری کیا جا رہا ہے اس فتوے کی رو سے جو بھی اسماءِ الٰہیہ جوتی شریف کے نقشے پر لکھے وہ بدترین انسان ہے آخر دم تک اُسی سے توبہ کرائی جائے اُس کا چھاپہ ہوا یہ نقشہ فَسَادٌ فِی الْاَرْضِ ہے۔ ہم نے مدعٰی علیہ کے دلائل میں فتاوٰی رضویہ کے حوالہ کی بنظر غور تفتیش کی وہ عبارت تو پانچ سطور میں واقعی محرر ہے مگر اُسی فتاوٰی کے سیاق وسباق سے ظاہر و بیّن ہو رہا ہے کہ اعلٰحضرت جیسی باادب ہستی اس قسم کا جواز نہیں فرما سکتے اور خود اسی پانچ سطری عبارت کا ایک ایک لفظ

پکار پکار کر فرما رہا ہے کہ یہ تحریر مجددِ بریلوی کی نہیں ہے یقیناً مرتبین وناشرین سے یہاں بہت کچھ سہو ہوا ہے۔ بہرکیف ہم آخر میں مخالفین کے دلائل کے تردیدی جواب کے دوران اس بات کا مکمل و مدلل ثبوت خود فتاوی رضویہ سے ہی پیش کریں گے۔ انشاءاللہ تعالی۔ اس بات کی پہلی دلیل کہ نقشۂ نعلین شریف پر قرآن کریم کی آیت مقدس یا اسماءِ الٰہیہ لکھنا قطعاً ناجائز ہے یہ بات کسی کی سمجھ سے دور نہیں کہ دنیا کی ہر چیز میں اس کا نقشہ تمثال اور شکل وصورت ہی اس چیز کی ہر حالت وکیفیت کی بنیاد ہے۔ اشیاءِ کائنات کو عزت کا مقام ذلت کا درجہ اعلی ہونا ادنی ہونا حلال ہونا حرام ہونا۔ حقیر ہونا معظم ہونا سب کچھ اُس کے نقشے اور شکل وصورت کی بنا پر ہے اور جو عزت ذلت حقارت وتعظیم شکل وصورت سے حاصل ہوتی ہے وہ دائمی اصلی اور اٹل ہوتی ہے استعمال یا غیر استعمال نئی یا پرانی ہونے کا اس توقیر وتحقیر میں کوئی دخل نہیں۔ جو قدر د قیمت نئی پرانی ہونے کی وجہ سے ملتی وہ عارضی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ہی چمڑے کی کھال سے ٹکڑا کاٹ کر جلد بنا دیا قرآن مجید سے لگا دیا دائمی عزت پا گیا۔ اسی کھال سے جوتی بنا دی دائمی ذلت وحقارت نصیب ہوئی اب اُس جوتی کو خواہ وہ کتنی نئی غیر استعمالی خوب صورت اور قیمتی ہو قرآن مجید کے اوپر نہیں رکھ سکتے بلکہ اُس کے ساتھ بھی نہیں رکھ سکتے بلکہ لگا کر قریب بھی۔ مسجد وکعبہ میں نہیں پہنکر لا سکتے اگرچہ کتنی ہی پاکیزہ ہو۔ یہ حقارت اس کو کیوں ملی۔ صرف اُس کے نقشے کی وجہ سے۔ ایک ہی درخت کی لکڑی منبر یا بیٹھنے کا پٹلہ یا چڑھنے کا زینہ سیڑھی بنا لیا اب اس پر کوئی دینی کتاب بلکہ اُردو فارسی عربی کے الفاظ وحروف والی عام دنیوی کتاب نہیں رکھ سکتے ہاں اس پر پیر رکھ سکتے ہو جوتی لا سکتے ہو۔ اسی طرح کوئی میز بنائی عام استعمال یا دفتر کے لیے مگر بوقت ضرورت اس پر پاؤں یا جوتا رکھ کر چڑھ کر بھی کچھ کام کر لیا جاتا ہے اب اس میز پر قرآن مجید اور احادیث کی کتب نہیں رکھ سکتے لیکن اگر اسی درخت کی لکڑی سے رحل بنالی تو اب تاقیامت اس پر پاؤں یا جوتی نہیں رکھی جاسکتی خواہ ابھی اس کو قرآن مجید کے لیے استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس طرح کی ہزارہا مثالیں ہیں ایک ہی لکڑی ایک چمڑے کے ٹکڑوں

سے یہ امتیازی سلوک کیوں صرف اُن کی شکل وصورت اور نقشے کی بنا پر ہے۔ اس طرح ایک ہی جسمِ انسانی کے اعضا چہرہ ہاتھ پاؤں منہ متھا سر کمر بازو اور پیر قدم۔ اپنی اپنی شکل وصورت بناوٹ کی بنا پر ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے ہاتھ منہ ماتھا سر۔ قرآن مجید سے لگا سکتے ہیں مگر پیر قدم قرآنِ مجید سے یا کسی بھی اردو عربی حروف والی کتاب وتحریر سے نہیں لگا سکتے بلکہ قریب بیٹھ کر بلند اونچا تک نہیں کر سکتے۔ وہ پیر خواہ کسی صحابی تابعی کا ہو یا کسی غوث وقطب ابدال اوتاد افرادِ عالم پیر فقیر کا ہو چنانچہ دیگر فقہاءِ کرام کے علاوہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص۲۵ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال یہ کہ۔ بعض استاد چارپائی پر بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں اور شاگرد کتابیں لئے ہوئے جن میں بسم اللہ شریف اور آیت قرآنیہ ہوتی ہیں وہ نیچے چٹائی پر بیٹھے رہتے ہیں یہ فعل کیسا ہے اور وہ کتابیں قابلِ تعظیم ہیں یا نہیں اور شروع پر بسم اللہ لکھنے سے کلام الناس ہو جاتی ہے یا کلام اللہ۔ الجواب ہمارے علما تصریح فرماتے ہیں کہ نفسِ حروف بھی قابلِ ادب ہیں اگرچہ جُدا جُدا لکھے ہوں۔ یہ حروف تہجی خود کلامُ اللہ ہیں کہ ہُود علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔ کتابِ دینی پر تو دوات رکھنی بھی منع ہے اِلاّ بالضرورۃ اور فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اُس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔ ھٰذا فی عالمگیریہ۔ تو کیونکر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں۔ اور آیتِ قرآنی پر بے وضو ہاتھ لگانا اور رکھنا منع۔ مکروہ ہے۔ اب میں جیلانی صاحب سے امام اعلیٰحضرت کی زبان میں ہی پوچھتا ہوں کہ تم کو جوتی کی نوک پر اسماءِ الٰہیہ لکھتے ہوئے بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں۔ کانِ ادب منبعِ احترام مصدرِ تعظیم مجدّدِ عظیم امام احمد رضا نے اس طرح ادب سکھایا کہ پیر تک اوپر نہیں کئے جا سکتے اگرچہ بعد قریب ہی میں ہوں۔ جب یہ بات سمجھ لی تو یہ بھی سمجھ لو کہ ہر چیز کی تصویر۔ تمثال۔ فوٹو۔ نقشہ اپنی اصل ہی کے درجہ اور نام پر ہوتا ہے جیسا کہ ابھی کچھ سطور پہلے ہم نے اعلیٰحضرت کے فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص۲۵ سے ہی حوالہ دیا تھا کہ اہلِ عرف تصویر کو اصل ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی کتے کی تصویر کو کتا ہی کہا جائے گا۔ یہ

قیاس مع الفارق نہیں ہوگا۔ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ نقشِ نعلین کو بھی نعلین ہی کہا جائے گا۔ اگر جوتی اور نعلین شرعاً عرفاً۔ عقلاً۔ نقلاً۔ رواجاً۔ اخلاقاً اپنی علت نمائی کے اعتبار سے حقیر ہے تو اُس کی تمثال بھی بقول اعلحضرت حقیر ہی ہوگی اگر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مبارک پر اللہ تعالیٰ کا اسم مقدس لکھنا ناپسند فرماتے تو یقیناً اس طرح نقشِ نعلین مبارک پر بھی ناپسند فرماتے۔ اور خیال رہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی چیز کو پسند نہ فرمانے کا نام ہی حرام ہوتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ دسویں جلد کی ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ نقشِ نعلین پاک پر بسم اللہ شریف یا اسماءِ الٰہیہ لکھنا حرامِ قطعی ہے۔ یہ تمثالِ نعلین پاک صرف اہل ایمان اور عالمِ مخلوق کے لیے تاجِ عظمت ہے نہ کہ اسماءِ الٰہیہ کے لیے یا آیتِ قرآنیہ کے لیے۔ مردود ازلی ہے جو اس فرق کو نہ سمجھ سکے۔ ہر جوتی میں تقریباً چار چیزیں ہوتی ہیں ۱ چمڑہ ۲ سلائی کا دھاگہ ۳ چھوٹی کیلیں ۴ جوتی کا نقشہ شکل وصورت جس کی وجہ سے کسی چیز کا نام رکھا جائے وہ اُس چیز کی شکل وصورت اور نقشہ ہوتا ہے۔ اُسی کو علتِ غائی کہتے ہیں تو ہر جوتی کی علتِ غائی جسنے جوتی کو جوتی کا نام دیا وہ جس کی وجہ سے چمڑہ دھاگہ کیلیں وغیرہ مل ملاکر جوتی کہلائیں وہ اس کا نقشہ اور صورت ہے۔ علت غائی یعنی نقشہ جہاں بھی پایا جائے گا جس چیز کا بھی بنا ہوگا اس کو جوتی ہی کہا جائے گا ہر چیز کا یہی حال ہے۔ یہ بات نہ چمڑے میں ہے نہ دھاگے اور کیلوں میں اس لیے وہ علت نمائی نہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ جہاں چمڑہ لگادو یا موٹا دھاگہ یا چھوٹی کیلیں وہ جوتی بن جائیں اس کا نام جوتی ہو جائے۔ چمڑے دھاگے سے تو اٹیچی کیس بٹوے جلدیں بہت سی چیزیں بنتی ہیں مگر اُن کو جوتی نہیں کہا جاتا۔ اس لیے یہ علت نہیں اور نام سے ہی اشیا کی عزت ذلت ہے خواہ چمڑے پر ہو لکڑی پر یا کاغذ پر۔ کسی کے سر پر قیمتی نئی جوتی رکھ دو یہ اُس کی ذلت ہے کاغذ کے پھولوں کا سستا سا ہار گلے میں ڈال دو یہ اُس کی عزت ہے یہ تمام کیفیات نقشے سے پیدا ہوئیں۔ اتنی صاف اور اہم و آسان بات بھی اگر کوئی سمجھ نہ سکے تو یقیناً اُس کے دل پر شیطان کا قبضہ ہے۔ حیرت ہے کہ جیلانی صاحب کو فتاویٰ رضویہ کے اوّل صفحات کی یہ با ادب ایمان افروز عبارتیں نظر نہ آئیں اور نفس امّارہ نے کہاں صفحہ ۱۱۹ کا راستہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ہی بے ہدایتوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ شیطان و

و نفس سے بچانے والا ہے۔

دوسری دلیل ۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ عز اسمہٗ ارشاد فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۔ (سورۃ فتح پ۲۶ آیت ۹) ترجمہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کی مدد کرو اور تعظیم کرو۔ یعنی قرآنِ مجید حدیثِ پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رب تعالیٰ کی ذات وصفات اسماءِ الٰہیہ اسماءِ نبوّت احکام شرعیہ وغیرہ سب کی تعظیم اور ہر طرح عزت کرو۔ اس کی تفسیر میں روح المعانی نے پارہ ۲۶ ص۹۶ پر فرمایا۔ كَمَا رُوِيَ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعًا وَ اَخْرَجَهٗ جَمَاعَةٌ عَنْ قَتَادَةَ وَ التَّعْزِيْرُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ـ وَ نُصْرَتُهٗ سُبْحَانَهٗ بِنُصْرَةِ دِيْنِهٖ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ ترجمہ ـ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور اس کے حبیب آقائے کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون کرو توقیر واحترام وادب کرو۔ وَتُوَقِّرُوْهُ اور اللہ کی ذات وصفات اسماء و آیت کلمات و فرمودات کی ہر وقت عزت و توقیر کرو۔ تفسیر صاوی جلد چہارم ص۸۲ پر ہے۔ وَيُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا اَنَّ مَنِ اقْتَصَرَ عَلٰى تَعْظِيْمِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ اَوْ عَلٰى تَعْظِيْمِ الرَّسُوْلِ وَحْدَهٗ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ بَلِ الْمُؤْمِنُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ تَعْظِيْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ تَعْظِيْمِ رَسُوْلِهٖ وَلٰكِنَّ التَّعْظِيْمَ فِيْ كُلٍّ بِحَسْبِهٖ ۔۔۔ تفسیر نیشا پوری جلد ۱۱ پارہ ۲۶ ص۵۴ (بیروتی) وَقَالَ جَارُ اللّٰهِ اَلضَّمَائِرُ كُلُّهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ تَعْظِيْمُ اللّٰهِ ـ تَعْظِيْمُ دِيْنِهٖ وَرَسُوْلِهٖ ـ اور تفسیر طبری جلد یازدہم پارہ ۲۶ آیت ۹ ص۴۷ پر ہے۔ فَاَمَّا التَّوْقِيْرُ فَهُوَ التَّعْظِيْمُ وَالْاِجْلَالُ وَالتَّفْخِيْمُ ـ ترجمہ ـ یہاں تُوَقِّرُوْهُ کی واحد مذکر ضمیر سے یہ مسئلہ لیا گیا ہے کہ جس شخص نے صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کی وہ بھی مومن نہیں اور جس نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہ کی وہ بھی مومن نہیں۔ بلکہ مومن وہ ہے جس نے اپنے مقام پر دونوں کی تعظیم کی اور لیکن تعظیم ہر ذات وصفات میں ان کی شانِ اَرفع کے حساب سے ہو۔۔۔۔ اور فرمایا امام رجاءُ اللہ نے اس آیت کی تمام ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہی اُس کے دین کی اور اُس کے پیارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔۔۔۔۔ اور توقیر

وعزت یہ ہے کہ اس کی ہر چیز کو بلند و بالا اور جلال و ہیبت والا اور اونچے مقام والا سمجھا جائے۔ اب بتائیے کیا نعلین پر یا اُس کے نقشے پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا یا آیت لکھنا اس کی تعظیم و توقیر ہے اور پھر یہ تو عام محاورہ بھی ہے کہ جس کی بے عزتی اور تحقیر مقصود ہو۔ اُس کے لیے کہا جاتا ہے کہ میں تو اُس کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔ فلاں کو جوتی برابر سمجھا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں لندن میں ابھی چند ماہ پیشتر ایک عیسائی نے اپنی ایک فیکٹری کے ایک مضبوط جوتے پر علی لکھوا دیا تھا۔ تو یہاں کے باغیرت مسلمان چیخ پڑے تھے اور اس کی دکان کو آگ لگا دی تھی جس میں یہ جوتے بکنے رکھے گئے تھے۔ اور اس کو معافی مانگنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اُس نے یہ کہتے ہوئے معافی مانگی کہ مجھ کو پتہ نہیں تھا کہ یہ نام مسلمانوں کے لیے ہَوْلِی یعنی بہت قابل تعظیم ہے میں نے تو محمد علی کلے کی قوت کی نسبت سے بطور اشتہار نام رکھا تھا۔ اسی کا نام مومن کی غیرت ایمانی ہے۔

تیسری دلیل۔ سورۃ اعلیٰ کی پہلی آیت۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ (الخ) کی تفسیر میں۔ تفسیر صاوی والے فرماتے ہیں جلد چہارم ص۲۶۱) سَبِّحْ بِمَعْنٰی نَزِّهْ۔ وَتَنْزِيْهُ الْاَسْمَاءِ عَدَمُ ذِكْرِهَا بِالْاَسْمَاءِ الَّتِيْ تُوْهِمُ نَقْصًا بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ لَيْسَ بِمُتَعَيِّنٍ بَلْ كَمَا تُنَزَّهُ الذَّاتُ يُنَزَّهُ الْاِسْمُ اَيْضًا وَمِنْ جُمْلَةِ تَنْزِيْهِ الْاَسْمَاءِ اَنْ لَّا يُذْكَرَ فِيْ مَوْضِعِ الْاَقْذَارِ بِاَنْ يُّذْكَرَ عَلٰى وَجْهِ التَّعْظِيْمِ وَالتَّفْخِيْمِ

ترجمہ۔ سبح کا معنیٰ تعظیم و تکریم ہے اور اسماءِ الٰہیہ کی تعظیم یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے اسماءِ مقدسہ کو ایسے طریقہ اور ایسے لفظوں سے نہ ذکر کیا جائے کہ جس سے نقص اور بے حرمتی کا وہم ہو۔ کوئی بھی صورت اور طریقہ معین نہیں بلکہ کوئی بھی گھٹیا طریقہ اسماءِ الٰہیہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے ہونا یہ چاہیئے کہ جس طرح ذات رب تعالیٰ کی تعظیم واجبوں سے زیادہ واجب ہے اور ذاتِ مولیٰ عزّوجلّ کی تعظیم کی جاتی ہے اسی کی طرح اسماءِ الٰہیہ کی بھی توقیر و تعظیم احترام و اہتمام کیا جائے اور تعظیم کیا جائے تمام قسموں اور صورتوں طریقوں میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی ذاتی یا صفاتی نام مقدس کو کسی کمتر جگہ یا گھناؤنی جگہ پر نہ لکھا جائے نہ بولا جائے۔ اور ہمیشہ ہر حالت میں تعظیم اور تفخیم کے طریقے سے ذکر کیا

جائے اور اسماءِ ربانی کو ہر اعتبار سے بزرگ و برتر ثابت کیا جائے۔ کمتری کا شائبہ بھی نہ ہو۔ تفسیر طبری میں ہے کہ تسبیح امرِ وجوبی ہے یعنی ہر مسلمان پر بلکہ خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی اسماءِ الٰہیہ کا احترام واجب ہے کیونکہ اسماءِ الٰہیہ اسماءِ صفات ہیں اور صفت عینِ ذات ہے۔ اس لیے تفسیر صاوی شریف نے کما تنزّہ الذّات کی مماثلت بیان فرمائی۔ گویا اسماءِ پاک کی توہین ذات پاک کی توہین بلکہ اعلحضرت کی طرف اس منسوب شدہ عبارت میں یہ جملہ کہ اگر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور اقدس کے نعل پاک پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے۔ یہ عقل وعلم والے مومن کے لیے تو اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ کیونکہ علم والے جانتے ہیں کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی ہی کا نام کراہتِ تحریمی اور حرام ہے جس کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرمادیں وہ ہی شریعت اسلام کا حرام اشدِ حرام ہے مگر یہ عُقلاً فضلاً علماً کی بات ہے۔ بہروں گونگوں اندھوں کی نہیں۔ اور پھر حیرت در حیرت ہے کہ ایسی صریحی بے ادبی گستاخی اور توہین کو اعلحضرت مجددِ ملت کے سر تھوپنا۔ جن کے دم سے آج ہم سب کو ادب واحترام کی خیرات مل رہی ہے۔ اور طُرفہ یہ کہ ابھی بھی مجددِ ملت کی محبت وعقیدت کا دعویٰ ہے یہ محبت نہیں احمقانہ دشمنی ہے۔ میرا بس چلے تو میں ایسے بدعقل جھوٹے دعویداروں سے قلم چھین لوں۔

چوتھی دلیل۔ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم مطبوعہ امجدیہ کراچی ص ۵۷ پر ہے۔

الجواب۔ (الخ) حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ اَنْزَلَهٗ مِنْ نَفْسِهٖ۔ جو یہ جاننا پسند کرے کہ اللہ کے نزدیک اُس کا مرتبہ کتنا ہے وہ یہ دیکھے کہ اُس کے دل میں اللہ کی قدر کیسی ہے۔ کہ بندے کے دل میں جتنی عظمت اللہ کی ہوتی ہے۔ اللہ اُسی کے لائق اپنے یہاں اُسے مرتبہ دیتا ہے۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَالدَّارُقُطْنِيُّ فِي الْاَفْرَادِ عَنْ اَنَسٍ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ۔ فتاویٰ رضویہ شریف

کی اس عبارت میں عظیم عبرت کا سامان ہے اگر کوئی سمجھے تو۔ اللہ تعالیٰ کا اسم مقدس جوتی کی نوک پر لکھنا اور جوتی کو اللہ کے اسم پاک سے زیادہ متبرک سمجھنا کیا یہی ایمان اور قدر دانی ہے۔ صَدَقَ اللّٰہُ مولٰنا العظیم۔ وما قدروا اللہ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ (انعام آیت ۹۱۔ حج آیت ۷۴ زمر آیت ۶۷)

پانچویں دلیل۔ تذکرۃ الاولیا طبع لاہور ص۱۱۶ پر ہے کہ۔ سرتاج الاولیاء حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ پہلے ایک عام سے آزاد منش آدمی تھے ایک مرتبہ کہیں سر راہ سڑک پر ایک پرچہ پڑا دیکھا جس پر بسم اللہ شریف لکھی تھی کانپ گئے فوراً اٹھایا اور خوف الٰہی سے رونے لگے اس کو صاف کیا چوما آنکھوں سے لگایا خوشبو لگائی اور پرچہ کو مخاطب کرتے جاتے روتے جاتے کہ اے پرچہ اے میرے خالق رازق محبوب رب تعالیٰ کے نام والے کاغذ یہ زمین یہ سڑک تیرا مقام نہیں یہ مجھ جیسے گندے مندے انسان کا مقام ہے تو تو عرش مقامی لوح قیامی ہے اور پھر کسی اونچی پاک ستھری جگہ رکھدیا۔ بس اس ادب اور احترام بسم اللہ شریف کی وجہ سے تقدیر پلٹ گئی اس عمل کے صدقہ ان کو ولایت عظمیٰ کاملہ کا درجہ مل گیا اس عمل تعظیم اسماءِ الٰہیہ کے طفیل ولی کامل بنادیا گیا مسلک اہل سنت تو یہ کردار ہے خدانخواستہ ان صاحب جیسے ہوتے تو اپنی جوتی میں رکھ لیتے اور جہنم کو سدھارتے

چھٹی دلیل۔ کتاب حضرات القدس دفتر دوم ص۱۱۳ مکاشفہ ۳۵۔ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک واقعہ اس طرح درج ہے کہ۔ ایک دن قضاءِ حاجت کے لیے بیت الخلا گئے وہاں ایکبار دیکھا کہ مٹی کا ایک بڑا پیالہ جو ایک طرف سے ٹوٹا تھا۔ بھنگی اس کو اپنے استعمال میں لاکر اس سے کوڑا اٹھایا کرتا تھا۔ اس پر آپ کی بغور نظر پڑی تو دیکھا اس پر اللہ کا لفظ ایک طرف کندہ ہے اور پیالہ لتھڑا ہوا ہے۔ آپ نے لپک کر جلدی سے وہ پیالہ اٹھایا۔ اور خادم سے فرمایا کہ جلدی آفتابہ یعنی لوٹا بھر کر لاؤ۔ اور آپنے خود اپنے ہاتھوں سے اس کو خوب مل مل کر دھویا بالکل صاف ستھرا پاکیزہ کر دیا (کئی بار پانی سے دھویا سو کھایا) پھر اس کو ایک نہایت پاکیزہ سفید کپڑے میں لپیٹ کر کسی اونچی جگہ رکھدیا۔ اور آپ اسی میں پانی پیتے تھے۔ اسی اثنا میں ربّ العزت کی طرف سے آپ کو الہام فرمایا گیا۔ کہ جس طرح تم

میرے نام کی تعظیم کی ہیں بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں اونچا کرتا ہوں آپ ۔
فرمایا کرتے تھے کہ وہ مرتبہ مجھ کو سو سال کی عبادت و ریاضت سے بھی حاصل نہ ہو
سکتا تھا جو اس اسم الٰہی کے ادب و تعظیم سے مجھے نصیب ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ
سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم ماشاء اللہ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرنیکی
تو پھر یہ بد نصیب لوگ اسم مقدس کی تحقیر کے پیچھے کیوں پڑے ہیں کس نفس
و خناس نے ان کو ضدی بنا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ جوتی شریف کے نقشے پر۔ اللہ تعالیٰ
جلّ وعلیٰ کا نام لکھنے۔ میں بجز تحقیر آخر اور کونسا مقصود ہو سکتا ہے۔

ساتویں دلیل علامہ امام عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی حنفی۔ متوفی ۷۰۱)
اپنی تفسیر مدارک علی اربعہ تفاسیر (حاشیہ بالا) ص ۱۸۹ پر لکھتے ہیں۔ فَاخْلَعْ
نَعْلَیْکَ۔ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ ذٰلِکَ اِحْتِرَامٌ لِلْبُقْعَۃِ وَتَعْظِیْمٌ لَّھَا فَخَلَعَھُمَا
وَاَلْقَاھُمَا مِنْ وَّرَاءِ الْوَادِیْ۔ ترجمہ۔ قرآن کریم سورۃ طٰہٰ کی
آیت ۱۲ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ یعنی اے موسیٰ
اپنی دونوں جوتیوں کو اتار دو کیونکہ بے شک تم اس مقدس وادی طویٰ میں ہو۔ یہ
آیت بتا رہی ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام جو نبی مرسل ہیں وادی مقدس کے احترام اور
تعظیم کی بنا پر ان کو جوتیں اتارنے کا حکم ملا آپ نے دونوں جوتی شریف اتار
دیں اور وادی سے باہر ہی ان کو چھوڑ دیا۔ اندازہ لگایئے کہ جب ایک وادی کا
کا یہ احترام تو نام الٰہیہ کی کیا شان و عظمت ہو گی اس آیت قرآنیہ سے یہ بھی ثابت
ہوا کہ معزز جگہ میں جوتی لے جانا اُس جگہ کی توہین و بے حرمتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا
کہ جوتی اپنی علتِ غائی یعنی شکل و صورت کی وجہ سے حقیر ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا
کہ معزز جگہ میں جوتی خواہ نبی مرسل کی ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدس نہیں۔ لہذا
جوتی یا نقشۂ جوتی کو اقدس یا مقدس کہنا منع ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جو نام
و القاب اللہ تعالیٰ کی معزز و محترم چیزوں کے ہوں وہ نام و القاب کسی ایسی چیز کو
نہیں دیا جا سکتا جو عند اللہ محترم نہ ہو۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل جوتی
شریف اور اس کا نقشہ مبارکہ اللہ کے نزدیک محترم نہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی جوتی۔ اس لیے کسی بھی جوتی کو مقدس و اقدس نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ

وہ جوتی عندالناس معظم ومحترم وتاج رفعت وشان ہو۔ہاں یہ ضرور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نعلین پاک سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک کا درجہ زیادہ ہے اگر یہ آپ کا معاملہ ہوتا تو شاید وادی مقدس میں نہ اتروائی جاتی۔ جیسا کہ عرشِ اعظم پر نہ اتروائی گئی کہ پہنچ کر جانا تو عقلاً اور رواجاً ثابت مگر اتروانا ثابت نہیں۔پہنکر جاتے کا صریح ثبوت مانگنا عبث ہے پہنکر جانا تو اس فاخلع سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی صریحی ثابت نہیں۔اگر یہاں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ نہ ہوتا۔ تو صراحتاً پتہ نہ لگتا اور پہننے کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ رواجی واخلاقی چیزیں ہیں۔ بغیر لباس تو کوئی بھی کہیں نہیں جاتا اور جوتی بھی لباس کا ایک حصہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔اب تک کی عبارت سے ہم نے بدلائل ثابت کر دیا کہ نقشۂ نعلین پر بسم اللہ شریف یا کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ذاتی وصفاتی نام لکھنا حرام ہے کیونکہ گستاخی وبے ادبی ہے۔یہ تمام دلائل سبعہ ہم نے مختصر انداز میں مدعیٰ علیہ کو لکھ کر ان کو اپنی صفائی دلائل بھیجنے کی پیشکش کی چنانچہ انہوں نے اپنے مسلک وموقف کی تائید میں کچھ فتوے اور کچھ اپنے خط میں دلیلیں ہم کو ارسال کیں۔جو نہایت غلط اور کمزور تھیں جن سے مدعیٰ علیہ کو آگاہ کر دیا گیا تھا مگر پھر جواب الجواب۔اور مزید دلیل کوئی وصول نہ ہوئی اس لیے مندرجہ ذیل سطور میں ان کی دلیلوں کے ساتھ ان کی کمزوری بھی اسی فتویٰ کا حصہ بناتے ہوئے تحریر کی جارہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ۔

مدعیٰ علیہ کی۔پہلی دلیل۔ مدعیٰ علیہ نے اپنی تحریر کے ساتھ دو فتوے ہمارے پاس بھیجے جس میں سے ایک فتوے میں اسماءِ الٰہیہ آیت قرآنیہ کی بے ادبی اور مذکورہ فی السوال گستاخی کے جواز میں اخبارات کے اشتہارات وتحریرات کو دلیل بناتے ہوئے لکھا کہ نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام لکھنا یا آیت لکھنا جائز ہے۔ دیکھو اخباروں میں آئے دن ایسے اشتہارات چھپتے ہیں کہ کسی جوتے بنانے والی فرم کی مشہوری کے لیے اشتہار میں جوتیوں کا فوٹو بنا ہوتا ہے اور اس میں بسم اللہ شریف، انشاءاللہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی کاغذ کے دوسری طرف عین اُسی اشتہار کی جگہ اللہ کا نام لکھا نظر

آتا ہے اگر یہ جائز ہے اور کوئی عالم غیر عالم مسلمان نہیں بولتا تو پھر نقشۂ نعلین پر بدرجہ اولی جائز ہوا۔ جواب ہم نے آج تک ایسا کوئی کفریہ اشتہار نہیں دیکھا نہ پاکستان میں نہ یہاں انگلستان میں، ہندوستان انڈیا کے ہندو پریس ہیں اگر ایسے گستاخانہ اشتہارات چھپتے ہوں اور آپ جیسے مردہ ضمیروں کی نظر سے گزرتے ہوں تو یہ آپ کی غیرتِ ایمانی کو چیلنج اور امتحان ہے۔ خدانخواستہ اگر کبھی کوئی اخبار اس طرح کا اشتہار یہاں چھاپتا تو پاکستان اور برطانیہ کے مسلمان تڑپ جاتے اور کٹ مرنے پر تیار ہوجاتے بلکہ ایسے اخبار و اہل اخبار کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے اور ایسے چند ایک حقیقی واقعات گزر چکے ہیں غازی علم دین۔ غازی برادر قاری غلام رسول لاہوری۔ اور غازی قادر کنجاہی وغیرہ وغیرہ پاکستان میں ہی پیدا ہوتے رہے آج تک انڈیا ہندوستان کی تاریخ نے تو ایسا کوئی غیرت مند مجاہد ثابت و ظاہر نہیں کیا۔ ہاں البتہ ہندوستان کے بمبئی وغیرہ بلدیات میں سلمان رُشدی اور ایسے اخبار و رسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حیرانی تو اس غیرتِ ایمانی پر ہے جو اس طرح کے بدترین ایمان سوز اشتہارات دیکھ کر بجائے مذمت کرنے کے اُلٹا ان کو دلیل جواز بنا رہے ہیں کیا ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت میں ایسے ہی مفتی جنم لیتے رہیں گے۔ شرعی اعتبار سے ایسے اشتہارات لکھنا۔ لکھوانا، چھپوانا، چھاپنا، شائع کرنا کرانا سب حرام ہے اور ان کفریہ ذرائع سے روزی کھانا بھی حرام ہے۔ اور کاغذ کے دوسری طرف عین اُسی جوتے کی فوٹو کی جگہ اللہ تعالیٰ کا مقدس و محترم نام لکھنا تو اور بھی زیادہ اشد حرام کیونکہ جب اس کاغذ کو دھوپ یا روشنی کی طرف کر کے دوسری سمت پر نظر ڈالو تو اللہ تعالیٰ کا نامِ اقدس۔ عین جوتے کے تلوے پر لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اور مزید تعجب تو خود مدعیٰ علیہ جیلانی پر ہے جس نے ایسے مجرمانہ گستاخانہ فتوے کو اپنی تائیدی ڈھال بنایا۔ سچ فرمایا کسی بزرگ نے کہ خدا جب دین لیتا ہے۔ حماقت آہی جاتی ہے۔ نیز اس شیطانی دلیل سے تو عام کھلی چھٹی مل رہی ہے کہ ہر جوتے کے تلے نیچے بھی نام لکھ سکتے ہو شاید آگے چل کر مدعیٰ علیہ کا یہ ہی ارادہ ہو۔ مدعیٰ علیہ کی (دوسری دلیل) دوسرے فتوے میں اسم الٰہی کے لکھنے اور بے ادبی گستاخی کرنے کے جواز پر یہ دلیل لکھی ہے کہ دیکھو۔

جالوت کافر کے مقابل جب طالوت کو بادشاہ بنایا گیا اور بنی اسرائیل نے ان کی بادشاہت پر اعتراض کیا تو اُن کی بادشاہی کی حقانیت پر رب نے ملائکہ کے ہاتھ بنی اسرائیل کے پاس تابوتِ سکینہ بھیجا۔ اُس تابوت میں موسیٰ علیہ السّلام کی نعلین بھی نہیں اور توریت کی تختیاں بھی خیال رہے کہ اُن پر تورات لکھی تھی اور تورات بھی اسی طرح کلامُ اللہ تھی اَب جس طرح قرآنِ مجید تو جب اُن کے ساتھ قریب یا اوپر یا نیچے نبی مرسل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جوتیں مبارک رکھنا جائز تھا تو نقشہ نعلین پاک پر اللہ کا نام لکھنا بھی جائز ہوا جو ناجائز کہتا ہے وہ تابوت پر کیا فتویٰ لگائیگا۔ جواب کیا قیامت کی جہالت ہے کہ ہر مشکوک و مضعوف بات کو دلیل حماقت بنا کر صرف ایک آیت یا ایک اسم کی توہین نہیں بلکہ اب تو اصل جوتی استعمالی نعلین کو بھی قرآن مجید کے برابر درجہ دینے کی دلیلیں ڈھونڈی، اور بنائی جا رہی ہیں جس کو بقول مجدد ملت بریلی شریف، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پسند نہ فرماتے۔ اور پھر دلیل بھی کس تابوتِ سکینہ کی جس کے متعلق آج تک مفسرین شارحین اور مؤرخین کوئی متفق علیہ بات نہ بیان کر سکے۔ نہ روایت نہ درایت نہ اعتماد نہ بھروسہ۔ اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ تابوتِ سکینہ کوئی صندوق تھا اور اس میں حضرت موسیٰ اور حضرتِ ہٰرون علیہما السّلام کے کچھ تبرکات تھے مگر تبرکات کیا تھے صندوق کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ کتنا بڑا اور کتنا لمبا چوڑا تھا اور دوبارہ بنی اسرائیل کے پاس کس طرح لایا پہنچایا گیا۔ اس میں بیسیوں اقوال کی بھرمار ہے اور یہاں تک بے باکی کہ تصاویر جیسی ہر شریعت کی ممنوعہ اَشیا کو بھی تبرکات میں شامل کر دیا گیا کہ معاذ اللہ اُس میں انبیاء علیہم السّلام کے فوٹو بھی تھے۔ اور ہمارے مفسرین ہیں کہ آنکھیں بند کئے ہر چیز کو لکھتے چلے جا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ دشمنِ خدا یہود و نصاریٰ کی ملاوٹیں ہیں اسرائیلیات کی بناوٹیں ہیں۔ یہ مسئلہ عام مشہور ہے کہ جاندار کی تصویر ہر شریعت میں حرام رہی اور ابلیس کی ایجاد ہے یہاں تک ظلم پہنچا کہ اَحْسَنَ الْقَصَصْ کتاب میں لکھ ڈالا کہ یوسف علیہ السّلام فوٹو تصویریں بنایا کرتے تھے اور اپنے مصری محل میں ہر جگہ بھائیوں اور اپنے اہل خانہ کی تصویریں بنائی ہوئی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ (معاذ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَنْ هٰذِهِ الْکِذْبِیَاتِ

(افترایات) اس وقت میرے پاس تابوت سکینہ کے بارے میں چھ کتابیں ہیں جن میں مختلف اقوال اس طرح ہیں ۱ اس تابوت پاک میں تورات کی تختیاں موسیٰ علیہ السّلام کا جبہ ہٰرون علیہ السّلام کا جُبہ اور عصاءِ موسیٰ اور سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی تھی۔ (از تفسیر ملا محمد حسین واعظ کاشفی وفات ۱۵۱۵ء ۱۰۰۹ھ) اس قول میں نعلین کا ذکر نہیں۔ ۲ تابوت سکینہ میں تورات کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے تھے موسیٰ علیہ السّلام کا اعصا عمامہ جبہ نعلین۔ ہٰرون علیہ السّلام کا اعصا عمامہ جبہ نعلین اور کپڑے تھے۔ (از تفسیر طبری معانی) اس قول میں سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی کا ذکر نہیں ۳ اس تابوت مبارک میں تورات کی تختیوں کے کچھ ریزے تھے موسیٰ و ھٰرون علیہما السلام کے عمامے تھے۔ اس قول میں نہ اعصا کا ذکر ہے نہ نعلین شریف کا نہ تختیوں کا بلکہ ریزوں کا ذکر ہے۔ چوتھا قول تابوت ساگوان کی لکڑی کا بنا تھا اور اس کی لمبائی تین ہاتھ چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ پانچواں قول تابوت سونے کا بنا ہوا تھا لمبائی ساڑھے تین ہاتھ چوڑائی ڈھائی ہاتھ۔ چھٹا قول یہ تابوت لوہے کا بنا ہوا تھا اور سونے کا پترا چڑھایا گیا تھا، ساتواں قول موسیٰ علیہ السلام کا اعصا شریف دس گز لمبا تھا۔ آٹھواں قول دس ہاتھ لمبا تھا۔ قول ۹ اس تابوت میں توریت کی تختیوں کے ٹکڑے عصاءِ موسیٰ ھٰرون علیہما السّلام کا جُبہ اور تمام انبیاءِ کرام کے فوٹو (تصویریں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں آپ کے گھر کی بھی فوٹو تھی (العیاذ باللہ) اس قول میں نعلین کا ذکر نہیں اعصا کو چالیس گز بلکہ ساٹھ ہاتھ تک بھی کہا گیا۔ (یہ اقوال تفسیر روح البیان اور صاوی ابن عباس مدارک معانی کبیر وغیرہ میں لکھے موجود ہیں اب بتاؤ کون سی بات سچی ہے کون سی جھوٹی۔ سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی کا بھی ذکر ہے حالانکہ اُس وقت سلیمان علیہ السّلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے داؤد علیہ السلام نوجوان تھے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ پھر لکھنے والوں کے تفکر کا اندازہ لگاؤ کہ تابوت شریف تین ساڑھے تین ہاتھ لمبا اور اس میں اعصا دس گز لمبا یا دس ہاتھ لمبا مجھے تین ہاتھ لمبے صندوق میں دس ہاتھ لمبا ڈنڈا کوئی رکھ کر دکھائے کیا وہ اعصا مبارک ربڑ یا پلاسٹک کا تھا جس کو مروڑ مراڑ کر رکھ دیا۔ لازماً کہنا پڑے گا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ لہٰذا اس تابوت میں تختیوں کا ہونا غلط معلوم

ہوتا ہے۔ یا پھر نعلین کا ہونا غلط۔ اتنے مشکوک اقوال کو اپنی دلیل بنا لینا۔ حماقت کے سوا کیا ہے۔ بہر کیف مدعیٰ علیہ کتنی بھی کروٹیں بدلے اپنا گستاخانہ مسلک ثابت نہیں کر سکتا۔ یہ تھا ان دونوں کا حال جس پر مدعیٰ علیہ کو شاید بڑا ناز ہو۔ اب ان دلائل کو دیکھئے جو کچھ لوگوں نے فتاویٰ رضویہ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ ہمیں اس پر کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں اس کی تو سطر سطر خود ہی پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ اعلحضرت کی تحریر نہیں۔ چند وجوہ سے پہلی وجہ یہ کہ فتاویٰ مکمل طور پر اعلحضرت کی حیات طیبہ میں شائع نہیں ہوا۔ ایک قول ہے کہ صرف پہلی جلد آپ کی موجودگی میں شائع ہوا۔ ایک قول ہے کہ بالکل آخری ایام میں شائع ہوئیں مجدد ملت بریلوی مطبوعہ کو دیکھ نہ سکے۔ ایک قول ہے کہ آپ کے بعد نزدیکی دور میں شائع ہوا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ باقی مجلدات تو بہت بعد میں شائع ہوئیں۔ اور فتاویٰ رضویہ تقریباً آٹھ یا نو جلدوں کا مسودہ تو طالبعین حضرات کو بدست مفتیءِ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اُس حالت میں وصول ہوا کہ طبع تو درکنار اس کی ترتیب بھی ایک دشوار اور محنت طلب کام تھا۔ طابعین کرام خصوصاً مولانا قاری رضاءُ المصطفیٰ اعظمی اور اراکینِ دارالعلوم امجدیہ و مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی اور مکتبہ علویہ فیصل آباد والے محبوبین کی اس فتاویٰ سے عقیدت اور محبت اور عشق کی حد تک قلبی فکری محنت و لگن کا نتیجہ ہے کہ اسلام کا یہ عظیم ذخیرہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ مسوّدات از جلد سوم تا جلد یازدھم مضبوط مجلد مبوّب اور محفوظ شکل میں نہ تھا بلکہ کاپیوں۔ غیر مجلد اکھڑے بکھڑے رجسٹر سائز کاغذوں ورقوں اور چھوٹے پرزوں کی شکل میں طابعین و ناشرین کو ملا اور کئی اوراق تو کیڑوں نے بھی کھائے تھے بعض اتنے مدھم ہو چکے تھے کہ پڑھنا دشوار بعض مسائل اپنے انداز سے عبادت بنا کر لکھے گئے جس کا اعتراف خود ناشرین و طابعین نے کیا ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم مقدمہ۔ عرض حال۔ صفحہ بحساب حروف ابجد ص۲ پر لکھا ہے کہ دو فتاویٰ اوّل و دوم شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن تیسری جلد جو مسودہ مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم عالیہ کے پاس تھا۔ یہ مسودہ بکھرا ہوا مبوّب اور مفصل نہ تھا۔ اصل مفقود نقل در نقل یہ چوتھی نقل تھی۔ کاپیاں، بڑی عرق ریزی کرنا پڑی اپنی بساط بھر مبوّب و مفصل کرنا پڑی۔ اس کے باوجود ہمیں مکمل حالت میں

ہیں دستیاب نہ ہوا۔ کچھ رسائل چوری ہو گئے کچھ کرم فرماؤں نے واپس نہ کئے۔ کچھ رسائل وجوابات ناقص ملے بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لئے تھے۔ جہاں عبارتیں خود بنانی پڑیں۔ ماسبق وما لحق پر غور کیا گیا۔ صفحہ نشان پر لکھا ہے۔ الغرض صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو تو یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے اور بصیرت کی کمی ہوگی اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن اس سے پاک ہوگا فتاویٰ جلد ہشتم صہ ۶ پر لکھا ہے۔ گذشتہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بہت سی جگہ الفاظ بلکہ (پوری پوری) عبارت اندازہ سے درست کی گئی ہے ان نقلی مسودوں میں کتابت کی بھی غلطیاں تھیں حتی الامکان درست کیا گیا۔ چند جگہیں ایسی ہیں جہاں ہم کوئی فیصلہ نہ کر پائے، وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں یہاں لکھنے کا صرف مقصد یہ ہے کہ اگرچہ ناشرین طالعین معاونین نے ان بکھرے موتیوں کو درست صاف اور جمع کرتے میں بہت خلوص لگن اور محنت سے کام کیا ہم کو اُن کے خلوص میں کوئی ذرہ بھر شک نہیں مگر پھر آخر انسان ہیں بہت کمزوریاں رہ سکتی ہیں خود ان کو بھی اعتراف ہے جس کے لیے انھوں اپنی کوتاہ نظری اور کمی بصیرت کا ذکر تے ہوئے علماء عقلاء فضلاء کو دعوتِ مطالعہ مرہمت فرمایا۔ اور بتایا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں کوئی استدلالی یا استنباطی یا فکری کوتاہی اور چشم پوشی پائی جائے تو اعلیٰحضرت کا دامن اُس سے پاک ہوگا۔ لہٰذا اور اگر کوئی عالم مفکر فتاویٰ رضویہ کے کسی مطبوعہ مسئلے سے اختلاف کرے تو وہ اعلیٰحضرت کی تحریر سے اختلاف نہ ہوگا۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ عبارتیں بعد میں اندازے سے لکھی گئی ہیں۔ بدیں وجہ طالعین کی اس اعتراف عبارت کی بنیاد پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نقشہ نعلین پر اسماءِ الٰہیہ لکھنے کا جواز اعلیٰحضرت کی طرف سے نہیں۔ غالباً ظناً یہاں بھی کرم خوردہ اوراق کو اندازے سے پُر کیا گیا ہے جس نے اصل مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اسی کوتاہ بینی وقلتِ بصیرت کے مظاہرے اور بھی چند جگہ ہیں جو اصل تحقیق وتفتیش وشرعی مسائل سے ہٹ گئے ہیں یقیناً وہ بھی مرتبین کے اندازے سے خانہ پُری کی لغزش ہے۔ مثلاً۔ اسی فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم صہ ۳۶۸ پر ہے ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں۔ اقول۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ چمگادڑ

شکاری پرندہ ہے میں نے خود اس کو چھوٹی نسل کے مینڈکوں کو منہ سے شکار کرتے دیکھا ہے اس طرح چھوٹی چھوٹی مچھلی اور دیگر حشرات کا شکار کرتی ہے۔ اور اڑتے ہوئے باز اور عقاب کی طرح شکار کرتی ہے یعنی اڑ کر آتی ہے۔ اور شکار جھپٹ کر لے جاتی ہے اس مسئلے کی تحقیق کے لیے یہاں کے چڑیا گھر میں بھی مشاہدہ کیا۔ اور وڈیو کیسٹ بھی دیکھی بلکہ حاصل کر کے رکھ لی۔ اس کے علاوہ علاوہ علامہ امام جاحظ کتاب الحیوان جلد اوّل ص۶۰ طبع بیروت میں لکھتے لَا یَعْطَادُ اِلَّا فِیْ طَیَرَانِ اللَّیْلِ۔ ترجمہ خفاش یعنی چمگادڑ صرف رات میں ہی اڑتے ہوئے شکار کرتی ہے۔ اور شکاری ہونا ہی اس کے حرام ہونے کا باعث ہے کیونکہ ذوناب ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ جن فقہا نے اس کو حرام کہا صرف ذوناب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس ذوب کے شکاری ہونے کی وجہ سے۔ اور ذوناب شکاری کے حرام ہونے میں اتفاق ہے لہٰذا چمگادڑ متفقاً حرام ہوئی۔ چنانچہ ۱ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری اپنی کتابُ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۱ پر لکھتے ہیں۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا یَحِلُّ اَکْلُ الْخَطَّافِ وَالْبُوْمِ وَیُکْرَہُ فِی الصَّرَدِ وَالْھُدْھُدِ۔ وَفِی الْخَفَّاشِ قَوْلَانِ الْکَرَاھَۃُ وَالْحُرْمَۃُ۔

اور کتاب ۲ رحمۃُ الاُمّہ فِی اختلاف الائمہ جلد اوّل ص۱۵۰ پر ہے وَالْمَشْھُوْرُ اَنَّہٗ لَاکَرَاھَۃَ فِیْمَا نُھِیَ عَنْ قَتْلِہٖ کَالْخَطَّافِ وَالْھُدْھُدِ وَالْخَفَّاشِ وَالْبُوْمِ وَالْبَبْغَاءِ وَالطَّاؤُسِ اِلَّا عِنْدَ الشَّافِعِیْ وَالرَّاجِحُ تَحْرِیْمُہٗ

ترجمہ۔ ۱ علماءِ احناف نے فرمایا حلال ہے خطاف یعنی غیر شکاری چیل اور بوم اور مکروہ کہا گیا ابابیل اور ھُدھُد کو (یہ دونوں شکاری نہیں غالباً ان کی حرمت ان کی عزت کی وجہ سے ہے) اور چمگادڑ میں دو قول ایک یہ کہ چمگادڑ مکروہ تحریمی ہے دوم یہ کہ حرام ہے۔ یعنی حلت کا کوئی قول نہیں ۲ اور مشہور کر دی گئی ہے یہ بات کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اُن پرندوں کا کھانا مکروہ نہیں ہے جن کے مارنے کی ممانعت روایات میں آئی ہے۔ جیسے کہ سفید چیل (جس کی چونچ اور پیر پیلے ہوتے ہیں) اور ھُدھُد اور چمگادڑ اور بوم اور طوطا اور مور۔ بجز امام شافعی کے (یعنی امام شافعی کے نزدیک مکروہ ہے) لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی ترجیح ان پرندوں کی حرمت کو ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ کیا چمگادڑ کے متعلق اتنی کمزور بات اعلیحضرت جیسے محقق

انسان کہہ سکتے ہیں اور مثلاً فتاوی رضویہ ہشتم ص۲۷ پر مرتب عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں کہ اعلیٰحضرت سے سوال ہوا کہ گائے کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے یا نہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے لیکن آپ کے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کے حوالے سے حاشیہ میں اس کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ کیا عجیب بات ہے گویا کہ اعلیٰحضرت کو مسلم شریف نہیں آتی تھی۔ بس یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو طابعین ناشرین کی کوتاہ نظری سے پیدا ہو کر اصل مسائل میں کمزوریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کے حل کرنے کے لیے بہت تفکر چاہیئے یہاں اندھا بہرا گونگا ہونا کام نہیں دے گا۔ اور مثلاً اسی طرح فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص۲۰۸ پر ایک شعر کے متعلق سوال ہے کہ یہ شعر کسی نعت کا مطلع بنایا جا سکتا ہے۔ شعر:

نعتِ خیرُ البشر نہ ہو جائے دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

اس کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ مطلع سخت باطل و ناجائز ہے کہ اس میں نعتِ اقدس سے ممانعت ہے (الخ) اقول۔ نا معلوم یہاں اس بالکل درست شعر کو باطل و ناجائز کیوں کہا گیا۔ حالانکہ اردو محاورے اور طرزِ گفتگو کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اس شعر میں نعت کہنے کی اجازت طلب کی گئی ہے۔ یہ نفی نہیں بلکہ سوالِ اجازت ہے جس طرح عام طور پر کہا جاتا ہے اگر آپ حکم دو تو کیا میں یہ کام نہ کر دوں شاعر یہاں بھی کہہ رہا ہے کہ حضرات سامعین کیا اس محفل میں بجائے دنیوی باتوں کے ایک نعت شریف نہ سنا دی جائے۔ اور قلبِ مومن دلِ مسلم۔ حقیقت کا آئینۂ حق نما نہ بنا دیا جائے۔ اب بتاؤ کہ اعلیٰحضرت مجددِ بریلوی جن کی وطنیت اردو کا گہوارہ یعنی یوپی کا علاقہ جہاں اردو پیدا ہوئی وہی میرا بھی وطن بدایوں میری مادری وطنی زبان بھی اردو اعلیٰحضرت کی بھی اردو جب میں ایسے محاوروں کو سمجھ سکتا ہوں تو کیا اعلیٰحضرت عظیم البرکت جیسی شخصیت کے لیے یہ محاورہ اور سوالِ اقراری سمجھنا کچھ مشکل تھا۔ پتہ نہیں ایسے مقامات میں ان کا پیوں میں کیا لکھا ہوگا۔ کونسا لفظ کس طرح پڑھا گیا ناشرین نے اپنے اندازے سے کیا لکھ دیا ہوگا۔ بس یہی کچھ کوتاہ نظری اور قلتِ بصری اگر نقشۂ نعلین پاک پر لغزش کر گئی ہو تو کیا بعید

ہے۔ دوسری وجہ۔ بزرگوں کی کتابوں پر یہ ظلم عرصہ دراز سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ جب کسی بزرگ و معتبر شخص کے عقیدت مندوں کی کثرت ہوئی تو ابلیس و نفس کے دلوں میں حسد جاگا اور طرح طرح کے ذریعوں منصوبوں سے عقیدت مندوں کو اُس کی عقیدت و اطاعت سے دور کرنے ہٹانے گمراہ کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور سب سے بڑا مضبوط داؤ تحریر میں ملاوٹیں کر کے چلایا جو آج تک اور نہ جانے کب تک چلایا جاتا رہے گا۔ اس حاسدانہ تخریب کاری سے تو سابقہ کتب آسمانی بھی نہ بچ سکیں یہودیوں نے عیسائیوں کو اور عیسائیوں نے خود اپنے آپ کو اور آنے والے ہم مذہب نسلوں کو ان ہی ملاوٹوں کی تخریب کاری سے گمراہ و بے راہ کیا۔ آج تک کون سی کتاب ہے جو ان ظالموں کی زد سے بچ سکی۔ انجیل توریت میں تو کچھ اپنی سہولتوں دنیوی لالچوں کے لیے بھی ردّ و بدل تغیر و تبدّل کیا جاتا رہا لیکن بعد والے خُبثا نے تو صرف بزرگوں کو بدنام کرنے یا اُن کے عقیدت مندوں کو بدظن یا گمراہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔ غوث اعظم کی کتابوں سے لے کر محی الدین عربی تک ہر ہر بزرگ کی کتابوں پر یہ ظالمانہ نشتر لگائے نہ ہی اعلحضرت کی بہت سی تصنیفات مخالف ہاتھوں سے بچ سکیں جب غلطی سے تاج کمپنی کو ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر سید صدر الافاضل خزائن العرفان چھاپنے کی اجازت دی گئی تو تاج کمپنی کے لیے ابماتوں نے کیا کیا تخریب کاریاں کیں یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حدائق بخشش حصہ سوم میں کیا کچھ کیا گیا کہ آج تک سنی شرم سے سرنگوں ہیں۔ ہمارا یہ دور تو خیر بہت ہی فریب قیامت ہے خود اعلحضرت کو اپنے دور میں بہت سی ملاوٹ شدہ کتابوں سے واسطہ پڑا جن کا ذکر اعلحضرت نے اپنے فتاوی رضویہ جلد ششم اور جلد نہم میں کیا ہے بلکہ بہت مضبوط و مبسوط انداز میں تخریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے دھوکے بازوں ملاوٹیوں کے فریب سے مسلمانوں کو بچانے کے ساتھ ساتھ کتابوں کی سچی و صحیح تحریر کی نشاندہی فرمائی جس سے کم از کم اُن کتب بزرگان کی حقیقت کیفیت روز روشن کی طرح صاف اور واضح ہو گئی اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو بیدار و ہوشیار کر دیا۔ مخالفین کی چابکدستیوں کا تھوڑا بہت سدباب ہوا۔ آج میری یہ تحریر اور اپنے سنی مسلمانوں کو اِس نقشۂ نعلین کے ساتھ احمقانہ حرکت سے آگاہ کرتا بچانا باز رکھنا سب اعلحضرت

کی عطا کی ہوئی اِسی روشنی کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم صہ ۳۰۸ سے صہ ۳۱۱ تک ہے۔

یہ بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں۔ خصوصًا حضرت شیخ اکبر کے کلام میں تو گنتی نہیں کھلے ہوئے صریح کفر بھر دئے ہیں۔ آگے لکھا ہے۔ مخدوم بہار صاحب کی طرف سے نہیں مان سکتے ضرور کسی جاہل کا الحاق ہے۔ یہ وہابیہ میں سے ہی کسی کا الحاق ہے۔ پہلے لکھا ہے کہ ثانیًا کسی کتاب کا ثابت (درست وصحیح) ہونا اُس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں۔ یعنی ساری کتاب سے عقیدت و محبت ہونے کے باوجود اسی کتاب کے غلط فقرے کو نہیں مانا جائے گا صہ ۳۱۱ پر لکھا ہے حالانکہ رب عزّ وجلّ فرما چکا کہ عزت ساری اللّٰہ کے لیے ہے تو قطعًا اُن کی (انبیاءِ کرام کی) عزت اللّٰہ ہی کی عزت سے ہے۔ صفحہ ۳۰۹ پر اعلحضرت نے ایک ایسا قاعدہ باندھا ہے جس کے ذریعے ہم ہر قسم کی تخریب کاری باطل الحاقات اور کوتاہ نظری وغفلتِ بصیرت سے بچ سکتے ہیں۔ فرماتے۔ وہ کتاب جیسے اب تک علما کے درس وتدریس یا نقل وتمسک یا ان کی مطمحِ نظر رہی ہو۔ (الخ) زبانِ علما میں صرف وجود کتاب کافی نہیں۔ بلکہ متداول ہونا ضروری۔ یہاں تک کہ امام محمد اور امام یوسف کی کتابوں میں چھان بین کی جائیگی۔ اعلحضرت نے اس قانون کلیہ کیلئے درمختار اور احیاء العلوم کے حوالے پیش فرمائے۔ ان صفحات پر اعلحضرت علیہ الرضوان سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ ہر کتاب میں الحاقات ہو سکتے ہیں اور غیروں سے ہی نہیں اپنوں کی کوتاہ نظری وغفلتِ بصری سے بھی اصل مسئلہ غلط لکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا کتاب سے استفادہ تب ہوگا جب کتاب کا ہر مسئلہ علما کے مطمحِ نظر میں آجائے بطریقہ درس وتدریس یا نقل وتمسک۔ اکابر کی کتب سے مسائل کا سمجھنا اندھے بہرے عقیدت مندوں کا کام نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم صہ ۲۷ و صہ ۲۸ پر لکھا ہے کسی نے غنیۃ الطالبین کتاب کے متعلق سوال کیا کہ کیا یہ کتاب غوث پاک کی ہے اور اس کی تمام عبارتیں صحیح ہیں۔ جواب میں فرمایا۔ اوّلاً کتاب غنیۃ الطالبین شریف کی نسبت شیخ عبد الحق محدث رح دہلوی کا یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے سیدنا غوثِ اعظم رح کی تصنیف ہی نہیں مگر یہ نفی مجرّد ہے اور امام ابن حجر مکی رح نے تصریح

فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے الحاق کر دیا ہے لہذا خبردار دھوکہ نہ کھانا۔ ملاوٹ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بدلہ لے گا۔ غوث پاک اس سے بری ہیں صـ۲۹ پر لکھا ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں بیان فرمایا کہ کسی الماری میں کوئی قلمی کتاب ملے اس میں کچھ عبارت ملتی دلیل نہیں کہ بے کم وکاست مصنف کی ہے پھر اس قلمی نسخوں سے چھاپا کریں تو مطبوعہ نسخوں کی کثرت اکثرت نہ ہو گی۔ کیونکہ ان کی اصل وہی مجہول قلمی ہے جیسے فتوحات مکیہ کے مطبوعہ نسخے۔ شالثاً اگر بہ سند ہی ثابت ہو تو تواتر و تحقیق درکار دالخ) سبحان اللہ کیا عظیم فیصلہ فرما دیا کتنی سخت الجھنیں دور کر دیں تقریباً وہی حالات بیان فرما دیئے جو ناشرین فتاویٰ نے فتاوے کے مسودات کے بیان کئے ہیں جیسے یہ بات سمجھی گئی تو اب اسی تمہید تمسک پر ہم فتاویٰ رضویہ جلد دھم صـ۱۱۹ کے مسئلے کو دیکھتے ہیں۔ ان پانچ سطری تحریر میں نقشہ نعلین پاک پر اسم الٰہی آیت قرآنی لکھنے کے جواز پر چار دلیلیں دی گئی ۱۔ نقشے کو اصل نعلیں پر قیاس کرنا۔ قیاس مع فارق ہے ۲۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے ۳۔ فاروق اعظم نے جانوران صدقہ کی رانوں پر حُبِسَتْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ داغ فرمایا تھا حالانکہ ان کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں۔ کَمَا رَدُّ الْمُحْتَارِ۔ صـ۲ بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے کہ ابن عباسؓ نے سعید ابن جبیرؓ کی پہنی ہوئی استعمالی جوتیوں کے تلووں پر اپنے ایک مضمون کا بقیہ کاغذ کے تمام ختم ہو جانے کی صورت میں لکھا دالخ) ہم کو ان چاروں دلیلوں پر کلام ہے یہ سب دلیلیں انتہائی کمزور ہیں اس لیے یہ اعلحضرت کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں ضرور یہ عبارت کسی کوتاہ نظری اور قلت بصری کا شکار ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلی دلیل کا جواب۔ یعنی نقشۂ نعل کو اصل نعل پر قیاس مع الفارق ہے۔ اقول غلط ہے یہ قیاس مع الفارق نہیں بلکہ قیاس مع التطابق ہے۔ تعریف قیاس یہ ہے کہ اصل یعنی مقیس علیہ کا حکم فرع یعنی مقیس پر بھی علت مشترکہ کی وجہ سے نافذ کیا جائے۔ چنانچہ علم اصول فقہ کی کتاب توضیح و تلویح جلد دوم صـ۵۳۵ پر ہے

اَلرُّکْنُ الرَّابِعُ فِی الْقِیَاسِ وَھُوَ تَعْدِیَۃُ الْحُکْمِ مِنَ الْاَصْلِ اِلَی الْفَرْعِ بِعِلَّۃٍ مُتَّحِدَۃٍ اَیْ اِثْبَاتُ حُکْمٍ مِثْلِ حُکْمِ الْاَصْلِ فِی الْفَرْعِ وَالْمُرَادُ

بِالْاَصْلِ اَلْمَقِیْسُ عَلَیْہِ وَ بِالْفَرْعِ الْمَقِیْسُ ۔ ترجمہ ۔ اصل کا حکم علت متحدہ کی وجہ سے فرع یعنی مقیس کے لیے ثابت کرنا ۔ اصل سے مراد وہ پہلی چیز ہے جس پر کسی دوسری چیز کو مطابق کیا جائے اور فرع رہے جس کو مطابق کیا جائے ۔ اور چاروں چیزیں درست ہو جائیں تو قیاس مع الفارق نہیں ہوتا بلکہ درست ہوتا ہے اور درست قیاس حجۃ شرعی ہے ۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی کتاب نور الانوار ص۲۲۸ پر ہے وَالْحَاصِلُ اَنَّ ھٰھُنَا ثَلٰثَۃُ اُمُوْرٍ اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْاَصْلَ فِیْ کُلِّ نَصٍّ اَنْ یَّکُوْنَ مَعْلُوْمًا وَالثَّانِیْ اَنْ لَّا بُدَّ مِنْ دَلِیْلٍ مُّسْتَقِلٍّ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ ھٰذَا النَّصَّ فِی الْحَالِ مَعْلُوْلٌ بِقَطْعِ النَّظَرِ عَنْ ذٰلِکَ الْاَصْلِ وَالثَّالِثُ اَنْ لَّا بُدَّ مِنْ دَلِیْلٍ یُّمَیِّزُ الْعِلَّۃَ عَنْ غَیْرِھَا وَیُبَیِّنُ اَنَّ ھٰذَا ھُوَ الْعِلَّۃُ دُوْنَ مَا عَدَاہُ فَاِذَا اجْتَمَعَتْ ھٰذِہِ الثَّلٰثَۃُ فَلَا بُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ الْقِیَاسُ حُجَّۃً ترجمہ ۔ خلاصہ یہ کہ یہاں تین چیزیں ہیں اگر وہ تینوں پائی جائیں تو قیاس درست ہے اور شرعی حجۃ یعنی دلیل ہے ۔ پہلی یہ کہ اصل واقع میں معلول بن سکتا ہو دوم یہ کہ کوئی ایسی مستقل دلیل ہو جو ثابت کرے کہ یہ نص فی الحال معلول ہے اصل یعنی مقیس علیہ کو بغیر دیکھے ۔ سوم یہ کہ ایسی بھی دلیل ہونی لازم ہے جو علت کو ممتاز اور علیحدہ کرکے بتا دے کہ یہاں فقط یہی علت ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور پس جب یہ تینوں چیز پائی جائیں گی تو یقیناً وضرورۃً قیاس شرعی حجت بن جائے گا ۔ یعنی قیاس غلط یا مع الفارق نہ ہوگا ۔ اب دیکھئے نعلین پاک اور نقشۂ نعلین میں تمام چیزیں درست ہیں ۱ اصل نعلین پاک مقیس علیہ ہے ۲ اس کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ یہ حقیر ہوتی ہے ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اس آیت کریمہ نے ہر جوتی کا حکم بتا دیا کہ وہ حقیر ہوتی ہے ۔ مقدس مقامات پر نہ لے جانا چاہئے اگرچہ نبی مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی ہو ۔ عند اللہ وہ حقیر ہے ۔ ۳ اس کی تحقیر کی علت اس کا جوتی والا نقشہ اور شکل وصورت ہے ۔ اس علت کی بنا پر ہی فقط اس کو حقیر کیا گیا ۔ ۴ جب یہی شکل وصورت کاغذ پر بنائی گئی تو وہاں بھی وہی علت آگئی تو گویا دونوں جگہ یعنی اصل پیر کی جوتی اور کاغذ کی جوتی میں علت متحد ہو گئی اور جب علت متحد تو حکم متحد ۔ تو جو حکم اصل

جوتی کو تحقیر کا لگا وہی نقشۂ نعلین کو لگے گا۔ یعنی وہ بھی حقیر یہ بھی حقیر تو جب اصل جوتی پر آیت یا اسم لکھنا ناپسند اور حرام تو نقشے پر بھی نام پاک لکھنا حرام ہے یہی وہ قیاس حقیقت ہے جس کو ناشرین طا لعین نے فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت میں نظرانداز کر دیا اور کچھ کا کچھ لکھدیا یہ کیسے ممکن ہے کہ اعلیٰحضرت ایسی کمزور بات لکھیں۔ نمبر قیاس مع الفارق بھی چند قسم کا ہے جن میں صرف ایک باطل ہے باقی درست ہیں اگرچہ کمزور ہیں چونکہ قیاس کی بنا د علت پر ہے اور علت چار قسم کی تو قیاس بھی چار قسم کا ہوا جن میں ایک قیاس صحیح ہے باقی مع الفارق۔ علت کی اقسام یہ ہیں ۱؎ علّتِ تامّہ ۲؎ علّتِ ناقصہ ۳؎ علّتِ فاسدہ ۴؎ ضعیفہ۔ اگر کسی قیاس میں بالکل صحیح علّت پائی جائے تو قیاس بالکل درست ہوگا اور اُس کو حجت شرعی کہا جاتا ہے ۲؎ لیکن اگر علّت فاسدہ ہے تو قیاس مع الفارق باطل ۳؎ اگر علّت ناقصہ ہے تو قیاس مع الفارق ناقص ۴؎ اگر علّت ضعیفہ ہے تو قیاس مع الفارق ضعیف، اگر ایک ہی وجہ ایک ہی علّت ہو اور بالکل صحیح ہو تو قیاس درست ہوگا۔ لیکن اگر ایک ہی علت ہو اور وہ بھی غلط تو قیاس مع الفارق باطل۔ اگر چند علتیں ہوں صحیح بھی لیکن قیاس غلط عِلّت سے کیا گیا تو قیاس مع الفارق ناقص۔ اگر ایک ہی علّت سے مگر اصل کے لیے تو مکمل ہے فرع کے لیے مکمل نہیں تو قیاس مع الفارق ضعیف ہوگا۔ یعنی ایک قیاس صحیح ہوا اور تین قیاس مع الفارق۔ باطل۔ ناقص۔ ضعیف۔ ان تینوں میں باطل قیاس ہمیشہ ناجائز، شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔ ناقص۔ بطریقہ قیاس حجت شرعی نہیں بن سکتا دوسری علّت سے بن سکتا ہے یا تیسری علت سے بن سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ کہ اعلیٰحضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۲۶ پر مذبوحہ حلال جانوروں کی اوجھڑی اور آنتوں کا کھانا مسلمانوں کے لیے مکروہ تحریمی فرمایا اور کراہت کو قیاس مع الفارق سے ثابت کیا۔ آپ سے پہلے کسی فقیہ و امام نے ان کو مکروہ تحریمی یا تنزیہی بھی نہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ۱۸؎ کرش یعنی اوجھڑی ۱۹؎ امعا یعنی آنتیں بھی اس علم کراہت میں داخل ہیں۔ بے شک دُبر اگر فرج و ذکر سے اور کرش و امعا مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔ فرج و ذکر اگر گزرگاہِ بول و منی ہیں تو دُبر گزرگاہِ سرگین ہے۔ مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ ورودہ مخزنِ فرث

ہیں یہاں مجدد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آنتوں اور اوجھڑی کو مثانہ پر قیاس فرمایا مگر علت تو افق نہیں تفاوت و تفارق ہے کہ مثانہ کی علت معدن بول ہونا ہے اور آنتوں کی علت مخزن ہونا بنایا گیا۔ معدن و مخزن میں کثیر تفریق ہے۔ معدن، وطن اور مولد ہوتا ہے لیکن مخزن صرف ظرف اور مظروف ہوتا ہے اس لیے یہ قیاس مَعَ الفَارق ہوا۔ لیکن چونکہ یہاں کراہت کی ایک دوسری علت بھی ہے جو مثانہ کی علت سے متحد ہے اس لیے یہ قیاس مع الفارق بھی جائز مانا جا سکتا ہے وہ علت ثانیہ ان کی خباثت نفسیہ کی وجہ سے کراہت طبعیہ ہے۔ چنانچہ یہیں پر امام اعظم کا قول نقل فرمایا گیا۔ کہ حاشیہ طحطاوی میں ہے۔ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رض اَلدَّمُ حُرَامٌ بِالنَّصِّ وَاَلسِّتَّۃُ نُکْرِھُھَا لِاَنَّھَا تَسْتَخْبِثُہُ الْاَنْفُسُ۔ وَنَکْرِھُھَا الطَّبَائِعُ۔ ترجمہ۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خون تو نص قطعی یعنی آیت پاک کی عبارۃ النص سے حرام ہوا ہے اور حدیث مبارکہ کی فرمودہ باقی چھ چیزیں اس لیے مکروہ فرمائی گئیں کہ انسانی طبیعت ان کو خبیث یعنی گھنونی اور ناپسند و کراہت کرتی ہے یہ دوسری علت مشترک ہے مثانہ اور اوجھڑی آنتوں وغیرہ میں ثابت ہوا کہ بعض قیاس مَعَ الفَارق۔ جائز و درست ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اعلحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا استنباط درست نہ ہوتا اور اوجھڑی و آنتوں کا کھانا مکروہ نہ ہوتا۔ اس قیاس مع الفارق کا اثر یہ پڑا کہ علما صوفیا مشائخ اہلِ تقویٰ و مُقتدا اھلِ وظائف بزرگوں کے لیے یہ ممنوع و نقصان دہ لیکن عوام میں سے کوئی اچھی طرح پاکیزہ کر کے پکائے تو گناہ نہ پڑے گا۔ کیونکہ اوجھڑی گندگی کا معدن نہیں صرف برتن ظرف و مخزن ہے اور آنتیں تو مخزن بھی نہیں صرف گزرگاہ ہیں اور نفاست کے خلاف گھنونی۔ بہت سی نفاست طبع تو مکھی گرے سالن یا بال پڑے شوربے سے بھی گھنیاتے ہیں اور کھا نہیں سکتے بخلاف دیگر فرمودۂ احادیث خصیتین وغیرہ کہ وہ ہر ایک مسلمان کے لیے حرام ہیں کھانے والا گنہگار۔ اس لیے کہ وہ اعضا یا تو خود نجس ہیں یا گھنونے شدید یا مَعْدَنِ نجاست ہیں۔ رہا تیسرا قیاس مَعَ الفَارِق یعنی قیاس ناقص۔ مثلاً۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ استعمال سونے چاندی کے زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ دونوں طرف سے قیاس

کیا گیا مگر ائمہ ثلاثہ کا قیاس مع الفارق ہے اور ضعیف ہے۔ کیونکہ استعمالی زیور کی دو مشابہتیں ہیں اس لیے دو علتیں ہو گئیں ایک علت سونے چاندی ثمنیت دوم علت بذلیت چاندی سونے کی علت ثمنیت دائمی اور قوی لیکن بذلیت عارضی اور کمزور ہے۔ امام اعظم نے زیور کو اصل سونے پر قیاس فرمایا جس میں علت سونے کا ثمن (قیمت) ہونا۔ مال نامی ہوتا ہے۔ یہ دائمی علت ہے اس لیے امام اعظم کا قیاس مضبوط اور مطابق ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے زیور کو گھریلو سامان استعمالی کپڑوں برتنوں پر قیاس کیا۔ کہ جس طرح گھر کے استعمالی سامان پر زکوٰۃ نہیں، استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ نہ ہونی چاہیئے۔ مگر یہ بالکل عارضی علت ہے جو ختم ہو جاتی ہے۔ ثمنیت کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی اس لیے امام اعظم کا قیاس مضبوط اور حجۃ شرعی ہے مگر ائمہ ثلاثہ کا قیاس مع الفارق ہے اور ضعیف۔ لہٰذا شرعًا زیور پر زکوٰۃ ہر سال فرض ہے یہ قیاسات کی بات تھی۔ روایات واحادیث کے دلائل دو طرفہ اس کے علاوہ ہیں۔ مگر وہاں بھی ائمہ ثلاثہ کی دلیلیں نہایت کمزور ہیں یہاں ان کے ضمنی بیان کی گنجائش نہیں۔ بہرکیف ہم جس قیاس مع الفارق کا ذکر کر رہے ہیں یعنی اصل نعلین پاک اور ان کا نقشہ و تمثال پاک۔ یہاں تو سرے سے قیاس مع الفارق ہے ہی نہیں کیونکہ اصل و فرع میں ایک ہی دائمی علت ہے۔ یعنی شکل و صورت لہٰذا حکم بھی ایک یعنی تحقیر بلکہ جن اصاغر کے نزدیک اکابر کی نعلین پاک معظم ہیں اُن کے ذہن و تصور میں بھی جوتی اصلاً حقیر ہی ہوتی ہے اور بزرگ کی جوتی کی تعظیم و توقیر کا مقصد اُن کے خیال میں بھی یہ ہوتا ہے کہ ہم اس بزرگ کی بارگاہ میں اِس حقیر جوتی سے بھی حقیر ہیں اور حقیر جوتی بھی ہمارے سر کا تاج ہے۔
بخلاف فتاوٰے کی اس عبارتِ مندوبہ مشکوکہ کے کہ یہاں استعمال کو علت بنا ڈالا حالانکہ یہ علت نہیں ہو سکتی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نقشۂ نعلین کی عزت و تعظیم کے لیے تو شکل و صورت کو علتِ غائی بنایا جائے۔ اور اس پر آیت لکھنے کے لیے شکل و صورت سے منہ موڑ کر استعمال و غیر استعمال کا تفاوت پیدا کیا جائے اگر علتِ غائی جوتی کی شکل و صورت ہے تو ہر جگہ یہی ہو گی اور اگر بذلیت و استعمال کا تفاوت مدِ نظر رکھنا ہے تو پھر دونوں جگہ یہی ہو گا۔ اور پھر اس تفاوت کے تحت

نقشۂ نعلین کی تو عزت ثابت ہوگی اصل نعلِ پاک کی تعظیم ثابت نہ ہو سکے گی حضرت قبلہ حسن رضا خان علیہ الرحمۃ کا وہ شعر بھی غلط ہوگا۔ کہ جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور (الخ) یہ شرعی قواعد وضوابط ہیں کوئی عام بات نہیں کہ جس طرح چاہا جہاں چاہا توڑ موڑ کر لیا۔ فتاویٰ رضویہ میں منسوبہ عبارت کی دوسری دلیل کہ اور اعمال کا مدار نیت پر یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر بتایا جائے کہ نقشۂ نعلین پاک پر اسمِ الٰہیہ یا آیتِ قرآن مجید لکھنے میں آپ کی کیا نیت ہے۔ اس لیے کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات والی روایت مقدسہ میں نیت کا وجود مراد ہے نہ کہ نفیِ مطلق۔ کیونکہ توہین اور بے ادبی والے افعال میں نیت بے ادبی ہو یا نہ ہو۔ اور بلا کسی ارادے کے توہین آمیز کام کیا جائے تب بھی اُس کو گستاخی و توہین شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد سوم ص ۳۹۲ پر ہے۔ وَيَظْهَرُ مِنْ هٰذَا اَنَّ مَا كَانَ دَلِيْلَ الْاِسْتِخْفَافِ يَكْفُرُ بِهٖ وَاِنْ لَمْ يَقْصُدِ الْاِسْتِخْفَافَ۔ ترجمہ۔ اگر کوئی جانتے بوجھتے عمداً ایسا کام کرے جو ظاہراً توہین ثابت ہوتا ہو تو کرنے والے پر التزامِ کفر ہو جائے گا اگرچہ اُس کا ارادہ توہین کا نہ ہو۔ نیز مسئلہ ہے کہ کعبہ کی سمت منہ کر کے بڑا یا چھوٹا پیشاب کرنا منع ہے اگرچہ ہزاروں میل کے فاصلے سے آبادیوں اور گھروں دیواروں کے گھیروں میں ہو۔ کیونکہ یہ توہینِ کعبہ ہے اب اگر کوئی شخص توہین کی نیت نہیں کرتا بلکہ اُس کا کچھ بھی ارادہ نہیں بلکہ کعبہ کا خیال تک اُس وقت نہیں آیا۔ لیکن اس فعل سے وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا قیامت میں سزا پائے گا۔ ایک دفعہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام مسجد کو سمتِ کعبہ تھوکتے دیکھا تو آپ نے مقتدیوں کو حکم فرمایا کہ اس کو آئندہ امام نہ بنایا جائے اس نے جب اپنے نمازیوں سے سرکار کا یہ حکم سنا تو گھبرایا لرزتا حاضرِ بارگاہِ سرکار ابد قرار ہوا۔ اور عتاب کی وجہ پوچھی تو آپ نے یہ کام اُس کو یاد دلا کر فرمایا کہ تو نے اللہ رسول کو ناراض کر دیا پھر کبھی اس کو امامت کی اجازت نہ ملی۔ از مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ فصل ثالث حدیث پاک ۷۰ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ خَلَّادٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُد۔ حالانکہ اُس امام کی اس کام سے توہینِ کعبہ کی کوئی نیت وغیرہ نہ تھی۔ اللہ اکبر۔ مقامِ ادب بھی کتنا نازک مرحلہ ہے اب یہاں کہنے پھر کہ

ہماری نیت توہین کی نہ تھی۔ اگر یہاں بھی اعمال کا مدار نیت پر ہوتا۔ تو اَصْدَقُ الصَّادِقِیْن اَعْدَلُ الْعَادِلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ سب سے پہلے اُس کی نیت پوچھتے۔ کعبہ کی سمت پیشاب یا تھوکنا تو بڑا جرم ہے اُس طرف تو کلی کرنا بھی حرام جب کعبہ معظمہ کی یہ عظمت تو اسماءِ پاک آیتِ قرآن کی کیا شان ہوگی۔ اور نعلِ مقدس جوتی مطہرہ پر لکھنا اللہ رسول کی کتنی ناراضگی کا باعث ہے کیا کبھی اس کا بھی اندازہ لگایا ہے یا قیامت ہی کا انتظار ہے۔ وہاں تو اندازہ ہو ہی جائے گا مگر وہ مفید نہ ہوگا۔ مخالف کی تیسری دلیل۔ لکھا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانورا نِ صدقہ کی رانوں پر حَبِیْسٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ داغ فرمایا تھا حالانکہ اُن کی رانیں بہت محلِ بے احتیاطی ہیں کَمَا فِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ۔ اَقُوْلُ۔ یہ روایت مجھ کو رَدُّ المحتار شامی میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی ہاں البتہ یہ عبارت فتاوٰی بزازیہ کتاب الاستحسان علیٰ عالمگیری جلد ہشتم صـ۳۸ میں اس طرح لکھی ہے۔ وَقَدْ رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا عَلٰی اَفْخَاذِ اَفْرَاسٍ فِیْ اَصْطَبْلِ الْفَارُوْقِ۔ حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ ترجمہ اور روایت کیا گیا ہے کہ بے شک لکھا ہوا تھا گھوڑوں کی رانوں پر فاروق اعظم رضؓ کے اصطبل میں مُحبسٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ ہے وہ پوری عبارت جس کو ہمارے مدعیٰ علیہ صاحب نے اپنی بے ادبی کے جواز پر دلیل بنایا۔ یہاں تک کہ فتاوٰی رضویہ شریف میں بھی اس کو لکھ دیا گیا۔ لیکن ہم فتاوٰی رضویہ سے ہی اس کی تردید پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم صـ۳۶۵ پر ہے کسی نے سوال کیا کہ اُلّو کے بارے میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے اَلْبُوْمُ یُوْکَلُ۔ یعنی اُلّو کھانا جائز ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اعلحضرت کا ارشاد ہے۔ الجواب عبارتِ عالمگیری جو امدادُ المسلمین میں نقل کی اُس کی اُس کے شروع میں لفظِ قِیْلَ واقع ہے۔ یہ لفظ اُس قول کے ضعف پر دلیل ہے۔ یعنی اعلحضرت نے فتاوٰی عالمگیری کی اس عبارت کو فقط اس لیے رد فرمایا کہ وہ لفظِ قیل سے شروع تھا۔ اور قیل فعل مجہول کا صیغہ اور فعل مجہول ضعیف ہوتا ہے کیونکہ قائل و فاعل نامعلوم ہے۔ (پتہ نہیں کسنے ایسا غلط مسئلہ یا غلط بات لکھ ڈالی) اور اعلحضرت ہی کے نزدیک ضعیف قول پر فتویٰ دینا جہالت اور مخالفِ اجماع ہے۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد ششم صـ۲۱۵

سطر ۶ ص ۲ میں بحوالہ درّ مختار اس طرح ارشاد ہے کہ اور قولِ ضعیف پر حکم وفتویٰ دینا جہل ومخالفتِ اجماع ہے۔ (الخ) ثابت ہوا کہ مجہول صیغے سے مسئلہ بیان یا لکھا گیا ہو تو وہ قولِ ضعیف ہے اُس کو ماننا اور اُس کے مطابق فتویٰ دینا یا عمل کرنا جاہلوں کا کام ہے یہ سب کچھ فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے۔ بس اسی بنیاد پر گھوڑوں کی رانوں پر لکھنے کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یَذکُروِیَ فعلِ مجہول قولِ ضعیف ہے۔ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اعلیٰحضرت خود اپنے فرمان کی زد میں آکر جہالت کا فتویٰ دیدیں لازمًا ماننا پڑے گا کہ یہ ساری عبارت کوتاہ نظری کی نذر ہوگئی۔ اور ہمارے مدّعیٰ علیہ کو عقیدت جتانے کا گستاخانہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ یہ تو تھی فتاویٰ رضویہ سے ہی فتاویٰ کی تردید۔ لیکن اس عبارت کے غلط اور مشکوک ہونے کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ فتاویٰ بزازیہ کی اس عبارت میں لکھا ہے۔ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا۔ بے شک لکھا ہوا تھا۔ اَوّل ؑ لکھا ہونا یا قلم سے ہوتا ہے یا برُش سے اور جانور کے جسم پر لکھنا وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ جو خود بخود تھوڑی دیر یا تھوڑے دنوں کے بعد جھڑ جاتا ہے یا بارش سے دُھل جاتا ہے۔ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو ہوسکتا ہے جب زکوٰۃ اکھٹی کرنے والے لوگ وہ صدقات وزکوٰۃ لا رہے ہوں تو دیگر جانوروں سے مخلوط ہونے کے ڈر سے انہوں نے قلم یا برش سے لکھ دیا ہو۔ اور اصطبل میں بند کرتے وقت کسی مورخ راوی کی نگاہ اُس پر پڑگئی ہو۔ اِس بات کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو علم بھی نہ ہو۔ نامعلوم کون کاتب تھا کس کے مشورے سے تھا۔ پھر مقصد پورا ہونے کے بعد اُس پر ہاتھ پھیر کر جھاڑ دیا ہو۔ ایسی مجہول عبارت میں تو بے شمار احتمالات پیدا ہوسکتے ہیں فتاویٰ رضویہ کے ناقلین یا مصححین نے یہاں لکھدیا داغ فرمایا تھا۔ مَکْتُوْبًا کُتِبَ کا اسم مفعول ہے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے۔ داغ فرمایا تھا۔ لکھنا اور اسم مفعول مکتوبًا کا فاعل صاف صاف فاروق اعظم کو بتانا۔ لُغتًا صَرفًا۔ نحوًا۔ اور دیانتًا قطعًا غلط ہے۔ ایسی فحش غلطی کی نسبت اعلیٰحضرت کی طرف کرنا طابعین کی جلد بازی ہے۔ اور اِس جلد بازی سے فوری طور پر مدّعیٰ علیہ کا استفادہ کرنا مزید گمراہی پھر ڈھٹائی یہ کہ میرے کان بہرے ہیں کیا اعلیٰحضرت کو پتہ نہیں تھا کہ داغنے کے لیے عربی میں نقشٌ یا ختمٌ یا حفرٌ ہوتا ہے۔ تو

منقوشٌ یا مختومٌ یا محفورٌ۔ ہونا چاہئے تھا۔ (از لغات المعجم ص۵۳ و لغات کشوری ص۲۷)
وجہ دوم یہ کہ شرعی اصول یہ ہے کہ طب کی بات طبیب یا کتبِ طب سے۔ منطق کی
بات منطقی یا کتبِ منطق سے۔ تاریخ کی بات مؤرخ یا کتبِ تاریخ سے فقہ کی بات
فقیہ یا کتبِ فقہ سے حدیث کی بات محدّث یا کتبِ احادیث سے ہی ملے تو معتبر
ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ فاروقِ اعظم کی طرف منسوب شدہ یہ واقعہ یا تاریخ سے
تعلق رکھتا ہے یا سِیَر سے یا روایت و درایت سے مگر تلاشِ بسیار کے باوجود
یہ واقعہ نہ معتبر کتبِ احادیث سے دستیاب ہو سکا نہ کسی سِیَر و تواریخ سے نہ مجھے
نہ فتاویٰ رضویہ کو۔ مجھے ملتا ہے تو فتاوی بزازیہ سے یا ایک اخباری بیان سے
اور فتاویٰ رضویہ کو حوالہ ملتا ہے ردّ المحتار سے (جو اگرچہ ابھی تک میرے نزدیک
مجہول و گمنام ہے) وجہ سوم۔ اور وہ بھی ایسی اضطرابی کیفیت سے کہ نہ سند کا
پتہ نہ رُوات کا نہ ناقل کا علم نہ منقول کا۔ ہر چیز میں اضطراب الفطار دیکھو۔ فتاویٰ
رضویہ میں ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم نے۔ یعنی خود دستِ اقدس سے
بصیغۂ فعل معروف۔ مگر فتاویٰ بزازیہ میں ہے کانَ مکتوبًا (بصیغۂ مجہول۔ کاتب
نہ معلوم) ۲ فتاویٰ رضویہ میں جانورانِ صدقہ جن میں گائے بکری اونٹ گھوڑا خچر
گدھا سب حلال حرام جانور شامل مگر بزازیہ میں ہے علیٰ افخاذِ افراس۔ یعنی
صرف گھوڑے ۳ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ جانورانِ صدقہ جن میں صرف زکوٰۃ کے
جانور شامل مگر فتاویٰ بزازیہ میں کوئی تعین نہیں کہ گھوڑے کیسے تھے لشکری تھے
یا زکوٰتی ۴ فتاویٰ رضویہ میں ہے حُبِیسٌ مگر فتاویٰ بزازیہ میں ہے حُبِسَ۔ ایک
اخباری بیان میں کسی کتاب سے نقل کرتے لکھا ہے۔ جَیشٌ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ۔ حُبِیسٌ
کا ترجمہ ہے زیادہ رکنے والا۔ مبالغ کا صیغہ بروزنِ فعِیلٌ اور حُبِسَ کا ترجمہ ہے روکا
گیا۔ اور جیشٌ کا ترجمہ ہے۔ لشکر ۵ فتاویٰ رضویہ اور بزازیہ میں رانوں اور افخاذ
مگر اُس اخباری بیان میں ہے پیٹھوں پر۔ یہ افتراق و انتشار کے اقوال طاعنین
مصنّفین۔ ناقلین اور ہمارے اِن مدعیٰ علیہ صاحب کے نزدیک تو شاید معمولی
خیال کئے جاتے ہوں مگر محدّثین کے نزدیک یہی اضطرابات روایت کو مشکوک
اور ناقابلِ قبول بنا دیتے ہیں دیکھو اُصولِ حدیث کی کتابیں اور ہدایہ جلد دوم ص۲۱۰

پر ۲۶ فتاوی رضویہ میں ہے داغ فرمایا جس کے لیے لازماً لفظ مکتوباً نہیں آسکتا کیونکہ داغ اور کتاب میں کثیر فرق ہیں۔ مگر بزاز یہ میں ہے مَکتُوبًا، نہ منقوشاً نہ مختوماً، فتاوی رضویہ میں ہے۔ حالانکہ رانین بہت محل بے احتیاطی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بے احتیاطی فاروق اعظم کو کیوں نظر نہ آئی اور جانور کے اتنے بڑے جسم میں کسی اور جگہ گردن ماتھا وغیرہ داغ کیوں نہ فرمایا اور صرف بے احتیاطی نہیں بلکہ یقینی بے احتیاطی اور یقینی غلاظت میں اللہ جَلَّ جلالُہٗ کا نام۔ کیونکہ داغا ہوا لفظ تو کبھی ساری عمر مٹتا ہی نہیں۔ بلکہ بعد زندگی کھال اتر کر بھی نہ معلوم وہ کھال اتر کر کس کافر کے ہتھے لگے اور اس نام پاک واسم مقدس والی جگہ کو کہاں ڈالا لگایا یا پھینکا جائے۔ کیا فاروقِ اعظم ان تمام تصورات لرزہ خیز سے آنکھیں بند کئے تھے کیا فاروقِ اعظم پر اسماء الٰہیہ کی عزت وادب لازم نہ تھا، کیا یہ جھوٹی تہمت بنا کر فاروقِ اعظم کے دشمن رافضیوں کی نگاہ میں فاروقِ اعظم کو بدنام کرنے کی حماقت نہیں! کیا فاروقِ اعظم کی عزت پر ایسے مضطرب ومشکوک ومجہول اقوال کو رد نہیں کیا جاسکتا؟ اور ایسے بے فکرے صدا جانِ فتاویٰ کو قدمِ فاروقی پر قربان نہیں کیا جاسکتا؟ اب بتایئے ایسی مضطرب روایات پر مُدّعیٰ علیہ کا اتنی بڑی گستاخی بے ادبی کی بنیاد رکھنا کہاں تک روا ہے۔ پھر یہ کہ رانوں پر لکھوانا تو ویسے بھی بیکار ہے کیونکہ جب جانور بیٹھے گا رانین چھُپ جاتی ہیں۔ یا پھر ان پر گندی کیچڑ لگ جاتی ہے جس سے لکھائی چھپ جاتی ہے۔ آخری دلیل لکھا ہے۔

بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے۔ اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ ثَنَا مُنْدَلُ بْنُ عَلِیِّ الْغَنَوِیِّ حَدَّثَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ اَبِی الْمُغِيْرَةِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ اَجْلِسُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَكْتُبُ فِی الصَّحِيْفَةِ حَتّٰی تَمْتَلِیْ ثُمَّ اَقْلِبُ نَعْلَیَّ فَاَكْتُبُ فِیْ ظُهُوْرِهِمَا۔ (الخ) ترجمہ سعید بن جبیر نے فرمایا کہ میں ابن عباس کے طرف بیٹھا تھا پس انہوں نے کچھ لکھا ایک کاغذ میں یہاں تک کہ کاغذ بھر گیا پھر انہوں نے میری دونوں جوتیوں کو اُلٹا کیا اور دونوں جوتیوں کی پیٹھوں میں لکھا۔ یعنی تلووں پر اقول۔ اس روایت پر بحث کرنے اور جواب دینے سے پہلے اس کی عبارت پر غور سے تین لغزشوں کا پتہ لگتا ہے ۱ لکھا ہے۔ کُنْتُ اَجْلِسُ حالانکہ کُنْتُ جَلَسْتُ۔ ماضی بعید چاہیئے ۲ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ۔ حالانکہ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ چاہیئے۔ ۳ ظُهُوْرِهِمَا حالانکہ ظَهْرَیْهِمَا چاہئے۔ اس لیے کہ ظہور جمع ہے۔ اور دو جوتیوں کی دو پشت ہوتی ہیں نہ کہ تین چار۔ ایک سطر میں تین علمی غلطیاں یہ کس کی کوتاہ نظری

کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ دلیل خود مدّعیٰ علیہ اور اس عبارت کی پہلی دلیل کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ مدعیٰ علیہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ صرف نقشۂ نعلین نبی کریم پر آیتِ قرآنی لکھنی جائز۔ اصل جوتی پر نہیں۔ اگر حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور اقدس کے نعل پر لکھی جائے، تو پسند نہ فرماتے۔ مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالتِ استعمال و تمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت ہے (الخ) یعنی استعمالی جوتی گندی ہوتی ہے اور تمثال ابتذال سے محفوظ۔ اس لیے مستعمل جوتی پر منع، تمثال (نقشہ فوٹو) پر جائز۔ مگر ابن عباس رض نے تو استعمالی جوتی پر اور وہ بھی نیچے تلوے پر مضمون لکھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ عربی الفاظ میں ہوگا۔ اور یہ اغلب ہے کہ کہیں نہ کہیں اللہ کا نام ضرور آیا ہوگا یا کم از کم آخر میں اپنا نام ہی لکھا ہوگا یعنی عبداللہ ابن عباس رض۔ اب بتایئے جواز کا یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوا۔ اور کس کس کی اصل جوتی پر اسماءِ مقدسہ لکھنے کی راہ کھل گئی۔ اب تو متبرک غیر متبرک کی بھی کوئی پابندی نہ رہی۔ جو چاہے جس کی جوتی کے نیچے چاہے آیتِ قرآن ڈالتا پھرے۔ صاحبِ عبارت نقشۂ نعلین پر اسمِ الٰہی لکھنے کے جواز کے ضمن میں ہی تو یہ دلیل پیش کر رہا ہے اور یہ دلیل کس فتاویٰ رضویہ میں لکھ ڈالی گئی جس کے ادب کی یہ شان ہے کہ اسی جلدِ دہم ص۲۵ پر لکھا ہے کہ نفسِ حروف قابلِ ادب ہیں اگرچہ جدا جدا لکھے ہوں۔ یا بُرا نام لکھا ہو جیسے فرعون ابوجہل وغیرہما تاہم حرفوں کی تعظیم کی جائے۔ (الخ) حروفِ تہجی خود کلامُ اللہ ہیں کہ ہُود علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔ اِدھر تو یہ ادب کہ حروف کی لکھی ایک عام تختی سے اوپر کوئی استاد اوپر نہ بیٹھے۔ بے ادبی کی شامت کا خوف۔ اور اُدھر یہ کہ ابنِ عباس جوتی کے تلوئے مستعملہ پر حروف و الفاظ و اسماءِ پاک کا پورا مضمون لکھ رہے ہیں تو جواز کی دلیل بنایا جا رہا ہے۔ یہ کیا اُلٹی منطق ہے کہ دور اوپر بیٹھے تو بے ادبی، اور جوتی کے تلوے پر لکھے تو کوئی بے ادبی نہیں۔ کیا حضرت ابن عباس پر ادب فرض نہ تھا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ سب جھوٹی روایتیں صحابہ کرام اور فتاویٰ رضویہ کو بدنام کرنے کی کوئی خفیہ سازش ہے۔ ہوسکتا ہے یہ مدعیٰ علیہ کی پیش کردہ پوری عبارت کسی مطبع خانے میں کسی دشمن کی سازش سے ہو۔ اور چھپنے کے بعد صرف مُدعیٰ علیہ جیسے حُمقا کی نظر میں گذری ہو۔ ناشرین کو ابھی تک پتہ نہ چل سکا ہو یا احساس نہ کیا ہو۔

بہر کیف یہ تمام دلیلیں ناکارہ اِن پر اصرار گمراہی۔ اور نقشۂ نعلین پر آیت یا اسمِ مقدس لکھنا شرعاً حرام ہے۔ صحیح احادیث سے تو نہ فاروق اعظم رض کا داغ فرمانا ثابت نہ حضرت ابن عباس رض کا تلوئے نعلین پر مضمون لکھنا ثابت البتہ یہ ثابت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام طور سے توریت کی تختیاں اُٹھا کر لائے اور بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا پایا تو جذباتِ غصّہ سے بے انتہا مغلوب الحال ہو گئے اور اسی بے خبری بے شعوری میں تختیاں زمین پر رکھ دیں یہ بے ادبی شریعت کی تادیب و تعزیر میں نہیں آتی مگر عتاب میں آدھی تختیاں اسی وقت غائب ہو گئیں (واپس اٹھالی گئیں) ادب اور احترام کلام اللہ کی تو یہ اہمیت ہے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ باقی تختیاں حفظِ توریت کے بعد یا کتابتِ توریت کے بعد حیاتِ موسیٰ علیہ السّلام میں ہی اٹھالی گئیں تھیں بعض نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے دن ہی دفن سے پہلے ہی اٹھالی گئیں تھیں واللہ اعلم۔ ان اقوال سے تابوتِ سکینہ کے بارے میں صحیح قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس تابوت میں نہ کوئی تختی تھی نہ عصا تھا۔ صرف چھ چیزیں تھیں۔ جبۂ موسیٰ و دستارِ ھٰرون علیہما السّلام۔ دونوں کی نعلین۔ وہ پتھر جس سے چشمے نکلتے تھے۔ کچھ بال و ناخن شریف بس عصاءِ موسوی ایک قول میں وفات کے بعد غائب ہو گیا اور جنت کا درخت طوبیٰ اسی عصا کو بنایا گیا۔ ایک قول میں قبر مقدس میں ساتھ ہی دفن کر دیا گیا تھا واللہ اعلم خلاصہ یہ کہ مدعی علیہ کی تمام دلیلیں بیہودہ و ناکارہ ہیں۔ تابوتِ سکینہ میں توریت کی تختیاں نہ تھیں ورنہ تین ہاتھ لمبے تابوت میں دس گز لمبا عصا کو بھی رکھنا پڑے گا اسی طرح باقی دلیلیں بھی گھسی پٹی و مصنوعی بناوٹی ہیں۔ مزید حیرانی یہ کہ فتاویٰ رضویہ تقریباً اسی اسّی سال سے لکھا رکھا ہے یقیناً یہ مذکورہ عبارت والا فتویٰ بھی جاری کیا گیا ہو گا اس کی نقل بھی دو یا سہ چند کی گئی ہوں گی مگر اس پر عمل کرنے کی جرأت مدعی علیہ سے قبل کسی نے نہ دکھائی۔ یہاں تک کہ خود امیر ملت مجدد بریلی علیہ الرحمۃ نے بھی اس طرح کا نقشۂ نعلین نہیں چھاپا نہ ہماری نظر سے گزرا۔ نہ کسی بزرگ نے خبر دی۔ بلکہ حضرت صدر الافاضل سیّد نعیم الدین قبلہ مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے کتب خانہ خاص میں ایک بہت پرانا ایک گتے پر بنا ہوا نقشۂ نعلین مبارک موجود ہے مگر بالکل سادہ ایک بھی حرف نہیں جامعہ نعیمیہ لاہور اکرام اللہ فیوضہٗ کے در و دیوار پر

نقشۂ نعلین شریف بنا ہوا ہے مگر ایک بھی حرف نہیں کسی بھی سنی بریلوی قادری چشتی نقشبندی نے آج تک کوئی بھی ایسا گستاخانہ مظاہرہ نہ کیا۔ تو پھر مدعی علیہ صاحب کو نفس امارہ نے کس راہ چلایا جس نے امت میں فساد مچایا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ابھی دنیا میں ایسے عوام وخواص موجود ہیں جو ایسی گمراہیوں کا راستہ روک سکیں۔ میرے پاس تحریراً و تقریراً بہت سے ایسے سوالات آئے سب کو مدنظر رکھ کر یہ جواب لکھا گیا ہے۔ نقشۂ نعلین پاک صرف سادہ بغیر کسی تحریر کے بنایا جائے۔ اس پر کچھ متبرکات لکھنے یا کسی کتاب دینی پر نقشہ بنانا قطعاً گناہ ہے قرآن مجید یا کتب احادیث کے اوپر جلد کے گتے یا سرورق ٹائیٹل پر یا دینی کتاب کے اندر کسی درمیانی صفحہ پر نقشۂ نعلین پاک ہرگز ہرگز نہ بنایا جائے۔ مدعی علیہ جیلانی صاحب کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیئے بلکہ اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے علی الاعلان توبہ کرنی چاہیئے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مفتی اسلام صاحبزادہ اقتدار احمد خان ۱۹۹۴/۷/۱۰۔ بروز اتوار محرم ۳۰ سنہ ۱۴۱۵ھ

کتبہ

نوٹ اس طرح کی احمقانہ گستاخانہ حرکت فساد فی الارض اس لیے ہے کہ اس سے مزید گمراہیوں کا دروازہ کھل جائیگا جس کو بند کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہوگا اور تمام کے گناہوں میں فسادِ باطل جیلانی برابر کا شریک ہوگا جیسے کہ قابیل تا قیامت ہر ظالمانہ قتل کے گناہ میں۔ ہر مرید اپنے پیر کی جوتی پر اسمُ اللہ اور آیتُ اللہ لکھنا شروع کر دے گا۔ اور دلائل میں اسی باطل کے قول و دلائل پیش کرنا پھرے گا۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ۔)

تیسرا فتویٰ

عورتوں کے استعمالی زیور پر سونے کا ہو یا چاندی کا پورے نصاب پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے۔ ہر عورت کو ادا کرنی واجب ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ہمارے محلے میں ہماری ایک سہیلی عورت کے پاس تقریباً اسی تولے سونا ہے جس کے چار عدد سیٹ زیور کے ہیں اور وہ ان کو باری باری پہنتی ہے اس کا کہنا ہے ایک سیٹ بیس تولے کا اس کو میکے سے ملا۔ ایک سیٹ ۱۸ ، یا ۲۰ تولے کا سسرال سے اور کچھ زیورات اُس کو تحائف میں ملے کچھ اُس نے خود خریدے ، یہ سب زیور اُس کی ذاتی ملکیت ہے اور پہنتی ہے پہلے وہ اِن زیورات کی بحساب نصابِ زکوٰۃ ، ہر سال زکوٰۃ ادا کرتی تھی مگر اب تین سال سے اُس نے بالکل زکوٰۃ نہیں دی ۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تم اِس زیور کی زکوٰۃ کیوں نہیں دیتیں تو اُس نے جواباً کہا کہ سعودی عرب کے ایک عالِم صاحب نے ہم کو منع کر دیا ہے اور ایک کتاب دکھایا ہے کہ عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ بالکل واجب نہیں ہوتی ۔ پھر اُس کے بعد ایک نوروبی ۔ (افریقہ) کے ایک امام مسجد نے بھی یہی مسئلہ مجھ کو بتایا کہ جو سونا چاندی بشکل زیور بنا ہوا ہو ۔ اور عورت کی ذاتی ملکیت ہو وہ اس کو پہنتی ہو ۔ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ۔ اسی طرح یہاں ہمارے شہر برمنگھم برطانیہ میں بہت سی جنتی عورتیں ہیں جن کے پاس ڈھیروں سونے چاندی کا زیور ہے ۔ مگر وہ بھی زکوٰۃ نہیں دیتیں وہ نماز بھی شیعوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر پڑھتی ہیں مگر شیعہ نہیں ہیں حضور غوث پاک کو مانتی ہیں انگوٹھے چومتی ہیں اپنے آپ کو اہلِ سنت والجماعت کہتی ہیں ، ختم ایصالِ ثواب کراتی ہیں بڑی نیک بیبیاں ہیں ۔ مگر زکوٰۃ نہیں دیتیں ہم

نے ان سے بھی پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ استعمالی زیور پر کبھی بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ ہم بہ چونکہ انڈیا اور پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں ہم نے اس سے پہلے یہ مسئلہ کبھی نہیں سنا ہمیں یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ہم لوگ اور پرانے بزرگ مائیں دادی نانی سب زکوٰۃ دیتی دلاتی تھیں۔ ہماری وہ سہیلی بھی پاکستانی ہے وہ بھی پہلے دیتی تھی اُس کے بزرگ بھی دیتے تھے مگر اب یہ انوکھا مسئلہ سن کر وہ تو بڑی خوش ہے مگر ہم سب پریشان کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ آجائے سنا ہے کہ زکوٰۃ نہ دی جائے تو بارش بند اور قحط شروع قہرِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ لہٰذا بہت جلدی اس مسئلے کا جواب باحوالہ با دلائل عطا فرمایا جائے تاکہ ہم آپ کے فتوے شرعی کو مشہور کریں اور اپنی سہیلی۔ و دیگر اُن حبشن عورتوں کو دکھائیں۔ اور اگر ان کا مسئلہ صحیح ہو تو پھر ہم بھی آئندہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ نہ دیا کریں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

سائلہ۔ حمیدہ قریشی برمنگھم 8/9/88

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔

اَمَّا بَعْدُ۔ عاقلہ بالغہ مالکِ نصاب مسلمان عورت کا استعمالی زیور سونے کا ہو یا چاندی کا جب شرعی نصاب پورا ہو جائے تو اُس پر ہر سال چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے اگر کوئی مسلمان عاقلہ بالغہ اپنے ملکیتی نصابی زیور پر زکوٰۃ نہیں دیتی تو کل قیامت میں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ اس مسئلے کی تحقیق میں ہمیں تین اقوال ملتے ہیں پہلا قولِ مبارک ارشادِ قرآن مجید دوسرا قولِ مقدس فرمانِ احادیثِ پاک۔ تیسرا قول مسلک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ استعمالی زیور اور عورت کے پہنے ہوئے زیور پر مالکہ عورت پر زکوٰۃ دینا فرض ہے مزید یہ بھی ثابت ہوا کہ دیگر تمام حنفی مسائل کی طرح امام اعظم کا یہ مسئلہ بھی عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ بحمدہ تعالیٰ ہم حنفی ہیں ہمیں رب تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کی اکثریت کو حنفی سُنّی مسلمان بنایا۔ تنہا

چوتھا قول امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک۔ پانچواں قول امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک چھٹا قول امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ان تینوں اقوال میں استعمالی زیور پر عاقلہ بالغہ مسلمان عورت پر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں خواہ ڈھیروں زیور بیسیوں سال تک عورت کے پاس ہو اور بدل بدل کر استعمال کرتی ہو چونکہ ہماری تحقیق و تفتیش سے دو مسلک ظاہر ہوئے اس لیے ہم اس فتوے کو دو فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مسلک حنفی اور اس کے مضبوط دلائل بیان کئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور دوسری فصل میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک۔ ان کے دلائل اور ان کے دلائل کا توڑ و تردیدی جواب۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی فصل۔ دسواں پارہ سورۃ توبہ آیت ۳۴ اور ۳۵ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ اور وہ مسلمان جو سونا چاندی جمع کرتے بڑھاتے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں بالکل خرچ نہیں کرتے پس اُن کو دردناک عذاب کی خبر دیدو جس دن میں تپایا جائے گا اُن سونے چاندیوں پر جہنم کی آگ میں داغا جائے گا اُن زیوروں سے اُن کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں کو اور اُن کی پیٹھوں کو۔ کہ یہ ہے وہ زیور سونا و چاندی جو تم جمع کر کر کے رکھتے تھے اپنوں کے لیے تو چکھلو مزہ اُس کا جو تم جمع کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان مسلمانوں کے لیے اُتری ہے خاص کر اُن مسلمان عورتوں کے لیے جو ڈھیروں زیور بنا بنا کر رکھتی اور پہنتی استعمال کرتی۔ اور دوسروں کو دکھلاوہ کرتی غرور سے اتراتی ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں۔ بلکہ ترجیح اسی بات کو ہے کہ اگرچہ لفظ اَلَّذِيْنَ۔ جمع مذکر ہے مگر مراد مسلمان عاقلہ بالغہ عورتیں ہیں چار وجوہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ قرآن مجید کے احکام دو قسم کے ۱ ملکی انتظامی ۲ شرعی عبادتی ملکی احکام تو سب عوام مسلم غیر مسلم ذمی مستامن وغیرہ سب کے لیے ہیں۔ مگر شرعی عبادتی احکام صرف مسلمان عورت و مرد کے لیے ہیں اس آیت پاک کے پہلے حصہ میں دھوکا فریب اور

باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھا جاتے کا ذکر ہے کہ راہب کاہن مال کھا جاتے ہیں یہ قانون چونکہ صرف ملکی انتظام سے متعلق ہے اس لیے سب غیر مسلموں پر بھی نافذ ہوگا خواہ وہ راہب پادری پنڈت ہو یا کوئی دوسرا عوامی سب کو ہی اس ظلم سے روکا جائے گا۔ کیونکہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے ظلماً کھانا سراسر حق العبد کی حق تلفی ہے۔ اسی آیت کے دوسرے حصے کو وَالَّذِیْنَ سے شروع فرما کر مستقلاً علیحدہ کر دیا۔ اس حصے میں صرف مالی زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا جو ایک شرعی عبادت ہے اور شرعی عبادت صرف مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہے اس لیے آیت کے اس حصے کی عبارت سے صرف مسلمان بالغین عاقلین ہی مراد ہوں گے۔ اور مسلمانوں میں بھی مشہور رواجی سماجی طور پر سونا چاندی بشکل زیور صرف عورت ہی یا عورت کے لیے ہی جمع کیا جاتا ہے مرد پر زیور حرام ہے بدین وجہ اس آیتِ پاک کی توجیہ و مراد مسلمان عورتوں کو ہی خطاب کرتا ہے۔

دوسری وجہ۔ کَنْزٌ کا لغوی ترجمہ ہے جمع کرنا۔ جمع کر کے رکھنا۔ یعنی تجارت وغیرہ میں شامل نہ کرنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دفینہ، خزینہ، ذخیرہ کرنا۔ مگر فی زمانہ یہ متروک ہے۔ لغوی ترجمہ شائع ہے المنجد لغت عربی صفحہ ... پر ہے۔ اَلْکَنْزُ۔ اے جَمَعَ وَخَزَنَہٗ اور تفسیر جامع البیان طبری جلد ششم پارہ دس سورۃ توبہ صفحہ ۸۵ پر ہے۔ قَالَ ابْنُ زَیْدٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ۔ قَالَ اَلْکَنْزُ مَا کُنِزَ عَنْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَ فَرِیْضَتِہٖ وَ ذَالِکَ الْکَنْزُ وَقَالَ اِفْتَرَضَتِ الزَّکٰوۃُ وَالصَّلٰوۃُ جَمِیْعًا لَمْ یُفَرِّقْ بَیْنَھُمَا وَ اِنَّمَا قُلْنَا ذَالِکَ عَلَی الْخُصُوْصِ لِاَنَّ الْکَنْزَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ کُلُّ شَیْءٍ مَجْمُوْعٌ بَعْضُہٗ عَلٰی بَعْضٍ فِیْ بَطْنِ الْاَرْضِ کَانَ۔ اَوْ عَلٰی ظَھْرِھَا یَدُلُّ عَلٰی ذَالِکَ وَ اِذَا کَانَ ذَالِکَ مَعْنَی الْکَنْزِ عِنْدَھُمْ وَکَانَ قَوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ۔ مَعْنَاہُ وَالَّذِیْنَ یَجْمَعُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ بَعْضَھَا اِلٰی بَعْضٍ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ ترجمہ۔ ابن زید نے فرمایا کہ اہلِ عرب کے نزدیک کَنْزٌ کا معنیٰ ہے جمع کرنا۔ اور اس میں سے اللہ کی اطاعت اور فریضہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور فرمایا کہ مسلمانوں پر ہی زکوٰۃ فرض ہے جیسے کہ نماز بھی صرف مسلمانوں پر فرض

ہوئی اِن دونوں کی فرضیت میں کوئی فرق نہ کیا گیا۔ یہ بات خصوصیت سے ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ لفظِ کنز کلامِ عرب کی لغت میں اُس ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو کثرت سے جمع کی جاتی ہے خواہ زمین کے اندر دفن کی جائے یا۔ پاس رکھی جائے۔ اسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور جب عربی لغت میں کنز کے معنیٰ جمع کرنا ہے تو آیت پاک کا مطلب و منشا یہ ہوا کہ وہ مسلمان لوگ جو سونا چاندی کو اپنے پاس جمع کرتے جاتے اور جمع رکھتے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ صرف مسلمانوں کے لیے اتری کیونکہ زکوٰۃ مثلِ نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہے کسی غیر مسلم کافر پر کوئی شرعی حکم جو محض عبادت ہو لازم واجب فرض نفل سنت نہیں ان پر صرف ایمان لانا فرض ہے یہ احکامِ شریعت مسلمان بننے کے بعد نافذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر غرائب القرآن نیشا پوری۔ جلد ششم ص۲۴ پارہ دھم سورۃ توبہ اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ قِیْلَ اَلْمَقْصُوْدُ مَانِعُوا الزَّکٰوۃِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الخ) عَنْ زَیْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ۔ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ۔ قُلْتُ نَزَلَتْ فِیْنَا وَفِیْهِمْ۔ اور اسی کے ص۲۵ پر ہے۔ فَقَالَ الْاَکْثَرُوْنَ هُوَ الْمَالُ الَّذِیْ لَمْ تُؤَدَّ زَکٰوتُهٗ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ۔ مَالٌ اُدِّیَتْ زَکٰوتُهٗ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ کُلُّ مَالٍ اُدِّیَتْ زَکَاتُهٗ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ وَاِنْ کَانَ تَحْتَ سَبْعِ اَرْضِیْنَ وَکُلُّ مَالٍ لَمْ تُؤَدَّ زَکٰوتُهٗ فَهُوَ کَنْزٌ وَاِنْ کَانَ فَوْقَ الْاَرْضِ (الخ) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ لَا یُؤَدُّوْنَ زَکٰوۃَ اَمْوَالِهِمْ۔ ترجمہ۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فرمایا کہ اِس آیت میں کنز کا معنیٰ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ دی جاتی ہو۔ فاروق اعظم سے روایت ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ہر سال ادا کی جاتی ہو وہ کنز نہیں۔ اور فرمایا عبد اللہ بن عمرؓ نے کہ جس مال کی زکوٰۃ نکلتی رہے وہ مال کنز نہیں ہے اگرچہ ساتویں زمین کے نیچے مدفون ہو۔ اور جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز ہے اگرچہ وہ اوپر ہی کسی کے پاس جمع ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ باری تعالیٰ کی اُس سے مراد وہ مال ہے جس کی مسلمان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور چونکہ زیور سونا چاندی عام طور پر عورتیں

ہی جمع کرتی ہیں اس لیے اِس جگہ اس آیتِ مبارکہ میں عورتوں کو خطاب کرنا مقصود ہے۔
تیسری وجہ۔ قرآن مجید اور اس کا ہر حکمِ شرعی قیامت تک کے لیے ہے اور تا قیامت ہر رسم و رواج پر حاوی و نافذ ہے فی زمانہ کوئی بھی کہیں بھی مال دولت روپیہ پیسہ سونا چاندی زمین میں دفن نہیں کرتا۔ شاید پہلے زمانوں میں ایسا ہوتا ہو مگر اب تو شاذ و نادر بھی کوئی ایسا نہیں کرتا۔ اور فی زمانہ مرد تاجر لوگ سونا چاندی سے صرف تجارت کرتے ہیں کسی طرح بھی جمع نہیں کیا جاتا۔ اب جمع کی صورت صرف زیور سازی ہے اور وہ صرف عورتوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ عورت ہی ڈھیر سارے زیور کی حریص ہوتی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اِس آیت میں کنز سے مراد عورتوں کا زیور ہی ہے۔ اسی کی زکوٰۃ نہ دینے پر اتنے سخت عذاب کی بشارت اور وعید ہے جو قیامت تک قائم ہے اگر زیور پر زکوٰۃ ختم کر دی جائے تو موجودہ دور میں اس آیت کی وعید کس پر نافذ کرو گے اور ہزار ہا تولے سونا و چاندی کی زکوٰۃ سے غرباء محروم رہ جائیں گے جس سے غریب پروری کا اسلامی نظام بہت سخت متاثر و مفلوج ہو کر رہ جائے گا مساکین کی حق تلفی کے علاوہ افراطِ زر سے معیشتیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔ اور پھر ہر مرد عورتیں بیویوں کے نام پر اُن کے یا اِن کے ذریعے کنز۔ دفینہ ذخیرہ اندوزی کا دھندہ شروع کر سکتا ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی اِس آیتِ پاک کے صریحی وعیدی حکم کے مطابق ائمہ ثلاثہ امام مالکؓ شافعیؒ، احمدؒ کا مذہب قطعًا غلط ہے۔

چوتھی وجہ۔ اس آیتِ پاک کی عبارۃُ النص تو سونے چاندی کا ذکر فرما رہی ہے مگر اِس کی اِقتضاءُ النَّص سے زیور ہی مراد ہے جو استعمال کے لیے ہر عورت کنز بنا لیتی ہے۔ اسی لیے بہت سے علماءِ مِلّت فقہاءِ امّت نے عورت کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے کا استدلال اِسی آیت سے کیا ہے۔
چنانچہ تفسیر نیشا پوری جلد ششم پارہ ۱۰ ع ۶ پر ارشاد فرمایا۔ وَلِمَنْ اَوْجَبَ الزَّکوٰۃَ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ اَلْاِسْتِدْلَالُ بِالْاٰیَۃِ لِاَنَّ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ یَشْمِلُہٗ۔ ترجمہ۔ جن فقہاءِ عظام کے نزدیک استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض ہے اُن کی دلیل یہ آیتِ مبارکہ ہے۔ اس لیے کہ اصلی اور حقیقی طور پر سونا اور چاندی اِسی زیور کو ہی شامل ہے۔ اور تا قیامت سونے چاندی کو زیور کے ذریعے

کنز بنایا جاتا رہے گا۔ اور مسلمانوں میں صرف عورت ہی زیور بناتی ہے۔ مسلمان مرد اپنے لیے نہ بنا سکتا ہے نہ پہن سکتا ہے۔ دوسرا قول مبارک از احادیث مبارکہ۔ پہلی حدیث شریف۔ ابو داؤد شریف جلد اوّل کتابُ الزکوٰۃ بابُ الکنز صہ ۲۱۸
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی عَنْ عَتَّابٍ یَعْنِیْ بَشِیْرٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اُمِّ سَلْمَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکَنْزٌ ھُوَ۔ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکٰوتُہٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ ترجمہ۔ حضرت اُمّ المومنین اُمِّ مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت فرمایا کہ میں سونے کے کنگن سے زیور پہنا کرتی تھی ایک بار میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ زیور کنز ہے۔ تو آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زیور جو اتنے وزن کا ہو جس کی زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے تو اگر اس کی زکوٰۃ ہر سال زکوٰۃ ادا کر دی جایا کرے تب وہ کنز نہ ہوگا۔ اسی حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ عورت پر اس کی ملکیتی استعمالی زیور پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ ہی حدیث پاک صہ ۱۶۰ پر درج ہے اور حاشیے میں اس کی شرح اس طرح ہے۔ بین السطور میں ہے۔ اَوْضَاحًا۔ جَمْعُ وَضْحٍ نَوْعٌ مِّنَ الْحِلْیِ۔ ترجمہ۔ حدیث پاک کا لفظ اَوْضَاحٌ یہ جمع ہے "وَضْح" کی ایک قسم کا زیور ہوتا ہے۔ المنجد عربی صہ ۹۰۴ میں اوضاح کا ترجمہ لکھا ہے الخلخال اور صہ ۱۹ پر الخلخال کا معنیٰ لکھا ہے اَلْخَلْخَالُ وَ اَلْخَلْخَلُ وَالْخَلْخُلُ وَ جمع خَلَاخِیْل والخلاخل۔ حِلْیَۃٌ تَلْبَسُ فِی الرِّجْلِ کَالسِّوَارِ فِی الْیَدِ۔ ترجمہ خلخال بھی کہا جاتا ہے خلخل بھی خَلْخُلُ بھی۔ خلخال کی جمع ہے خلاخیل اور خلخل و خلخل کی جمع ہے خلاخل۔ یہ عورتیں پیروں میں پہنتی ہیں جیسے سوار ہاتھوں میں پہنا جاتا ہے۔ ہم اردو میں اس کو چھانجھن کہتے ہیں اور سوار کا ترجمہ ہے کنگن۔ مشکوٰۃ شریف کا حاشیہ ۵ پر ہے۔ قَوْلُہٗ فَزُکِّیَ سَوَاءٌ کَانَ حِلْیًا اَوْ غَیْرَہٗ وَ اِسْتَدَلَّ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رح بِھٰذَا الْحَدِیْثِ وَاٰیَ قَبْلَہٗ بِاَنَّ الْحِلْیَ تَجِبُ فِیْھَا الزَّکٰوۃُ خِلَافًا لِلْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ وَھٰذَا الْحَدِیْثُ صَحَّ بِجٌ فِی الْمَقْصُوْدِ قَالَ مَتْرُوْکٌ وَاِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ قَالَ الشَّیْخُ الْجَزَرِیْ قَالَ

اِبْنُ الْعَرَبِی رِجَالُہٗ رِجَالُ الْبُخَارِی۔ (۱۲ مرقات) ترجمہ حدیثِ مقدس کا فرمان نُزَّکِیَ اس کا معنیٰ ہے کہ خواہ سونے کا زیور ہو یا کوئی دوسری چیز بنی ہوئی بہرصورت زکوٰۃ واجب ہے اِسی حدیث پاک سے بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِرد گرد دیگر تمام اُن مشائخ کرام نے دلیل حاصل کی ہے جو عورتوں کے استعمالی زیوروں پر مکمل زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں۔ امام شافعی اِس مسلک کے خلاف ہیں یعنی اُن کے نزدیک عورتوں کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث پاک صاف اور واضح ہے زیور کی زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یعنی مقصد امامِ اعظم کو ثابت فرما رہی ہے۔ علاّمہ مُبارک نے فرمایا اِس کی اِسناد کا ہر راوی درست اور ثقہ ہے شیخ جزولی اور ابن عربی نے فرمایا اِس کے رِجال یعنی سب راوی محمد بن عیسٰی۔ بشیر اور ثابت بن عجلان اور عطا وغیرہ نہایت متقی بخاری شریف کے راویوں میں سے ہیں۔ اِس حدیث سے کتنا واضح ثابت ہوا کہ امام اعظم کا مسلک نہایت مضبوط اور صحیح ہے کہ زیور پر زکوٰۃ فرض ہے۔

دوسری حدیث شریف۔ مشکوٰۃ شریف باب فیہ الزکوٰۃ فصل ثانی صفحہ۱۶۰ پر ہے۔ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ اِمْرَأَتَیْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وَفِیْ اَیْدِیْہِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھُمَا تُؤَدِّیَانِ زَکٰوتَہٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اَتُحِبَّانِ اَنْ یُّسَوِّرَکُمَا بِسِوَارَیْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّیَا زَکٰوتَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ۔

ترجمہ۔ حضرت عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد اور دادا سے کہ ایک دفعہ دو عورتیں حاضرِ بارگاہ ہوئیں اُن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اُن دونوں سے کہ کیا تم اِس زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرتی ہو ان دونوں نے عرض کیا کہ کبھی نہیں ادا کی تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ کل بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنائے۔ دونوں نے

عرض کیا کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ فرمایا نبی کریم رؤف و رحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تم دونوں اس زیور کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو۔ اس کو ترمذی شریف نے بھی روایت فرمایا۔ صاحب مشکوٰۃ آگے فرماتے ہیں۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ۔ وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔ ترجمہ۔ ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کو مثنیٰ بن صباح نے روایت کیا حضرت عمرو بن شعیب سے بالکل اسی طرح۔ اور مثنی بن صباح۔ وابن لَهِيْعَة حدیث کے بارے ضعیف شمار کیے جاتے ہیں۔ اور اس باب میں یعنی زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ اَقُوْلُ۔ امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ یہ اُن کی اپنی معلومات کے مطابق ہے اور ان کی کم علمی ہے۔ اور اُس زمانے میں یہ کم علمی تعجب خیز یا انوکھی نہ تھی ان کی ہی نہیں ہر محدث کو بہت سی ایسی احادیث صحیحہ نہ ملیں جو دوسرے محدثین کو ملیں ترمذی کی کمزوری سے حدیث صحیحہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز امام ترمذی اس حدیثِ مقدسہ کو صرف مثنیٰ بن صباح کے روایت کرنے کی وجہ سے کمزور ضعیف کہہ رہے ہیں حالانکہ اس حدیث پاک سے امام اعظم نے اور امام یوسف امام محمد اور دیگر محدثین احناف نے استدلال فرمایا کیونکہ جس زمانے میں امام اعظم تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث مبارکہ ملی اس وقت نہ ترمذی پیدا ہوئے تھے نہ مثنی بن صباح امام اعظم کو صحیح راوی سے ملی۔ ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی اور ترمذی کی بات امام اعظم کے مقابل کم تر ہے۔ نیز مثنی بن صباح کی وجہ سے صرف الفاظ میں ضعف پیدا ہو سکتا ہے اور فقط سنداً ضعیف کہا جا سکتا ہے مگر معناً وَدِرَايَةً یہ حدیث بالکل درست و صحیح ہے کیونکہ آیت پاک وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ کے مطابق ہے بلکہ یہ حدیث اُس آیت کی تفسیر و تائید ہے درایہ نے صا۲۱ پر فرمایا قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ كَذَا قَالَ وَغَفَلَ عَنْ طَرِيْقِ خَالِدِ بْنِ الْحٰرِثِ۔ ترجمہ ترمذی کا یہ کہنا کہ زیور کی زکوٰۃ کے وجوب میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور اس حدیث کو مثنیٰ بن صباح کی وجہ سے ضعیف کہنا یہ ترمذی کی سخت غفلت ہے کیونکہ یہ حدیث پاک تو خالد بن حارث کی سند سے بھی مروی ہے جو بہترین ثقہ ہیں۔ اس لیے ترمذی صاحب کا کہنا قطعًا ناقابلِ قبول ہے۔

تیسری حدیث پاک مشکوٰۃ شریف باب الخاتم فصل ثانی ص ۳۷۹ پر ہے۔ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِي عُنُقِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی) ترجمہ۔ روایت ہے اسماء بنت یزید سے کہ بے شک آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت میں اُس کے گلے میں آگ کا ہار ڈالا جائے گا اور جو عورت اپنے کانوں میں سونے کے بُندے پہنے گی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے ہی اس کے کانوں میں آگ کے بُندے ڈالے گا۔ اس حدیث میں وجہ کا اظہار نہ فرمایا گیا کہ آگ کے ہار و بُندے کیوں پہنائے جائیں گے۔ مگر سابقہ مذکورہ بالا احادیث کی وعید اور اس کی مشابہت ومماثلت کی وجہ سے واضح و ظاہر ہے کہ یہ بھی ان زیوروں کا ہاروں اور بُندوں کا ہی ذکر ہے جن کی زکوٰۃ نہ دی جائے ورنہ اتنی سخت ممانعت کسی اور وجہ سے نہیں ہوسکتی۔ اس کی شرح اسی جگہ مرقات سے ماخوذ اس طرح مرقوم ہے۔ ۵ قَوْلُهُ مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ (الخ) وَثَانِيْهُمَا اَنَّ هٰذَا الْوَعِيْدَ اِنَّمَا جَاءَ فِيْمَنْ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ الذَّهَبِ دُوْنَ مَنْ اَدَّاهَا۔ قَالَ الْاَشْرَفُ لَوْ كَانَ هٰذَا الْوَعِيْدُ لِلْاِمْتِنَاعِ عَنْ اَدَاءِ الزَّكٰوةِ لَمَا خَصَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبَ بِالذِّكْرِ وَلَرَخَّصَ فِي الْفِضَّةِ وَالْحَدِيْثَانِ يُنَادِيَانِ بِالْفَرْقِ بَيْنَهُمَا قَالَ الطِّيْبِيُّ وَيُمْكِنُ اَنْ يُّجَابَ عَنْهُ بِاَنَّ الْحُلِيَّ الَّذِيْنَ يُصَاغُ مِنَ الذَّهَبِ اِذَا اُرِيْدَ اَنْ يُّصَاغَ مِنَ الْفِضَّةِ وَكَانَ حَجْمُهُ مِثْلَ حَجْمِهِ وَوَزْنُهُ اَقَلَّ مِنْ وَزْنِهِ بِقَرِيْبٍ مِّنْ نِّصْفِهِ فَالذَّهَبُ يَبْلُغُ مَبْلَغَ النِّصَابِ بِخِلَافِ الْفِضَّةِ۔ مرقات (ترجمہ۔) ومختصر تشریح۔ چونکہ

اَلفاظِ حدیث میں خود کوئی وضاحت نہیں کہ کن عورتوں کو یہ وعیدِ عذاب سنائی جا رہی ہے اس لیے شارحین علما نے اپنی طرف سے کچھ مطالب بیان کر دئیے ہیں چنانچہ اسی حاشیہ میں دو تاویلیں مذکور ہیں ایک یہ کہ یہ وعید شروع اسلامی دور میں تھی اس وقت عورتوں کو بھی سونے کا زیور پہننا حرام تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا اور عورتوں کو سونے کا زیور پہننا جائز ہوا۔ مگر یہ تاویل قطعًا غلط اور جاہلانہ ہے کسی دور میں بھی مسلمان عورتوں کو سونا پہننا حرام نہ ہوا بلکہ سونا چاندی حضرتِ حوّا کے زمانے سے جائز چلا آ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے موسیٰ علیہ السّلام کے حکم سے فرعونی قبطی عورتوں سے زیور اُدھار لیا تھا اور تمام اسرائیلی مومن عورتیں زیور پہنا کرتی تھیں۔ اسی استعمالی زیور سے بچھڑا بنایا گیا تھا۔ حضرت سارا اور حضرت ہاجرہ بھی زیور پہنا کرتی تھیں بلکہ بندے اور ناک کے سوراخ کا زیور تو ایجاد ہی حضرتِ ہاجرہ کی ہے اسلامی شریعت میں بھی عورتوں پر زیور حرام نہ ہوا۔ لہٰذا یہ تاویل غلط ہے بعض لوگوں نے تاویل یہ بیان کی کہ امیر عورتیں غریبوں کے سامنے سونے کا زیور پہنکر غرور کرتی تھیں اور خود کو غریب مسلمانوں سے اعلیٰ و افضل سمجھتی تھیں جس سے غریب مسلمان عورتوں کو رشک اور غم ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اِس سونے کے زیور سے غرور و تکبّر کی بنا پر منع کیا گیا۔ مگر یہ تاویل غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ مسلمان صحابیہ عورت کو غرور تکبّر نہیں ہو سکتا۔ دوم اس لیے کہ مسلمان صحابیہ عورت کو رشک و غم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ غریبی پر غم اور دنیوی دولت پر رشک حرام ہے صحابیات جو اولیاءُ اللہ سے افضل و اعلیٰ ہیں ایسے حرام کام کا تصوّر بھی نہیں کر سکتیں۔ سوم اس لیے کہ اگر فرضًا رشک و غم ہوتا بھی ہو تو پھر تو ریشم پہننے اور امیرانہ دولت پر بھی رشک ہو سکتا ہے حالانکہ عورتوں کو ریشم پر کوئی وعید نہ سنائی گئی۔ اس لیے یہ تاویل بھی غلط ہے حدیث پاک کا صحیح مطلب و مراد وہی ہے جو مرقات نے فرمایا کہ یہاں اُن مسلمان عورتوں کو وعید سنائی جا رہی ہے جو اپنے اپنے زیور کی زکوٰۃ۔ غفلت سستی یا لاعلمی کی بنا پر ادا نہ کرتی تھیں یا قیامت تک کی دیگر دنیا دار مسائل سے غافل زیور کی حریص مسلمان عورتوں کو یہ فرمان سنایا جا رہا ہے۔ یہاں وہ عورتیں مراد نہیں جو ہر سال باقاعدگی سے مسلسل اپنے زیوروں کی زکوٰۃ دیتی رہتی ہیں صاحبِ

مرقات کے اس معنیٰ پر کسی اشرف صاحب نے اعتراض جڑ دیا کہ اگر یہ بات ہوتی تو صرف سونے کا نام حدیث پاک میں کیوں لیا جاتا جب کہ عورتیں چاندی کا زیور بھی پہنتی ہیں اور چاندی پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کا جواب سمجھاتے ہوئے صاحب مرقات نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا بھاری بھی ہوتا ہے اور اُس کا نصاب بھی تھوڑا ہے۔ چاندی ہلکی بھی ہوتی ہے اور اس کا نصاب بھی بہت زیادہ ساڑھے ستاون یا اٹھاون تولے ہے۔ سونے کا ایک ایک ہار ہی پورے نصاب میں بن جاتا ہے یا ایک ہار اور دو بندے ایک نصاب کے وزن تک پہنچ جاتے ہیں مگر چاندی کے ایک نصاب میں زیوروں کے کئی سیٹ بن جاتے ہیں۔ تو چونکہ یہاں ایک ہار اور دو بندوں کا ذکر ہے اور یہ سونے کے نصاب کو پہنچ سکتے ہیں چاندی کے نصاب تک نہیں اس لیے چاندی کے ایک ہار بلکہ ایک سیٹ پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہو پاتی اور زکوٰۃ پورے نصاب پر ہوتی ہے نہ کہ کم پر اس لیے حدیث پاک میں صرف سونے کا ذکر ہوا نہ کہ چاندی کا نیز یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے چاندی کے زیور کا رواج شروع سے کم رہا بلکہ اب تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے مگر یہ حدیث پاک قیامت تک کے قانون شریعت کے لیے ہے۔ اسماء بنت یزید کی اس حدیث پاک کو مجموعۂ احادیث کی معتبر و مشہور کتاب درایہ نے فَصْلٌ فِیْ زَکٰوۃِ الْحُلِیِّ میں ذکر کیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مقدس۔ زیور کی زکوٰۃ نہ دینے والی عورتوں کے متعلق ہے۔ **چوتھی حدیث پاک**۔ درایہ فَصْلٌ فِیْ زَکٰوۃِ الْحُلِیِّ ص۱۲۱ پر ہے وَاَخْرَجَہُ الدَّارُ قُطْنِیْ مِنْ طَرِیْقِ الْحَجَّاجِ ابْنِ اَرْطَاۃَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ وَمِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ۔ وَاَنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ اِلٰی خَازِنِہٖ سَالِمٍ اَنْ یُّخْرِجَ زَکٰوۃَ حُلِیِّ بَنَاتِہٖ کُلَّ سَنَۃٍ۔ ترجمہ۔ عبد اللہ بن عمر اپنے خازن سالم کو لکھا کرتے تھے کہ میری بیٹوں کے زیور کی زکوٰۃ ہر سال میرے جمع شدہ مال سے نکال دیا کرو۔ **پانچویں حدیث مقدسہ**۔ درایہ ص۱۲۱ پر ہے اِن سابقہ چار احادیث میں محدثین کے نزدیک کوئی ضعف نہیں۔ صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ہی کافی ہے۔ لیکن اِتمامِ حجت اور وضاحت

ما بعد کے لیے ہم وہ احادیث بھی یہاں نقل کر دیتے ہیں جو امام اعظم کو صحیح سند سے ملیں لیکن زمانے کے گزرتے کے ساتھ ساتھ ان کی سند میں ضعیف راوی بھی شامل ہوتے گئے اور سند دراز ہو کر بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی۔ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِطَوْقٍ فِیْہِ سَبْعُوْنَ مِثْقَالاً مِنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خُذْ مِنْہُ الْفَرِیْضَۃَ فَاَخَذَ مِثْقَالاً وَثَلاَثَۃَ اَرْبَاعِ مِثْقَالٍ۔ ترجمہ۔ فاطمہ بنت قیس روایت فرماتی ہیں کہ میں اپنا ایک سونے کا ہار (طوق)، لے کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں گئی اُس طوق میں ستر ۷۰ مثقال سونا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا فریضہ یعنی زکوٰۃ وصول فرمالیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی ایک مثقال پورا اور تین چوتھائی مثقال زکوٰۃ نکالی۔ یعنی پونے دو مثقال۔ درایہ نے فرمایا کہ اِس روایت کو دارقطنی نے جس سند سے روایت کیا اُس میں ایک ابو بکر ھذلی راوی ہیں وَھُوَ ضَعِیْفٌ۔ اور وہ ضعیف ہیں اور دوسرے راوی نصر بن مزاحم ہیں وَھُوَ اَضْعَفُ مِنْہُ۔ وہ اُن سے بھی زیادہ ضعیف راوی ہیں۔ یعنی یہ دونوں ضعیف و اضعف دارقطنی کی سند میں اُن کے زمانے میں شامل تھے۔ مگر جس وقت یہ ہی حدیث پاک امام اعظم نے سنی تھی اُس وقت یہ دونوں پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ چھٹی حدیث پاک۔ اَخْرَجَہُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِیْ تَرْجَمَۃِ شَیْبَانَ بْنِ زَکَرِیَّا مِنْ تَارِیْخِہٖ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اِنَّ لِامْرَأَتِیْ حُلِیًّا مِنْ ذَھَبٍ عِشْرِیْنَ مِثْقَالاً قَالَ فَاَدِّ زَکٰوۃَ نِصْفَ مِثْقَالٍ۔ ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بے شک میری بیوی کے پاس ۲۰ مثقال سونے کا زیور ہے ارشاد فرمایا کہ آدھا مثقال اِس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ درایہ نے فرمایا کہ اِس کی اسناد بھی بہت ضعیف ہے یعنی راویوں میں کوئی راوی کمزور حافظے والا ہے یادداشت کی کمزوری سند کو ضعیف بنا دیتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تمام سنداً ضعیف حدیثیں متناً اور معناً بالکل صحیح ہیں۔ متناً اس لیے کہ پہلی چار صحیح احادیث کے متشابہ

ومطابق ہیں اور معناً اس لیے کہ قرآن مجید کی آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ کے مطابق ہے۔ اگر زکوٰۃ حلیہ کے وجوب کی یہ احادیث ضعیف ہیں تو عدم وجوب میں ائمہ ثلاثہ کا تدبر و تفکر بھی سخت ضعیف ہے اُن ائمہ ثلاثہ نے نہ قرآن مجید میں غور فرمایا نہ قیاس میں نہ اپنے مُقتدا امام اعظم کے مسلک میں۔

ساتویں حدیث پاک۔ سابقہ چھ احادیث مقدسہ میں آقاءِ کائنات حضور اقدس نبی مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خود اپنے فرامین وارشادات مذکور ہیں اگلی احادیث میں صحابہ کرام کے اقوال پاک درج ہیں کہ صحابہ نے فرمایا عورتوں کے استعمالی ملکیتی زیوروں پر زکوٰۃ ہے چنانچہ درایہ ص۲۳ وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِی الْحُلِیِّ زَکوٰۃٌ اَخْرَجَہٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَمِنْ طَرِیْقِہِ الطَّبْرَانِیْ مَوْقُوْفًا۔ آٹھویں حدیث مبارکہ۔ وَرَوٰی اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اِبْنِ شَدَّادٍ وَعَطَاءٍ وَطَاؤُسٍ وَاِبْرَاھِیْمَ وَسَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ قَالُوْا فِی الْحُلِیِّ زَکوٰۃٌ زَادَ اِبْنُ شَدَّادٍ حَتّٰی الْخَاتَمِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَطَاءٍ مِنَ السُّنَّۃِ اَنَّ فِی الْحُلِیِّ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ الزَّکوٰۃُ۔ ترجمہ۔ حدیث ۷ و ۸ کا عبد اللہ ابن مسعود۔ اور ابن ابی شیبہ۔ اور عبد اللہ بن شداد اور امام عطا۔ اور امام طاؤس وا براہیم تابعی وسعید ابن جُبیر صحابی پاک ان سب مشائخ کرام نے فرمایا کہ سونے چاندی کے زیور میں زکوٰۃ فرض ہے۔ عطاء کی روایت میں مزید وضاحت ہے کہ عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ میں انگوٹھی بھی سونے اور چاندی کی شامل ہوئی ان دونوں حدیثوں کو کسی نے ضعیف نہ کہا۔

نویں حدیث مبارک۔ درایہ ص۲۳ پر ہے۔ اِنَّ عُمَرَ کَتَبَ اِلٰی اَبِیْ مُوْسٰی مُرْ مِنْ قِبَلِکَ عَنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ تُزَکِّیْنَ حُلِیَّھُنَّ۔ ترجمہ۔ فاروق اعظم رض نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ اپنی جانب سے تمام عاقلہ بالغہ مسلمان عورتوں کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنے اپنے زیور کی زکوٰۃ نکالیں۔ بعض کتابوں میں آخری الفاظ اس طرح ہیں۔ اَنْ یُزَکِّیَ ھُنَّ حُلِیَّھُنَّ۔ یعنی ابوموسیٰ زکوٰۃ وصول کریں ان عورتوں سے اُن کے زیوروں کی۔ اس روایت کے متعلق درایہ نے لکھا۔ وَاَخْرَجَ بِاِسْنَادٍ ضَعِیْفٍ۔ یعنی فاروق اعظم والی اس حدیث کو صاحب

کتاب نے ضعیف اِسناد سے حاصل کیا ہے۔ یعنی محدث کو یہ جن لوگوں سے سنی سنائی ملی اُن میں کوئی ایک راوی کمزور حافظے والا بھی تھا جس کی وجہ اس محدث کو ضعیف ہو کر ملی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ مگر پہلے پانچ چھ صحابہ کے فرمودات اِس زکوٰۃِ حِلْیَہ کے بارے میں بالکل صحیح و درست ملے۔ تیسرا قول۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امام اعظم کے نزدیک عورتوں کے ملکیتی استعمالی گھریلو زیور پر بھی مکمل نصاب پر اتنی ہی زکوٰۃ فرض ہے جتنی تجارتی سونے چاندی پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر مدلل کتاب ھدایہ شریف جلد اوّل کتابُ الزکوٰۃ فصل فِی الذَّھَب صفحہ ۱۵۴ پر ہے۔ قَالَ وَفِیْ تِبْرِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَحُلِیِّھِمَا وَاَوَانِیْھِمَا الزَّکوٰۃُ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَا تَجِبُ فِیْ حُلِیِّ النِّسَاءِ وَخَاتَمِ الْفِضَّۃِ لِلرِّجَالِ۔ اور بین السطور لکھا ہے کہ بِہٖ قَالَ اَحْمَدُ وَمَالِکٌ۔ ترجمہ۔ فرمایا مصنّف متن نے کہ سونے چاندی کے ٹکڑوں یعنی بغیر بنے ہوئے زیوروں۔ اور عورتوں کے ملکیتی استعمالی زیوروں اور سونے چاندی کے بنے ہوئے برتنوں میں زکوٰۃ فرض ہے اور امام شافعی امام احمد اور امام مالک تینوں ائمہ نے فرمایا کہ عورتوں کے ملکیتی استعمالی زیور پر اور مردوں کی ملکیتی استعمالی چاندی کی انگوٹھی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کتابُ الفقہ علی مذاھبِ الْاَرْبَعَۃِ جلد اوّل صفحہ ۶۰۱ پر کتابُ الزکوٰۃ فصل زکوٰۃُ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ میں ہے۔ اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوْا اَلْحُلِیُّ الْمُبَاحُ کَالسِّوَارِ لِلْمَرْاَۃِ وَقَبْضَۃُ السَّیْفِ الْمُعَدِّ لِلْجِہَادِ وَالسِّنِّ وَالْاَنْفِ لِلرَّجُلِ لَا زَکوٰۃَ فِیْہِ۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا اَلزَّکوٰۃُ وَاجِبَۃٌ فِی الْحُلِیِّ سَوَاءٌ کَانَ لِلرَّجُلِ اَوْ لِلنِّسَاءِ۔ اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوْا لَا زَکوٰۃَ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الْمُعَدِّ لِلْاِسْتِعْمَالِ اَوِ الْاِعَارَۃِ وَ۔ اَلشَّافِعِیَّۃُ۔ قَالُوْا لَا تَجِبُ الزَّکوٰۃُ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الَّذِیْ حَالَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ۔ اسی طرح امام عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب المیزانُ الکبریٰ جلد دوم باب زکوٰۃ الذہب والفضۃ کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ فِیْ اَصَحِّ الْقَوْلَیْنِ وَاَحْمَدَ اَنَّہٗ لَا تَجِبُ الزَّکوٰۃُ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ الْمَصُوْغِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ اِذَا کَانَ مِمَّا یُلْبَسُ وَیُعَارُ۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَمَالِکٍ

فِی اَشْهَرِ الرِّوَایَتَیْنِ اَنَّهُ لَوْ کَانَ لِرَجُلٍ حُلِیٌّ مُعَدٌّ لِلْاِجَارَةِ لِلنِّسَاءِ فَلَا زَکوٰةَ فِیْهِ ۔ اور اس طرح امام ابو عبد اللہ دمشقی اپنی کتاب رحمۃ الامۃ جلد اوّل باب زکوٰۃ الذھب والفضۃ فصل الحلی ص۱۰۳ و ص۱۰۴ پر لکھتے ہیں۔ اَلْحُلِیُّ الْمُبَاحُ الْمَصُوْغُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ اِذَا کَانَ مِمَّا یُلْبَسُ وَیُعَارُ قَالَ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ لَا زَکوٰةَ فِیْهِ وَلِلشَّافِعِیِّ قَوْلَانِ اَصَحُّهُمَا عَدَمُ الْوُجُوْبِ وَلَوْ کَانَ لِرَجُلٍ مُعَدٌّ لِلْاِجَارَةِ لِلنِّسَاءِ فَالرَّاجِحُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِیِّ اَنَّهُ لَا زَکوٰةَ فِیْهِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ مِنْ مَالِكٍ۔ ترجمہ۔ تینوں عبارتوں کا اس طرح ہے کہ ہر وہ زیور جو استعمال کے لیے بنوایا جائے خواہ عورت بنوائے پہننے کے لیے یا مرد مسلمان بنوائے عورتوں کو کرائے پر دینے کیلئے امام مالک شافعی احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نزدیک اس سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض نہیں اگرچہ سالوں گزر جائیں اور ڈھیروں زیور بنوالیا جائے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ہر سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے خواہ تجارتی ہو یا استعمالی جب نصاب تک یا اُس سے زیادہ ہو جائے۔ امام اعظم نے اپنے اس مذہب اعظم و اعلیٰ کو گیارہ دلائل سے ثابت فرمایا جن میں سے دس دلائل ہم نے اوپر بیان کر دئے یعنی ایک آیت قرآن مجید اور نو احادیث مبارکہ یہ دلائل منقولہ فقہیہ ہیں۔ امام اعظم کی گیارھویں دلیل عقلیہ واصولیہ ہے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل ص۱۶۸ پر ہے وَلَنَا اَنَّ السَّبَبَ مَالٌ نَامٍ وَدَلِیْلُ النَّمَاءِ مَوْجُوْدٌ وَهُوَ الْاِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ خِلْقَةً وَالدَّلِیْلُ هُوَ الْمُعْتَبَرُ ۔ ترجمہ۔ مسلک حنفی کی دلیل یہ ہے کہ سونا چاندی پیدائشی طور پر ازل سے ہر دور ہر زمانے ہر حکومت ہر ملک میں عالمی سطح پر تجارتی اور خرید و فروخت والا مال ہے بلکہ ہر شخص سونے چاندی کو کرنسی اور قیمت ہی سمجھتا ہے اس لیے یہ مال نامی ہے یعنی بڑھنے والا بخلاف دنیا کے دوسرے مال و سامان کے کہ وہ جامد ہوتے ہیں اُن کو صرف بذریعہ تجارت بڑھایا جاتا ہے۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار کے ص۲۳۴ پر ہے۔ فَالْوَصْفُ اللَّازِمُ اَنْ لَا یَنْفَكَّ عَنِ الْاَصْلِ کَالثَّمَنِیَّةِ عِلَّةٌ لِوُجُوْبِ

اَلزَّکوٰۃُ فِی الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ لَا یَنْفَکُّ عَنْھُمَا لِاَنَّھُمَا خُلِقَا فِی الْاَصْلِ
عَلٰی مَعْنَی الثَّمَنِیَّۃِ وَھِیَ مُشْتَرَکَۃٌ بَیْنَ مَضْرُوْبِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ
وَتِبْرِ ھِمَا وَحُلِیِّھِمَا فَیَکُوْنُ فِیْ حُلِیِّ النِّسَاءِ اَلزَّکوٰۃُ لِعِلَّۃِ الثَّمَنِیَّۃِ۔ ترجمہ۔
قیاس کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وصفیت مشترک ہو یعنی مقیس علیہ مقیس (جس کو اصل
و فرع کہتے ہیں) میں وصف ایک ہو۔ وصف دو قسم کا ہے ۱۔ وصف اصلی یعنی دائمی ۲۔ وصف
عارضی یعنی وقتی ختم ہو جانے والا۔ وصفِ اصلی وہ ہے جو کسی وقت کبھی بھی اُس چیز موصوفہ
سے جُدا نہ ہو سکے۔ جیسے ثمنیۃ (یعنی چیزوں کی سامان کی قیمت بننا) علت ہے زکوٰۃ
کے واجب ہونے کیلئے سونے چاندی میں۔ یہ علت اصلی ہے کبھی بھی سونے چاندی سے
جدا نہیں ہوتی سونا چاندی خواہ مضروب یعنی دینار بنا ہو یا اُن کے ٹکڑے ہوں بغیر
صاف کئے ہوئے کان سے نکلے ہوئے یا صاف کئے ہوئے۔ یا اِن دونوں سونے
چاندی کا زیور بنا ہوا استعمالی عورت کا یا کرائے کے لیے ہو مرد کا بہر حال ہر سال
اُس پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ ثمنیۃ بہر حال موجود ہے تا قیامت۔ یہ قانونِ کلیہ تمام
فقہا و ائمۂ ثلاثہ کا بھی مسلّمہ متفق علیہ ہے۔ امام شافعی اِسی وصفِ اصلی کی بنا پر حرمت
سود کی علت اسی ثمنیۃ کو بناتے ہیں چنانچہ نور الانوار میں اسی جگہ صـ۲۲۴ پر آگے
لکھا ہے۔ وَالشَّافِعِیُّ یُعَلِّلُ حُرْمَۃَ الرِّبٰوا بِھَا۔ ترجمہ امام شافعی اسی ثمنیہ دائمی
کی وجہ سے سونے چاندی میں سود کو حرام کہتے ہیں۔ گویا کہ یہ قانون مسلّم ہے۔ مگر زیور
کی زکوٰۃ میں اس قانون کو بھول گئے یا غلطی کھا گئے۔ اسی طرح توضیح تلویح جلد دوم
بحث القیاس صـ۵۵ پر ہے۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ یَجُوْزُ فَاِنَّہٗ جَعَلَ عِلَّۃَ الرِّبٰوا
فِی الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ اَلثَّمَنِیَّۃَ۔ ترجمہ امام شافعی کو یہ تسلیم ہے کہ سونے
چاندی کی علت اُن کا پیدائشی اور دائمی ثمن ہونا ہے اسی کو علت بنا کر انہوں نے
سونے چاندی میں سود کو حرام کہا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ قانون سب کو مسلّم
مگر زکوٰۃ حلیہ کا انکار کر دیا گیا۔ **فصل دوم**۔ اِس انکار پر اُن کے دلائل حسبِ ذیل
ہیں ائمۂ ثلاثہ کی پہلی دلیل استعمالی زیور مثل استعمالی کپڑوں کے ہے تو جیسے استعمالی
کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپیوں، درھموں۔ دیناروں کے ہوں تو اسی وجہ سے
زیور پر بھی نہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل صـ۱۵۴ پر ان کی یہ دلیل اِن الفاظ

میں لکھی ہے۔ لِاَنَّهٗ مُبْتَذَلٌ فِیْ مُبَاحٍ فَشَابَهُ ثِيَابَ الْبِذْلَةِ. ترجمہ۔ عورتوں کے زیور میں اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ استعمال ہوتا ہے تجارت کے لیے نہیں۔ اس لیے عورتوں کے زیور اُن کے استعمالی کپڑوں کے مشابہ ہو گئے۔ تو جب کپڑوں پر زکوٰۃ فرض نہیں سونے کے زیور پر بھی نہیں۔ جواب۔ یہ قیاس چار وجہ سے غلط اور انتہائی کمزور ہے پہلی وجہ کپڑوں پر قیاس کرنا مَعَ الْفَارِقِ ہے کیونکہ دونوں میں علتِ مذکورہ یکساں نہیں۔ اس لیے کہ لباس کا بذل ہونا یعنی پہنکر استعمال کرنا اُس کا اصل مقصد ہے زیور کا اصل اور پیدائشی مقصد استعمال نہیں کپڑا جب لباس بن گیا تو اب کچھ اور نہیں بن سکتا نہ کسی اور طریقے سے استعمال ہو سکے یہ بات سونے چاندی کے زیور میں نہیں۔ وہ ٹوٹ کر بھی اتنا ہی قیمتی ہے جتنا بنا ہوا اور توڑ کر بہت کچھ دوبارہ بنایا جا سکتا ہے۔ دوم وجہ۔ سونا چاندی ثمن ہے۔ کپڑے ثمن نہیں۔ تیسری وجہ۔ کپڑے سامان ہیں دولت نہیں۔ سونا چاندی کسی بھی شکل میں سامان نہیں۔ دولت ہے۔ شرعاً بھی رواجاً بھی اور دنیوی قانون میں چوتھی وجہ کپڑے مالِ نامی نہیں مگر سونا چاندی ہر حال ہر زمانے میں ہر ملک ہر رواج میں مالِ نامی ہے۔ اور اصل علّت نامی ہونا ہی ہے جیسا کہ تلویح جلد دوم صـ۵۵۳ پر ہے۔ فَالْعِلَّةُ فِی الْحَقِیْقَةِ النَّمَاءُ لَا الثَّمَنِیَّةُ ترجمہ۔ سونے چاندی میں حقیقی علت نامی یعنی بڑھنے والا ہونا ہے نہ کہ ثمنیت ثمن ہونا فقط ذریعہ ہے نامی ہونے کا۔ ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل۔ مؤطا امام مالک جلد اوّل صـ۱۷۵ پر کتاب الزکوٰۃ میں ہے مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَاسِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَلِیْ بَنَاتِ اَخِيْهَا يَتَامٰى فِیْ حَجْرِهَا لَهُنَّ الْحُلِیُّ فَلَا تُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكوٰةَ. ترجمہ۔ عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا والی وارث بن کر پرورش کرتی تھیں اپنی یتیم بھتیجیوں کی۔ ان بھتیجیوں کا زیور تھا مگر عائشہ صدیقہ اُس کی زکوٰۃ نہ دیتی تھیں۔ جواب یہ روایت ائمہ ثلاثہ کی اس مسئلے پر دلیل ہے کہ کسی بھی مسلمان عاقلہ بالغہ عورت پر اُس کے زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں، میں حیران ہوں کہ ائمہ ثلاثہ نے اپنے مسلک پر اتنی کمزور دلیل پیش کی ہے کہ یہ دلیل تین طرح کمزور ہے (۱) یتیم بچی نابالغہ ہوتی ہے اور کسی بھی

نابالغ بچے یا بچی کی کسی بھی چیز پر بلکہ نابالغوں پر کوئی بھی شرعی حکم فرض یا واجب نہیں نہ زکوٰۃ نہ نماز نہ روزہ وغیرہ ۲ یہ روایت ایک صحابیہ کے ایک واقعے کی خبر ہے نہ کہ حکم شرعی۔ اور واقعات کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں نامعلوم کیا وجہ تھی کہ آپ زکوٰۃ نہ دیتی تھیں سب سے بڑی وجہ تو یہ ہی نابالغی ہے۔ ہاں اگر اُم المومنین منع فرماتیں کہ کوئی عورت کسی عمر میں بھی اپنے زیور کی زکوٰۃ نہ دیا کرے یا اپنا ذکر فرماتیں کہ ہم بھی اپنے زیور کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتیں تب یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی دلیل بن سکتی تھی ۳ کسی بھی فقیہ نے اس روایت سے یہ مذکورہ بالا استدلال نہ کیا۔ ثابت ہوا کہ امام مالک وغیرہ کی یہ دوسری دلیل بھی حجتِ ناقابلِ قبول ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی تیسری دلیل اسی مؤطا مالک کے اسی صفحہ پر ہے۔ مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَلِّيْ بَنَاتَهٗ وَجَوَارِيَهٗ الذَّهَبَ ثُمَّ لَا يُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكوٰةَ۔ ترجمہ۔ بے شک عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹیوں اور اپنی لونڈیوں کے لیے زیور بنایا کرتے تھے سونے کا پھر کبھی اُن کے زیور کی زکوٰۃ نہ نکالتے تھے۔

جواب۔ یہ دلیل بھی چار وجہ سے کمزور ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ ابھی ہم نے امام اعظم کے دلائل میں چوتھی حدیث بیان کی کہ یہی عبد اللہ ابن عمر اپنے خزانچی سالم کو لکھتے تھے کہ میری بیٹیوں کے زیور کی زکوٰۃ تم خود ہر سال نکالدیا کرو۔ لہٰذا آپ عبد اللہ بن عمر کو نکالنے کی ضرورت نہ تھی دوسری وجہ کہ یہ بھی صرف ایک صحابی کے عملی واقعے کی خبر ہے کوئی شرعی حکم نہیں۔ یعنی عبد اللہ بن عمر وجوب زکوٰۃ کا انکار نہیں کر رہے دلیل تو حکم بتانے سے بنتی ہے۔ نہ کہ فقط واقعہ بتانے سے۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بیٹیاں نابالغہ ہوں۔ اور چوتھی وجہ یہ کہ۔ عبد اللہ بن عمر بحیثیت والد زیور بنا کر دیتے تھے۔ جو بیٹیوں کی ذاتی ملکیت ہوتا تھا۔ زکوٰۃ نکالنے کی ذمہ دار خود ان پر ہوتی ہے اور یقیناً بزمانہ بلوغت اور بوقت قبضہ وہ تاعمر ہر سال نکالتی رہتی ہوں گی۔ ائمہ ثلاثہ کو چاہیئے تھا کہ ایسی روایت دکھاتے کہ جس سے ثابت ہوتا کہ بالغہ مسلمان اور صحابی عورت نے اپنے استعمالی زیور کی زکوٰۃ نہ نکالی یا صاف الفاظ میں کسی صحابیہ نے وجوب زکوٰۃ کا انکار کیا

چوتھی وجہ خیال رہے کہ نابالغہ اور یتیم عورت اور وہ عورت جس کا زیور اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ اُس کی والدہ یا والد نے بیٹی کو دینے کے دینے زیور بنایا مگر دیا نہیں ایسے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں نہ والد۔ والدہ پر نہ بیٹی پر۔ والدہ والد پر اس لیے نہیں کہ وہ مالک نہیں صرف امین رہ گئے۔ بیٹی پر اس لیے نہیں کہ اس کا قبضہ نہیں وہ استعمال تو درکنار اپنے پاس رکھ نہیں سکتی پہن نہیں سکتی بلکہ بعض والدین دیکھنے بھی نہیں دیتے ہو سکتا ہے یہی کچھ یہاں ہو۔ بہر حال یہ دلیل بھی کمزور رہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی چوتھی دلیل۔ درایہ صہ ۴۲ فصل۔ قَالَ الْاَثْرَمُ قَالَ احمدُ خَمْسَۃٌ مِّنَ الصَّحَابَۃِ کَانُوْا لَا یُؤَدُّوْنَ فِی الْحُلِیِّ زَکوٰۃً۔ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَۃُ وَاَنَسٌ وَجَابِرٌ وَاَسْمَاءُ۔ فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَھُوَ عِنْدَ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْہُ وَاَمَّا عَائِشَۃُ فَعِنْدَہٗ اَیْضًا وَھُمَا صَحِیْحَانِ وَاَمَّا اَنَسٌ فَاَخْرَجَہُ الدَّارَقُطْنِیُّ مِنْ طَرِیْقِ عَلِیِّ بْنِ سُلَیْمَانَ سَاَلْتُ اَنَسًا عَنِ الْحُلِیِّ فَقَالَ لَیْسَ فِیْہِ زَکوٰۃٌ۔ وَاَمَّا جَابِرٌ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ سَمِعْتُ رَجُلًا سَاَلَ جَابِرًا عَنِ الْحُلِیِّ اَفِیْہِ زَکوٰۃٌ فَقَالَ لَا۔ قَالَ الْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَۃِ فَاَمَّا مَا یُرْوٰی عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا لَیْسَ فِی الْحُلِیِّ زَکوٰۃٌ۔ فَبَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَہٗ وَاِنَّمَا یُرْوٰی عَنْ جَابِرٍ مِنْ قَوْلِہٖ۔ وَاَمَّا اَسْمَاءُ فَرَوَی الدَّارَقُطْنِیُّ مِنْ طَرِیْقِ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّھَا کَانَتْ تُحَلِّیْ بَنَاتِھَا الذَّھَبَ وَلَا تُزَکِّیْ۔ ترجمہ۔ امام اثرم نے فرمایا کہ امام احمد کا فرمان ہے صحابہ میں سے پانچ صحابی زیور کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے ۱ ابن عمرؓ ۲ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ ۳ انس ۴ جابر ۵ اسماء۔ پس لیکن ابن عمرؓ تو وہ روایت امام مالک کے نزدیک امام نافع سے ہے جو انہوں نے ابن عمرؓ سے کی اور لیکن عائشہ صدیقہ تو یہ بھی امام مالک نے ہی روایت کی ہے اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ اور انس کی روایت اُس کو تخریج کیا ہے دار قطنی نے علی بن سلیمان کی سند سے ابن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت انسؓ سے

زیور کے بارے میں تو آپ نے فرمایا کہ اُس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور لیکن جابر والی روایت کو بیان کیا امام شافعی نے سفیان سے سن کر اور سفیان نے روایت کیا عمرو ابن شعیب سے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ بات ایک مرد سے سنی اُس نے بتایا کہ پوچھا جابر سے زیور کے بارے میں کہ کیا اس میں زکوٰۃ ہے۔ جابر نے فرمایا نہیں امام بیہقی نے فرمایا اپنی کتاب المعرفۃ میں کہ لیکن وہ روایت جو روایت کی گئی ہے جابر سے مرفوعاً کہ نہیں ہے زیور میں زکوٰۃ پس وہ روایت بالکل باطل ہے اُس کی کوئی اصل نہیں ہے کہا تو گیا ہے کہ عن جابر لیکن حقیقت وہ اس مرد کی اپنی جھوٹی بات ہے۔ اور لیکن اسماء والی روایت تو اُس کو دارقطنی نے ہشام بن عروہ کے طریقے سے روایت کیا۔ فاطمہ بنت منذر سے روایت لی انہوں نے اسماء بنت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ بے شک وہ اپنی بیٹیوں کا زیور بناتی تھیں اور زکوٰۃ انہوں نے نہ نکالی۔

جواب۔ یہ تھے ائمۂ ثلاثہ کے دلائل کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے صرف پانچ صحابہ وصحابیات کی روایات انہیں مل سکیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی ایک میں بھی صاحبِ شریعت آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مقدس شامل نہیں۔ نیز ان پانچ صحابہ میں بھی تین صحابہ کا محض ذاتی عمل کہ انہوں اپنی بیٹیوں کی زیور والی زکوٰۃ نہ نکالی۔ حالانکہ کسی کی زکوٰۃ نہ نکالنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں اس لیے نہ نکالنے سے ان کے مسلک یا شرعی حکم کا پتہ نہیں لگ سکتا مسلک کا پتہ لگتا ہے خود اپنی زکوٰۃ نہ نکالنے سے اس چوتھی دلیل میں پانچ صحابہ کا ذکر کیا گیا۔ ذکر کرنے والے احمد بن حنبل اور حدیث کو روایت کرنے والے امام مالک وشافعی اس سے بھی ان تینوں ائمہ کے مسلک ومذہب کا پتہ لگا کہ وہ زیور کی زکوٰۃ کے قائل نہیں۔ ان مذکورہ پانچ صحابہ میں عبداللہ بن عمر رضی عائشہ صدیقہ۔ اور اُن کی چھوٹی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان روایتوں کو دلیل بنانا سخت کمزور ہے چار وجوہ سے ۱۔ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ امانت داری ہے وہ خود دیتی ہوں گی۔ امین کو جائز نہیں کہ بغیر اجازتِ مالک کسی امانت دار کی زکوٰۃ نکالتا رہے یہ ذمہ داری مالک کی ہے ۲۔ ہو سکتا ہے وہ زیور نصاب سے کم ہو۔ ۳۔ اُمّ المومنین کی بھتیجیوں کی روایت میں

یتیمی کا لفظ آیا ہے جیسے کہ ہم نے ابھی پہلے ان کی دوسری دلیل میں یہ پوری عربی روایت نقل کر دی اور لفظ یتیمی دال ہے نابالغی پر اور نابالغہ پر زکوٰۃ واقعی فرض نہیں ہے ۔ ۲۔ عبد اللہ بن عمرؓ کے بیٹوں کی زکوٰۃ نہ نکالنے کی وجہ ہم نے چوتھی حنفی دلیل میں پہلے ایک روایت دَرَایہ ہی سے نقل کی ہے کہ آپ اپنے خازن حضرت سالم کو لکھا کرتے تھے کہ میری بیٹیوں کی طرف سے اُن کے زیوروں کی زکوٰۃ نکالدیا کرو۔ اس روایت میں خود اُن کے نہ نکالنے کا ذکر ہے تو وجہ ظاہر ہے ڈبل تو نکالنا نہیں ہے اب رہ گئیں دو روایتیں پہلی یہ کہ علی بن سلیمان نے انسؓ سے پوچھا زیور کے بارے تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے ۔ اِس روایت سے استدلال بھی کمزور ہے ۔ اس وجہ سے کہ حضرت انس اپنا ذاتی قول بتا رہے ہیں ۔ اس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کرتے یعنی یہ نہیں فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور انسؓ نہ فقیہ ہیں نہ مجتہد ۔ فقہاءِ صحابہ میں صرف دس مشہور صحابہ کے نام آتے ہیں ۱۔ عبد اللہ ابن عمر ۲۔ عبد اللہ ابن مسعود ۳۔ عبد اللہ ابن عباس ۴۔ تا ۷۔ چاروں خُلفاءِ راشدین ۸۔ معاذ بن جبل ۹۔ ابو موسیٰ اشعری ۱۰۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور جابرؓ والی روایت کو امام بیہقی نے باطل کہتے ہوئے فرمایا کہ لَا اَصْلَ لَہٗ اس کی کوئی اصل وثبوت ہی نہیں غرضیکہ ان پانچ روایتوں میں سے صرف ایک روایت ہی ایسی ہے جس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے مگر وہ بھی صحابی کا قول ہے ۔ اس میں بھی یہ کمزوری ہے ۔ ائمہ ثلاثہ کی پانچویں دلیل ۔ تفسیر نیشاپوری پارہ دسواں صفحہ ۷۶ پر ہے ۔ وَمَنْ لَمْ یُوْجِبِ الزَّکوٰۃَ فِیْہِ خَصَّصَ عُمُوْمَ الْاٰیَۃِ بِمَا رُوِیَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا زَکوٰۃَ فِی الْحُلِیِّ الْمُبَاحِ ۔ وَلَمْ یُصَحِّحْہُ اَبُوْ عِیْسَی التِّرْمِذِیُّ ۔ ترجمہ ۔ اور جو شخص زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں مانتا وہ اس آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ (الخ) کے عموم کو خاص سمجھتا ہے یعنی ہر قسم کا کنز مراد لیتا ہے اُس روایت کی وجہ سے جو روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ استعمالی زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے ۔ لیکن امام ابو عیسٰی ترمذی نے اس روایت کو سرے سے غلط قرار دیا ہے ۔ جواب یہ روایت سوائے اس تفسیر کے اور کسی بھی کتاب میں مجھ کو تلاشِ بسیار کے باوجود نہ ملی علامہ نظام الدین قمی مالکی اس تفسیر کے مصنف

نامعلوم یہ روایت کہاں سے بنا لائے اور خود ہی فرماتے ہیں امام ترمذی نے اس روایت کو غلط کہا ہے ہم نے ساری ترمذی دیکھ ڈالی نہ یہ روایت نظر آئی نہ یہ تردید ترمذی شریف کتاب الزکوٰۃ باب ۲۹ مَاجَاءَ فِیْ زَکوٰۃِ الْحُلِیِّ ص ۲۰۱ پر تین حدیثیں نقل فرمائیں پہلی حدیث پاک ۶۱۴ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَاَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنْ اَعْمَشْ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ حَارِثِ بْنِ مُصْطَلِقٍ عَنْ اِبْنِ اَخِیْ زَیْنَبَ اِمْرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْمِنْ حُلِیِّکُنَّ فَاِنَّکُنَّ اَکْثَرُ اَهْلِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اسی حدیث پاک کو ایک اور سند سے روایت فرمایا۔ محمود بن غیلان۔ ابو داؤد عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَعْمَشْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاوَائِلٍ یُحَدِّثُ (الخ) عَنْ زَیْنَبَ اِمْرَاَةِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ۔ وَهٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ مُعَاوِیَةَ وَاَبُوْمُعَاوِیَةَ وُهِمَ فِیْ حَدِیْثِهٖ (الخ)

دوسری حدیث شریف۔ وَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَمْرِوابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ رَاٰی فِی الْحُلِیِّ زَکوٰةً وَفِیْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ۔

تیسری حدیث شریف۔ ہم نے پہلے احناف کی دوسری دلیل میں ذکر کیا کہ دو عورتوں کو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے ان کنگنوں کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ جب انہوں نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ نے جہنم کی وعید سنائی اور فرمایا زکوٰۃ دیا کرو۔ اس کو ترمذی نے یہاں ہی نقل کیا ہے اور آخر میں ترمذی نے اس حدیث پاک کو ابن لہیعۃ راوی کی وجہ سے ضعیف بنا ڈالا۔ اور پھر ترمذی نے کہا کہ اس زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ترمذی کی اس لغزش کا ہم نے اسی جگہ جواب دیدیا کہ یہ ترمذی صاحب علیہ الرحمۃ کی ناواقفی ہے جس سے حقیقت و اصلیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اوپر کی دونوں حدیثوں کا ترجمہ۔ ابو معاویہ سے روایت ہے وہ اعمش سے وہ وائل سے وہ عمرو بن حارث سے وہ عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب رض کے بھتیجے سے کہ خطبہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بہت

سی عورتوں کو کہ اے عورتوں کے گروہ تم ضرور ضرور اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالا کرو۔ اگرچہ تمہارے زیوروں کی ہو کیونکہ قیامت کے دن تم عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گے۔ ترمذی نے اسی حدیث پاک کی دوسری سند محمود بن غیلان۔ ابو داؤد شعبہ۔ اعمش ابو وائل جیسے معتبر ثقہ راویوں سے روایت کیا۔ ترمذی نے فرمایا یہ محمد بن غیلان کی سند والی حدیث پہلی ابو معاویہ کی سند والی حدیث پاک سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ ابو معاویہ نے اپنی سند میں فقط اتنی سی غلطی کر دی یا کر دیگئی کہ لکھدیا عَنِ ابْنِ حَارِثٍ عَنْ اِبْنِ اَخِیْ زَیْنَبَ۔ یہاں عَنْ بڑھایا حالانکہ عمرو بن حارث بن مصطلق ہی خود بھتیجے ہیں۔ یعنی حارث اور زینب بنت مصطلق بھائی بہن ہیں عَمْرو بیٹے ہیں حارث کے لہٰذا بھتیجے ہوئے زینب کے بس یہ غلطی ہو گئی اُن سے عَنْ کہہ کر ابنِ اخی کو الگ راوی بنا دیا۔ اس غلطی سے روایت میں تھوڑا سا سُقم پیدا ہو گیا۔ مگر یہ روایت بھی ضعیف یا غلط نہیں بلکہ صحیح ہے فقط اَصَحّ نہ رہی دوسری حدیث پاک کا ترجمہ۔ عَمَرو بن شعیب راوی وہ اپنے والد شعیب سے راوی وہ اُن کے دادا۔ یعنی اپنے والد سے راوی۔ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ زیور میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اِس کی سند میں کچھ جرح ہے دیکھئے ہے) ترمذی شریف کی اِس پہلی حدیث پاک کو بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ دارمی نے بھی روایت فرمایا اور کسی نے اِس کی صحت پر اعتراض نہ کیا۔ ہم نے اس سے پہلے احناف کے دلائل میں نو احادیث مقدسہ پیش کی ہیں ترمذی شریف کی یہ دو حدیثیں بھی ان میں شامل کر دی جائیں تو گیارہ احادیث پاک ہو کر تیرہ دلائل بن جاتے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰالِكَ۔ ان گیارہ احادیث میں چھ احادیث پر تو کسی محدث کا کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں پڑتا۔ مگر پانچ احادیث میں سے چار کو درایہ نے سنداً ضعیف کہا اور ایک حدیث کو ترمذی نے اور وہ بھی صرف سنداً۔ متنِ حدیث میں کسی کا کوئی اعتراض نہیں۔ اور اصولِ حدیث کے قوانین میں سنداً ضعف ہونا کوئی زیادہ اہم نہیں ہوتا۔ بہت سے مواقع پر ضعیف حدیث صحیح بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک سند سے ضعیف ہو اور دوسری سند سے صحیح ہو۔ جیسا کہ خود ترمذی نے اگلے صفحہ ۲۰۳ پر باب مالِ یتیم کی زکوٰۃ

میں عمرو بن شعیب کی روایت کو ضعیف کہا ہے لیکن اسی حدیث کو عمرو بن شعیب کی دوسری سند سے صحیح کہا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی راوی کسی ایک محدّث کو صحت تندرستی حفظ و عقل کی قوت کی حالت و عمر میں ملتا ہے تو وہ اس کو ثقہ راویوں میں شامل کر دیتا ہے اور وہی راوی دوسرے محدّث کو بڑھاپے میں ملتا ہے جب کہ عقل و حفظ کمزور ہو جاتی ہے تو وہ اس کو ضعیف راویوں میں لکھ دیتا ہے اس وجہ سے ایک ہی راوی کی ایک ہی روایت پہلے محدّث کو صحیح ہو کر ملی اُس نے حدیثِ صحیح کہا۔ دوسرے کو وہی حدیث ضعیف ہو کر ملی اُس نے ضعیف لکھ دیا۔ تو کسی حدیث کو کسی محدّث کا ضعیف کہدینا۔ حقیقی نہیں بنا دیتا حدیث کو ضعیف کہدینا تو اتنی کمزور بات ہے کہ خود ضعیف کہنے والے محدّثین بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث بہت سی صورتوں میں قوی و صحیح ہو جاتی ہے۔ ۱ جب ایک حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہوں اگرچہ سب میں ضُعف ہو یہ کثرتِ سندات اُس کو قوی بنا دے گی ۲ محدثین تو اُس کو ضعیف کہتے ہوں مگر مجتہد امام نے اُس پر عمل کیا ہو۔ مجتہد کا مقام محدّث سے علم و سمجھ میں درجوں بلند ہے ۳ ضعیف حدیث کے مطابق کسی اہلِ علم کا قول مشہور ہو ۴ محدّث کو تو وہ حدیث ضعیف ہو کر ملی ہو مگر صالحین اُس پر عمل کر رہے ہوں ۵ محدّث فرماتا ہو یہ حدیث ضعیف ہے مگر جو بات متنِ حدیث میں لکھی ہو وہ تجربے سے صحیح ثابت ہو چکی ہو ۶ ضعیف حدیث کسی ولیِ کامل صادق کے مکاشفے میں درست ثابت ہو ۷ سنداً اور روایتاً حدیث کو ضعیف کہا گیا ہو مگر درایتاً درست ہو۔ جب ان سات چیزوں میں سے کوئی چیز پائی جائے تو حدیث صحیح اور قوی ہوتی ہے محدّث کے ضعیف کہنے کا اعتبار نہ ہوگا۔ البتہ کسی روایت کو باطل یا لا اصلَ لہٗ یا متروک کہنا۔ روایت کو پھر قوت نہیں دے سکتا۔ خیال رہے کہ ضعیف روایت کی آٹھ قسمیں ہیں ۱ مضطرب ۲ منقطع ۳ معلول ۴ مُبہم ۵ منکر۔ ان پانچ میں اُن سات میں سے کوئی چیز پائی جائے تو وہ روایت قوی ہو کر حدیث صحیح بن جاتی ہے۔ لیکن اگر ساتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو اُن کا نام ۶ متروک ۷ مطعون ۸ مجہول ہوتا ہے ان میں قوت نہیں آتی نہ صحت۔ بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم

کے دلائل والی احادیث منقولہ بالا میں تمام احادیث محدثین کے بعض کو ضعیف کہنے کے باوجود معناً۔ حکماً۔ درایۃً ہر طرح قوی ہیں۔ خیال رہے کہ کوئی حدیث اگر روایۃً ضعیف بھی ہو مگر درایۃً صحیح ثابت ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ درایت میں تقریباً بارہ ۱۲ چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں جب ان میں درستی ہو تو حدیث درست ہے چنانچہ علم اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ۔ اوّلاً متنِ حدیث آیتِ قرآنی کے خلاف نہ ہو بلکہ اُس کا ماحصل قرآنِ مجید سے اشارۃً یا اقتضاءً یا دلالۃً ثابت ہو۔ دوم کسی متواتر حدیث کے خلاف نہ ہو۔ سوم کسی مشہور تاریخی واقعے کے خلاف نہ ہو۔ چہارم مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔ پنجم اجماعِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ششم۔ فطرۃِ انسانی کے خلاف نہ ہو۔ جس پر عمل نہ کیا جا سکے۔ ہفتم مشہور شرعی عقائد کے خلاف نہ ہو۔ ہشتم جو عربی لغت صرف نحو قواعد وضوابط کے خلاف نہ ہو۔ نہم۔ فصاحت و بلاغت کے قوانین کے خلاف عامیانہ تکلم نہ ہو۔ دہم متنِ حدیث میں اضطراب نہ ہو یعنی مختلف سندوں سے مروی ہو مگر ایک جیسا مضمون سب جگہ ہو۔ یازدہم۔ متنِ حدیث کے مضمون میں افراط یا تفریط نہ ہو یعنی کسی حکم میں نہ حد سے زیادہ سختی ہو نہ حد سے زیادہ نرمی۔ دوازدہم متن میں ظواہر و محسوسات کے خلاف کوئی حکم یا واقعہ نہ ہو۔ حنفی دلائل میں جو احادیث پیش کی گئیں ہیں وہ تمام کی تمام درایت کے اس اصول کے بالکل مطابق ہیں۔ ان دلائل میں دوسری خصوصیت یہ کہ تمام میں خود آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات موجود ہیں کسی صحابی تابعی وغیرہ کی ذاتی رائے نہیں تیسری خصوصیت یہ کہ ان میں سے کسی حدیث کو کسی محدث نے باطل یا بے اصل نہ کہا چوتھی خصوصیت یہ کہ امام اعظم کے اس مذہب و مسلک میں قرآنِ مجید اور احادیثِ متعددہ امام اعظم کے ساتھ ہیں۔ اور یہی مسلک نہیں بلکہ امام اعظم کا ہر مسئلہ ہی قرآنِ کریم وحدیث کی روشنی میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتبِ حنفیہ سے ظاہر ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کا یہ مسلک کہ اس میں پیش کردہ دلائل اور استدلال انتہائی کمزور ہیں صرف پانچ روایتیں میسر آئیں ان میں بھی ایک روایت ذاتی رائے دوسری روایت باطل بے اصل۔ اور باقی تین ذاتی عمل۔ لہٰذا یہ روایتیں شرعی حکم کی دلیل نہیں بن سکتیں اس لیے میں بحیثیت مفتیِ اسلام ہونے کے اسلامی فتویٰ جاری کرتا ہوں کہ ہر مسلمان

عاقلہ بالغہ اہل سنّت عقیدے کی عورت خواہ شافعیہ ہو یا مالکیہ یا حنبلیہ اپنے اپنے استعمالی نصاب برابر زیور پر ہر سال چالیسواں حصّہ زکوٰۃ ضرور نکال دیا کرے تاکہ کل قیامت میں عذاب کی سزا سے بچ جائے۔ اور آخر میں میں سائلہ محترمہ کے لیے دعاءِ خیر و قبولیت کی دعا کرتا ہوں جنہوں نے فکر سے فتویٰ لکھوا لیا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کتبہ

چوتھا فتوای

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اُس کو سننے کا شرعی حکم کیا ہے

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اِس مسئلے میں کہ مسلمانوں پر قرآن مجید کی تلاوت سننی فرض ہے یا واجب یا سنت۔ تفسیر نعیمی جلد اوّل چھٹی فصل تلاوتِ قرآن مجید۔ صفحہ ۲۵ پر یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ اور تفسیر خزائن العرفان میں پارہ ۹ سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الخ) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا واجب ہے۔ لیکن ہم اب تک اپنے یہاں کے علماءِ کرام سے سُنتے آئے ہیں کہ قرآن کریم کا سننا فرض ہے نیز آج کل عام رواج پڑ گیا ہے کہ آئے دن اپنے اپنے گھروں یا علاقہ کی مسجد میں تمام رات تنبینہ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ خوب تیز لاؤڈ سپیکر لگایا جاتا ہے اور مسجد میں یا گھر میں سننے والا کوئی نہیں بیٹھتا۔ لوگ اپنے کام کاج یا سونے میں پڑے رہتے ہیں۔ صرف ایک طالب علم جس کے ساتھ فی سیپارہ پانچ روپیہ مقرر کر لیا جاتا ہے۔ وہ قرآن مجید کھول کر اکیلا بیٹھا پڑھتا رہتا ہے۔ بعض جگہ تین آدمی مقرر ہوتے ہیں جو دس دس پارہ پڑھتے ہیں۔ ایک آدمی پڑھتا ہے باقی دو سوئے رہتے ہیں اپنی اپنی باری پر جاگتے ہیں اور اگلے دس پارہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پہلا چلا جاتا ہے اور تیسرا سویا رہتا ہے۔ بلکہ اب تو بعض جگہ ٹیپ ریکارڈ لگا دیتے ہیں اور مسجد کو مقفل

کر کے امام مسجد سوتا رہتا ہے اور لاؤڈ سپیکر کی آواز سارے شہر میں پہنچتی ہے۔ کیا اس طرح ہر دو طریقوں سے تبلیغ کرنا جائز ہے براہ کرم ان سب مسائل کا جواب ذرا تفصیل سے قرآن وسنت کی روشنی میں عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوا۔

دستخط سائل۔ السائل مقصود پرویز مقام چک ۴۱۳ ج ب تحصیل گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک

۱۷/۵/۹۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب۔

الجواب

احادیث وآیات کی روشنی میں چونکہ تلاوت قرآن کریم بہت سی قسم کی ہے اس لیے اس کے سننے کے شرعی حکم بھی اتنے ہی اقسام کے ہیں چنانچہ تمام کتب فقہ کے مجموعۂ کلام سے تقریباً دس قسم کی تلاوت ہوتی ہے۔ پہلی تلاوت فی الصلوٰۃ یعنی پنجوقتہ جماعت کی نماز میں قرآن مجید کی قرءت اس کا سننا تمام نماز میں شامل مقتدیوں کو فرض عین ہے غیر نمازی کو سننا منع اور جماعت اولیٰ کے وقت بیٹھنا قرآن مجید سننے کی غرض سے یا بلا وجہ اور جماعت میں شامل نماز نہ ہونا شرعاً ناجائز ہے جماعت کی توہین ہے اگر کوئی شخص نماز کہیں اور پڑھ کر آیا ہے تب بھی جماعت کے وقت مسجد سے باہر رہے۔ ہاں البتہ جماعت ثانیہ کے وقت مسجد میں بیٹھ سکتا ہے مگر امام کی تلاوت سننا اس پر فرض یا سنت اور ضروری نہیں وہ آہستہ آہستہ اپنے وظائف یا سبق یا دینی باتیں کر سکتا ہے جب کہ کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ پڑے دوئم تلاوت فی الخُطبات۔ یعنی جمعہ وعیدین کے خطبے یا خطبۂ نکاح میں تلاوت قرآن مجید۔ یہ تلاوت حاضرین جمعہ وعیدین ومجلس نکاح میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر سننا واجب ہے۔ سوم تلاوت فی المدارس طالب علم بچوں کو تعلیم قرآن کریم کی تلاوت غیر طالب علم کو سننا مستحب ہے مگر آپس میں طلبا کو سننا ممنوع وہ اپنا سبق پڑھیں یاد کریں۔ ورنہ ممانعت شرعیہ کے علاوہ استاد کے ڈنڈے کا بھی خطرہ ہے۔ چہارم تلاوت فی المجالس۔ اسلامی جلسوں کی افتتاحی تلاوت سامعین جلسہ پر فرض کفایہ ہے۔ کہ اگر چند سامعین باادب خشوع خضوع سے سن رہے ہوں اور دیگر جلسے کے انتظام وانصرام میں مشغول وبے توجہ ہوں تو وہ گناہگار نہ ہوں گے

لیکن اگر حاضرین میں سے کوئی نہ سنے یا چند لوگ شور مچائیں اور سننے نہ دیں تو وہ سب گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ ایسی بے حرمتی کی حالت میں تلاوت جاری رکھنا ناجائز ہے پنجم۔ تلاوت فی الختمات۔ ختم قرآن کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر سب کا ملکر پورا قرآن کریم تلاوت کرنا۔ ایسی تلاوت لازم نہیں بلکہ بلند آواز سے ایسے موقعوں پڑھنا گناہ ہے۔ ششم۔ تلاوت فی الشارعات۔ سڑک اور عام چلتے رستے پر یا دکان پر خرید و فروخت کے دوران کوئی شخص بلا وجہ از خود تلاوتِ قرآن مجید کرنے لگے۔ تو پڑھنے والا گناہگار اور نہ سننے اور اس بے حرمتی کو نہ روکنے والے سب گناہگار ہوں گے ہاں اگر چند لوگ سننے لگیں مکمل توجہ کے ساتھ تو یہ سنتِ کفایہ ہے کہ ان چند مسلمانوں کے سننے سے باقی لوگ گناہگار ہونے سے بچ جائیں گے۔ ہفتم تلاوت فی الدعوات۔ کہ قرآنِ مجید سننے کے لیے عوام کو دعوت دی گئی تو جو مدعوین محفلِ تلاوت میں آ گئے ان سب پر فرض عین ہے اگر ان میں سے ایک محفل میں بیٹھا تو رہے مگر سننے سے بے توجہ یا کسی تسبیح وظیفے میں مشغول تو گناہگار ہوگا۔ ہشتم۔ تلاوتِ فی المظاہرات۔ یعنی طلبا سے حسنِ قرأت کے امتحان مدرسہ کی غرض سے تلاوت کرانا۔ تو سب حاضرین پر سننا مستحب اور اساتذہ پر سننا واجب ہے تاکہ غلطی باقی نہ رہ جائے۔ نہم۔ تلاوتِ نفسی۔ کوئی اپنے لیے کہیں بیٹھا بقدرِ ضرورت ذاتی ثواب کی نیت سے تلاوت کر رہا ہے تو اس کے پاس بیٹھ کر کسی کا سننا جائز و باعث برکت اور مستحسن ہے۔ ثواب پائے گا۔ لیکن فرض واجب سنت عین یا کفا۔ یہ نہیں ہے کوئی بھی نہ سنے تو کوئی بھی گناہگار نہ ہوگا۔ دھم۔ تلاوتِ تشبیہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جائز اور باعث برکت و ثواب۔ دوسری ناجائز شرعاً ممنوع باعثِ گناہ و عقاب و عتاب۔ تشبیہ تلاوت جائز تب ہے جب کہ مکمل طور پر آدابِ تلاوت احترامِ قرآنِ مجید اور اصولِ شریعت کی پابندی کو ملحوظ و معمول رکھا جائے۔ احادیث مبارکہ اور فقہاءِ کرام علیہم الرضوان کے اقوال و فرامین سے تقریباً تیرہ ۱۳ قسم کے آدابِ تلاوت ہیں۔ ۱۔ قرآن مجید کا عشق و محبت ہر مومن کے دل میں ہونا چاہیے ۔۲۔ احترامِ قرآنِ کریم فرائضِ اسلامیہ میں سے اشد فرض ہے ۔۳۔ تلاوت کے لیے بنیتِ ثواب پڑھنا ہو تو وضو

کرنا لازم ہے بے وضو تلاوت کا ثواب نہیں۔ ہاں درس وتدریس یا کسی آیت کا حفظ کرنا بے وضو جائز ہے ۴ محفلِ سماعت کے لیے اہلِ محفل پر واجب ہے کہ پاکیزہ جگہ فرشِ زمین پر۔ دری قالین یا چٹائی بچھا کر محفل کا اہتمام کریں۔ کرسی پر یا بستروں چارپائیوں پر بیٹھ کر تلاوت کرنا یا سننا خلافِ سنّت و خلافِ ادب ہے ۵ جس گھر میں شبینہ تلاوت کرائی ہو اس گھر میں کوئی کتا اور کسی بھی جاندار کی تصویر نہ ہو نہ سجی نہ ٹنگی۔ یعنی وہ گھر ہندوؤں کے مندر جیسا نہ ہو ۶ تلاوت کی جگہ میں پاکیزگی صفائی اور خوشبو ہو ۷ سب سننے والے جب تک اُس جگہ میں رہیں ہمہ تن گوش ہو کر اپنے دل میں رب تعالیٰ کا خوف قرآنِ مجید کی ہیبت اور آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہ وسلّم کا تصوّر رکھ کر تلاوتِ پاک کو سُنیں۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی پڑ جائے تو خاموشی سے اُٹھ کر چلا جائے اور باہر نکل کر بھی آہستہ بات کرے ۸ تمام سننے والے بھی باوضو ہوں بے وضو ہرگز نہ بیٹھیں وضو سے خوفِ الٰہی اور رقّتِ قلبی بڑھتی ہے ۹ بدبو والی کوئی بھی چیز محفل میں نہ لائی جائے۔ ۱۰ تلاوت سنتے وقت رونے کی کوشش کی جائے ۱۱ اُس گھر کے تمام افراد سنیں سب کا سننا مستحب ہے مگر بعض کا سننا فرضِ کفایہ ہے لیکن بات چیت وغیرہ کا شور ڈالنا سب پر حرام ہے ۱۲ چھوٹے بچوں کو یا کسی اور گھر بھیجدیا جائے یا ان کو شور مچانے سے سختی کے ساتھ روکا جائے۔ تلاوت کی آواز صرف ان لوگوں تک محدود رکھی جائے جو سننے کے لیے تیار ہو کر آئے ہیں۔ اِس سے زیادہ آواز پیدا کرنا گناہ اور قرآن مجید کی بے ادبی ہے۔ ایسی محافلِ مبارکہ میں جو لوگ سُننے کے لیے کسی مجبوری سے بیٹھ نہیں سکتے اُن پر بھی شور مچانا بلند آواز سے بات چیت کرنا حرام ہے اِس لیے آوازِ تلاوت کو دھیما رکھنا واجب ہے اگر یہ بارہ شرائط آداب پورے کیے جا سکتے ہوں تب گھر یا مسجد میں شبینہ کرنا جائز اور ثواب ہو گا۔ ورنہ نہیں ۱۳ تلاوت کرنے والا حافظ قاری عالِم یا کوئی اور عام شخص بالکل صحیح تلفظ زبر زیر شدّ مدّ کی صحیح ادائیگی کے ساتھ اِس انداز میں قرآنِ مجید پڑھے کہ سننے والوں کو صحیح ایک ایک لفظ صحیح سمجھ آئے یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ تلاوت کے چودہ سجدوں میں سے ہر سجدہ واجب ہے۔ پہلا سجدہ نویں پارے میں دوم

تیرھویں میں سوم چودھویں چہارم پندرھویں میں پنجم سولہویں میں ششم سترھویں میں ہفتم اور ہشتم انیسویں میں نہم اکیسویں میں۔ دہم تئیسویں ۲۳ میں گیارہواں سجدہ چوبیسویں پارے میں بارھواں سجدہ ستائیسویں میں۔ تیرھواں اور چودھواں تیسویں ۳۰ سپارے میں۔ بہ ترتیب ہر مسلمان مرد اور عورت کو یاد رکھنی چاہئے۔ جب ان سجدوں کی کوئی آیت پڑھی جائے تو پڑھنے والے سننے والے پر فوراً سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وقت مکروہ میں دن کے وقت تلاوت کر رہا ہے تو اُس وقت سجدہ کوئی نہ کرے بعد میں جائز وقت پر کریں دیر ہیں تمام آداب تلاوت) شبینہ تلاوت کی دوسری قسم جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے وہ سخت ناجائز بلکہ باعث گناہ وعذاب ہے۔ ایسا طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ ہمارے اس تمام جواب کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

پہلی دلیل۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ پر ہے۔ عن شَقِیقٍ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا اَبَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّکَ ذَکَّرْتَنَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذَالِکَ اِنِّیْ اَنْ اُمِلَّکُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِہَا مَخَافَۃَ السَّاٰمَۃِ عَلَیْنَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ۔ حضرت شقیق سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر جمعرات کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہم کو سنایا کرتے تھے ایک شخص نے عرض کیا۔ اے حضرت ابو عبدالرحمٰن اگر آپ پسند کریں تو روزانہ ہم کو سنایا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ لیکن بے شک منع کرتی ہے مجھ کو اس روزانہ سنانے سے یہ بات کہ کہیں میں تم کو رنج وتکلیف میں نہ ڈالدوں اور بے شک میں بڑا خیال رکھتا ہوں تم سب کام کاج والوں محنت مزدوری کرنے والوں کا جس طرح آقائے کائنات حضور اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال رکھا کرتے تھے۔ ہم پر بوجھ وتکلیف بنانا پسند نہ کرتے تھے۔

دوسری دلیل۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۔ عَنْ عِکْرِمَۃَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ کُلَّ جُمُعَۃٍ مَرَّۃً فَاِنْ اَبَیْتَ فَمَرَّتَیْنِ۔ فَاِنْ

اَکْثَرْتَ فَثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۔ ترجمہ۔
حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا لوگوں کو صرف جمعہ کے دن وعظ سنایا کرو بس ایک مرتبہ پس اگر پسند کرو تو سکتے ہیں دو مرتبے کرلو اور اگر بہت ہی پسند کرو تو سکتے ہیں تین مرتبہ وعظ کہا کرو۔ اور خبردار لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے رنج نہ پہنچاؤ۔ یہ دونوں حدیثیں صاف فرما رہی ہیں کہ کسی زمانے میں بھی کسی طریقے سے بھی کسی بھی انسان کو مت سناؤ آج کل بلاوجہ لاؤڈ سپیکر کا بے تحاشہ استعمال دور گھروں میں بچوں بوڑھوں بیماروں مسلموں غیر مسلموں کو کس قدر تکلیف دے رہا ہے اِس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس ابلیسی ظلم سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اسلام نے ان لغویات سے سخت منع فرمایا ہے۔ پھر جس شبینہ کا نقشہ سوال میں سائل نے بیان کیا ہے وہ سراسر قرآن مجید کی سخت توہین بے ادبی ہے۔ اس طرح شبینہ تلاوت نہیں بلکہ کھیل تماشہ اور قرآن مجید سے مذاق ہے۔ اس طرح کا شبینہ کرنے والے گناہگار ہوں گے قرآن مجید کا سننا ہر مسلمان پر لازم ہے اور مختلف حالات میں مختلف احکام ہیں تقسیم پہلے بیان کر دی گئی اور دلائل حسب ذیل ہیں۔

تیسری دلیل۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴) اس کی تفسیر علامہ نیشا پوری نے جلد ششم پارہ نہم میں اس طرح فرمائی صـ۱۰۲ پر کہ۔ اَلْاِنْصَاتُ اَلسُّكُوْتُ لِلْاِسْتِمَاعِ قَالَ الْعُلَمَاءُ ظَاهِرُ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ فَمُقْتَضَاهُ اَنْ يَكُوْنَ الْاِسْتِمَاعُ وَالسُّكُوْتُ وَاجِبٌ وَقْتَ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِيْ صَلٰوةٍ وَغَيْرِ صَلٰوةٍ۔
ترجمہ۔ انصات کا معنی ہے عقل دل دماغ سے ہمہ تن گوش ہو کر بالکل ساکت ہو جانا اس جذبہ اور طریقے سے قرآن مجید کو سننا علماء کرام نے فرمایا چونکہ امر کے سولہ معنی میں سے ظاہری معنیٰ واجب ہوتا۔ اس لیے فَاسْتَمِعُوْا اور وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں یا بیرونِ نماز قرآن کریم کی قرئت کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ اس دلیل سے تلاوت کا سننا واجب ثابت ہوا۔

چوتھی دلیل۔ تفسیر نیشا پوری جلد ششم صـ۲۰۲ پر ہے۔ ثُمَّ ضَاعَ

سُنَّۃً فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ اَنْ یَّنْصُتَ الْقَوْمُ اِذَا کَانُوْا فِیْ مَجْلِسٍ یُقْرَءُ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ ترجمہ۔ پھر یہ تلاوتِ کلام پاک کا سننا نماز کے علاوہ قرئت میں سنّت ہو گیا۔ اس طرح جب لوگ کسی محفل قرئت میں حاضر ہوں اور قرآن مجید پڑھا جائے تو سید پر سننا اور خاموش رہنا سنّت ہے۔ اس دلیل سے تلاوت کا سننا سنّت ثابت ہوا۔ نیز اس کے اطلاق سے تین صورتیں اور تین شقیں ثابت ہوئیں ۱ سنّتِ مؤکدہ ۲ سننا سنّتِ غیر مؤکدہ عین ۳ سُنّتِ غیر مؤکدہ علی الکفایہ۔

پانچویں دلیل۔ تفسیر طبری۔ لِلْاِمام ابو جعفر محمد بن جریر طبری جلد ششم ص۱۱۱ پر ہے۔ قَالَ اَخْبَرَنَا الثَّوْرِیُّ عَنْ لَیْثٍ عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ لَا بَأْسَ اِذَا قَرَاءَ الرَّجُلُ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوۃِ۔ اَنْ یَّتَکَلَّمَ۔ (الخ) قَالَ اِبْنُ زَیْدٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ قَالَ ھٰذَا اِذَا قَامَ الْاِمَامُ لِلصَّلٰوۃِ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا

ترجمہ۔ جب کوئی شخص تلاوت کرے نماز کے علاوہ تو لوگوں پر سننا ضروری نہیں ہے اگر وہ بات چیت گفتگو کلام یا بے توجہی بے التفاتی کریں تو کوئی حرج وگناہ نہیں ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ تلاوت کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کچھ لوگ نہ بھی سنیں تو ان پر گناہ نہ ہوگا یا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شخص سرِ راہ یا کسی دکان میں خرید و فروخت کے وقت اپنی مرضی سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دے زور زور سے تو وہ ہی گناہگار ہوگا لوگوں پر سننا ضروری نہیں۔ ابن زید نے فرمایا کہ اِذَا قُرِئَ والی آیت نماز با جماعت کے لیے نازل ہوئی تھی۔ یعنی نماز میں ہر نمازی پر تلاوت کا سننا واجب ہے۔

چھٹی دلیل۔ تفسیر طبری لِابن جریر جلد ششم ص۱۱۲ پر ہے۔ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ وَجَبَ الْاِنْصَاتُ فِیْ اِثْنَیْنِ عِنْدَ الرَّجُلِ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَھُوَ یُصَلِّیْ وَعِنْدَ الْاِمَامِ وَھُوَ یَخْطُبُ (الخ) عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ وَجَبَ الْاِنْصَاتُ قَالَ وَجَبَ فِیْ اِثْنَیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ وَالْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ۔ (الخ) عَنْ بَقِیَّۃِ ابْنِ الْوَلِیْدِ قَالَ

سَمِعْتُ ثَابِتَ بْنَ عَجْلَانَ يَقُوْلُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهٖ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ قَالَ اَلْاِنْصَاتُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِيْمَا يَجْهَرُ بِهِ الْاِمَامُ مِنَ الصَّلٰوةِ۔ قَالَ اَوْجَبَ الْاِنْصَاتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِي الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ الذِّكْرِ۔ ترجمہ جابر نے عطا سے روایت فرمایا عطانے فرمایا کہ دوجگہ خاموش رہنا واجب ہے ایک یہ کہ جب کوئی شخص نماز میں شامل ہو اور امام تلاوت کر رہا ہو۔ دوم یہ کہ امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو اور لوگ سامعین صفوں میں ہوں۔ سب سامعین کا خاموشی سے کلام پاک کی آیت سننا واجب ہے یعنی لازم ہے لفظِ واجب ضروری کی تمام قسموں کو شامل ہے۔ روایت ہے بقیہ بن ولید سے کہ فرمایا سنا میں نے ثابت بن عجلان سے وہ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر فرماتے تھے کہ آیتِ پاک اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الخ) کا معنیٰ یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے خطبے اور نماز۔ عید الفطر کے خطبہ و نماز نمازِ جمعہ کے خطبے وغیرہ میں سامعین اور مقتدی لوگوں کا تلاوت سننا واجب ہے۔ اس طرح فرمایا جمعہ کے دن اور ہر نماز اور ہر محفل ذکر کی تلاوت کو سننا سب حاضرین پر سننا لازم ضروری ہے اس دلیل سے تلاوت کی پانچ قسمیں ثابت ہوئیں ۱ محفل عید بقر ۲ عید الفطر کے موقعہ پر ۳ جمعہ کی نماز خطبہ ۴ عام محافل اور جلسے ۵ اور ہر نماز کی تلاوت۔

ساتویں دلیل۔ فتاویٰ شامی جلد چہارم بابُ الاداب صہ ۲۱۱ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ اَنَّ الْاِسْتِمَاعَ لِلْقُرْاٰنِ فَرْضٌ كِفَايَةٌ لِاَنَّهٗ لِاِمَامَةِ حَقِّهٖ بِاَنْ يَكُوْنَ مُلْتَفَتًا غَيْرَ مُضِيْعٍ وَذَالِكَ يَحْصُلُ بِاِنْصَاتِ الْبَعْضِ۔ ترجمہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اس لیے کہ قرآنِ مجید کا حق قائم کرنا۔ اور ادا کرنا شدید ضروری ہے حق یہ ہے کہ ہوش وگوش سے متوجہ ہو کر سنا جائے اور یہ حق حاصل ہو جاتا ہے بعض حاضرین کے خاموشی کے ساتھ سنتے سے۔

آٹھویں دلیل۔ فتاویٰ عالمگیری جلد سوم صہ ۳۰۱ پر ہے۔ يُكْرَهُ لِلْقَوْمِ اَنْ يَقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ جُمْلَةً لِتَضَمُّنِهَا تَرْكَ الْاِسْتِمَاعِ وَالْاِنْصَاتِ الْمَامُوْرِ بِهِمَا۔ ترجمہ۔ مکروہ ہے حاضرینِ محفل کے لیے کہ ایک دم مل کر سب

باآوازِ بلند قرآنِ مجید پڑھیں اس لیے کہ اس طرح ملکر پڑھنے سے استماع اور انصات (سننا اور خاموش رہنا) دونوں کا ترک لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں کا حکم دیا ہوا ہے کہ قرآنِ مجید جب ایک آدمی تلاوت کرے تو باقی لوگ خاموشی سے سنیں۔ اس دلیل میں محفلِ ختمات کی تلاوت کا ذکر ہے اور ایسی محفلوں میں قرآن مجید پڑھنے کے آدابِ شریعت سکھائے گئے ہیں۔

نویں دلیل۔ فتاویٰ نابلسیہ جلد دوم میں ہے۔ نَقَلَ الْحَمَوِیُّ عَنْ اُسْتَاذِہٖ قَاضِی الْقُضَاۃِ یَحْیٰی شَہِیْرٌ بِمُنْقَارِیْ زَادہ اَنَّ لَہٗ رِسَالَۃٌ حَقَّقَ فِیْھَا اَنَّ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ فَرْضُ عَیْنٍ۔ ترجمہ۔ امام حموی اپنے استاذ قاضی القضات امام یحییٰ المعروف منقارزی زادہ سے نقل کرتے ہیں کہ بے شک اُن کے پاس یا اُن کی تصنیف ایک رسالہ تھا جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید کا سننا سب حاضرین موجودین پر فرض عین ہے۔ فقہاءِ کرام نے تقریباً آٹھ مقامات بیان فرمائے ہیں جن میں تلاوت کرنا مکروہ تحریمی فرمایا ہے مثلاً ۱ گندی جگہ ۲ بھیڑ بھاڑ میں ۳ بازاروں میں ۴ خرید وفروخت کے وقت دکانوں میں ۵ جنابت کی حالت میں ۶ بھیک مانگنے کے لیے ۷ بُت خانے میں ۸ سوتے ہوئے لوگوں کے پاس جب کہ وہ اپنے جائز مقام پر سو رہے ہوں اور ان کا اُس وقت سونا بھی جائز ہو اگر کوئی ان ممنوع مقام پر تلاوت کر رہا ہو تو اُس کو جبراً روکا جائے گا۔ ایسی تلاوت کا سننا ضروری نہیں۔ خلاصہ یہ کہ فقہاءِ کرام کی مختلف عبارات کو متفقہ طور پر جب جمع کیا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن مجید کا سننا اپنے مواقع کے اعتبار سے فرضِ عین بھی ہے۔ فرض کفایہ بھی واجب بھی ہے سنتِ عین بھی ہے۔ سنت کفایہ بھی۔ مستحب بھی ہے مستحسن بھی۔ اور مکروہ بھی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

پانچواں فتویٰ

ارکانِ حج کی ترتیب واجب ہے قرآنِ مجید اور احادیث سے ثبوت موجود ہے

اس ترتیب کو سنت کا درجہ دے کر جانتے بوجھتے لاپرواہی برتنا قطعاً غلط ہے۔ اس بارے میں ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک نہایت کمزور اور ناقابلِ قبول ہے۔ منشاءِ احادیث کو نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ امام اعظم کا مسلک مضبوط ہے اُسی کو ترجیح ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ یہ تو تقریباً پچیس سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ حکومتِ سعودیہ کا مذہبی گروہ جس پر وہابی بدّوؤں کا قبضہ ہے ہر سال ہی مسلمانوں کا حج آٹھ ذی الحج کو کرا دیتے ہیں حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں نو ذی الحج کو میدانِ عرفات میں حج ہونا فرض ہے مگر مسلمانوں کے حج برباد اور تباہ کرنے کے لیے آٹھ ذی الحج کو عرفات میں پہنچا دیا جاتا ہے وہ اس طرح ایک دن پہلے آخری ذی قعدہ کو بغیر چاند دیکھنے کے ذی الحج کی یکم کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور کبھی دو دن پہلے جھوٹے چاند کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن اب تو مزید پریشانی پڑ گئی ہے کہ اسی مذہبی لیڈروں کا ایک گروہ سعودیہ حکومت کے زیرِ انتظام پیدا ہے جس کا نام۔ اسلامی ڈیولپمنٹ بینک ہے اُس نے قربانی کے پیسے لوٹنے کھسوٹنے کی عجیب طرز اختیار کی ہے کہ جگہ جگہ دفتر بنا کر لاؤڈ سپیکر لگا کر صبح سے شام تک چیخ چیخ کر لوگوں کو لوٹا جا رہا ہے اور کہنا یہ ہے کہ اپنی قربانی کے پیسے ہمیں دو ہمارے پاس جمع کراؤ۔ وہ پیسے لے کر رسید دیتے ہیں اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ قربانی کرتے ہیں یا نہیں اور تمام مال نہ معلوم کہاں کھا جاتے ہیں جب مسلمانوں نے اُن کے اِس ظلم پر احتجاج کیا اور اُن کے خلاف آواز بلند کی تو وہ ایک تحریر بشکلِ فتویٰ ایک پمفلٹ چھپوا کر لے آئے۔ یہ پندرہ صفحاتی چھوٹی

سی تحریری مضمون ہے۔ جس کا اصل مضمون بعنوان دو تحقیقی مقالے کسی عالم دین یا مفتی اسلام کے محققانہ قلم سے نہیں بلکہ پروفیسر اور ڈاکٹر قسم کے لوگوں کے عامیانہ قلم سے لکھا ہوا ہے۔ لیکن ابتدائی صفحات پر بعض محققین علماءِ اسلام کے تائیدی طور پر نام لکھے گئے ہیں جن میں ایک نام مفکرِ اسلام فخر الاماثل حضرت مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کا نام نامی ہے۔ اگلے مضمون کی مندرجات اور مقصدِ کلام کچھ اس طرح ہے تحریرِ مضمون کے ص۷ پر لکھا ہے قیامِ عرفات ومزدلفہ کے دسویں ذی الحج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تین کام اس ترتیب سے کئے کہ پہلے جمرہ عقبیٰ کی رمی کی اس کے بعد پھر ہدی کی قربانی کی۔ پھر اپنا سر منڈایا پھر ام المومنین نے خوشبو لگائی یعنی احرام سے کھل گئے۔ پھر آپ نے مکہ مکرمہ جا کر طوافِ افاضہ فرمایا۔ لکھتے ہیں کہ متمتع، قارن اور مفرد کے لیے یہ ترتیب شرعی طور پر لازم ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب ہے لیکن امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور امام ابوحنیفہ کے دو ممتاز شاگردوں (صاحبین ۱۔ امام یوسف ۲۔ امام محمد بن حسن کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ آگے ص۸ پر لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی اس ترتیب میں تبدیلی کر دے یعنی قربانی سے پہلے سر منڈالے تو اس پر کفارہ دم واجب ہے اس لیے کہ ترکِ واجب سے ایک بکری ذبح کرنی پڑتی ہے جو جرم کا کفارہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے دلائل میں ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ترتیب سے یہ تمام کام کرنے ہیں ۲۔ سورۂ حج کی آیت ۲۸ و ۲۹ ہے۔ ۳۔ طحاوی حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے حج میں کوئی عمل آگے پیچھے کر دیا تو اس پر ایک اور قربانی لازم آئے گی۔ پھر لکھتے ہیں کہ باقی پانچ اماموں کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو بخاری مسلم نے روایت کیا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک شخص نے آکر عرض کیا۔ چنانچہ اس پمفلٹ کے ص۱۳ پر لکھا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو علم نہ تھا۔ میں نہیں جانتا تھا بھول کر میں نے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اب

قربانی کر لو اور کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اُس دن جو شخص بھی آیا اور اُس نے آکر عرض کیا کہ میں نہ جانتا تھا اور یہ کام میں نے پہلے کر لیا تو نبی کریم نے یہی فرمایا کہ جو کچھ رہ گیا ہے اب کر لو۔ اور کوئی حرج نہیں۔ اس حدیث میں نہ تو دم کا کوئی اشارہ ہے نہ ترتیب بدلنے پر کفار کا کوئی ذکر ہی ہے ص۹ پر امام ابو حنیفہ کا مسلک اس طرح لکھا ہے کہ اگر کسی حاجی شخص نے جان بوجھ کر حج کے ان تین کام رمی قربانی اور سر منڈ انے میں ترتیب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ترتیب بدل کر آگے پیچھے کر دیا تو واجب کی خلاف ورزی کی پاداش (سزا) میں کفارہ کے طور پر قربانی یعنی ذبح کرے۔ لیکن اگر یہ خلاف ورزی لاعلمی یا بھول چوک کی بنا پر ہوئی ہے تو ایسے شخص پر کفارہ لازم نہیں ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ و صاحبین کا مسلک ص۱۰ پر اس طرح لکھا ہے کہ کوئی جان بوجھ کر ترتیب توڑے یا بھول کر مسئلہ سے بے علمی کی بنا پر دونوں طرح اجازت ہے کوئی کفارۂ دم نہ پڑے گا کسی فعل کے چھوٹ جانے کا تدارک بعد میں اُس کے انجام دینے سے ہو جاتا ہے اگر ایک بار اُس چھوٹے ہوئے فعل کو انجام دیدیا تو پھر کچھ اور لازم نہیں۔ ص۹ پر یہ بھی لکھا ہے کہ شاید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک وہ احادیث نہیں پہنچیں جن کی بنا پر دوسرے ائمہ مسلمانوں کو ترتیب کے خلاف عمل کی اجازت دیتے ہیں۔ اصول فقہ کی رو سے علما اور مسائل جاننے والے کی رائے کو بے علمی باتوں کی رائے اور بے علم لوگوں کی رائے پر حجت اور ترجیح ہے۔ صاحب مضمون یہاں امام اعظم ابو حنیفہ کی شانِ ارفع میں گستاخیاں کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیات کا ناجائز سہارا لیتا ہے ص۲ یہاں تو امام اعظم کو (معاذ اللہ) بے علم لکھا۔ پھر آگے سورۂ نساء کی آیت ۵۹ اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۰ اور سورۂ حشر کی آیت ۷ میں تفسیر کرتے ہوئے جھگڑالو اور اہل حق کے خلاف چلنے والا اور اللہ رسول کے امر و نہی کی مخالفت کرنے والا۔ اور سورۂ نور کی آیت ۵۶ میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابو حنیفہ نماز و زکوٰۃ کی پابندی نہ کرتے تھے اور دیگر امور میں رسول اللہ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ اِن جیسے لوگوں کے لیے یہ آیت ۵۶ نازل ہوئی۔ نیز سورۂ نور کی آیت ۶۳ میں صاحبِ مضمون نے اتنی خباثت کا اظہار کیا ہے

کہ منافقین کے بارے میں نازل شدہ آیت کو امام اعظم پر چسپاں کیا ہے۔ اور دنیا و آخرت کے فتنے و عذابِ الیم سے ڈرایا ہے اور صاحبین کا حوالہ جس انداز میں دیا گیا ہے اُس سے عوام احناف پر یہ تاثر ڈالا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ احادیث کے عالم نہیں اُن کے شاگرد زیادہ عالم تھے۔ آخر میں ایک جگہ صدا پر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کے صرف تین دن ہیں دسویں گیارہویں بارھویں ذی الحج یعنی ایک یوم النحر (دسویں) اور بقیہ ایام تشریق کے دو دن۔ اگر قربانی کرنے میں تاخیر ہو جائے تو دم واجب ہے کیونکہ ان تینوں دنوں میں ہی قربانی ہے۔ بعد میں کسی دن بھی قربانی جائز نہیں۔ صلا پر لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک صرف ان تین دونوں میں ہی قربانی واجب نہیں بعد میں بھی کسی دن قربانی کرے تب بھی کچھ کفارہ وغیرہ نہیں۔ ہاں البتہ بعد میں قربانی کرنا صرف مکروہ ہے یعنی ہر مسلمان سارا سال جب چاہے قربانی کرتا پھرے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ کیا بیہودہ بات خلافِ حدیث و قرآن لکھ ماری ان تمام باتوں کو لکھنے کے بعد اپنی اس بیہودہ تحریر کا اصل مقصد و منشا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خود منیٰ میں قربانی نہ دیا کریں بلکہ ہمارے بینک ڈیوپلیمنٹ کو اُس کی رقم دی جائے آخر صفا پر لکھا ہے کہ وکالت کے ذریعہ قربانی جائز ہے جب وکیل (ہمارے بینک نمائندے) کو قربانی کا اختیار دیدیا تو حاجی اپنی ذمہ داری سے آزاد ہو گا وکالت نامہ اور قربانی کے پیسے دینے کے بعد حاجی کو یہ جاننے کی ضرورت اور حق نہیں ہے کہ اُس کی قربانی کس وقت ذبح کی جائے گی۔ (یعنی اپنے پیسے دینے کے بعد ہم سے کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ تم نے قربانی کب دینی ہے یا کب دی (دی بھی یا نہیں)، یہ اب ہماری مرضی ہے جب چاہیں دیں۔ دیں یا نہ دیں پیسے تو لے ہی لئے ہیں یہی کچھ پیسے بٹورنا ہمارا مقصد ہے) اس تشریح کا اشارہ صدا پر اس طرح ملتا ہے کہ لکھتے ہیں۔ جب چاہیں دیں لوگ حج کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو وہ اکثر حالات میں مقیم نہیں رہتے اس لیے اُن پر اُضحیہ (قربانی) واجب نہیں ہوتی اور یہ ہی مسافر کے لیے ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اپنے وطن میں کسی کو

وکیل بنا کر اپنے گھر پر قربانی کرائے اور اُس کو پیسے دے کر آجائے۔ یعنی پھر ہم اپنی لوٹ کھسوٹ کیسے جاری رکھ سکیں گے۔ کتنا آسان ہے یہ اندازہ لگانا کہ یہ سب کچھ آیتوں حدیثوں کی دلیل دینا۔ امام اعظم کی گستاخی پر اُتر آنا۔ صرف اس لیے ہے کہ مسلمانوں کی قربانیاں حج احرام بھلے سے خراب و برباد ہوں ہم لوگ مسلمانوں کی دولت پر خوب لوٹ کھسوٹ کا ڈاکہ ڈال لیں اپنے بینک بھر لیں ص۱۰ پر لکھتے ہیں کہ ہماری اس مہم اور منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ ۱ تمام قربانیوں سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایک ہی دن میں یہ قربانیاں نہ کیں جائیں اس سے فساد کثیر ہوتا ہے اور ان قربانیوں سے پیدا ہونے والی بدبو حجاج کے لیے ایذا رسانی کا باعث ہوتی ہے۔ اور اتنی ڈھیر ساری قربانیوں سے مال بھی ضائع ہوتا ہے ہماری شریعت میں مسلمانوں کی ایذا رسانی اور مال کا ضائع کرنا ممنوع ہے۔ ص۱۵ پر لکھا ہے۔ ہمارا بینک یہ پوری کوشش کرتا ہے کہ قربانی کر کے مسلم دنیا میں قربانی کا گوشت فقرا کے درمیان تقسیم کر کے شرعی اصولوں سے پوری مطابقت انجام پائے۔ یعنی ہمارے علاوہ کوئی اور وکیل یہ لوٹ کھسوٹ نہ مچائے اس لیے کہ ہمارا طریقہ اور ہماری کمیٹی کے کام میں قربانی کے گوشت سے فائدہ حاصل کرنے کے عظیم امکانات پوشیدہ ہیں۔ (ظاہر ہیں ہیں نہ ہوتے دیں گے) آگے لکھتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مناسک کی ترتیب میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترتیب کی اتباع اور پیروی کرنے میں بہت نقصان ہے ھدیٔ قربانی کے گوشت کا ضیاع ہے اس طرح اللہ کی بخشی ہوئی نعمت ضائع ہوگی اور اسراف کی حد میں آئے گی جب کہ اسلام میں اسراف حرام ہے۔ یعنی گوشت بچاؤ نبی کریم کی اتباع چھوڑ دو ص۱۵ پر یہ بھی لکھا ہے کہ قربانی اور تحلل یعنی احرام سے کھلنا کے درمیان کوئی تعلق نہیں خلاصہ یہ کہ اس ساری تحریر کا مقصد مفاد پرستی ہے کہ بس لوگوں سے پیسے لوٹ لو۔ اس تحریر میں اگرچہ ضمناً رمی جمار اور فرض طواف افاضہ کا بھی ذکر ہے مگر زیادہ زور قربانی پر ہے کہ ۱ قربانی حاجی خود نہ کرے ہم کو پیسے دے ۲ ہمارے سوا اور کسی کو وکیل بھی نہ بنائے ہمارے علاوہ سب لوگ سب وکیل غلط ہیں ۳ پیسے دیدئے تو بس حاجی کی

چھٹی اب وہ ہم سے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ کب قربانی دو گے انہی قربانی کے دنوں میں یا پھر کبھی بعد میں رہا احرام سے کھلنے کے لیے قربانی پہلے ہونا ضروری نہیں پس ہمیں پیسے دو ہماری جیب اور مٹھی گرم کرو۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مؤکدہ پامال ہوتی ہو۔ پیسے دیتے ہی احرام سے کھل جاؤ رہا یہ ضروری نہیں کہ ایام تشریق میں ہی قربانی ذبح کی جائے بعد میں بھی جب چاہو قربانی دو رہا ہمارا یہ پیسے لینے کا منصوبہ اتنا بہترین ہے کہ اس کو چھوڑنا نقصان وضیاع رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی، اتباع میں نقصان ہے (معاذ اللہ) یہ تھے وہ کفریہ مقاصد جو اس تحریر سے واضح ہوتے ہیں ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق صاحب مضمون کے مافی الضمیر کا خطرناک منصوبہ وضاحتی اشاروں میں بیان کر دیا ہمارے نزدیک سعودیہ حکومت کی اب یہ نئی چال ہے جس سے مسلمانوں کی قربانیوں کو برباد کرنے اور حج تباہ کرنے کا ارادہ ہے۔ ہمیں شرعی فتویٰ مکمّل مدلّل عطا فرمایا جائے اور اور بتایا جائے امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک درست ہے یا ائمہ ثلاثہ وصاحبین کا۔ اگر ائمہ ثلاثہ کا مذہب غلط ہے تو کیا واقعی ائمہ ثلاثہ نے ایسی غلطیاں کی ہیں جس کا ذکر اس تحریر میں ہے اس صاحب مضمون نے کسی کتاب کا حوالہ صفحہ نمبر وغیرہ نہ لکھا جس سے اندیشہ ہے کہ شاید یہ بھی کہیں خیانت اور جھوٹ الہام ہی نہ ہو۔ فتویٰ جلدی عطا فرمائیے ہم انشاء اللہ یہ فتویٰ شائع کریں گے اور مسلمانوں کے حج بچانے کی کوشش کریں گے۔ بَیِّنُوْا تُؤجَرُوْا۔

سوال منجانب چشتیہ ٹرسٹ یوکے　۸/۸/۹۴

حاجی محمد یونس

بعون العلاّم الوھّاب

الجواب

سائلین کا سوال درخواست اور مذکورہ بالا مدعیٰ علیہ کا پمفلٹ حاصل وصول ہوا اور استفتا اور پمفلٹ بغور مطالعہ کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ سائل مدعی نے اپنے تشریحی وضاحتی الفاظ میں جو مخالف کا مافی الضمیر بیان کیا ہے وہ کسی حد تک

درست ہے۔ واقعی صاحب مضمون نے جس جذباتی انداز میں اس مختلف فیہ مسئلے کو تحریر کیا ہے اُس سے امام اعظم کی گستاخی کے علاوہ عملِ نبوت کی توہین بھی ظاہر ہوتی ہے اَلعیاذُ باللہ تعالیٰ۔

اگرچہ دبے لفظوں کی خفیفہ زبان میں ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنی بات منوانے اور مفاد حاصل کرنے کے لیے ہے۔ کسی امام کی تائید میں نہیں مالکیوں شافعیوں حنبلیوں کو اُن کے امام کا مسلک بتاکر اور حنفیوں کو امام اعظم سے ہٹاکر صاحبین کا مسلک بتاکر۔ اور آخر میں تو ترتیب نبوت کے عملِ مبارک کو نقصان دِہ ضیاع اور اسراف قرار دے کر گستاخی کا ارتکاب کیا جس کا افسوس ہے کہ خود غرضی انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے بہرکیف جہاں تک مسئلے اور شرعی فتوے کا تعلق ہے۔ دیگر تمام مسائل کی طرح امام اعظم کا یہ مسئلہ بھی بہت مضبوط نہایت مُدلّل اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے دیگر ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک اجتہادی لغزش اور عدمِ تدبّر کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ صاحبین کے اکثر اختلاف شدہ مسائل نہایت کمزور ناقابلِ قبول ہوتے ہیں اِسی لیے فقہاءِ اُمّت صاحبُ الرّائے علماء اور اہلِ فتویٰ اصحابِ علم فرماتے ہیں کہ صاحبین کے صرف اُس مسئلے کو مانا جائے گا اور اُس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا جہاں امامِ اعظم ابوحنیفہ کا قول وفرمان نہ ملے گا۔ جہاں جہاں امام اعظم کا قول موجود ہے وہاں امام اعظم کے قول پر حنفی فتویٰ جاری ہوگا۔ اور اُس کے مخالف صاحبین کا قول رَدّ ہوگا جیساکہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سطورِ ذیل میں ثابت کریں گے ہم اِس فتوے کو آسانی اور وضاحت کے لیے تین فصل میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی فصل امام اعظم کے مسلک اور ان کے دلائل کے بیان میں دوسری فصل میں۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک اُن کے دلائل اور اُن دلائل کی کمزوری اور ان کا توڑ۔ تیسری فصل میں اِس پمفلٹ کی غلط اور کمزور باتوں کی نشان دہی اور ان کا مدلّل جواب مولیٰ تعالیٰ سے ہدایت اور آسانی کے حصول کی دعا ہے ھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْر۔

فصلِ اوّل۔ تفصیل سے پہلے تمہید اس طرح ہے کہ یوم نحر یعنی دس ذی الحج کو میدانِ منیٰ میں قیام کے دوران تمام حجاج کو چار کام کرنے لازم ہیں پہلا کام

جمرۂ عقبیٰ کی رمی کرنا دوم قربانی کرنا۔ سوم سر منڈانا اور احرام سے کھل جانا۔ چہارم مکہ مکرمہ جاکر طواف افاضہ (طوافِ زیارت) کرنا۔ ان چاروں کاموں کے لزوم میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ جمرۂ عقبیٰ کی رمی ہر حاجی پر واجب ہے۔ چنانچہ امام جزری کی تصنیف کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اوّل ص۶۶۵ پر ہے۔ اَلشَّافِعِیَّۃُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ الْعَامَّۃِ خَمْسَۃٌ (الخ) اَلثَّالِثُ رَمْیُ الْجِمَارِ ص۶۶۶ پر ہے اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ الْاَصْلِیَّۃِ خَمْسٌ (الخ) ثَالِثًا رَمْیُ الْجِمَارِ لِکُلِّ حَاجٍّ ص۶۶۷ پر ہے۔ اَلْحَنَابِلَۃُ قَالُوْا لِلْحَجِّ وَاجِبَاتٌ سَبْعَۃٌ (الخ) اَلْخَامِسُ رَمْیُ الْجِمَارِ عَلَی التَّرْتِیْبِ اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ (الخ) وَمِنْھَا تَقْدِیْمُ رَمْیِ جَمْرَۃِ الْعُقْبَۃِ فِی الْیَوْمِ الْعَاشِرِ۔ ترجمہ تمام ائمہ کے نزدیک رمی جمار یعنی کنکر مارنا واجب ہے۔ اس طرح قربانی واجب ہے لیکن صرف تمتع اور قرآن کرنے والے حاجی پر۔ حج افراد کرنے والے حاجی پر قربانی واجب نہیں بلکہ نفلی مستحب ہے۔ چنانچہ اسی کتاب فقہ کے ص۶۸۹ پر ہے اَلشَّافِعِیَّۃُ قَالُوْا (الخ) وَیَجِبُ عَلٰی کُلٍّ مِّنَ الْمُتَمَتِّعِ وَالْقَارِنِ ھَدْیٌ وَقَدْ وَرَدَتِ السُّنَّۃُ بِمَا یُفِیْدُ اَلْمَالِکِیَّۃُ قَالُوْا (الخ) غَایَۃُ الْاَمْرِ اَنَّہٗ یَلْزِمُہٗ ھَدْیٌ لِلْقِرَانِ کَمَا اَنَّ الْمُتَمَتِّعَ اَیْضًا یَلْزِمُہٗ ھَدْیٌ وَقَدْ وَرَدَتِ السُّنَّۃُ بِمَا یُفِیْدُ وُجُوْبَ الْھَدْیِ عَلَی الْقَارِنِ وَیُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ الْھَدْیِ لِلْقِرَانِ کَمَا اَنَّ الْمُتَمَتِّعَ اَیْضًا یَلْزِمُہٗ وَیَجِبُ عَلَی الْمُتَمَتِّعِ ھَدْیٌ (الخ) وَیَلْزِمُ ھَدْیُ التَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ بِطُلُوْعِ فَجْرِ یَوْمِ النَّحْرِ ص۶۹۵ پر ہے۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا۔ (الخ) وَیَجِبُ عَلٰی کُلٍّ مِّنَ الْقَارِنِ وَالْمُتَمَتِّعِ ھَدْیٌ یُذْبَحُ یَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ رَمْیِ جَمْرَۃِ الْعُقْبَۃِ ترجمہ۔ چاروں اماموں کے نزدیک حج قرآن اور حج تمتع کرنے والے حاجی پر قربانی کرنا واجب ہے۔ اس طرح ہر حاجی پر (قارن مفرد متمتع) پر سر منڈانا واجب ہے۔ چنانچہ اسی کتاب الفقہ جلد اوّل ص۶۶۷ پر ہے۔ اَلْحَنَفِیَّۃُ قَالُوْا وَاجِبَاتُ الْحَجِّ۔ اَلْاَصْلِیَّۃِ خَمْسٌ (الخ) رَابِعًا اَلْحَلْقُ اَوِ التَّقْصِیْرُ (الخ)

الحنابلۃ قالوا الحج واجبات سبعۃ (الخ) السادس الحلق او التقصیر ص۶۶۸ پر ہے۔ المالکیۃ قالوا۔ (الخ) ومن الواجبات الحلق فلو ترکہ لزمہ الدم۔ امام شافعی کا مسلک ان کے فتاوی بیجوری اول ص۲۰۱ پر ہے۔ والحلق او التقصیر واجب علی الکل الحاج ترجمہ چاروں اماموں کے نزدیک سر منڈانا، یا کتروانا واجب ہے۔ اور اس میں بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر حج کا واجب رہ جائے تو حاجی پر دم فدیہ و کفارہ کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ کتاب الفقہ للامام عبدالرحمن الجزری جلد اول ص۶۷۶ پر ہے۔ الحنابلۃ قالوا۔ او ترک شیئا من واجبات الحج کرمی الجمار فعلیہ الفدیۃ علی الترتیب ص۶۶۴ پر ہے المالکیۃ قالوا۔ وواجب یلزم فی ترکہ دم ص۶۶۷ پر ہے۔ الحنفیۃ قالوا (الخ) والضابطۃ ان کل ما یترتب علی ترکہ دم فھو واجب۔ کتاب میزان الکبری جلد دوم لامام شعرانی ص۴۶ پر ہے۔ ومن ذالک قول مالک والشافعی ان السعی رکن فی الحج مع قول ابی حنیفۃ واحمد فی احدی روایتیہ انہ واجب یجبر ترکہ بدم۔ فتاوی بیجوری جلد اول میں ہے یجبر فی کل ترک واجبات الحج بدم۔ ترجمہ۔ چاروں اماموں کا متفقہ مسلک ہے کہ اگر کسی حاجی سے حج کا کوئی ایک واجب رہ جائے تو اس پر فدیے جرمانے کا دم واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس بات میں بھی تمام کا اتفاق ہے کہ قربانی کرنے کے لیے صرف تشریق کے دن ہیں اگر ان دنوں کے بعد کوئی قربانی کرے گا، صحیح ادا نہ ہو گی۔ چنانچہ کتاب الفقہ للجزری جلد اول ص۶۹۷ پر ہے الحنابلۃ قالوا (الخ) فایام النحر ثلاثۃ۔ یوم العید وتالیاہ (الخ) وان فات وقتہ فان کان تطوعا سقط عنہ۔ وان کان واجبا ذبحہ قضاء (الخ) الحنفیۃ قالوا۔ تتعین ایام النحر الثلاثۃ یوم العید وتالیاہ لذبح ھدی القران والتمتع ویکون الذبح بعد رمی جمرۃ العقبۃ کما تقدم فان ذبح قبل ایام النحر لم یجز لہ وان ذبح بعدھا اجزءہ وعلیہ ھدی لتاخیر الذبح عن ایام النحر الشافعیۃ قالوا۔ (الخ) ویمتد ذالک الی غروب الشمس

مِنْ آخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ ۔ اور میزان الکبریٰ جلد دوم میں ص۵۲ پر امام شعرانی نے امام مالک کا مذہب اس طرح لکھا ہے۔ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ اَنَّ اٰخِرَ وَقْتِ التَّضْحِیَۃِ ھُوَ اٰخِرُ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ مَعَ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمَالِکٍ اِنَّ اٰخِرَ وَقْتِ التَّضْحِیَۃِ ھُوَ اٰخِرُ الْیَوْمِ الثَّانِیْ مِنْ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ (الخ) وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُ الْاَئِمَّۃِ الثَّلاثَۃِ اَنَّ الْاُضْحِیَۃَ اِذَا کَانَتْ وَاجِبَۃً لَمْ یَفُتْ ذِبْحُھَا بِفَوَاتِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ بَلْ یَذْبَحُھَا وَتَکُوْنُ قَضَاءً ۔ اسی طرح کتاب رحمۃ الامۃ جلد اوّل ص۱۴۱ پر ہے ترجمہ تمام عبارات کا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قربانی کرنے کے لیے صرف تشریق کے دن ہیں تین امام کے نزدیک تین دن دسویں گیارھویں بارھویں اور امام شافعی کے نزدیک چار دن تیرھویں ذی الحج بھی۔ اور امام مالک شافعی حنبلی کے نزدیک اگر کوئی حاجی تمتع و قران کی قربانی اِن دنوں سے بعد کرے تو اُس کی قربانی صحیح ادا نہ ہو گی بلکہ قضا ہو گی اور عبادت قضا کرنے کا جو گناہ ہوتا ہے وہ سب پر ظاہر ہے یعنی ایام تشریق کے بعد جو قربانی کرے گا وہ گنا ہگار ہو گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اگر تمتع یا قران کی قربانی میں دیر کر دی اور بارھویں ذی الحج کے بعد قربانی کی تو تاخیر کی وجہ سے اُس پر دَم واجب ہو گا۔ ان تمہیدی عبارات اور مذاہب اربعہ لکھنے میں ہمارے مندرجہ ذیل مقصد ہیں پہلا یہ کہ دسویں ذی الحج کے دن کرنے والے افعالِ حج کے واجب ہوتے ہیں کسی کا اختلاف نہیں سب ائمہ اِس کو واجب فرماتے ہیں۔ دوم یہ کہ حج کا واجب ترک ہو جائے تو دمِ کفارہ (جرمانہ) واجب ہے جیسے نماز کا واجب رہ جانے سے سجدہ سہو کا کفارہ (جرمانہ) واجب ہوتا ہے اسی طرح حج کا واجب رہ جانے سے دَم اور خون ذبح کرنے کا کفارہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ میزان الکبریٰ جلد دوم ص۳۷ پر امام عبد الوھاب شعرانی فرماتے ہیں۔ وَوَجْہُ وُجُوْبِ الدَّمِ فِیْ تَرْکِھَا اَنَّھَا صَارَتْ شِعَارًا فِی الْحَجِّ کَالْاَبْعَاضِ فِی الصَّلٰوۃِ۔ فَکَمَا یُجْبَرُ تَارِکُ الْبَعْضِ ذَالِکَ بِسُجُوْدِ السَّھْوِ کَذَالِکَ یُجْبَرُ تَارِکُ التَّلْبِیَۃِ (وَغَیْرِھَا) بِالدَّمِ فَافْھَمْ۔ ترجمہ حج کی بعض عملی چیزیں نماز کی بعض عملی چیزوں کی طرح ہیں تو جیسے نماز کے اُن اعمال کا

تارک سجدۂ سہو کرنے پر مجبور کیا جائے گا اسی طرح حج کے واجبات تلبیہ وغیرہ کے تارک کو ایک جانور کا دم یعنی خون ذبح کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ مقصدِ سوم چونکہ صاحبِ مضمون نے محض اپنی مطلب پرستی اور حاجیوں سے رقم بٹورنے کی خاطر اور قربانی سے بچنے کی خاطر، صاحبین کی طرف یہ اتہام لگایا ہے جیسا کہ مذکورہ فی السوال صاحبِ مضمون کی کتابچی کے صفحہ ۱۲ سطر ۲ میں ایک لغو اور بے سمجھی کا الزام لگایا ہے۔ صاحبین کا یہ مسلک کہیں مذکور و منقول نہیں۔ البتہ ہم نے یہاں باحوالہ ثابت کر دیا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قربانی دیر ہو جائے وقت نکلنے چلے جانے سے قربانی قضا ہو گی اور ہر عبارت کو جان بوجھ کر قضا کرنے سے گناہِ کبیرہ لازم آتا ہے تو اس طرح قربانی بعد میں کرنے سے بھی قضا کا گناہ لازم ہو گا جو آخرت میں ملے گا۔ لیکن امام اعظم تو اسی وقت اس پر دم واجب فرماتے ہیں بہرکیف بینک والی کمیٹی کے اس چھینا جھپٹی سے حج تو خراب ہو گیا۔ ان مقاصد سے ہم نے یہ تمہیدی حوالے پیش کئے اب رہا ترتیب ارکانِ حج کا مسئلہ اسی میں اختلاف اور تنازعہ ہے اور اس میں بھی صاحبِ مضمون نے زیادہ زور صرف قربانی کی تاخیر کے جواز پر دیا ہے تاکہ حاجی سے پیسے چھین لیے جائیں پھر قربانی کریں یا نہ کریں۔ حاجی کو پوچھنے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں کہ میری قربانی کی ہے یا نہیں اور کب کرنی ہے، کرنی بھی ہے یا نہیں۔ ترتیبِ ارکان کے بارے میں صاحبِ مضمون ص۱۳ پر لکھتا ہے کہ صرف امام ابوحنیفہ نے ترتیبِ افعالِ حج کو لازم و واجب قرار دیا ہے اِن کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی غیر مفرد کے لیئے ہدی اور ذبح اور سر منڈانے کے درمیان ترتیب کو لازم قرار نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں کہ صاحبِ مضمون پروفیسر عرفان بوجل کی یہ بات بھی عالمانہ اور سچائی کی نہیں بلکہ پروفیسرانہ قلم کاری ہے۔ ہماری تحقیق اس طرح ہے کہ امام اعظم کے نزدیک تو یہ وجوبِ ترتیب کا مسئلہ کا کثیر دلائل کے ساتھ مسلمہ و مشہورہ ہے جس کی وضاحت و تفصیل آئندہ مندرجہ ذیل سطور میں کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ لیکن المیزان الکبریٰ جلد دوم ص۴۸ اور کتاب رحمۃ الامۃ جلد اول ص۱۴۵ پر لکھا ہے کہ وَقَالَ اَحْمَدُ هٰذَا التَّرْتِيْبُ وَاجِبٌ ترجمہ امام احمد نے

فرمایا کہ یومِ نحر کے افعال چار ہیں رمی پھر قربانی پھر حلق پھر طوافِ افاضہ۔ ان کو ترتیب وار کرنا واجب ہے۔ اور مسلم شریف کی شرح نووی شافعی جلد اوّل بابُ جوازِ تقدیم الذبح صـ۴۲۱ پر ہے۔ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَمَالِکٌ وَعَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ وَالْحَسَنِ الْبَصَرِیْ۔ وَالنَّخْعِیْ وَقَتَادَۃَ وَرِوَایَۃٌ شَاذَّۃٌ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ مَنْ قَدَّمَ بَعْضَہَا عَلٰی بَعْضٍ لَزِمَہٗ دَمٌ۔ ترجمہ۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک نے فرمایا اور سعید ابن جبیر سے روایت ہے اور خواجہ حسن بصری اور امام نخعی تابعی اور امام قتادہ نے فرمایا اور ایک شاذ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے کہ جو شخص حج کے افعالِ واجبہ میں ترتیب بدل کر بعض کو بعض سے پہلے کرے تو دَم واجب ہو جاتا ہے تفسیر صاوی مالکی جلد صـ۸۲ پر ہے۔ لِاَنَّ الْوَاجِبَ یَفْعَلُہٗ یَوْمَ النَّحْرِ اَرْبَعَۃَ اَشْیَاءٍ عَلَی التَّرْتِیْبِ اَلرَّمْیُ فَالنَّحْرُ فَالْحَلْقُ فَطَوَافُ الْاِفَاضَۃِ۔ ترجمہ امام مالک کے نزدیک نحر کے دن حج کے چار کام ترتیب سے واجب ہیں رمی پھر ذبح پھر حلق پھر طوافِ افاضہ اِن دونوں حوالوں کی عبارتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آئمہِ ثلاثہ یعنی امام اعظم اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ترتیبِ افعالِ حج واجب ہے۔ کیونکہ ترک واجب پر ہی دم واجب ہوتا ہے۔ اب صرف امام شافعی کا مسلک ہوا کہ ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ تو اِن بینک ڈیپارٹمنٹ والے لوگوں کا حاجیوں پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ چند روپوں اور تھوڑی سی حرصِ دولت کی خاطر تمام حنفی مالکی حنبلی حجاج کے حج برباد کر دیتے ہیں نہ اللہ کا خوف نہ آخرت کا ڈر اب ہم مندرجہ ذیل سطور میں امام اعظم کے وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو ترتیب افعالِ حج کے وجوب پر ہیں۔

مسلکِ حنفی

امام اعظم ابو حنیفہ رض کے نزدیک یومِ نحر کے چاروں افعالِ حج کی ترتیب واجب ہے اگر جان کر کوئی شخص اِس ترتیب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تبدّل و تغیّر اور تقدّم و تاخر کرے تو دم واجب لیکن اگر کوئی مسئلے سے ناواقف

ہوا اور بھول کر ایسا کرے تو دم واجب نہ ہوگا۔ گویا کہ امام اعظم کے نزدیک جان کر غلطی کرتے اور بھول کر ایسا ترتیب میں غلطی کرنے والے کے جرم میں فرق ہے جان کر ترتیب والے کو سزاءً کفارہ پڑے گا بھول کر کی معافی ہے۔ ان دونوں حکموں کے حوالے اس طرح ہیں مذہب حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ اولین جلد اول ص۲۴۱ پر ہے۔ وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلْقَ حَتّٰى مَضَتْ اَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ (الخ) اَوَ نَحْرُ الْقَارِنِ قَبْلَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقُ قَبْلَ الذَّبْحِ لِاَنَّ التَّاخِيْرَ عَنِ الْمَكَانِ يُوْجِبُ الدَّمَ۔ ترجمہ۔ جس شخص نے مؤخر کر دیا سر منڈانے کو یہاں تک کہ ایامِ نحر گزر گئے تو اس پر دم واجب ہے امام اعظم کے نزدیک اور قِران والے (اور تمتع والے) نے رمی سے پہلے ذبح کر دیا اور ذبح سے پہلے سر منڈا دیا تب بھی دم واجب ہے۔ اس لیے کہ جان بوجھ کر (خود یا کسی کے بہکانے پر) ایک رُکنِ حج کو دوسرے رُکنِ حج سے آگے پیچھے کرنا جرم ہے اس سے کفارے کا دم واجب ہوتا ہے۔ یہ تو تھا جان بوجھ کر جرم کرنے والے کا حکم۔ بے علمی سے ناواقفی سے کرنے والے پر کفارہ نہیں مگر اُس کو فوراً وہ کام کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اَلْمِيْزَانُ الْكُبْرٰى جلد دوم ص۱۶۱ پر ہے وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ اَنَّهٗ لَوْ حَلَقَ رَاْسَهٗ اَوْ غَيْرَهٗ اَوْ قَلَّمَ ظُفْرَهٗ نَاسِيًا اَوْ جَاهِلًا فَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ۔ ترجمہ۔ اور ان ہی احکامِ فقہیہ میں سے تین امام یعنی امام اعظم امام مالک، امام احمد بن حنبل کا فرمان ہے کہ اگر کسی حاجی نے بھول کر یا مسئلے کی ناواقفی بے علمی سے پہلے سر منڈا لیا یا اپنے ناخن کاٹ لیے تو اُن پر اس بے شعوری کی وجہ سے فدیہ کا ذبح واجب نہیں ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ حنفی وغیرہ مسلک میں علمی اور بے علمی کے جرم میں فرق ہے اور یہ مسلک مشہور ہے۔ صاحبِ مضمون کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ سائل نے بھی لکھا اور موصولہ کتابچی میں بھی لکھا ہے۔ بعض حنفی علما فرماتے ہیں کہ بے علمی اب معتبر نہیں اور مسائلِ شرعیہ سے ناواقفی بے علمی اب معاف نہیں کی جائیگی بے علمی خود بذاتہٖ ایک جرم ہے اور فرض سے کوتاہی کیونکہ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ۔" ہاں شروع زمانۂ صحابہ میں ناواقفیِ مسائل عذر سمجھا

جاتا تھا جیسا کہ حج وداع میں تمام مسلمانوں کو پہلی دفعہ حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور باوجود بارگاہ نبوت سے نہایت تاکید وتکرار سے تمام مسائل حج سمجھاتے کے پھر بھی کچھ لوگوں تک نہ پہنچ سکے یا ذہن میں نہ رہے۔ اسی لیے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے محض بے شعوری کی وجہ سے ان کو اِن گناہ سے معافی اور معذور قرار دیتے ہوئے ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں اب جلدی سے وہ کام کر لو۔ دیر نہ لگانے کا حکم فرمایا۔ بہرکیف امام اعظم کے اس مسئلۂ ترتیب کی دونوں (علمی و بے علمی کی) شقوں پر حسبِ ذیل دلائل ہیں۔

امام اعظم کی پہلی دلیل۔ سورۃ حج آیت ۲۸ و ۲۹ پارہ ۱۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ۔ (الخ) ترجمہ۔ تاکہ مشاہدہ کریں اُن نفعوں کا جو اُن حاجیوں کے لیے ہیں مکہ مکرمہ میں اور اِن ایّامِ نحر میں اُن قربانیوں کو ذبح کریں جو اُن حاجی مسلمانوں کو ہم نے قران وتمتع کے لیے واجب کی ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی تکبیر پڑھ کر تو کھائیں کھلائیں غریبوں محتاجوں کو پھر ان قربانیوں کے بعد اِحرام سے کھلنے کے لیے اپنے بال منڈائیں۔ یعنی پہلے بال نہیں منڈا سکتے اس لیے کہ یہاں لفظِ ثمّ حرفِ عطف استعمال فرمایا گیا ہے اور ثمّ مکمل ترتیب وتراخی یعنی بعدیت کے لیے آتا ہے اور جب یہ لفظ کسی حکم شرعی کے لیے بولا جائے تو وجوب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی مشہور ومعتبر کتاب توضیح تلویح جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ پر ہے۔ ثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ مَعَ التَّرَاخِي۔ اور اس کے حاشیہ ۲ میں ہے۔ وَاسْتَدَلَّ الْحَنَفِيَّةُ عَلَى الشَّافِعِيَّةِ الْمُجَوِّزِينَ تَقْدِيمَ الْكَفَّارَةِ عَلَى الْحِنْثِ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ مَنْ حَلَفَ عَلَىٰ يَمِينٍ فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيَاْتِ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ثُمَّ لْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ وَذَالِكَ لِاَنَّ ثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ وَالتَّرَاخِي فَيَكُونُ التَّكْفِيرُ بَعْدَ الْاِتْيَانِ وَالْحِنْثِ۔ ترجمہ۔ چونکہ ثُمَّ ترتیب وتراخی کو واجب کرتا ہے اس لیے حنفی علماءِ اہلِ فتویٰ نے اُن شوافع کے مسلک کے خلاف حدیث پاک

سے دلیل فرمائی جو شافعی علماءِ کرام قسم ٹوٹنے سے پہلے ہی کفارہ دید ینے کو جائز مانتے ہیں۔ یہ کہ فرمایا آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائے پھر بعد میں اسے احساس ہو کہ یہ تو میں نے بُرا کیا یہ کام تو دینی یا دنیوی اعتبار سے بہت ضروری ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ کام کرے پھر اُس قسم کا کفارہ دے۔ یعنی پہلے کفارہ دینا جائز نہ ہو گا۔ حرفِ ثُمَّ کی وجہ سے ثُمَّ نے لازم کر دیا کہ کفارہ بعد میں واجب ہو۔ اصولِ فقہ کی دوسری مشہور کتاب نورُالانوار صفہ ۱۲۰ پر ہے۔ ثُمَّ یُفْهِمُ التَّرْتِیْبُ وَهُوَ تَقْدِیْمُ الْحِنْثِ عَلَى الْكَفَّارَةِ مِنَ الرِّوَایَةِ الْاُخْرٰى وَلَمْ یُعْكَسْ لِاَنَّ تَقْدِیْمَ الْكَفَّارَةِ عَلَى الْحِنْثِ غَیْرُ وَاجِبٍ بِالْاِتِّفَاقِ۔ (الخ) فَلَوْ عَمِلْنَا بِالرِّوَایَةِ الْاُوْلٰى یَلْزِمُ وَجُوْبُ تَقْدِیْمِ الْكَفَّارَةِ عَلَى الْحِنْثِ وَهُوَ خِلَافُ الْاِجْمَاعِ۔ اس عبارت کا تفصیلی معنیٰ یہ ہے کہ تمام فقہاءِ مجتہدین اور ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ حرف ثُمَّ سے ترتیب اور تراخی واجب ہو جاتی ہے اس قانونِ کلیہ کو امام شافعی علیہ الرحمۃ بھی مانتے ہیں۔ اس لیے احناف کی طرف سے اُن پر اعتراض کیا گیا کہ جب تم بھی کہتے ہو کہ ثُمَّ ترتیب وتراخی کو واجب کرتا ہے۔ تو پھر قسم کے ٹوٹنے سے پہلے کفارہ کیوں جائز مانتے ہو۔ حالانکہ حدیثِ مقدس میں ارشادِ نبوی ہے کہ۔ فَلْیَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ثُمَّ لِیُكَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ۔ پہلے وہ کام کر کے قسم توڑ دے جس کے نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی پھر کفارہ دے اور اے امامِ شافعی آپ نے جس خبرِ واحد سے پہلے کفارہ دینے کا جواز نکالا ہے وہاں بھی ثُمَّ ہے اور ثُمَّ سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ جواز تو آپ کو چاہیئے کہ اُس حدیث میں بھی پہلے کفارہ دینے کا وجوب تسلیم کرو۔ یعنی قسم توڑنے سے پہلے ہی کفارہ دینا واجب ہو جائے۔ ہم تو دونوں حدیثوں میں اس طرح مطابقت کر لیں گے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں ثُمَّ اپنے معنیٰ میں نہیں بلکہ مجازی معنیٰ بمعنیٰ واؤ ہے۔ امام شافعی والی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ فَلْیُكَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ ثُمَّ لِیَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ یہاں حرفِ ثُمَّ بمعنیٰ واؤ ہے اس لیے کہ اس کا تعلق قسم والے کے ذہنی احساس سے ہے اور پوری حدیث

کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کسی اچھے مفید کام کے نہ کرنے کی جلد بازی میں قسم اٹھائے پھر پچھتائے تو اس کا حل یہ ہے کہ کفارہ دینے پر تیار ہو جائے اور تب وہ قسم والا کام کرے ہماری پیش کردہ روایت میں ثُمَّ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اسی حدیثِ مقدس کے استدلال و استنباط سے تمام ائمہ کہتے ہیں کہ قسم کا کفارہ قسم ٹوٹنے کے بعد واجب ہوتا ہے نہ کہ پہلے خود امام شافعی کے نزدیک بھی بعد میں کفارہ واجب۔ پہلے صرف جواز کے قائل ہیں۔ مگر ہمارے اعتراض سے تمام شوافع لاجواب ہیں۔ یہاں اِن عبارات کا پیش کرنا اس لیے ہے کہ جس طرح حدیثِ پاک میں ثُمَّ آیا تو تمام فقہا نے فرمایا کہ اس ثُمَّ کی وجہ سے کفارہ بعد میں واجب ہوا اسی طرح قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے قربانی اور حلق میں ترتیب و تراخی کو واجب کرنے کے لیے ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ۔ ارشاد فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترتیبِ اعمالِ حج کے وجوب پر آیت کریمہ سے اتنی صاف واضح اور مضبوط دلیل ہے کہ کسی امام و مجتہد کے پاس اس کا جواب نہیں۔ ایسے ہی روشن دلائل کی وجہ سے تمام ائمہ کی گردنیں امام اعظم کے حضور جھکی ہوئی ہیں۔ توڑنے کی جرأت نہیں بولنے کا یارا نہیں۔

امام اعظم کی دوسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۲۴۳ پر ہے۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدٌ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَهٗ بِذٰلِكَ۔ ترجمہ۔ حضرت مسور فرماتے ہیں کہ بے شک آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِّ وداع میں سر منڈانے سے پہلے قربانی فرمائی اور تمام صحابہ کو ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ دراصل حجۃ الوداع کا ہے اسی لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حج وداع میں ایسا ہی کیا کیونکہ یہ امر تھا اور امرِ مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ صرف ایک حاجی صحابی ایسے تھے جنہوں نے غلطی لاعلمی سے سر پہلے منڈا لیا جن کی بے علمی کے عذر کی وجہ سے لَا حَرَجَ کہہ کر اُن کو معافی دیدی گئی۔ امام بخاری نے غلطی سے اس حدیث پاک کو باب القصر میں لکھ دیا حالانکہ حدیثِ پاک میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیبِ ارکانِ حج واجب اور امام

اعظم کا مذہب صحیح اور مضبوط اور قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

تیسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الحج۔ عَنْ اَبِیْ موسیٰ (الخ) كُنْتُ اُفْتِیْ بِهَا النَّاسَ حَتّٰی خِلَافَةِ عُمَرَ فَذَكَرْتُهُ لَهُ فَقَالَ اِنْ نَاْخُذْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ يَاْمُرُنَا بِالتَّمَامِ وَاِنْ نَاْخُذْ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحِلَّ حَتّٰی بَلَغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهُ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں لوگوں کو حج کے مسائل پر فتویٰ دیا کرتا تھا یہاں تک کہ خلافت فاروقی کے زمانے میں۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو بے شک وہ ہم کو حکم فرماتا ہے اَتِمُّوا الْحَجَّ (الخ) کا اور اگر بے شک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو لیتے ہیں تو بے شک سنت طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احرام سے نہیں کھلتے تھے جب تک کہ آپ کی ہدیٰ قربانی ذبح نہ ہو جاتی۔ یعنی ہم تو اسی کو سنت لازمی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر عمل کرتے ہیں اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیب لازمی ضروری۔ واجبی ہے کسی صحابی نے کبھی ساری عمر کسی حج میں بھی فرض یا نفلی اس ترتیب کی مخالفت نہ کی۔

چوتھی دلیل۔ مسلم شریف جلد اول صہ ۴۱۹ پر ہے۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ جَمِيْعًا عَنْ عِيْسَی بْنِ يُوْنُسَ قَالَ ابْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيْسٰی عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُوْلُ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِیْ عَلٰی رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ۔ اس کی شرح نووی میں ہے هِیَ لَامُ الْاَمْرِ وَمَعْنَاهُ خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ وَهٰذَا وَقَعَ فِیْ رِوَايَةِ غَيْرِ مُسْلِمٍ وَتَقْدِيْرُهُ هٰذِهِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ اَتَيْتُهَا فِیْ حَجَّتِیْ مِنَ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ هِیَ اُمُوْرُ الْحَجِّ وَصِفَتُهُ وَهِیَ مَنَاسِكُكُمْ فَخُذُوْهَا عَنِّیْ

وَ اتْقِنُوْ ھَا وَ احْفِظُوْھَا وَ اعْلِمُوْا بِھَا وَ عَلِّمُوْھَا النَّاسَ وَھٰذَا الْحَدِیْثُ اَصْلٌ عَظِیْمٌ فِیْ مَنَاسِکِ الْحَجِّ وَھُوَ نَحْوُ قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے رمی فرمائی اپنی سواری پر بیٹھ کر نحر کے دن اور آپ فرماتے تھے کہ مسلمانو اپنے حج کے پورے اعمال مجھ سے سیکھ لو۔ لو کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ شاید میں اپنے اس (پہلے اور آخری) حج کے بعد حج نہ کروں۔ اِس کی شرح میں امام نووی نے فرمایا کہ یہاں لِتَاخُذُوْا میں۔ لامِ امر ہے۔ اور اس حدیث پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ تم لوگ اپنے حج کے کام سیکھ لو یہ روایت مسلم کے علاوہ بھی دیگر کتب میں ہے مکمل معنیٰ یہ ہے کہ یہ کام جو میں نے اپنے حج میں ادا کئے ہیں وہی اَقوال اَفعال حج کے اُمور ہیں اور جس طریقے اور جس صفت و ترتیب سے میں نے اَدا کئے ہیں بس اُسی طریقے سے تمہارا حج ہے لہٰذا اچھی طرح دھیان رکھ کو مجھ سے لے لو۔ قبول کر لو اور یاد کر لو اور بالکل اسی طرح عمل کرنا خبردار آگے پیچھے نہ کرنا اور تاقیامت اپنے بعد والے مسلمانوں کو سکھاتے چلے جاؤ۔ یہ حدیث پاک مناسکِ حج کے فرائض واجبات سنن و مستحبات کے بارے میں بہت ہی بڑی دلیل ہے۔ اور یہ دلیل بالکل اسی طرح دلیل ہے جس طرح آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانوں تاقیامت اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھو یعنی جس طرح نماز میں ذرّہ بھر مخالفت کرنے سے نماز یا ٹوٹ جاتی ہے یا سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اسی طرح حج میں بھی ذرا سی مخالفت حج کو فاسد کر دیتی ہے یا دَم واجب کر دیتی ہے۔ اور یا جس طرح نماز کے اَفعال فرض اور واجب سنت مستحب ہوتے ہیں اس طرح حج کے ارکان بھی فرض واجب سنت مستحب ہیں اور جس طرح نماز کے افعال میں ترتیب واجب ہے اسی طرح حج کے اعمال میں بھی ترتیب واجب ہے۔ نماز کی ترتیب بدلنے سے سجدہ سہو واجب حج کی ترتیب بدلنے دَم واجب۔ ایسے دلائل کو فقہ اسلامیہ کی اصطلاح میں دلیلِ تشبیہی کہتے ہیں اسی

قسم کی ایک دلیل تشبیہی آمین آہستہ کہنے کے لزوم۔ اور بلند کہنے کی ممانعت میں علماءِ احناف پیش فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک محفل میں حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ دیکھو بخاری شریف جلد اوّل بَابُ الآمین ص۲۱۶ میں ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُسْلَمَۃَ (الخ) عن اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ اُلْاِمَامُ وَلَا الضَّالِیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ (الخ) ترجمہ جب امام وَلَا الضَّالِیْن۔ کہے تو تم مقتدی آمین کہو۔ (کیونکہ آسمان پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اِسی باب کی ایک دوسری حدیث) توجس کی آمین فرشتوں کی آمین کے مطابق ہوجائیگی اُس کے بخش دیئے جائیں گے (اگلے پچھلے گناہ) اِس سے چند سطور آگے بَابُ فَضْلِ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ میں ہے کہ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ (الخ) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ فَقُوْلُوْا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ (الخ) ترجمہ۔ جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تمام مقتدی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں۔ پس بے شک جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہوگیا اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے۔ یہاں دونوں حدیثوں میں ایک جیسے ہی لفظ ہیں۔ یعنی تم مقتدیوں کی آمین بھی تا قیامت فرشتوں کی آمین کے موافق ہونی چاہیئے اور بعد رکوع تحمید بھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ موافقت۔ قرئت تلاوت اور زیر زبر میں نہیں کیونکہ وہ تو ہم سنتے ہی نہیں یہ موافقت محال ہے۔ بلکہ اقتضاءً یہ موافقت خاموشی میں ہے یعنی جس طرح فرشتوں کی آمین اور تحمید (رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ) سنائی نہیں دیتی اس طرح تمہاری بھی آمین وتحمید سنائی نہ دینی چاہیئے تب تمہارے گناہ بخشے جائیں گے۔ اگر موافقت نہ ہوئی تو نہ بخشے جائیں گے جب اس حدیث پاک کی بنا پر سب مسلمان مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ آہستہ کہتے ہیں تو آمین بھی آہستہ کہنی چاہیئے سُبْحَانَ اللہ کیا مضبوط دلیل ہے۔ اس کو دلیلِ تشبیہی کہتے ہیں۔

یہ تنبیہی دلیل تو ضمناً آ گئی ہے مگر مندرجہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ حج اور ترتیب نبوی بھی واجب ہے۔ تمام صحابہ کرام آخری عمر تک اسی طریقۂ نبوی کے مطابق حج کرتے رہے۔

پانچویں دلیل۔ ھدایہ شریف جلد اوّل ص۲۱۲ پر ہے۔ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ نُسُکِنَا فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا اَنْ نَرْمِیَ ثُمَّ نَذْبَحَ ثُمَّ نَحْلِقَ۔ ترجمہ۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے حج کے اِس یوم نحر میں ارکان حج اس ترتیب سے ہیں کہ پہلے ہم رَمی کریں پھر اُس کے بعد ہم قربانی ذبح کریں پھر اُس کے بعد ہم سر منڈائیں۔ یعنی اے تمام تاقیامت مسلمانو تم سب یہ ترتیب یاد رکھو یہ لازم ہے اس کی تحقیق میں صاحب درایہ فرماتے ہیں ص۱۶۱ پر۔ لَمْ اَجِدْہُ لٰکِنْ اَخْرَجَہُ الْخَمْسَۃُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی مِنًی فَاَتَی الْجَمْرَۃَ فَرَمَاھَا ثُمَّ مَنْزِلَہٗ بِمِنًی فَنَحَرَ۔ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ (الخ) ترجمہ صاحب درایہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لفظوں سے یہ روایت صحاح ستہ میں نہ پائی لیکن اِس مضمون کی حدیث پاک صحاح ستہ میں سے پانچ محدثین نے اپنی کتب میں تخریج فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم جب مزدلفہ سے منیٰ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے جمرۂ عقبیٰ کے پاس گئے اور رمی فرمائی پھر منزل پر آئے اور قربانی فرمائی پھر بعد میں حجام کو فرمایا کہ لو اِس جانبِ ایمن سے بال کاٹو۔ پھر بائیں جانب سے۔ اس سب دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیبِ ارکان ہی لازم ہے۔

چھٹی دلیل۔ یہاں تک تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے دلائل سے امامِ اعظم کا مسلک ثابت ہو۔ اب ذرا صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کے دلائل ملاحظہ فرمائیے۔ چنانچہ درایہ باب الجنایات فی الاحرام میں ہے، وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَنْ قَدَّمَ نُسُکًا عَلٰی نُسُکٍ فَعَلَیْہِ دَمٌ۔ لَمْ اَجِدْہُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ اِنَّمَا ھُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَکَذَا ھُوَ فِیْ بَعْضِ النُّسَخِ اَخْرَجَہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ مِنْ طَرِیْقِ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

مَنْ قَدَّمَ شَیْئًا مِنْ حَجِّہٖ اَوْ اَخَّرَہٗ فَلْیُھْرِقْ لِذَالِكَ دَمًا وَاَخْرَجَہٗ الطَّحَاوِیُ مِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ اَحْسَنَ مِنْہُ۔ حضرت ابن مسعود یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس حاجی نے اپنے حج کے کسی رکن اور واجب کو کسی رکن واجب پر مقدم کر دیا تو اُس پر دم واجب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ترتیب ارکان بھی واجب ہے درایہ نے فرمایا کہ یہ حدیث شریف میں نے ہدایہ میں دیکھی مگر کسی حدیث کی کتاب میں مجھے نہ ملی ہاں البتہ یہی حدیث پاک حضرت عبداللہ ابن عبّاس سے مروی ہے اور ہدایہ کے بہت سے نسخوں میں بھی ابن مسعود کے بجائے ابن عباس یعنی حضرت عبداللہ کی ولدیت غلط لکھی گئی اور مصنف یا کاتب غلطی کھا گیا بہرکیف اِس حدیث پاک کو ابن عبّاس کی روایت سے امام محدّث ابوبکر ابنِ ابی شیبہ نے حَسَن اسناد سے تخریج فرمایا محدّثِ کبیر امام مجاہد کی طرز اِسناد پر (ثقہ راویوں سے) ہے کہ عَنْ ابن عباس (عبداللہ ابن عباس سے) روایت ہے کہ جس حاجی نے اپنے حج کا کوئی بھی واجب کام آگے پیچھے کر دیا تو اُس پر دَم واجب ہے کہ اس جرم کی سزا میں ایک جانور ذبح کرے یعنی دَم واجب ہے۔ اس حدیث پاک کو طحاوی نے بھی ایک دوسری سند سے تخریج (نقل) فرمایا جو ابن ابی شیبہ کی سند سے زیادہ اچھی اور ثقہ ہے۔ اِس دلیل سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کے نزدیک ترتیبِ ارکان واجب ہے۔

ساتویں دلیل۔ مؤطا امام مالک۔ باب مَنْ نَسِیَ مَالِكٌ عَنْ اَیُّوبَ بْنِ اَبِیْ تَمِیْمَۃَ السَّخْتِیَانِیْ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ نَسِیَ مِنْ نُسُکِہٖ شَیْئًا اَوْ تَرَکَہٗ فَلْیُھْرِقْ دَمًا۔ یعنی جو شخص اپنے حج کا کوئی کام بھول گیا یا اُس نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اُس کا کفّارہ یہ ہے کہ بکری وغیرہ کو ذبح کرے۔ یہ حدیث عام ہے حج کے ہر واجب کو جس میں ترتیب بھی شامل اور امام مالک کے نزدیک ترتیبِ واجباتِ حج بھی واجب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا مزید ابن ماجہ شریف کے حاشیہ ۶ میں صہ ۲۲۵ پر ہے۔ قَوْلُہٗ لَاحَرَجَ۔ اِعْلَمْ اَنَّ الرَّمْیَ

وَالذِّبْحُ وَالْحَلْقُ وَالطَّوَافُ وَاخْتَلَفُوْا فِيْ اِنَّ هٰذَا التَّرْتِيْبَ سُنَّةٌ اَوْ وَاجِبٌ فَذَهَبَ جَمَاعَةٌ وَمِنْهُمُ الْاِمَامُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ اِلَى الْوُجُوْبِ وَقَالُوْا اَلْمُرَادُ بِنَفْيِ الْحَرَجِ وَفْعُ الْاِثْمِ لِلْجَهْلِ وَالنِّسْيَانِ لٰكِنَّ الدَّمَ وَاجِبٌ (از لمعات) ترجمہ۔ یوم نحر کے اعمال کی ترتیب میں مجتہدین کا اختلاف ہے کہ یہ ترتیب سنّت ہے یا واجب ایک جماعت نے اس کو واجب کہا ہے اُس میں امام اعظم اور امام مالک بھی ہیں یعنی اِن دونوں کے نزدیک بھی ترتیب واجب ہے اِن تمام فقہاءِ مجتہدین نے فرمایا۔ روایت میں لَا حَرَجَ فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اُخروی گناہ اور عذاب نہیں۔ لیکن دم واجب ہوگا صاحبِ لمعات شرح مشکوٰۃ آگے لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے وضاحت سے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جس نے ترتیب چھوڑی اُس پر دم واجب ہے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول مفتی صحابہ ہیں انہوں نے اپنے کانوں سے لَا حَرَجَ والا ارشادِ اقدس یقیناً سنا ہوگا اگر لَا حَرَجَ کا معنیٰ لَا اِثْمَ نہ ہوتا تو عبد اللہ ابنِ عباس کبھی بھی یہ فتویٰ وجوب دَم عَلٰی تَرْکِ التَّرْتِیْب پر جاری نہ فرماتے۔ تمام صحابہ میں صرف تین صحابہ کرام ہی فتویٰ جاری فرماتے تھے اور تمام صحابہ اس کو مانتے تھے۔ گویا ان کا فتویٰ تمام صحابہ کرام کا عمل اور آواز ہوتا تھا اور ان تینوں بزرگوں کے نام عبد اللہ تھا ۱۔ عبد اللہ ابن عمر ۲۔ عبد اللہ ابن عباس ۳۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ ترکِ ترتیب تین قسم کا ہے ۱۔ ترک بالجہل۔ اس میں دم واجب نہیں لَا حَرَجَ کا ایک معنیٰ امام اعظم کے مسلک میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ ۲۔ ترک بِالنِّسیان یعنی مسئلہ تو معلوم تھا مگر غلطی سے بھول کر تقدّم و تأخر کر دیا۔ اس میں دَم واجب ہے جیسا کہ مُؤطا کی پیش کردہ روایت سے ثابت کیا گیا ۳۔ ترک بالارادہ یعنی سب کچھ جانتے بوجھتے محض غفلت وسُستی یا کسی کے ورغلانے بہکانے سے قربانی سے پہلے سر منڈا دیا جیسا کہ اب ظلم ہو رہا ہے اور یہ اِس قسم کی بنک ڈیولپمنٹ پارٹیاں لوٹنے کھسوٹنے پر لگی ہوئی ہیں ایسی صورت میں ترکِ ترتیب پر دَم بھی واجب اور گناہ بھی لازم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ میری دعا ہے کہ ہر حاجی کو اللہ تعالیٰ اِن عبادت کے ڈاکوؤں سے بچائے۔

آٹھویں دلیل۔ امام اعظم کے مسلک کی آٹھویں دلیل اس کو عقلی کہا جاتا ہے یہ کہ مسلم شریف جلد اوّل باب حَجَّةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ص۳۹۴ پر ہے

حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ (الخ) فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنْ حَجَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَثَ تِسْعَ سِنِیْنَ لَمْ یَحُجَّ ثُمَّ اُذِّنَ فِی النَّاسِ فِی الْعَاشِرَۃِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ بَشَرٌ کَثِیْرٌ کُلُّھُمْ یَلْتَمِسُ اَنْ یَّاْتَمَّ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وَیَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِہٖ فَخَرَجْنَا مَعَہٗ (الخ) فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ رَکْعَتَانِ فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَکِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰی اِذَا اسْتَوَتْ بِہٖ نَاقَتُہٗ عَلَی الْبَیْدَاءِ نَظَرْتُ اِلٰی مَدِّ بَصَرِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِنْ رَاکِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ وَعَنْ یَسَارِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ وَمِنْ خَلْفِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ۔ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَظْھُرِنَا۔ (الخ) جابر بن عبد اللہ سے اُن کے بھتیجے ابو جعفر نے کہا کہ چچا جان مجھ کو حَجَّۃُ الْوَدَاعِ کے حالات سنائیے انہوں نے ہاتھ پر گن کر فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نو سال تک حج نہ فرمایا (کیونکہ حج فرض ہوا ہے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۹۷ کے نزول سے جو اس وقت تک نازل نہ ہوئی تھی ہجرت کے نویں یا دسویں سال یہ آیت نازل ہوئی اور ذیقعد میں ستائیس ۲۷ تاریخ کو حج فرض ہوا) ہجرت کے دسویں سال آپ نے حج فرمایا (یہی پہلا اور آخری حج ہوا) اعلان کیا گیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اِسی سال حج فرمائیں گے اے ہیں لوگ (صحابہ کرام) اُس سال حج کے لیے اتنے کثیر تعداد میں جمع ہوئے کہ جب ہم مکہ شریف کے قریب مقام بیدا میں پہنچے تو تا حدِّ نظر حاجیوں کی بھیڑ تھی سواری بھی پیدل بھی آپ کے داہیں بھی بائیں بھی پیچھے بھی اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے ہمارے جلو میں تھے۔ (بھلا وہ آگے کیسے ہو سکتے تھے اور جانِ آقا بیٹھ کیسے کر سکتے تھے وہ صحابی تھے وہابی نہ تھے۔ یہ تو وہابی خبیث ہی ایسا کر سکتا ہے کہ اگلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور بیٹھ اور سجدے کے

قدم مواجہ شریف کی طرف کرے)۔ اس سے عقلاً یہ ثابت ہوا کہ حجۃ الوداع میں
تقریباً اسی ہزار صحابہ تھے۔ جنہوں نے حج ادا فرمایا اُن تمام میں سے صرف ایک حاجی
بارگاہِ اقدس میں آکر عرض کرتا ہے یارسول اللہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا
کیونکہ لَمْ اَشْعُرْ۔ مجھ کو مسئلے کا پتہ نہ لگا۔ اس کو فرمایا گیا لَا حَرَجَ تجھ پر حرج نہیں جا
جلدی ذبح کرلے خود تم اندازہ کیجئے ان مفاد پرست ٹولے کی حماقت و جلد بازی
کا کہ تمام ہزاروں کی تعداد کا عمل چھوڑ کر ایک شخص کی بے علمی کے عمل کا سہارا پکڑ کر
یہ ظلم کر رہے ہیں۔ تمام صحابہ کا عمل تو ترتیب کے وجوب پر ہے۔ ایک اپنی غلطی
کا اعتراف کر رہے ہیں مگر کثرت و جمہور کے عمل کو چھوڑ کر ایک غلط عمل پر اصرار
کرنا کتنی بڑی غلطی ہے۔ صحابہ کے اس اجماعی عمل سے بھی ثابت ہوا کہ ترتیبِ
ارکانِ حج واجب ہے۔

نویں دلیل۔ ھدایہ شریف ص۲۱۲ جلد اوّل کتاب الحج میں ہے۔ وَلِاَنَّ الْحَلْقَ
مِنْ اَسْبَابِ التَّحَلُّلِ۔ ثُمَّ الْحَلْقُ مِنْ مَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ فَيُقَدَّمُ
عَلَيْهِ الذَّبْحُ۔ ترجمہ۔ اور ترتیبِ ارکان واجب ہونے اور سر منڈانا ذبح
کے بعد لازم ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حدیث وقرآن کی رُو سے سر منڈانا
احرام کے کھولنے کے لیے واجب کیا گیا ہے۔ اسی لیے سر منڈانا احرام کے
ممنوعات میں سے ہے۔ تعلیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حجۃ الوداع میں عملِ
صحابہ سے ثابت ہے کہ قربانی اور اُس سے پہلے جمرہ عقبیٰ کی رمی بحالتِ احرام
واجب ہے یعنی احرام بندھا ہو تب ہی رمی کرتا ہے اور تب ہی قربانی کرنی
ہے عام لباس میں یہ قربانی وغیرہ نہیں کرسکتے۔ اسی لیے شریعت نے سر منڈانے
کو قربانی سے بعد میں واجب کیا۔ اور قربانی کو حلق پر مقدم کیا۔ یہ تو تھی شریعت
کی قیاسی دلیل اب جب کہ حاجی لوگ اپنا پیسہ بینک کو دیدیں گے تو وہ تو آتے
ہی کھل جائیں گے احرام اتار دیں گے سر منڈائیں گے۔ اب اگر قربانی ہوئی بھی کسی
کو خوفِ خدا آبھی گیا اور امانت داری کا خیال کر بھی لیا (جس کا اگرچہ امکان کم ہے)
تب بھی احرام تو پہلے ضائع ہوگیا حاجی پر دم واجب ہوگیا۔ اس لیے اے
کمپنیوں کمیٹیوں والو خدا کے لیے مسلمانوں بے چاروں کے حج پر رحم کرو ان کے

حج کو اُن کے عمدی جرائم سے برباد مت کرو۔

دسویں دلیل۔ حنفی مسلک میں ترتیب کے وجوب کی دو شقیں ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ایک یہ کہ کوئی حاجی بے علمی کی وجہ سے ترتیب توڑ دے تو حنفی مسلک میں اُس پر جرم شرعی عائد نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کو مسئلہ معلوم نہ تھا (اگرچہ فی زمانہ اِس کا امکان کم ہے) ایسی نا واقفی بے شعوری سے کوئی شخص ارکان آگے پیچھے کر دے تو دم واجب نہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اوّل کتاب الحج باب ما ص ۴۲۱ پر ہے۔ حَدَّثَنِیْ حَرْمَلَۃُ (ابْنُ مُحْرِمٍ (الخ) اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ یَقُوْلُ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ وَطَفِقَ نَاسٌ یَسْئَلُوْنَہٗ فَیَقُوْلُ الْقَائِلُ مِنْھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ اَشْعُرُ اِنَّ الرَّمْیَ قَبْلَ النَّحْرِ فَنَحَرْتُ قَبْلَ الرَّمْیِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ وَطَفِقَ اٰخَرُ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَمْ اَشْعُرْ اَنَّ النَّحْرَ قَبْلَ الْحَلْقِ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ فَیَقُوْلُ اَنْحَرْ وَلَا حَرَجَ۔ قَالَ فَمَا سَمِعْتُہٗ سُئِلَ یَوْمَئِذٍ عَنْ اَمْرٍ مِمَّا یَنْسَی الْمَرْءُ وَیَجْھَلُ مِنْ تَقْدِیْمِ بَعْضِ الْاُمُوْرِ قَبْلَ بَعْضٍ وَاَشْبَاھِھَا اِلَّا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْعَلُوْا ذَالِکَ وَلَا حَرَجَ ترجمہ حرملہ بن یحییٰ نے حدیث پاک بیان فرمائی لمبی سند کے ساتھ کہ بے شک انہوں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما ہوئے (منیٰ میں) تو لوگ آکر آپ سے مسائل پوچھنے لگے تو ایک شخص نے ان میں سے عرض کیا یا رسول اللہ۔ بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رمی قربانی سے پہلے واجب ہے پس میں نے (بے علمی کی غلطی سے) قربانی پہلے کر لی ہے اب کیا کروں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جلدی رمی کر لو اور کوئی حرج نہ ہوا۔ راوی نے فرمایا کہ پھر دوسرا شخص آیا عرض کیا بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ قربانی سر منڈانے سے پہلے ہے اس لیے میں نے غلطی سے پہلے سر منڈا لیا ہے قربانی ابھی تک نہیں کی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جلدی جاؤ ذبح کرو۔ اور کوئی حرج نہیں۔ راوی

نے فرمایا کہ پھر تیسرا شخص آیا اور عرض کیا بے شک مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ (رمی) سر منڈانے سے پہلے ہے اس لیے میں نے غلطی سے پہلے سر منڈا لیا ہے (رمی) ابھی تک نہیں کی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جلدی جاؤ رمی کرو۔ اور کوئی حرج نہیں۔ راوی نے فرمایا کہ اس دن جو بھی اس قسم کا مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو میں نے جہالت سے بھولنے والے سائل اور بعض امور کو بعض سے مقدم کرنے والے یا اس کے مشابہ سوالات کے جواب میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف یہی سنا کہ اب فوراً اس کام کو کر لو اور کوئی حرج نہیں۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ صرف بے علمی اور مسئلے سے ناواقفی کی بنا پر کوئی قربانی وغیرہ سے پہلے سر منڈا لے تو اس کو فوراً اپنی نگاہوں کے سامنے قربانی اسی دن کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی جان کر کسی وجہ سے پہلے سر منڈا لے تو دم واجب ہے۔

گیارھویں دلیل۔ سورۃ بقرہ ع۲ آیت ۱۹۶ پارہ ع۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔ (الخ) ترجمہ۔ اے حاجی مسلمانو اپنے سر نہ منڈا لینا جب تک ھدی قربانی اپنی آخری جگہ نہ پہنچ جائے یعنی ذبح نہ ہو جائے۔ ہاں جو حاجی تم میں سے بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کسی قسم کی بیماری ہو جائے تو سر منڈانے سے اس پر فدیہ کفارہ واجب ہوگا اس کے ادائیگی کی تین صورتیں ہیں یا وہ شخص روزے رکھے یا مالی صدقہ دے یا بکری ذبح کرے۔ اس کی وضاحت حدیث پاک میں اس طرح ہے کہ مؤطا امام مالک رضی جلد اوّل کتاب الحج باب فِدْيَةُ مَنْ حَلَقَ قَبْلَ اَنْ يَّنْحَرَ۔ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ ابْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ (الخ) عَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمًا فَاٰذَاهُ الْقَمْلُ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّحْلِقَ رَاْسَهٗ وَقَالَ صُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ مُدَّيْنِ لِكُلِّ اِنْسَانٍ اَوْ اُنْسُكْ بِشَاةٍ اَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ اَجْزَاَهُ عَنْكَ (الخ)

قَالَ مَالِكٌ فِي فِدْيَةِ الْأَذَى أَنَّ الْأَمْرَ فِيهِ أَنَّ أَحَدًا لَا يَفْتَدِي حَتَّى يَفْعَلَ مَا يُوجِبُ عَلَيْهِ الْفِدْيَةَ وَأَنَّ الْكَفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ وُجُوبِهَا عَلَى صَاحِبِهَا وَأَنَّهُ يَضَعُ فِدْيَةً حَيْثُ مَا شَاءَ النُّسُكَ أَوِ الصِّيَامَ أَوِ الصَّدَقَةَ ۔ (الخ) ترجمہ۔ امام مالک نے فرمایا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحالتِ احرام تھے اُن کو اُن کے سر کی جوئیں بہت تکلیف دیرہی تھیں نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مشورہ دیا کہ سر منڈالو اور کفارہ دیدو۔ کیونکہ یہ جانتے ہوجھتے قربانی سے پہلے سر منڈانا تھا۔ یہ حج کے واجبات کا ترک ہے یہ کفارہ اور فدیہ تین روزے یا صدقہ یا دم واجب ہے اور یہ کفارہ ترکِ واجب کا کام کرلینے کے بعد واجب ہوگا۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ مسئلہ کا علم ہوتے ہوئے جان کر اگرچہ کسی مجبوری بیماری کی وجہ سے قربانی سے پہلے حلق کرلیا تب بھی دم وغیرہ کفارہ واجب ہے اُس زمانے میں ترکِ واجب کی عمدی صورت بس یہی تھی اس لیے اس کا ذکر فرمایا گیا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کبھی کسی زمانے میں چند پیسوں کی لوٹ کھسوٹ کی خاطر خاص منصوبہ بندی کرکے قرآن و حدیث اور اللہ رسول کی صاف صاف مخالفت کی جائیگی بلکہ یہاں تک کفر کیا جائے گا کہ ترتیبِ حج میں صرف اپنی خباثت پالنے کے لیے اعمالِ رسول اور تعلیم قرآن مجید کو نقصان دہ کہا جائے گا۔ مقامِ غور ہے کہ جب بیماری کی وجہ سے قربانی سے پہلے سر منڈالیا تب بھی کفارہ معاف نہ ہوا تو جو بلا وجہ اپنی قربانی کے پیسے ایک گروہ کے سپرد کردے اُس پر کفارہ کیوں نہ واجب ہوگا۔ یہ تھے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجوبِ ترتیب پر قرآن و حدیث کے دلائل جس کے مقابل بولنے کی نہ امام شافعی کو جرأت ہے نہ امام مالک نہ امام حنبل کو۔ ابن ماجہ صفحہ ۲۲۵ کتاب الحج باب مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا قَبْلَ نُسُكٍ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُحَمَّدٍ (الخ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّنْ قَدَّمَ شَيْئًا قَبْلَ شَيْءٍ إِلَّا يُلْقِي بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا قَالَ لَا حَرَجَ۔ ترجمہ۔ علی ابن محمد رض نے حضرت عبد اللہ ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کے کسی رکن کو آگے پیچھے کر دیا اس کا کیا حکم ہے جب کہ اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے وہ رکن ادا کر بھی لیا ہو تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تب کوئی گناہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آگے پیچھے کرنے میں یہ لازم شرط ہے کہ اپنے ہاتھ سے وہ رکن خود ادا کرے جس کو پیچھے کر دیا تھا حالانکہ اس کام کو پہلے کرنا چاہئے۔ اور پھر نفی گناہ کی ہے۔ نہ کہ فدیہ کی اور دم کی۔

دوسری فصل۔ صاحب مضمون نے اپنے مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ارکانِ حج کی ترتیب صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی سے صرف امام ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دم کفارہ واجب باقی تین ائمہ امام مالک احمد بن حنبل امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک یہ نہ ترتیب واجب بلکہ سنت نہ اس کے ترک اور آگے پیچھے کرنے پر دم واجب حالانکہ مضمون نگار کی یہ بات قطعاً غلط ثابت ہوئی ہم نے حنفی دلائل میں مختلف کتب کے حوالوں سے ثابت کر دیا کہ امام اعظم کے علاوہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مسلک و مذہب میں بھی ارکان کی ترتیب واجب ہے۔ اور ترتیب کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہے۔ اور ہر واجب کے ترک پر کفارہ اور دم واجب ہوتا ہے۔ البتہ صرف امام شافعی علیہ الرحمۃ تو اکثر مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اگرچہ اُن کے دلائل اکثر بہت کمزور ہوتے ہیں جن کو اجتہادی غلطی ہی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں بھی امام شافعی کے پاس صرف ایک دلیل ہے اور اسی کا ذکر کیا ہے صاحب مضمون نے جب کہ صاحب مضمون نے امام ابوحنیفہ رض کی دو دلیلیں پیش کر کے اس مسلک کی مضبوطی کا در پردہ اعتراف کر لیا۔ مگر ہم نے بحمدہ تعالیٰ قرآن مجید اور احادیث پاک سے گیارہ انتہائی مضبوط دلیلیں پیش کر کے امام اعظم بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی حقانیت ثابت کر دی۔ اگر اب بھی کسی کو اصرار ہو کہ ائمہ ثلاثہ یعنی مالک حنبل شافعی کا مسلک وجوبِ ترتیب اور وجوبِ دم کا نہیں یا فرضاً تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تینوں ائمہ ثلاثہ ترتیب ارکان کو واجب نہیں مانتے اور اس کی

مخالفت پر دم کفارہ نہیں کرتے تب یہ بھی مسلک غلط ہے قرآن وحدیث اور عمل نبوی وصحابہ کے خلاف ہے بہرکیف دلیل ایک ہی ہے۔ اور وہ بھی نہایت کمزور رہا صاحبین کا مسلک تو وہ صرف اُس وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اُس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول نہ ملے۔ اور امام اعظم کے قول کے ہوتے ہوئے صاحبین کا قول رد کر دیا جاتا ہے چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ۔ اپنی اصول کی کتاب عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں۔ وَ الْفَتْوٰى عَلٰى قَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ مُطْلَقًا وَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ قَوْلُ الْاِمَامِ فَعَلٰى قَوْلِ صَاحِبَيْنِ۔ اس دلیل سے مسلکِ صاحبین کی حقیقت آشکارا ہوگئی مگر صاحبین کے پاس بھی ترتیب واجب نہ ہونے کی دلیل صرف یہی ایک روایت ہے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام یوسف و امام محمد علیہم الرحمۃ اپنی اس دلیل میں بخاری شریف جلد اول ص۲۳۴ اور مسلم شریف جلد اول ص۴۲۱ ابوداؤد شریف جلد اول کتاب الحج باب مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا قَبْلَ شَىْءٍ فِىْ حَجِّهٖ ص۲۷۵ اور ترمذی شریف جلد اول ص۱۸۳۔ ابن ماجہ یہی کتاب یہی باب ص۲۲۵ اور مشکوٰۃ شریف ص۲۳۳ کی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں۔ فصل اول عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْئَلُوْنَهٗ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ فَقَالَ اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِىَ فَقَالَ اِرْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَىْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں منیٰ میں قیام فرمایا تاکہ لوگ اپنے مسائل پوچھیں ایک شخص حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو اس مسئلے کا شرعی حکم معلوم نہ تھا اس لیے میں نے لاعلمی اور غلطی سے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا۔ (اب کیا کروں) تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اب فوراً ذبح کرلے اور کوئی گناہ نہ رہے گا۔ اور پھر دوسرا شخص آیا اُس نے عرض کیا مجھے مسئلے کا علم نہ تھا

اس لیے میں نے رمی جمرہ عقبیٰ کرنے سے پہلے قربانی ذبح کردی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اب رمی کرلے اور گناہ نہیں رہا۔ پس اُس دن جس نے بھی اپنے حج کے کاموں میں آگے پیچھے کسی کام کے کرلینے کا مسئلہ پوچھا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اب فوراً کرلے اور گناہ نہیں۔ یہی ایک وہ روایت ہے جس کی بنا پر امام شافعی امام یوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے یہ مسئلہ بنایا کہ ارکانِ حج کی منیٰ میں ترتیب واجب اور ضروری نہیں اگر کوئی حاجی جان کر یا بھول کر آگے پیچھے کردے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اس روایت سے دلیل پکڑنا انتہائی کمزور ہے۔ یہ دلیل پانچ وجہ سے کمزور ہے اور اُس کو دلیل بنا کر ترتیب ارکان کو واجب نہ سمجھنا سخت غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ سائل عرض کر رہا ہے کہ لَمْ اَشْعُرْ یارسول اللہ میں نے یہ غلطی جانتے پوچھتے نہیں کی مجھ کو مسئلے کا پتہ نہیں تھا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرج نہیں ہوا۔ اور یہ کام جلدی سے کرے خود اُسی کو فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے جاکر ذبح کر یہ نہیں فرمایا کہ اچھا ہم کو قربانی کے پیسے دیدے اور موقعہ بھی ایسا ہے کہ دنیاءِ اسلام کا ابھی پہلا حج ہے جو ابھی پچھلے سال ۹ھ ہجری ذیقعد کی ستائیس بروز پیر فرض ہوا سنہ ۱۰ ہجری شوال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج ادا فرمانے کا اعلان فرمایا لوگ اس مبارک اور عظیم حج میں شامل ہونے کا شوق لے کر دنیاءِ اسلام کے کونے کونے سے اِس حج میں شامل ہوکر برکت سعادت لینے کے لیے جوق در جوق صحابہ کرام آرہے ہیں کیونکہ تاریخ اسلام کا اتنا شاندار برکتوں رحمتوں والا یہ حج مبارک کہ اس میں خود صاحبِ لَوْلَاکَ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ یہ پہلا اور آخری حجۃ الوداع ہے۔ ابھی بہت سے صحابہ کو مسائلِ حج معلوم نہیں حج کی باریکیوں سے ناواقف ہیں یہ تو آفرین ہے صحابہ کرام کے ذوق و شوق علمی اور یادداشت پر کہ جلدی جلدی سب مسائل سن لیے سیکھ لیے یاد کر لیے اور مشاہدۂ جمال پاک سے مستفید ہو ہو کر اعمالِ حج ادا کر رہے ہیں اور کعبہ میں ہی کعبے والے کی زیارت کر رہے ہیں۔ اِن ابتدائی حالات میں کسی بھی ایک کو کسی ایک مسئلے کا پتہ نہ لگنا اور غلطی کر جانا کوئی تعجب ناک

نہیں۔ ایسی بے علمی نا واقفی ہیں تو امام اعظم بھی لا حرج ہی فرماتے ہیں جیسا کہ صاحبِ مضمون کو اعتراف ہے اس روایت سے امام شافعی یا صاحبین کا دلیل پکڑنا بذاتِ خود تعجب خیز ہے ان بزرگوں نے لم اشعر پر غور نہیں فرمایا اور آنکھیں بند کر کے مطلقاً ہر قسم کے غلطی کرنے والے کو جان کر علم رکھتے ہوئے اور لا علمی سے غلطی والے دونوں کو لا حرج کہہ کر خود اس حدیث پاک کی مخالفت کی کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو لم اشعر کی وجہ سے لا حرج فرمائیں۔ اور یہ فی زمانہ شعور اور علم والے کو بھی معافی دیتے چلے جائیں اتنا زبردست عدم تفکر اور کیا ہوگا۔ استدلال کی دوسری کمزوری یہ کہ۔ اس حج میں ہزاروں کی تعداد میں صحابہؓ حج کے لیے موجود ہے جس کو مسلم شریف نے تاحدِ نظر فرمایا۔ لمعات میں لکھا ہے دما خوذ از حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۴ بابُ قِصّۃِ حَجّۃِ الوَدَاع) کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حج وداع میں کثیر آدمی تھے اُس کے حاشیہ ۵ میں لمعات شرح مشکوٰۃ کی شرحی عبارت اس طرح درج ہے۔

۵ قَوْلُهُ بَشَرٌ كَثِيرٌ (الخ) وَلَمْ يُعَيِّنُوا اَعْدَادَهُمْ وَقَدْ بَلَغُوا فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ الَّتِي اٰخِرُ غَزَوَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ اَلْفٍ وَحَجَّةُ الْوَدَاعِ كَانَتْ بَعْدَ ذَالِكَ وَلَا بُدَّ اَنْ يَزْدَادُوْا فِيهَا۔ وَيُرْوٰى مِائَةٌ وَّاَرْبَعَةَ وَّعَشَرَ اَلْفًا۔ وَفِي رِوَايَةٍ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ترجمہ حَجّۃُ الوداع میں بے شمار صحابہ تھے جن کی تعداد معین نہیں کی جا سکتی۔ اندازاس طرح ہے کہ آخری غزوۂ تبوک تھا اس میں صحابہ کی تعداد پوری ایک لاکھ تھی اور حجۃُ الوداع تو اُس کے بعد ہے اور یقیناً تعداد اس میں زیادہ ہی ہوگی۔ ایک روایت ملتی ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار تھے دوسری روایت ملتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی یعنی حجۃُ الوداع میں حج کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اتنے کثیر صحابہ میں سے صرف ایک صحابی عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میں نے غلطی سے قربانی ذبح کرتے سے پہلے سر منڈا لیا اور کوئی شخص یہ شکایت نہیں کرتا ثابت ہوا کہ بڑے اہتمام سے تمام صحابہ نے ترتیب احکام کا خیال رکھا اگر یہ ترتیب واجب نہ ہوتی تو اتنا سخت اہتمام کیوں کیا جاتا اس

غلطی کرنے والے نے بھی جب ہر طرف یہی دیکھا کہ قربانی پہلے ہی ہے سر منڈانا بعد میں تب اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لاعلمی کی وجہ سے اُس کو معافی دیدی لیکن ساتھ ہی قربانی کرنے کا بھی فوراً ہی حکم دیا۔ اب ایسی روایت کو اپنے پسندیدہ مسلک کی دلیل بنانا اتنے کثیر صحابہ کے عمل کو چھوڑ کر ایک غلطی لاعلمی کے حکم سے استدلال کر لینا تو درست نہیں۔ امام شافعی کے استدلال کی تیسری کمزوری۔ اس روایت میں یہ بھی احتمال نکل سکتا ہے کہ وہ غلطی کرنے والے صحابی اپنا سر منڈانے کے باوجود ابھی احرام سے نہ نکلے ہوں یعنی آناً فاناً یہ غلطی کر کے گھبرا کر بارگاہِ اقدس میں آ گئے ہوں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تم ابھی بلا سلے کپڑوں کے احرام میں ہو۔ لہٰذا جلدی جاکر ذبح کر دو ابھی کچھ حرج نہ ہوا۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان حاجی صاحب کا حج افراد ہو اُن پر قربانی فرض ہی نہ ہو۔ اور اِذْبَحْ کا ارشاد نفلی قربانی کے لیے ہو اور لا حَرَجَ سے یہ مسئلہ سمجھانا مقصود ہو کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں۔ یہ احتمال اگرچہ کمزور ہے مگر پیدا ہو سکتا ہے چوتھی کمزوری۔ لَا حَرَجَ کے معنی میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے کتبِ لغت نے اگرچہ حَرَجْ کا معنی گناہ ہی لکھا ہے اور قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً پندرہ جگہ ارشاد ہوا ہے ان میں سے اکثر جگہ اس کا ترجمہ گناہ کیا گیا ہے اور چند جگہ قلب و سینے کی تنگی مگر ہم اِس کا معنی مراد خود آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد شریف جلد اوّل کتاب الحج ص۲۷۶ بابٌ فصل ثالث ص۲۳۲ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ۔ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذَالِكَ الَّذِيْ حَرَجَ وَهَلَكَ۔ رواہ ابو داؤد۔ ترجمہ۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن شریک سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع میں) حج کرنے کے لیے نکلا۔ تو کچھ لوگ آپ کی خدمت میں مسائل پوچھنے آتے تھے۔ تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی۔ یا کسی شخص نے پوچھا کہ میں نے حج میں کوئی کام پیچھے کر دیا یا کسی نے

عرض کیا میں نے حج کے کسی کام کو آگے کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے جواب میں یہی فرماتے کہ تم پر گناہ نہیں ہوا۔ ہاں البتہ گناہ اُس شخص پر ہے جس نے کسی مسلمان کی عزت بگاڑی اور وہ ظالم ہے۔ پس وہ ہی شخص گناہ میں پڑا اور ہلاک ہوا۔ اس حدیث نے کتنا واضح طریقے سے بتا دیا کہ نبی کریم کا ترتیب ارکانِ حج کی بے علمی سے آگے پیچھے کر کے تبدیلی کرنے والے کو لَا حَرَجَ فرماتے کا معنٰی یہ ہے کہ اُس پر گناہ نہیں۔ اسی معنٰی کو سمجھانے کے لیے ایک یہ موقعہ بات ارشاد فرمائی۔ اور اِس بات کو سب ائمۂ مجتہدین اور فقہا علماء تسلیم کرتے مانتے ہیں کہ واجب کے ترک سے گناہ نہیں آتا بلکہ کفارہ واجب ہوتا ہے جو واجبِ نماز کے ترک سے سجدہ سہو کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ہے اور حج کے واجب کے ترک کی صورت دَم دینا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ کفارہ نہ ادا کرے تو نماز بھی دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے اور حج کا کفارہ دَم نہ کرے تو حج ختم ہو جاتا ہے دوبارہ اُس کے بدلے حج کرنا پڑتا ہے۔ گناہِ اُخروی بہر حال نہیں ہوتا۔ یہ نیکی ختم ہو جاتی ہے۔ اور صرف فرضیت ناقصہ مل جاتی ہے۔ اِس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حرج کا معنٰی یہاں گناہ ہے۔ لہٰذا نفی گناہ کی ہوئی نہ کہ کفارے کی تو امام شافعی اور صاحبین کا اِس لَا حَرَجَ سے کفارے کی نفی پر دلیل بنانا کتنا کمزور استدلال ہوا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت ان بزرگوں کو نہیں ملی۔ کیونکہ واقعہ ایک ہی حجۃ الوداع کا ہے۔ سوال وجواب کا طریقہ بھی ایک ہی ہے۔ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے غالبًا اِسی اندیشے کے پیشِ نظر کہ آئندہ چل کر کوئی شخص لَا حَرَجَ سے دھوکہ نہ کھائے خود اس کا معنٰی واضح فرما دیا۔ استدلال کی پانچویں کمزوری۔ امام شافعی کے مقلدین فرماتے ہیں کہ چونکہ لَا حَرَجَ مطلق ہے اور اِس کے بعد وجوبِ دم کا ذکر نبی کریم نے نہیں فرمایا یعنی اس سائل کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لَا حَرَجَ اور فقط اصل قربانی کے ذبح کرنے کا حکم فرمایا دَمِ کفارہ کا کوئی تذکرہ نہیں اس لیے ثابت ہوا کہ دَم واجب نہیں اگر اِس تقدم وتاخر سے دم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہ بھی بہت کمزور ہے۔ چند طرح سے ۱۔ اس لیے کہ کسی کا فردًا فردًا ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا ۲۔ یہ لَا حَرَجَ مطلق ہے مگر صرف کَم اَشعُر کے لیے ۳۔ نیز

یہ تاخر صرف حجۃ الوداع میں تھا کیونکہ اسلام کا پہلا حج تھا۔ دوسرے یا تیسرے حج میں اقوالِ صحابہ سے ثابت ہے کہ لَمْ اَشْعُرْ کا عذر بھی قبول نہیں ہوا اور صاف فرما دیا گیا کہ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْ اَرْکَانِ الْاَرْبَعَۃِ اَلْحَجَّ فِیْ یَوْمِ النَّحْرِ اَوْ تَاَخَّرَ فَعَلَیْہِ دَمٌ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے با حوالہ ثابت کر دیا ہے کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی بہت سے مسائلِ حج میں کسی غلطی ہو جانے پر امام شافعی نے بھی دم واجب کیا ہے حالانکہ اُس دَم کا ذکر کسی حدیث پاک میں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کفارے اور دَم کا واجب ہونا ایک قاعدے کلیے کے تحت ہے وہ یہ کہ جو کام واجب ہو بس اُس کے چھوڑنے سے دم واجب ہوتا ہے تو اب حدیث میں ہم نے یہ نہیں ڈھونڈنا کہ اس غلطی پر دم کا ذکر کیا گیا ہے یا نہیں بلکہ دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ کام واجب ہے یا نہیں وہ ثابت ہو گیا کہ عملِ نبوی اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متفقہ بالاہتمام عمل نے ترتیب کے وجوب کو ثابت کر دیا جب کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتًا حکم بھی دیا کہ پہلے ھَدی قربانی ذبح کرو پھر سر منڈاؤ۔ اور فرمایا کہ حج کے ارکان و افعال مجھ سے لو یعنی جیسے میں کروں ویسا کرو۔ یہ احکام و فرمان اس عمل کے وجوب کو ثابت کر دیتے ہیں اور جب صحابہ سے وجوبِ ترتیب ثابت تو اب قاعدہ کلیہ کے تحت کہ ہر ترکِ واجب پر دم واجب ہوتا ہے۔ ترکِ ترتیب پر بھی دم واجب ہوگا یہ تھیں وہ کمزوریاں جو امام شافعی و صاحبین کی اس اکلوتی دلیل میں تھیں جس کی بنا پر استدلال غلط ثابت ہو گیا۔ کتنا بڑا ظلم ہے آج کہ کوئی شخص محض دنیوی لالچ کی خاطر اس ایک کمزور دلیل کو پکڑ کر تمام صحابہ اور خود آقاءِ دو جہاں صاحبِ شریعت اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ پاک کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں کے حج برباد کرے۔

تیسری دلیل۔ صاحبِ مضمون کی اس کتابچی کی علمی فکری غلطیاں اس کتابچی میں تقریباً بیس غلطیاں قابلِ اصلاح ہیں غلطی ما تحریری مضمون کے ص ۵ پر کچھ علما اور ڈاکٹروں کے اسماءِ گرامی لکھے گئے ہیں اس کا اپنے منصوبے کی تائید ثابت کر کے عوام الناس کو اپنے منصوبے میں ملوث کرنا اور ان کی قربانیوں کی دولت (قیمت) اپنی جیبوں میں بھرنی اس نورکنی فہرست میں علماءِ اہلِ سنت کے سربراہ مفتی محمد حسین آف جامعہ نعیمیہ لاہور کا بھی نام ہے ہم نے بذاتِ خود اُن کے بہت ہی قریبی حلقوں

سے ۱۹۹۳ء اکتوبر میں ملاقات کر کے معلومات حاصل کیں تو پتہ لگا کہ بہت دن پہلے ایک گروہ آیا تھا اور حضرت مفتی صاحب محترم مدظلہ کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر مفتی صاحب مذکور نے سختی سے اس کی تردید فرمادی تھی۔ اور آپ نے ایک حرف بھی ان کی تائید میں نہیں لکھا لیکن اس کے باوجود ان منصوبہ ساز لوگوں نے اس انداز میں آپ کا نام شامل و شائع کر دیا کہ لوگ خاص کر اہل سنت اور حنفی عوام یہ سمجھیں کہ مفتی صاحب تائید کر رہے ہیں اور اسی کو سیاسی بد اخلاقی کہا جاتا ہے۔ نیز مشتے نمونہ از خروارے کہ باقی فہرست بھی مشکوک ہوگئی۔ غلطی نمبر ۲ صفحہ ۶ پر شیخ عبد العزیز بن باز (مفتی مکہ) کی طرف بھی تحریری اجازت نامہ کا ذکر کیا ہے مگر ان کے حنبلی مسلک کے پیش نظر یہ بات ان پر ایک افتراہی لگتا ہے اس لیے کہ تمام اہل سعود کا مسلک حنبلی ہے اور یہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ترتیب ارکان واجب ہے اور تارک پر کفارہ واجب ہے۔ نیز مزید یہ کہ ترمذی شریف جلد اول کتاب الحج صفحہ ۱۸۲ پر اسی لَاحَرَجَ والی حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے امام شاذلی رضی نے اپنی شرح قوۃ المغتذی میں فرمایا وَعِنْدَ اَحْمَدَ لَوْ اَسَاءَ التَّرْتِیْبَ عَمْدًا فَجَزَاءٌ وَاِنْ کَانَ سَهْوًا فَلَا جَزَاءَ۔ ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے لہٰذا اگر کسی حاجی نے مسئلہ جانتے ہوئے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا تو کفارۂ دم واجب ہے لیکن اگر بھول کر ایسا کیا تو دم واجب نہیں ہے۔ اس سے پہلے فرماتے ہیں کہ ثُمَّ مَذْهَبُ الشَّافِعِی وَصَاحِبَیْ اَبِیْ حَنِیْفَه عَدَمُ الْجَزَاءِ فِیْ سُوْءِ التَّرْتِیْبِ وَتَمَسَّکُوْا بِحَدِیْثِ الْبَابِ۔ ترجمہ۔ صرف امام شافعی نے اور صاحبین نے یہ مذہب بنا لیا کہ ترتیب ارکانِ حج غلط ہو جانے سے بھی دم جزاء کفارہ واجب نہیں ہوتا اور ان کی دلیل صرف یہی ایک حدیث لَمْ اَشْعُرْ اور لَاحَرَجَ والی ہے۔ ان حوالوں کے باوجود امام احمد بن حنبل کے مقلدین پر اجازت دینے کا اتہام لگانا صرف اپنی مفاد پرستی کے لیے کتنا غلط رویہ ہے۔ تیسری غلطی صاحب مضمون صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ متمتع قارن اور مفرد کے لیے یہ ترتیب شرعی طور پر لازم ہے۔ جواب۔ عجیب دورنگی چال ہے کہ ترتیب کو شرعی طور پر لازم بھی کہتے ہیں اور پھر اس کے خلاف کو درست کہتے ہیں حالانکہ شرعاً لازم ہونے کا نام ہی واجب ہے چنانچہ تمام

اصولِ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اَللَّازِمُ وَاللُّزُومُ بِمَعْنَی الْوَاجِبِ وَالْوُجُوبِ۔ ترجمہ لازم کا معنیٰ واجب ہی ہوتا ہے اور لزوم کا معنیٰ وجوب مضمون نگار کی خود اپنی اِس عبارت سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوا۔ اور ترکِ واجب سے متفقاً کفارہ لازم ہوتا ہے۔ فقہاءِ کرام نے حکمِ واجبی کے لیے تین الفاظ مقرر فرمائے ہیں ۱؎ وَجَبَ عَلَیْہِ ۲؎ لَزِمَ عَلَیْہِ ۳؎ عَلَیْہِ کَذَا۔ اسی قسم کی جلد بازیاں بوکھلاہٹ کی نشانیاں ہوتی ہیں۔

چوتھی غلطی۔ مضمون نگار۔ اسی مضمون کے صد ۸ اور صد ۹ پر سات آیتیں درج کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رح نے ترتیبِ ارکانِ حج کو واجب مان کر اور تارک پر دم واجب کر کے قرآنِ مجید کی اِن آیت کی خلاف ورزی کی۔ (معاذ اللہ) آیت ۱؎ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵)۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے۔ یعنی گویا کہ امامِ اعظم ترتیب کو واجب اور ترکِ واجب سے دم واجب کر کے تم پر سختی کر رہے ہیں جس سے آیت کی خلاف ورزی ہوئی جواب کیا عجیب استدلال ہے کہ شریعت کے کسی حکم کو واجب کہنا یُسر اور آسانی کے خلاف ہے تو اس سے لازم آیا کہ پھر صرف ترتیب ارکان حج کے ہی پیچھے کیوں پڑتے ہو تمام واجباتِ اسلام کو ختم کر دو۔ دیگر ائمہ نے بھی بہت سے واجبات تسلیم کئے ہیں وہ بھی اسی مخالفینِ قرآن میں شامل ہو گئے۔ آیت دوم۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (سورۃ حج آیت ۷۸) اور اُس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ یعنی امام ابو حنیفہ رح نے ترتیبِ ارکان واجب کر کے تنگی کر دی۔ جواب۔ فرض تو واجب سے زیادہ سخت ہوتا ہے اگر واجب کہنا تنگی ہے تو جو چیز اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں کیا وہ تنگی نہیں ہے۔ تمہاری اس تفسیر سے تو خود اللہ پر اعتراض آرہا ہے کہ ادھر فرماتا ہے اللہ نے کسی پر تنگی نہیں کی اُدھر بہت سی عبادات و احکام کو فرض کر دیا کہ خود حج فرض نماز روزہ زکوٰۃ یہ تمام فرض عبادات ہیں بقول آپ کے یہ سب تنگی ہوئی (معاذ اللہ) آیت سوم فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ إِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (الخ) سورۃ النساء آیت ۵۹ ترجمہ۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس

کے رسول کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ سب امور بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔ اِس آیت میں مضمون نگار یہ کہنا چاہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی مَن مرضی سے ترتیبِ ارکان واجب کر دی۔ اللہ رسول کے سپرد نہ فرمایا اور اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ کے باوجود۔ یا پھر شاید اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ (الخ) کے خلاف امام اعظم کو سمجھا گیا۔ جواب۔ ہم نے امام اعظم کی کتب اور دلائل سے ثابت کر دیا کہ امام اعظم کا یہ مسلک بھی قرآن وحدیث کے صریحی حکم کے عین مطابق ہے جو امام ترتیب کو واجب نہیں مانتے جیسے امام شافعی اور صاحبین۔ بقولِ مضمون نگار اِس آیت کی زد میں وہ آتے ہیں۔ نہ کہ امام اعظم۔ مگر یہ بات اُلٹی عقل والوں کو سمجھ نہیں آسکتی۔ چوتھی آیت۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ شوریٰ آیت ۱۰) ترجمہ۔ اور جس جس بات میں تم (اہلِ حق کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو اُس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ جواب مضمون نگار نے اس ترجمے میں اپنے پاس سے ملاوٹ بھی کی ہے جو خیانت فی القرآن کے مرادف ہے۔ اِس ترجمانی خیانت کا مقصد یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ معاذ اللہ اہلِ حق نہیں ہیں اور ان کے شاگرد صاحبین فقط دو شاگرد امام شافعی اہلِ حق ہیں۔ ہاں بھئی کیوں نہ ہوں تمہاری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ کا سہارا جو بنے ہیں تمہیں تو ایسے ہی لوگ اہلِ حق نظر آئیں گے خواہ حاجیوں کا حج برباد ہو جائے پانچویں آیت سورۃ الحشر آیت ۷۔ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ ترجمہ۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دیں اُس سے تم رُک جایا کرو۔ جواب۔ یہ آیت کریمہ تو امام اعظم کی زبردست دلیل ہے۔ اِس سے بھی ترتیبِ ارکانِ حج کے واجب ہونے کا ثبوت مل رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے پہلے امام اعظم کے اس وجوبِ ترتیب کے مسلک پر دلیل ۱۰ میں بروایت مسلم شریف جلد اول ص ۴۱۹ سے ایک حدیث شریف درج کی جس میں وہی الفاظ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے جس کا حکم ربِ تعالیٰ اِس آیت میں پوری اُمت مسلمہ کو تا قیامت عطا فرما رہا ہے۔ دیکھو یہاں آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہے

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۔ اور وہاں حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ یَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ۔ اس کی شرح امام نووی فرماتے ہیں۔ وَمَعْنَاہُ خُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ (الخ) وَتَقْدِیْرُہٗ ھٰذِہِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ اَتَیْتُ بِھَا فِیْ حَجَّتِیْ مِنَ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ ھِیَ اُمُوْرُ الْحَجِّ وَصِفَتُہٗ۔ وَھِیَ مَنَاسِکُکُمْ فَخُذُوْھَا عَنِّیْ (الخ) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت قرآنِ مجید میں جو تم کو میرے رسول دیں بس وہی لو اپنی بیہودہ عقلیں اور قیاس آرائیاں مت چلاؤ اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا اے مسلمانو اپنے حج کے اعمال و اقوال مجھ سے لو یعنی جو مجھ کو کرتا دیکھو وہی کرو جو مجھ کو پڑھتا دیکھو وہی پڑھو۔ اس میں سب متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارکانِ حج کی ترتیب قائم فرمائی اور تمام صحابہ کرام نے بھی تو مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ پر امامِ اعظم ابو حنیفہ نے عمل کیا نہ کہ امام شافعی و صاحبین نے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ کا امر واجب ہے لہٰذا ترتیب ارکان کو عملِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لینا واجب ہوگیا۔ آیت چھٹی سورۃ نور آیت ۵۶ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ ترجمہ۔ اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے۔ جواب اوّلاً تو یہ ترجمہ ہی لاعلمی کا ہے کا لفظ کامل کی زیادتی جاہلانہ خیانت ہے۔ صاحب مضمون اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رسول اللہ کی اطاعت میں نہ تھے اور ترتیبِ ارکان کو واجب کر کے اطاعتِ رسول کی خلاف ورزی کی۔ یہ تو تھی مصنف کی کم سمجھی مگر آیئے ہم قرآنِ مجید سے ہی پوچھ کر بتاتے ہیں کہ اطاعت رسول کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ترجمہ۔ اے حبیب کریم فرما دیجئے اگر اے مسلمانو تم چاہتے ہو کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنا لے گا۔ اسلام دو ہی چیزوں کا نام ہے اتباع اور اطاعت۔ اتباع نقل ہے اور اطاعت امر ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہر فعل ہر عمل شریف کی نقل کرتا اتباع ہے اور ہر قول ہر امر پر عمل کرتا اطاعت ہے ارکانِ حج کی ترتیب وار ادائیگی اتباع بھی ہے اطاعت بھی اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ترتیب سے ادا فرمائے اور تمام صحابہ کو ترتیب کا حکم بھی دیا جیسا کہ ہم نے دوسری دلیلِ امام اعظم میں بحوالہ بخاری شریف ثابت کر دیا کہ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَہٗ بِذَالِکَ یعنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیبِ ارکان کا اتنی شدت سے اہتمام فرمایا کہ خود بھی یوم نحر کے ارکان ترتیب وار ادا فرمائے اور صحابہ کرام کو اسی ترتیب کا حکم فرمایا اب کسی مجتہد یا مقلد کی ترتیب اعمال کی پرواہ نہ کرنا۔ اتباع نبوی کی بھی مخالفت ہے اور اطاعتِ نبوی کی بھی۔ تو اس پیش کردہ آیت کی زد میں وہ ائمہ آتے ہیں جو ترتیب ارکان تو واجبُ الاتباع اور لازمُ الاطاعت نہیں مانتے۔ اور ترتیب کو سنت کہہ کر لاپرواہی برتتے ہیں۔ نہ کہ امام اعظم ساتویں آیت۔ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ۔ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (سورۃ نور آیت ۶۳) ترجمہ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو بواسطۂ رسول پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔ مضمون نگار نے یہ آیت جو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی اپنی بد باطنی اور خباثت نفسی سے امام اعظم پر چسپاں کرنے کی ناپاک جسارت کی گویا کہ یہ امام اعظم امامُ الائمہ جیسی بزرگ ہستی کو نافرمانی اور مخالفتِ نبی کریم کی تہمت لگاتے ہوئے فتنۂ دنیوی اور دردناک عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ جواب مضمون نگار کی جہالت سے بچ کر اگر اس آیت کی بھی سچی تفسیر کی جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب ارکانِ حج واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی کرکے دم کفارہ نہ دینا حج برباد کر دیتا ہے اور جس نے حج برباد کیا اور حاجیوں سے پیسے لوٹ کر جیبیں بھریں اُس کو فتنۂ دنیوی اور عذابِ آخرت سے ڈرنا چاہیئے۔ یا ان کو جنھوں نے ترتیب کے وجوب کا انکار کرکے تاقیامت مسلمانوں کے حج میں فساد ڈالا یہاں تک مضمون نگار کو گویا دس

غلطیاں ہوئیں کیونکہ ہر آیت کا استدلال ایک احمقانہ غلطی ہے۔

گیارھویں غلطی۔ مضمون نگار تقریباً چار یا پانچ جگہ مختلف صفحات پر اس بات کو بار بار دہراتا ہے کہ ترتیب کا وجوب صرف امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی امام کا یہ مسلک نہیں یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ کے دو ممتاز شاگرد بھی اس ترتیب کے وجوب کی مخالفت کرتے ہیں۔ جواب۔ یہ بار بار لکھنا صاحب مضمون کی یا تو جہالت ہے یا حماقت یا مطالعۂ کتب دینیہ معتبرہ کی کمی ہے جو ایسی کذب بیانی کا مرتکب ہو رہا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے بہت سی کتب کے متن اور اُنکی شرح سے باحوالہ تامہ ثابت کر دی کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی ترتیبِ ارکانِ حج کو واجب مانتے ہیں اور تارکِ ترتیب پر دَم واجب کرتے ہیں یہ کمزور مسلک تو صرف امام شافعی نے بنا لیا اور اُن کی دیکھا دیکھی صاحبین نے اور وہ بھی صرف ایک اکلوتی دلیل لَا حَرَجَ سے جس میں بھی بے حد استدلالی لغزشیں ہیں۔

بارھویں غلطی۔ صاحب مضمون صہ پر لکھتا ہے۔ شاید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک وہ احادیث نہیں پہنچیں جن کی بنا پر دوسرے ائمہ مسلمانوں کو ترتیب کے خلاف عمل کی اجازت دیتے ہیں۔ جواب۔ کیا عجیب کور عقلی و جہالت ہے یہ سچ فرمایا بزرگوں نے کہا کہ بہرے کو سب لوگ بہرے لگتے ہیں اور اندھے کو سب اندھے۔ عقل و علم اپنا کم ہے بہتان تراشی امام اعظم پر کہ معاذ اللہ یہ احادیث ان کو نہ پہنچیں۔ اور طرّہ یہ کہ ایک واقعے کی ایک حدیث کو حدیثیں اور احادیث لکھا ہے۔ صرف خشک رعب کے لیے حالانکہ یہ کہ ایک حدیث بھی امام اعظم کی ہی دلیل ہے جیسا کہ ہم نے دلیل نمبر۱ میں وضاحت کر دی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شاگردوں کو حدیث کا علم ہو جائے اور اُستاد کو علم نہ ہو۔ ایسی حماقت کو کوئی بھی تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔

تیرھویں غلطی۔ لوٹ پھر کر لَا حَرَجَ سے دلیل پکڑتا ہے مختلف صفحات پر جواب ہم نے خود حدیث پاک سے ہی ثابت کر دیا کہ لَا حَرَجَ سے گناہ کی نفی ہے نہ کہ کفارے کی۔ غلطی چودھویں۔ صہ۱ پر لکھا ہے کہ ترتیب کی خلاف ورزی کرتے میں یہ فائدہ ہے کہ حلق اگر پہلے ہو اور قربانی بعد میں تو طویل مدت تک تمام قربانیوں

کے گوشت سے ممکنہ استفادہ کیا جا سکے. بجائے اِس کے کہ تمام قربانیوں کو ایک
ہی دن میں کر دیا جائے جس سے فسادِ کثیر پیدا ہو سکتا ہے اور ان قربانیوں سے
پیدا ہونے والی بدبو حجاج کے لیے ایذا رسانی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ہماری شریعت
کے مطابق مسلمانوں کی ایذا رسانی اور مال کا ضائع کرنا ممنوع ہے۔ الجواب. کیا
خوب دلیل ہے۔ یعنی چودہ سال گزرنے کو آئے کہ قربانی کی بدبو اور بدبو سے حاجیوں
کی ایذا رسانی کا خیال اللہ تعالیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صحابی کسی تابعی تبع
تابعی امام مجتہد، علما فقہاءِ اسلام یا کسی بھی حکومت کو نہ آیا آج تم امت کے
خیر خواہ پیدا ہو گئے مسلمانوں کے حامی بن گئے۔ نیز تمام مسلمان جانتے ہیں کہ قربانی
زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہو سکتی ہے۔ دسویں گیارھویں بارھویں ذی الحج اس
کے بعد قربانی جائز نہیں نہ کرنے والے کے ذمے گناہ باقی رہ گیا۔ تو صاحبِ مضمون
کا طویل مدت تک کا ذکر کرنا کس طرف اشارہ کرتا ہے یعنی یہ کہ ان دنوں میں قربانی
کرنا ضروری نہیں بعد میں دیکھی جائے گی کرو یا نہ کرو۔ معلوم ہو گیا کہ مقصد حج پر ڈاکہ
ڈالنا ہے یہ خیر خواہی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کا خیال ہے یا دشمنی؟ اس طرح کا
ایک خیر خواہ جنت کے دروازے پر بھی آدم علیہ السلام کو قَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا
لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۔ کہتا ہوا ملا تھا۔ اگر گوشت سے استفادہ ہی طویل مدت تک
کرنا ہے تو اور بھی بہت طریقے ہو سکتے جو بغیر اس لوٹ کھسوٹ کے حاصل ہو سکتے
ہیں۔ رہا بدبو کا مسئلہ تو تاریخ شاہد ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک
نشان ہے کہ آج تک کسی نے بدبو محسوس نہیں کی۔ بدبو کی شکایت صرف اسی
مضمون میں بیان کی گئی ہے کسی اور نے کبھی ذکر نہ کیا۔ اور پھر گوشت سے استفادہ
تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ حاجی لوگ خود اپنے جانور کی قربانی اپنی نگاہوں کے
سامنے کریں کرائیں اور فوراً بعد تم لوگ جانور اٹھا لو گوشت لے لو تمہیں کون
روکتا ہے آخر زمانوں صدیوں سے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ آپ کی یہ تخریب عبادات
کی سکیمیں نرالی نکلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے ہر شر سے مسلمانوں کو بچائے۔
پندرھویں غلطی۔ ص۱۱ پر لکھا ہے۔ جب لوگ حج کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ
ہوتے تو وہ اکثر حالات میں مقیم نہیں رہتے اس لیے ان پر اضحیہ واجب نہیں

ہوئی۔ جواب یہ بات لکھ کر غلط مسئلے کے علاوہ حج کی قربانی کی اہمیت مزید ختم کرنے کی ایک ناجائز کوشش ہے۔ بیچارے صاحبِ مضمون کو یہ بھی علم نہیں کہ حج میں تو اکثریت مسافر ہوتی ہے خاص کر قران اور تمتع کرنے والے حاجی لوگ۔ اس مسافرت کے باوجود قارن اور متمتع پر قربانی متفقاً واجب نیز اگر مسافر پر یہ قربانیاں بھی واجب نہ ہوں تو پھر تم لوگ ہر حاجی سے کیوں پیسے وصول کر لیتے ہو۔ صرف یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ اے حاجی تجھ پر بوجہ مسافرت قربانی نہیں ہے اس لیے تیرے پیسوں سے جو ہم نے تجھ سے لے لئے ہیں۔ اگر قربانی نہ بھی دی گئی تو فکر مند نہ ہونا۔

سولھویں غلطی ص۱۲ پر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو قربانی کے تین دن ہیں مگر صاحبین کے نزدیک اِن تین دنوں میں سے ہی کسی دن قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ یہ سنّت ہے اس لیے قربانی میں تاخیر ہو جانے سے بھی کفارۂ دم لازم نہیں ہو گا۔ جواب کیا لغو طفل تسلیاں ہیں۔ خیال رہے کہ صاحبین کے نزدیک بھی تین دن ہی ایامِ قربانی ہیں۔ مضمون نگار نے صاحبین پر افترا کیا ہے جیسا کہ وجوبِ ترتیب کی نفی میں امام مالک و امام حنبل پر۔ صاحبین پر یہ افترا بھی حجاج کی گرفت اور محاسبے سے بچنے کے لیے ہے کہ کہیں ہم نہ کرتے دیکھ کر اپنی رقمیں واپس نہ مانگیں ہم یہ تو کہہ سکیں کہ ہم مسلکِ صاحبین پر عمل کرتے ہوئے اگلے مہینے تمہاری قربانی دیں گے گویا یہ فرار کا ایک رستہ نکالا ہے۔

سترھویں غلطی ص۱۳ پر لکھا ہے۔ کہ اگر ترتیبِ ارکان کو چھوڑنے سے دم واجب ہوتا تو لَا حَرَجَ والی یا کسی اور فرمانِ نبوی میں دَم کا ذکر تو ہوتا یا کفارے کا اگر یہ ترتیب واجب ہوتی اور ترک کا دم واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی صراحت فرما دیتے۔ مزید برآں امام ابو حنیفہ کے سوا کسی اور نے غیر مفرد کے لیے ترتیب کو لازم قرار نہیں دیا۔ جواب یہ استدلال بھی ناقص ہے اس لیے کہ کسی کا ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی نہیں ہوتی نیز سائل لَمْ اَشْعُرْ عرض کر رہا ہے۔ یہ معافی صرف لَمْ اَشْعُرْ کی وجہ سے ہے نیز منشاءِ اَحادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا صحابہ کرام سمجھے ہیں اتنا کوئی دوسرا کس طرح سمجھ سکتا ہے صحابہ کرام تو اس حجۃ الوداع کے بعد ہر حج میں یہ تا قیامت حکم نافذ و جاری فرما رہے ہیں کہ جس نے بھی ارکان

حج میں ترتیب کے خلاف تقدم یا تاخر کیا فَعَلَیۡہِ دَمٌ ۔ اس پر دم واجب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا اور خود صاحبِ مضمون کو بھی دلائل امام اعظم میں یہ تسلیم ہے تو کیا صحابہ کرام کو لَا حَرَجَ والی حدیث معلوم نہ تھی یا ان کو اس کی سمجھ نہ تھی۔ صحابہ تو ترتیب کو واجب سمجھ کر تارک پر دم واجب کر رہے ہیں مگر آپ بھی منکر ہوئے پھرتے ہو۔ کیا یہ آیت جو مضمون نگار امام اعظم پر چسپاں کر رہا ہے کیا صحابہ کو یاد نہ تھیں کچھ تو آپ لوگوں کو اپنے دین کا خیال چاہئے سوچنا۔ کمانے کے لیے اتنی بے باکی درست نہیں کہ انسان صحابہ کے فرمودات کو بھی پُشت پیچھے ڈال دے۔ یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ کے سوائے کسی اور امام نے ترتیب واجب نہ کی نہ تارک پر دم واجب کیا۔ مضمون نگار نے یہ جھوٹ کئی دفعہ لکھا ہے۔ یہ غلط بیانی ہے ہم نے پہلے ثابت کر دیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ ہی مسلک ہے کہ ترتیب ارکانِ حج واجب ہے اور تارک پر دم واجب ہے۔

اٹھارویں غلطی ص۱۵ پر لکھا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قربانی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حجاج خود بھی کھائیں اور مساکین کو بھی کھلائیں اور یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ قربانی کے گوشت سے صحیح طور پر استفادہ نہ کیا جائے۔ جواب عبارت تو یہ چھوٹی سی چند لفظی ہے مگر اتہام اور جھوٹ کتنا بڑا ہے۔ گویا کہ مضمون نگار کے نزدیک سورۃ حج کی آیت ۲۸، ۳۶، ۳۷ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک کسی نے عمل و استفادہ نہ کیا اب یہ پیدا ہو گئے ہیں ان آیات پر عمل کرانے کے لیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی لالچ بھی کتنی بری بلا ہے کہ انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی نہ دنیا کا نہ دین کا۔ افسوس۔

انیسویں غلطی۔ اسی ص۱۵ پر لکھا ہے کہ وکالت کے ذریعے قربانی جائز ہے جب وکیل کو قربانی کا اختیار دیدیا تو حاجی اپنی ذمے داری سے آزاد ہو گیا وکالت نامہ دینے کے بعد حاجی کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ اس کی ھَدِی کس وقت ذبح کی جائے گی ذکی بھی جائے گی یا نہیں) جواب گویا کہ یہ راہ ہموار کی جا رہی ہے آزادانہ طور پر اپنی من مانیاں کرنے کی کہ بس پیسے ہماری جیب میں ڈال دو پھر ہم سے پوچھو بھی مت تمہیں کوئی حق نہیں پوچھنے کا۔ کیسی صاف چال ہے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کی مرضی۔

بیسویں غلطی۔ اسی صفحہ کی آخری سطور میں لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مناسک کی ترتیب کا اتباع کرنے سے ہدی کے گوشت کا ضیاع ممکن ہے اس طرح اللہ کی بخشی ہوئی نعمت ضائع ہوگی اور اسراف کی حدیں آئے گی جب کہ اسلام میں اسراف حرام ہے وَاللہُ اَعْلَم۔ جواب۔ اس عبارت میں صاف کفریہ عبارت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے ترتیب ارکان کرنے میں دو خرابیاں ہیں پہلی یہ کہ گوشت ضائع ہوگا اور دوم یہ کہ ضیاع اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کتنی بڑی گستاخی ہے۔ گویا آج تک جن مسلمان حاجیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے حج ادا کیا ترتیب وار ارکان حج ادا کئے اور قربانی پہلے کرکے بعد میں سر منڈایا اُن سب حاجیوں نے جن میں صحابہ کرام تابعی اولیا علماء بلکہ خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ترتیب وار حج کرکے قربانی کے گوشت کا ضیاع کیا جو اسراف بھی ہے حرام بھی۔ ایسی گستاخیوں گمراہیوں میں اس ظالم نے کسی کو نہیں بخشا۔ ع۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔؟ آخر میں ہماری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آج کل تخریب کاروں اور عبادت کے ڈاکوؤں سے ہر مسلمان کو محفوظ فرمائے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ۔

چھٹا فتویٰ

نماز کے آخری تشہد میں درود شریف کے بعد دعا پڑھنے کا بیان

رَبِّ اجْعَلْنِیْ وَالی دعا صحابہ تابعین سے ثابت نہیں۔ نیز یہ دعا اُن نومسلموں کو پڑھنا منع ہے جن کے وَالِدَیْن کفر پر فوت ہوئے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے کہ، نماز میں آخری تشہد کے درود شریف

کے بعد کونسی دعا پڑھنی چاہیئے۔ آج کل ہم لوگ سب مسلمان نمازوں میں یہی دعا پڑھتے ہیں جس کو دعاءِ ابراہیمی کہا جاتا ہے کوئی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ کہہ کر دعا پڑھتا ہے اور کوئی رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ کہتا ہے۔ اکثر نماز کی کتابوں میں اس طرح دعا لکھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلوٰۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ بعض کتابوں میں مِنْ ذُرِّیَّتِیْ کے بعد۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاء بھی لکھا ہے کچھ سُنّی مسلمان فرماتے ہیں کہ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ والی دعا نماز میں پڑھنی چاہئیے مگر وہابی لوگ اس دعا سے منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دعا نماز کے اندر پڑھنی ناجائز ہے۔ ہاں البتہ بعد نماز پڑھنا جائز ہے۔ مجھے یہ پریشانی لاحق ہے کہ اس دعاءِ ابراھیمی میں والدین کے لیے دعاءِ مغفرت کی طلب ہے جب کہ قرآن مجید اور متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ کافر والدین کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا ناجائز ہے بلکہ حرام ہے۔ حالانکہ اکثر صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر مومنین کے والدین مثلاً تابعین تبع تابعین اور نومسلم حضرات کے والدین مشرک و کافر فوت ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس دعاءِ ابراھیمی کو مانگتے رہے۔ اور قیامت تک ہر مسلم نومسلم مانگتا رہے گا۔ اس بارے میں فرمایا جائے کہ صحابہ پاک اور اُن مومنین کی یہ دعا جن کے والدین کفر پر فوت ہوئے کس زمرے میں شمار ہوگی۔ براہِ مہربانی دلائل اور حوالاجات سے جواب عطا فرمائیں۔ تاکہ ہر طرح تسلی ہو۔

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ السائل۔ احقر عاجز خاکسار راؤ جمشید علی رزاقی۔
رزاقیہ منزل حمید پارک گلی ۲ نیو شالیمار کالونی۔ ملتان روڈ لاہور
۱۳/۵/۹۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق تشہد کے آخر تمام نمازوں فرض واجب سنّت نفل

میں مسلمانوں کو درودِ ابراھیمی کے بعد یہ دونوں دعائیں پڑھنا ہر طرح بالکل جائز ہیں پہلی دعا کا نام دعاءِ ابراھیمی ہے اور دوسری دعا کا نام دعاءِ حسنہ یہ دونوں دعائیں قرآن مجید میں مذکور ہیں مگر فرق یہ ہے کہ دعاءِ حسنہ تو ہر مسلمان مسلم نومسلم اور خاندانی اصولی فروعی مسلمان پڑھ سکتا ہے نماز میں بھی اور دیگر اوقات میں بھی ہر وقت لیکن دعاءِ ابراھیمی صرف خاندانی مسلمان پڑھ سکتا ہے یعنی جس کے اصول خاص کر والدین مسلمان ہوں لیکن وہ نومسلم جس کے والدین کافر ہوں زندہ یا مُردہ وہ شخص یہ دعاءِ ابراھیمی نہیں پڑھ سکتا۔ اگر زندہ ہوں تو اپنے کافر والدین کے لیے دعاءِ ہدایت مانگ سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آذر کے لیے اُس کی زندگی بھر مانگتے رہے لغوی معنیٰ میں اس دعاءِ ہدایت کو بھی مجازاً استغفار کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ میں قولِ خلیل منقول ہے۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ (الخ) سورت مریم آیت ۴۷ لیکن بعد وفات تو مطلقاً کسی کافر کے لیے کسی قسم کی دعا مانگنی جائز نہیں۔ نہ ہدایت کی کہ یہ اب بیکار ہے نہ بخشش کی کہ یہ ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے۔ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۱۱۳ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۳) ترجمہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں نہ کسی مومن کے لیے یہ کہ استغفار پڑھے یعنی بخشش مانگے مشرکین کے واسطے اگرچہ وہ مشرکین کافرین قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اس کے بعد کہ یقین سے علم ہو جائے کہ یہ کافر ابدی جہنم والا ہو چکا ہے اور ابراہیم کی استغفار اپنے مربّی چچا آذر کو صرف ایک وعدہ کے تحت تھی یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دعاءِ ہدایت کا وعدہ کر لیا تھا پھر جب آپ کو (اُس کے مرنے کے بعد) ظاہر ہو گیا کہ اب تو یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہی رہے گا۔ آپ بیزار ہو گئے اُس سے رب تعالیٰ کا یہ حکم تا قیامت ہے۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ۔ (سورۃ نساء آیت ۴۸) بے شک اللہ تعالیٰ کبھی بھی قیامت میں شرک نہیں بخشے گا۔ اس قانونِ الٰہی ابدی کی وجہ سے نومسلم حضرات اپنی نمازوں میں دعاءِ ابراھیمی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس میں والدین کی بخشش کی دعا

ہے اور نومسلم کے والدین یقیناً کفر ہیں ہی دنیا سے گئے ہیں۔ اگر شاذونادر کسی نومسلم کے والدین بھی مسلمان ہی ہوں تو گناہوں کی بخشش کے لیے نماز میں دعاء ابراھیمی پڑھ سکتا ہے۔ کوئی ممانعت نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا وعدہ اپنے چچا سے اُس کی زندگی میں تھا جب کہ آپ کی عمر تقریباً بیس سال تھی اور جب آذر فوت ہوا ہے اُس وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچاس سال تھی جس وقت آپ نے اپنی دعاءِ ابراہیمی عرض کی اُس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی آپ کے والدین بچپن میں فوت ہو گئے تھے وہ دونوں مومن تھے۔ اِن تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ دعا صرف وہی اپنی نماز یا بیرونِ نماز پڑھ سکتا ہے جس کے والدین مومن ہوں۔ وہابی لوگوں کا۔ دعاءِ حسنہ کو نماز کے اندر پڑھنے سے منع کرنا ان کی جہالت ہے۔ یہ دعا نماز کے اندر پڑھنا بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح نماز کے بعد چنانچہ قرآنِ مجید میں ہر نمازی غیر نمازی مسلمان کی ایک یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے اہلِ ایمان وہ ہیں جو ہر وقت عرض کرتے رہتے ہیں اے رب عطا فرما ہم کو دنیا میں بھی نیکیاں اور آخرت میں بھی نیکیاں۔ یعنی دنیا میں ہم کو اچھے عمل اور آخرت میں اچھے ثواب اِس کی تشریح فرماتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ (سورۃ انعام آیت ۱۶۰) ترجمہ۔ جو بندہ دنیا سے اپنے ساتھ ایک نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُسی کی مثال دس اور حسنہ دی جائینگی دنیا میں حسنہ کی توفیق ملے گی تب آخرت میں دس گنا ملے گی اور سورۂ نحل آیت ۱۲۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۔ ترجمہ۔ اور ان کو ہم نے دنیا میں نیکیاں دیں وہ آخرت میں یقیناً بے شک صالحین میں سے ہیں۔ ان ارشادات کی بنا پر ہر نمازی اپنی نماز میں یہ دعا پڑھتا ہے لیکن یہ دونوں دعائیں نماز میں پڑھنا صحابہ کرام اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں کسی صحابی تابعی نے نماز کے اندر کبھی یہ دعائیں نہیں پڑھیں

چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل بابُ الدُّعاءِ قبلَ السّلام صـ۱۱۵ پر ہے۔
پہلی حدیث پاک۔ حَدَّثَنَا اَبُوالیَمَانِ عَنْ شُعَیْبٍ عَنْ زُھرِی
عَنْ عُرْوَۃَ ابْنِ الزُّبَیْرِ۔ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَخْبَرَتْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْعُوْا فِی الصَّلٰوۃِ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ
الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَفِتْنَۃِ الْمَمَاتِ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ ترجمہ آقاءِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ
(الخ) حدیث دوم۔ اَنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَعِیْذُ فِیْ صَلٰوتِہٖ۔ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ۔ ترجمہ
اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازوں میں
فتنہ دجال سے پناہ والی دعا پڑھا کرتے تھے۔ حدیث سوم۔ حَدَّثَنَا
قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ لَیْثٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِی
الْخَیْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ
عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً
اَدْعُوْا بِہٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا
کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ
وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ترجمہ۔ حضرت قتیبہ بن
سعید رض روایت فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبر نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے
عرض کیا کہ مجھے نماز کے اندر پڑھنے کے لیے دعا سکھائیے تو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز میں پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا
کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ
وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ان احادیثِ مبارکہ سے
صاف ظاہر وثابت ہو رہا ہے کہ کسی صحابی پاک نے نہ کبھی خود ہی۔ دعاءِ
ابراہیمی نمازیں پڑھی اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم ہی فرمائی نہ خود پڑھی

حدیث چہارم ۔ مشکوٰۃ شریف بَابُ الدُّعَاءِ فِی التَّشَھُّدِ ص۸۷ پر ہے فصل اوّل ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ مِنَ الْاٰخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ۔ فرمایا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پورا آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جایا کرو تو چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو ۔ ۱ عذاب جہنم سے ۲ اور عذاب قبر سے ۳ زندگی اور موت کے فتنوں سے ۴ دجال کے شر سے ۔ یہ حدیث شریف مسلم شریف سے لی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھاتے تھے بلکہ حکم فرماتے تھے اور صدیق اکبر کو وہ دعا سکھائی جو ابھی حدیث سوم میں بیان ہوئی ۔ لازمی بات ہے کہ صحابہ یہ دعا اور صدیق اکبر وہ دعا ہی پڑھتے ہوں گے ۔ اور تا عمر ایسا ہی ہوگا ۔

حدیث پنجم ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عَنْھُمَا ۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَاءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمُ السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ یَقُوْلُ قُوْلُوْا ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ ترجمہ ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم یہ (چار پناہوں والی دعا نماز میں پڑھنے کے لیے) اس اہتمام اور حکماً سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے تھے ۔ (الخ)

یہ بھی مسلم سے لی گئی ہے ۔

حدیث ششم ۔ مشکوٰۃ شریف کی تیسری فصل یہی ص۸۸ باب الدُّعَاءِ فِی التَّشَھُّدِ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃِ

عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ ۔ وَاَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا ۔ وَلِسَانًا صَادِقًا ۔ وَاَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ رَوَاہُ النَّسَائِیْ وَ اَحْمَدُ نَحْوَہٗ ۔

حدیث ہفتم ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ بَعْدَ التَّشَہُّدِ ۔ اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰہِ ۔ وَاَحْسَنُ الْہُدٰی ہُدَی مُحَمَّدٍ ۔ رَوَاہُ النَّسَائِیْ ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی ۔ ہم نے آٹھ دلائل سے ثابت کر دیا کہ نبی کریم آقاءِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جو دعائیں نماز میں آخری التحیات درود شریف کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے جو دعائیں پڑھا کرتے تھے وہ نہ دعاءِ حسنہ تھی نہ دعاءِ ابراہیمی ۔ یہ دونوں دعائیں آج بھی اہلِ عرب نہیں پڑھتے یہ دعائیں ہندوستانی علماء و مشائخ نے نماز میں شامل فرمائی ہیں اور اچھی ہیں مگر دعاءِ ابراہیمی اُس نومسلم کو نماز اور بیرونِ نماز پڑھنا شرعًا منع ہے جس کے والدین کافر ہوں زندہ ہوں یا فوت شدہ ۔ ہاں البتہ زندہ کفار کے لیے اپنے والدین یا اہلِ قرابت کے لیے ہدایت ملنے کفر سے نکلنے کی دعا ان کی وفات تک مانگ سکتا ہے بعد وفات وہ بھی نہیں ۔ پہلی دلیل قرآن مجید سے باقی سات دلائل احادیثِ مبارکہ سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں منقول ہوئیں اور صحابہ کرام کی دو دعائیں ایک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ایک دعا باقی صحابہ کی اسی طرح نسائی شریف جلد اوّل ص۱۴۵ اور ص۱۴۶ پر دعاءِ تشہّد کے باب میں یہ احادیث درج ہے ۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

کتبہ ـــــــــــــــــــــــــــــــ

مفتیءِ دارالعلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ ۔

ساتواں فتویٰ۔

لفظِ ذنب کی تشریح۔ داڑھی مبارک رکھنا فرض ہے۔ اس کی حد چار انگلی واجب ہے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حکم پر عمل کرنا واجب ہے وہ حکم قولی ہو یا فعلی۔ ایک غلط کار جاہل مصنف کی چند تحریری خرافات کا تردیدی مختصر جواب۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ابھی حال ہی میں میری نظر سے ایک کتاب شرح مسلم گزری پہلے تو میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ شاید یہ کتاب کسی سنی مسلمان کی تصنیف ہوگی کیونکہ مصنف کے نیچے کسی مولوی غلام رسول سعیدی کا نام لکھا ہے عام طور پر وہابیوں کا نام غلام رسول نہیں ہوتا لیکن جب چند جگہ پڑھا تو یہ مصنف وہابیوں سے بھی زیادہ گمراہ نظر آیا۔ میں نے اس کے بارے میں چند علما سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ شخص پہلے سنی مولوی تھا۔ مگر اب گمراہ ہو چکا ہے۔ مصنف مذکور اپنی اس کتاب شرح صحیح مسلم جلد اول کے دیباچہ طبع چہارم صفحہ پر لکھتا ہے کہ ہم نے شرح مسلم جلد ثالث میں لکھا تھا کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (سورۃ فتح آیت ۲) کا یہ ترجمہ احادیث کے خلاف ہے۔ کہ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ ہم نے جلد ثالث میں وہ احادیث بیان کر دیں جن میں صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت آپ کی طرف کی اور آپ نے اس نسبت کو مقرر اور ثابت رکھا۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ ذنب کے معنی اِثم اور جرم ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کی وجہ سے اس آیت میں ذنب کا اطلاق مجازاً خلاف اَولیٰ کام پر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ کام معاف فرما دے۔ یہاں میرا سوال یہ ہے کہ یہ مصنف جس ترجمے کی تردید کر رہا

ہے وہ اعلیٰحضرت مجددِ ملّت اِمامُ الاَئمۃ قبلۂ عالَم اَلشاہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے یہ بدنصیب مصنّف اُن کے آستانہ سے ہٹ کر شیطان کی جھولی میں گر گیا ہے اِس لیے کہ یہ حقیقت ہے کہ آستانۂ بریلی شریف سے ہٹ کر انسان وہابیت سعودیت یہودیت کی ہی گود میں گرے گا۔ دوسرا میرا سوال یہ ہے مصنف مذکور نے اپنا بیہودہ ترجمہ پیش کیا۔ اِس میں وہ ذَنبک کا معنیٰ خلافِ اَولیٰ کرتا ہے اور بریکٹ میں لکھتا ہے (بظاہر) یہ بظاہر کِس لفظ کا ترجمہ ہے یعنی حقیقت میں وہ کام خلافِ اَولیٰ بھی نہیں صرف ظاہراً خلافِ اَولیٰ ہے۔ کیا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خلافِ اَولیٰ کام کئے تھے۔ میرا تو ایمان ہے کہ آپ نے کبھی خلافِ اَولیٰ بھی کوئی کام نہیں کیا بتایا جائے کہ خلافِ اَولیٰ کیا چیز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگیٔ مقدّس میں کتنے خلافِ اَولیٰ کام کئے اگر نہیں تو اس مصنف نے کیوں لکھا۔ پہلی سطور میں اِسی صفحہ پر لکھا ہے۔ دو مسئلوں میں بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا۔ ایک داڑھی کی مقدار کا مسئلہ ہے میں نے لکھا تھا کہ نفسِ داڑھی رکھنا واجب ہے اور قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں۔ کیونکہ وجوب کے ثبوت کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے۔ کچھ آگے لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے ہم کو حسبِ عادت طعن وتشنیع کی اور ہم پر تبرّا کیا۔ بہر حال ہم نے اُن دُشنام طرازیوں پر صبر کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی اُمید رکھی۔ مجھے حیرانگی ہے کہ اپنی ابلیسی تحریر پر بھی اِس کو اجر و ثواب کی امید ہے یہ بالکل ویسی ہی امید ہے جیسی مرزا غلام قادیانی مسلمانوں کے لعن طعن کے جواب میں گھبرا کر اللہ سے ثواب ملنے کی اُمید رکھتا ہے۔ آگے لکھا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حُسنِ نیّت اور للّٰہیت سے لکھا ہے یہ عبارت بھی بالکل مرزا غلام قادیانی کا چربہ ہے مجھ کو تو یہ کوئی دھوکہ باز مرزائی معلوم ہوتا ہے اکثر جگہ بالکل مرزائیوں کی طرح توڑ موڑ کرتا ہے اور اپنے پاس سے بیہودہ اور ناکارہ خلافِ علم مطلب نکال لیتا ہے۔ یہ اچھی للّٰہیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے رہو اور مسلمانوں کو گمراہ بناتے رہو مرزائیت، وہابیت کے رستے پر چلو اور نام رکھو حُسنِ نیت۔ ان ابلیسی باتوں

سے اللہ رسول کی خوشی و رضا نہیں ملتی ۔میں تو سمجھتا ہوں اِس سے لعنت ہی ملتی ہے ۔ یہاں میرا سوال ہے کہ داڑھی شریف کے متعلق اسلامی شرعی حکم کیا ہے ۔اس کی حد کیا ہے ۔ داڑھی کے متعلق مصنف مذکور نے اسی کتاب کی چھٹی جلد کے ص۴۲۷ سے ص۴۵۱ تک پچیس صفحات پر مضمون لکھا ہے ۔مگر کئی جگہ ایسا لگتا ہے کہ مصنف گھبرایا ہوا ہے بات نہیں بنتی تو جھٹ سے توڑ موڑ کر دیتا ہے ۔میں نے ایک بزرگ کی زبانی سنا کہ یہ مولوی یہاں برطانیہ کے ایک شہر برمنگھم میں آیا ہے دورانِ گفتگو چند بہرے گونگے چھوٹے خطیبوں کے سامنے اندھوں میں کانا راجہ بن کر داڑھی کے متعلق بڑے چیلنج کرتا رہا ۔مگر اُس محفل میں کسی نے کوئی جواب نہ دیا ہو سکتا ہے مہمان سمجھ کر لحاظ کر دیا ہو یا اس وقت اِس مسئلے پر اُن کا علم حاضر نہ ہو ۔ واللہ اعلم تیسرا مسئلہ یہ کہ یہ مصنف اپنی اسی شرح کی جلد ہفتم کے ص۴۲۸ پر لکھتا ہے کہ دجّال کے وقت اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ دجال لوگوں پر ایسا جادو کرے گا کہ لوگوں کو وہ دن سال بھر کا نظر آئے گا ۔مگر حقیقت میں وہ سال بھر کا دن نہیں ہوگا ۔سورج اسی طرح روزانہ طلوع وغروب ہوگا ۔اس بات میں ملا قاری کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات درست ہے مجھ کو تو یہ بات قطعاً غلط لگتی ہے کہ دجّال کا جادو سورج پر چل جائے ۔براہِ مہربانی ان تینوں باتوں کا جواب تسلی بخش عطا فرمائیں فی الحال ہم نے ایسی کتابیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں اور اپنے دوستوں کو بھی خریداری سے منع کر رہے ہیں ۔اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس مصنف اور اُس کی بیہودہ جاہلانہ کتابوں سے بچائے ۔ہم آپ کے جوابی فتوے کے منتظر ہیں ۔ جنابِ والا کا وجودِ بابرکت اہلِ سنت کے لیے باعثِ فخر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی جناب کی تحریرات سے ائمہ فقہا کے ادوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ واقعی جناب کی تحریر امامِ اعظم ۔امام رازی ۔ امام سیوطی ۔اعلیٰحضرت فاضلِ بریلی ۔حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانشینی کا حق ادا کر رہی ہے ۔فقط والسلام مَعَ الْاِکرام ۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ۔ اَلسَّائِل مستفتی جہانگیر اختر نعیمی بریڈ فورڈ ۱۳ ر نومبر ۱۹۹۵ء ر

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

الجواب

سائل کے تمام کاغذات مع نقول اور فوٹو سٹیٹ وصول ہوئے گہرے مطالعے کے بعد سائل کا خدشہ درست معلوم ہوا کہ واقعی مصنف مذکور بدعقیدہ ہے یا بدعقیدہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے علاوہ مصنف مذکور علمی فکری اعتبار سے بھی بہت کمزور ہے۔ یا پھر جان بوجھ کر خیانت و بددیانتی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ بہرحال اِن اغلاط کی نشاندہی سے پہلے ہم اصل مسئلے کو واضح کرتے ہیں۔ سائل کا پہلا مسئلہ۔ لفظ ذنب کی تشریح قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً انتالیس جگہ آیا اور سب جگہ اس کا معنیٰ شرعی گناہ ہی ہے۔ یا دنیوی جرم۔ لہٰذا مذکورہ فی السّؤال آیت سورۃ فتح میں بھی یہی ترجمہ کیا جائے گا کسی شخص کا اپنی ذاتی بناوٹ سے اس کا ترجمہ بگاڑ کر خلافِ اَولیٰ کرنا اور مزید۔ لفظِ مجازاً۔ اور (لظاہر) کی پخ لگانا۔ انتہائی غلط اور نااہلی نالائقی ہے اور دین بگاڑنا گمراہی پھیلانا ہے۔ بات صرف نسبت کی ہے کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ میں ذَنْۢبِكَ کی نسبت کس کی طرف ہے۔ آیا نبی کریم کے گناہ مراد ہیں۔ یا نبی کریم کی اُمّت کے گناہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ مراد لیئے جائیں تو یہ حقیقت کے خلاف ہے اِسی طرح ذنب کا معنیٰ خلافِ اَولیٰ کر کے نسبت نبی کریم کی طرف ہی رکھنی اور صحابہ کی کسی حدیث کا سہارا پکڑنا بھی حقیقت کے خلاف ہے۔ اور پھر قرآنِ مجید کلام الٰہی کو اسی خلافِ حقیقت بات میں ملوث کرنا تو کفر یہ گستاخیِ باری تعالیٰ ہے (معاذ اللہ) گویا کہ یہ کہہ کر کہ نبی کریم کے گناہ یا نبی کریم کے خلافِ اَولیٰ اَفعال اللہ معاف فرما دے رب تعالیٰ پر الزام لگاتا ہے کہ جس بات کا وجود ہی کوئی نہیں۔ اس کو معاف فرمایا۔ یہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ تاعمر بچپن سے وصال تک آقاءِ دوعالمؐ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی گناہ لغزش بھول چوک جرم خطاء خلافِ اَولیٰ کام سرزد ہوا ہی نہیں۔ ساری تاریخ اِسلام چھان مارو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی گناہ یا خلافِ اَولیٰ کام کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا۔ ابلیسی ترغیب میں آ کر یہ بکتے رہتا کہ۔ از گناہِ تو (شاہ ولی اللہ) یا از موجبِ عتابِ تو (مثلاً کاشفی)

یا۔ یہ کہنا کہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں ۔ (از اشرفعلی تھانوی) یا۔ لکھنا کہ ۔ تیرے گناہ (عاشق الٰہی میرٹھی وہابی) یا یہ کہنا کہ ۔ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ (محمود الحسن دیوبندی وہابی) یا یہ کہنا کہ ۔ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے پچھلے (بظاہر) خلافِ اَولیٰ کام (مصنف مذکور) یہ سب ابلیسی ترجمے ہیں ۔ کسی صحابی سے یہ ترجمہ ثابت نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گناہ خطا یا خلافِ اَولیٰ کام کا پوری ارضی سماوی کائنات میں کوئی وجود ہی نہیں تو بخشنا معاف کرنا کیسا ۔ اور پھر نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی صرف نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کا صحیح سچا عقیدہ حقیقت کے مطابق نظریہ یہ ہے کوئی نبی علیہ السّلام اپنی پوری حیاتِ نبوی میں از آدم علیہ السّلام تا عیسیٰ علیہ السّلام کبھی کسی گناہ خطا نسیان بھول لغزش یا خلافِ اَولیٰ کام کے مرتکب نہ ہوئے ۔ اس لیے کہ انبیا علیہم السّلام کا خلافِ اَولیٰ کام کرنا بھی ترکِ واجب کی مثل گناہ ہے ۔ اور گناہ ہونا انبیا کی ذات مقدسات سے محال یا ممتنع ہے ۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتاب التوضیح والتلویح جلدِ دوم ۔ فَصْلٌ فِیْ اَفْعَالِہٖ ص۴۹۱ (طبع میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی) پر ہے وَلِاَنَّ تَرْکَ الْاَفْضَلِ عَنْھُمْ بِمَنْزِلَۃِ تَرْکِ الْوَاجِبِ عَنِ الْغَیْرِ یعنی انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے ترکِ اَولیٰ ۔ اور خلافِ اَولیٰ کام کرنا بھی اتنا ہی بُرا ہے جتنا ۔ دوسروں سے واجب کام ترک کرنا ۔ اور اصطلاحِ فقہا میں واجب فرض کو بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ اسی کتاب توضیح تلویح جلد اوّل بابُ الْفِقْہِ ص۲۸ پر ہے ۔ ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ مَا یَشْمِلُ الْفَرْضَ اَیْضًا لِاَنَّ اِسْتِعْمَالَہٗ بِھٰذَا الْمَعْنٰی شَائِعٌ عِنْدَھُمْ کَقَوْلِھِمْ اَلزَّکٰوۃُ وَاجِبَۃٌ وَالْحَجُّ وَاجِبٌ ۔ ترجمہ ۔ پھر واجب سے مراد فرض بھی ہوتا ہے اس لیے کہ لفظِ واجب کا استعمال فرض عبادت کے معنیٰ میں فقہاءِ کرام کے نزدیک مشہور ہے ۔ جیسے کہ زکوٰۃ اور حج جو فرض ہیں ان کو کہدیا جاتا ہے ۔ زکوٰۃ واجب ہے ۔ حج واجب ہے ۔ یہاں واجب کا معنیٰ فرض ہی ہے ۔ لہٰذا ۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا خلافِ اَولیٰ کام کرنا ایسا ہی محال ہے جس طرح خلافِ فرض ۔ اس لیے اگر فرضِ محال کوئی نبی اپنی نبوت ملنے کے بعد کسی خلافِ اَولیٰ کام کا ارتکاب

کرے تو اس پر عتابِ الٰہی آجائے، یہی وجہ ہے کہ کسی نبی علیہ السّلام سے زمانۂ نبوّت میں کسی بھی خلافِ اَولیٰ کام کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ کسی بد باطن میں ثبوت پیش کرنے کی ہمت ہے۔ خیال رہے کہ خلافِ اَولیٰ وہ کام ہوتا ہے جس کا خلافِ اَولیٰ ہونا مشہور یا معلوم ہوا ور معلوم ہونے کے بعد وہ کام کیا جائے۔ اِس قاعدۂ کلیّہ حقیقیہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کسی نبی علیہ السّلام سے کبھی کوئی خلافِ اَولیٰ صادر ہوا ہو۔ جہلا کے صرف بکتے رہنے کا اعتبار نہیں ہے۔ آدم علیہ السّلام کا جنتی شجر کھالیا یہ آپ کی نبوّت ملنے سے پہلے کا ارتکاب ہے۔ آپ کو نبوّت تقریباً تین سو سال بعد۔ قبولیتِ توبہ کے وقت ملی اِس کے بعد نہ کسی لغزش کا ثبوت نہ خطا نہ خلافِ اَولیٰ کا ثبوت نہ ابلیس ورغلا سکا۔ دیگر انبیا علیہم السّلام کو شکمِ مادر میں نبوّت مل جاتی ہے اس کا پورا بیان ہماری تفسیر نعیمی پارہ سولہ ذکر آدم علیہ السّلام میں دیکھو۔ اسی طرح نوح علیہ السّلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں سوال آپ کا حق تھا۔ نہ یہ خلافِ اَولیٰ تھا۔ نہ اس کا خلافِ اَولیٰ ہونا ثابت وشائع یا معلوم۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السّلام کا قبطی کا مارڈالنا شرعی جرم نہ تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح کا بھی کوئی کام ثابت نہیں تو پھر اِس آیتِ فتح کا ترجمہ توڑ موڑ کر حقیقت کے خلاف کرنا ابلیسیت نہیں تو اور کیا ہے اور وہابیوں کی طرح گناہ کی نسبت یا مثلِ وہابیت خلافِ اَولیٰ کی نسبت آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالکل ہی جہالت ہے اور صحابی کی حدیث سے ناجائز سہارا حاصل کرنا ہے کسی صحابی نے نہیں فرمایا کہ نبی کریم نے اپنے بچپن جوانی یا بڑھاپے میں فلاں گناہ کیا یا فلاں خلافِ اَولیٰ کام کیا۔ اگر احادیث سے ثبوت دینا ہے تو اِس طرح کا ثبوت دو ورنہ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۔ مصنّف مذکور کو کون سمجھائے کہ قرآن مجید کا سمجھنا ان کے بس کا کام نہیں ابھی کسی عشقِ مصطفیٰ والے استاد سے پڑھیں۔ یہ تو تھی وہابیانِ مَا تَقَدَّمَ اور وہابیِ مَا تَاَخَّرَ یعنی مفسّر مذکور کے اندھے ترجموں کی تردید۔ اب ہم سورۂ فتح شریف کی آیت ۱ اور آیت ۲ کی صحیح سچی اور حقیقی تفسیر بیان کرتے ہیں جس سے منشاءِ کلام نکھر کر سامنے

آجائے گا۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس نئے وہابی مصنف مذکور اور اس کے پہلے وہابیوں کا ترجمہ نہایت غلط اور مقصدِ باری تعالیٰ کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا. لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ یہاں چار لفظوں کو اہمیت سے بیان فرمایا گیا۔ ۱۔ فتح مبین ۲۔ مغفرت ۳۔ مَا تَقَدَّمَ ذَنْبٌ ۴۔ مَا تَاَخَّرَ ذَنْبٌ اِنَّا فَتَحْنَا کے فعل ماضی نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہیں اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مبین حاصل ہو چکی تھی اور لِيَغْفِرَ کا فعل مستقبل بتا رہا ہے کہ ابھی مغفرت نہیں ہوئی بلکہ آئندہ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ لِيَغْفِرَ کا تعلیلیہ لامِ گئے بتا رہا ہے کہ یہ مغفرت فتح کے وسیلے سے ہوگی یہ فتح ہی آئندہ مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ لَكَ میں لامِ سببیہ ہے اور سببیہ ماننا پڑے گا۔ اور معنیٰ ہے کہ مغفرت کا سبب اے نبی آپ ہوں گے مگر یہ مصنف اِن علوم سے جاہل ہے۔ آگے ارشاد ہوا کہ مغفرت ہے مَا تَقَدَّمَ گناہ اور مَا تَاَخَّرَ گناہ کی۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ وہ کون سے اگلے پچھلے گناہ ہیں جن کی بخشش کے لیے اتنی عظیم بشارت اتنی بڑی فتح مبین۔ اور اتنا اہتمام فرمایا جا رہا ہے وہ کس نوعیت کے گناہ ہیں۔ جو توبہ سے استغفار سے یا کسی عمل یا عبادت سے ابھی تک معاف نہیں ہوئے حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے تو وضو سے اتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ استغفار سے اتنے۔ فلاں عمل سے اتنے فلاں سے اتنے پھر اگر بدبخت وہابی ترجمے کو یا مصنف مذکور کے اندھے ترجمے کو سامنے رکھ کر (معاذ اللہ) نبی کریم کے ہی اگلے پچھلے ذنب مراد لیے جائیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے اس ذنب کے لیے توبہ نہ کی نہ روئے نہ معافی مانگی نہ کسی کو بتایا۔ جب کہ آدم علیہ السلام سے ایک معمولی نسیانی خطا ہو گئی تھی تو آپ تین سو سال تک اتنا روئے توبہ کی کہ عرش اعظم کو ہلا دیا اور سارے جہان میں آپ کی توبہ اور خطا مشہور ہو گئی۔ حالانکہ وہ خطا ذنب نہ تھی اور پھر نہ کبھی اس ذنب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب ہوا۔ ان باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ یہ ذنب نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں نہ صحابہ کرام کے۔ بلکہ اُن اگلے پچھلے کفارِ مکہ کے زمانۂ

کفر کے اگلے پچھلے تمام گناہ مراد ہیں جو اس طرح معاف ہوں گے کہ صلح حدیبیہ کی فتح مبین سے مکہ فتح ہوا اور فتح مکہ سے کفارِ مکہ نے تُلک اے محبوب آپ کے سبب سے اسلام قبول کیا اور اسلام لانے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہجرت کے پہلے والے گناہ مَا تَقَدَّمَ اور ہجرت کے بعد والے گناہ مَا تَاَخَّرَ بھی ایسے بخشے کہ مٹا کر رکھ دئے۔ اب پڑھو بریلی کے چاند سُنّیوں کے نور، تاجدار اہلِ سنت کا روشن۔ ایمان کے کنز والا ترجمہ۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی، تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے یہ کیا شان ہے اس ترجمے کی کہ چند لفظوں نے علم العرفان اور کنز الایمان کی دھوم مچا دیں۔ بلکہ فتوحاتِ اسلامیہ کا پورا نقشہ، بیعتِ رضوان کا واقعہ صلح حدیبیہ کا منظر اور فتح مکہ کا پیش خیمہ سمجھا دیا۔ یہ ترجمہ الہامی کرامت ہے کہ اس نے ربُّ العٰلمین کی مغفرت اور رحمۃ عالمین کی سببیت کی حکمت سمجھا دی کہ اے پیارے ہم تو کبھی اُن بدبخت موذیوں کو نہ بخشتے آپ کی وجہ سے لِيَغْفِرَ اللّٰهُ کا ظہور ہوگا کہ آپ ہی اُن خون کے پیاسوں موذیوں کو فرما دیں گے۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اور وہ سارے سلمان ومطیع ومتبع فرمان بلکہ جانثار بن جائیں گے اگر آپ کا یہ جملہ لَا تَثْرِيْبَ نہ ہوتا تو ہم کبھی نہ معاف کرتے نہ توفیقِ ایمانی ملتی نہ اسلام لانے سے اُن کے اگلے یعنی ہجرت سے پہلے والے گناہ اور پچھلے یعنی ہجرت کے بعد والے گناہ مٹاتے آپ کے سبب سے توفیق ملی اور توفیق سے اسلام اور اسلام سے سارے گناہ ختم۔ مصنف مذکور لکھتا ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت آپ کی طرف کی اور آپ نے اِس نسبت کو مقرر اور ثابت رکھا میں کہتا ہوں اعلیٰحضرت نے بھی اور ہم تمام اہلِ سنّت نے بھی اِس نسبت کو باقی رکھا۔ مگر مصنف کی طرح اندھا بن کر نہیں بلکہ صحابہ کی طرح حقیقتِ حال کے مطابق کہ ذَنْبَكَ۔ یعنی تمہاری قوم کے اگلے پچھلے گناہ۔ اگر ذَنْبَكَ کا شیطانی ترجمہ کیا جائے کہ تیرے گناہ یا تیرے اگلے پچھلے خلاف اُولیٰ کام تو صحابہ پر بھی اعتراض آتا ہے کہ وہ ایک معدوم چیز کی غلط نسبت کر رہے ہیں۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبتِ رحمۃ سمٹ کر نکھری اور نکھر کر الیبی

پھیلی کہ اگر۔ یَغۡفِرَ اللّٰہُ۔ کا ترجمہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے بخشتا ہے گنا ہگاروں کو قیامت تک تب بھی بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ یَغۡفِرَ کا مستقبل ابد تک وسیع واستمرار ہے۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ یعنی ہجرت سے مدینے تک مدینے سے فتح مکہ تک فتح مکہ سے وصال تک وصال سے میدانِ محشر تک محشر سے شفاعت تک اور شفاعت سے جہنم کے اندر سے چھڑا لانے تک یَغۡفِرَ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلے پچھلوں کے گناہ صغیرہ کبیرہ بخشتا رہے آگے مصنف مذکور لکھتا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حسن نیت اور للّٰہیت سے لکھا ہے خواہ اس سے کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ میں کہتا ہوں حسن نیت نہیں بلکہ کور چشمی اور ظلمتِ قلبی جہالت عقلی سے اور للّٰہیت سے نہیں بلکہ ابلیسیت سے لکھا ہے۔ ہاں البتہ یہ فہرست ہم واضح کرتے ہیں کہ کون اس گستاخ ترجمے سے خوش ہوا ہے اور کون ناخوش۔ خوش ہوا ہے شیطان اور قرینِ شیطان۔ اور شیخ نجدی اور ناخوش ہوئے ہیں صحابۂ کرام، اولیاء عظام، اور تمام عاشقانِ نبوت اہل سنت اور اللہ ربّ العلمین وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَمُ بِالصَّوَاب۔

سائل کا دوسرا مسئلہ داڑھی شریف کے متعلق

یہ مسئلہ ہم نے نہایت اہتمام اور دلائل سے اپنے العطایا جلد دوم از ص ۹۸ تا ص ۱۱۶ پر لکھ دیا ہے وہاں مطالعہ فرمایئے۔ ہم نے اس فتوے میں گیارہ چیزیں با دلائل واضح اور ثابت کی ہیں۔ (پہلی) یہ کہ مطلقاً داڑھی رکھنا ہر مرد مومن مسلمان پر فرض عین ہے۔ (دوم) یہ کہ چار انگلی کے برابر داڑھی رکھنا واجب ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ قبضہ داڑھی حد شرعی ہے اگر ایک انگلی بھی کم کرے گا کوئی شخص تو وہ گنا ہگار اور فاسق معلن ہوگا (سوم) یہ کہ تمام امت پر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر بھی عمل کرنا واجب ولازم ہے اور ہر فعل شریف پر بھی۔ اور یہ دونوں باتیں قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ ترجمہ۔ اے مسلمانوں ہمارے رسول یعنی اپنے آقا محمد

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یہاں آپ کے احکام مراد ہیں۔ پھر رب تعالیٰ نے دوسری جگہ سورۂ آلِ عمران آیت ۳۱ میں ارشاد فرمایا۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ یہاں آپ کے افعالِ پاک مراد ہیں کیونکہ اطاعت حکم کی ہوتی اور اتباع فعل کی اور دونوں جگہ۔ رب تعالیٰ نے جمع مذکر امر کا صیغہ ارشاد فرمایا اور امرِ مطلق اپنے حقیقی معنیٰ میں یعنی وجوب کے لیے مستعمل ہوتا ہے ثابت ہوا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم بھی اُمّت پر فرض و واجب اور ہر فعل بھی (چہارم) قرآن مجید کی اِن آیتوں کے بعد ہم نے علم اصول کی کتاب توضیح تلویح کی عبارت سے بھی ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل ہر قول پر عمل کرنا واجب ہے۔ مزید یہ کہ توضیح تلویح جلدِ دوم مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص۱۹ پر ہے فَصْلٌ فِیْ اَفْعَالِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ فَمِنْھَا مَا یُقْتَدٰی بِہٖ وَھُوَ مُبَاحٌ وَمُسْتَحَبٌّ وَوَاجِبٌ وَفَرْضٌ۔ وَغَیْرُ الْمُقْتَدٰی بِہٖ فَھُوَ اِمَّا مَخْصُوْصٌ بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْ زِلَّۃٌ۔ عبارت توضیح کی شرح میں تلویح نے فرمایا۔ قَوْلُہٗ وَاجِبٌ وَفَرْضٌ یَعْنِیْ اَنَّ فِعْلَہٗ بِالنِّسْبَۃِ اِلَیْنَا یَتَّصِفُ بِذٰلِکَ۔ ترجمہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ مقدسہ کی فصل۔ پس ان میں سے کچھ افعال وہ ہیں جن کی اقتدیٰ کی جاتی ہے۔ اور وہ چار قسم کے ہیں ۱ مباح ۲ مستحب ۳ واجب ۴ فرض اور کچھ افعال وہ ہیں جن کی اقتدا نہیں کی جاتی۔ وہ دو قسم کے ہیں ۱ آپ کے خصوصی افعال ۲ آپ کے بھول چوک نسیان سے ادا ہو جانے والے افعال۔ تلویح نے اِس کی شرح فرمائی۔ کہ واجب اور فرض کا معنیٰ ہے اُمّت پر یعنی ہم پر یہ کام واجب و فرض ہیں کہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں اگر وہ خصوصی اور یا بھول سے نہ ہوں تو امت پر ۱ جائز حلال ہیں ۲ یا مستحب ۳ یا واجب ہیں ۴ یا فرض ہیں بلکہ ایک جگہ توضیح تلویح نے یہ بھی فرمایا کہ بہت جگہ قرآن کریم میں امر کو بھی فعل فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جلد اوّل ص۳۲۴ پر ہے۔ لِاَنَّ فِعْلَہٗ اَمْرٌ حَقِیْقَۃً وَکُلُّ اَمْرٍ لِلْاِیْجَابِ اِحْتَجُّوْا عَلَی الْاَصْلِ۔ وَھُوَ اَنَّ الْاَمْرَ حَقِیْقَۃٌ فِی الْفِعْلِ (لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ اَیْ فِعْلُہٗ) وَعَلَی الْفَرْعِ وَھُوَ اَنَّ فِعْلَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِلْاِیْجَابِ۔ ترجمہ۔ اس لیے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف حقیقت میں حکم ہی ہے اور ہر حکم (امت پر عملاً واجب ہے) وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس اصلی قاعدے پر فقہاء نے دلیل بنائی اصلی قاعدہ یہ کہ امر حقیقتاً کام کرنے میں ہی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل فرمانا درحقیقتہً یہ بتانا ہے کہ اُمتیو تم پر یہ واجب اسی لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۱) ترجمہ۔ البتہ بے شک تم تمام مومنین کے لیے رسول اللہ کے افعال میں اچھا نمونہ ہے۔ یعنی نبی کریم کے افعال ایسے ہیں۔ جیسے مدرسے کی کلاس میں (جماعت میں) استاد کے افعال۔ اگر استاد نہ کرے تو طلبا کو پتہ نہ لگے کہ کیا کرنا ہے اگر نبی اعمالِ عبادت نہ کریں تو اُمت کو پتہ نہ لگے کہ عبادت کس طرح کرنی ہے مدرسے استاد کا پڑھنا طلبا کیلئے ہے لہٰذا طلباء پر اس کی نقل واتباع واجب دینا میں نبی کریم علیہ السلام کے اعمال اُمت کے لیے ہیں اس لیے امت پر ان کی نقل واتباع واجب امر بمعنیٰ فعل ہونے کی ایک دلیل یہ آیت ہے وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۔ (سورۃ ھود آیت ۹۷) ترجمہ۔ اور فرعون کے کام اچھے نہ تھے (پنجم) وَاعْفُوا اللُّحٰى۔ یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ (مسلم جلد اول) سے اور اُن کے تواتر وکثرت اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرضیتِ داڑھی ثابت ہوتی ہے۔ یہ احادیثِ مبارکہ مجمل اس لیے ہیں کہ اُن میں یہ حکم تو ہے ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ مگر بڑھانے کی حد بندی کا ذکر وتفصیل وضاحت بیان نہ فرمائی گئی (ششم) یہ کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی داڑھی مقدس چار انگلی سے زائد کاٹ کر۔ اِس اجمال کی تفصیل اور حد بندی فرمادی اور جو فعل شریف کسی اجمال کی تفصیل ہو۔ اُس پر عمل کرنا بھی اُمت پر واجب ہے چنانچہ۔ توضیح تلویح جلد اوّل صفحہ ۳۲۲ پر ہے فَإِنَّ الْأَصْلَ أَنَّهُ إِذَا نُقِلَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فِعْلٌ فَإِنْ كَانَ سَهْوًا۔ أَوْ طَبْعًا۔ أَوْ خَاصًّا فَلَا إِيْجَابَ إِجْمَاعًا وَإِنْ كَانَ بَيَانًا لِمُجْمَلِ الْكِتَابِ يَجِبُ اِتِّبَاعُهُ إِجْمَاعًا۔ ترجمہ خلاصہ یہ کہ بے شک جب منقول ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کام کرنا۔ تو اگر وہ سہواً ہو یا عادتاً۔ یا خصوصیت والا تب وہ اُمت پر واجب نہ ہوگا یہ مسئلہ اجماعی

ہے اور اگر وہ کام کتاب کے کسی اجمالی حکم کو بیان اور واضح کرنے کے لیے ہو تو اس کی اتباع امت پر واجب ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے (ہفتم) یہ کہ صحابہ کرام نے جب نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی داڑھی شریف چار انگل سے زائد کاٹتے ہوئے دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ وَاعْفُوا اللّحٰی کے اجمالی حکم کی تشریح اور وضاحتی حدبندی ہے۔ اب کوئی مسلمان اس سے زائد بھی نہیں کاٹ سکتا اور اس سے کم بھی نہیں کاٹ سکتا اس فعل شریف اور عملِ مقدس کو دیکھ کر نہایت احتیاط سے اپنی اپنی داڑھی شریف کو ناپ کر زائد کاٹ دی صحابہ کا یہ عمل اپنی مرضی سے نہ تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف کی وجوبی اتباع تھی اس تبیانی حدبندی نے بتایا کہ شرعی داڑھی صرف چار انگل لمبی ہے اس سے کم بھی غیر شرعی اور زائد بھی غیر شرعی۔ تمام صحابہ تابعین۔ تبع تابعین اور علما اولیا سے یہی عملی نمونہ ثابت ہے کبھی کسی بھی صحابی وغیرہ سے تین انگلی داڑھی ثابت نہیں۔ نہ ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جواز کے لیے کبھی ایسا عمل فرمایا (ہشتم) یہ کہ ہم نے وہاں فتاویٰ دوم میں ثابت کیا ہے کہ لفظ سُنّت پانچ معنیٰ میں مشترک ہے اور کسی عبادت کو مسنون کہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مسنون کا معنیٰ ہے عمل۔ جس میں فرض واجب اور سنت، نفل سب داخل ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے واضح کیا ہے کہ عام طور پر شیطان صفت مصنفین اور گمراہ مسلمان لفظِ سنت کو معمولی سمجھ کر ترک کرنے کرانے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ یہ مصنف مذکور۔ نیز سنت کی دو قسمیں بھی ہیں ۱۔ سنت مؤکدہ جس کا دوسرا نام سنتِ ھُدای ہے اس کا تارک گناہگار ہوتا ہے (از کتب فقہ وھدایہ جلد اوّل بابُ الامامت و نوافل ص ۸۵ و ص ۱۰۵) (نہم) یہ کہ انبیاءِ علیہم السّلام کا ہر کام امت کو سکھانے سمجھانے بتانے اور عمل کرانے کے لیے ہوتا ہے کسی بد بخت کا یہ سمجھ لینا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی فعل ہے ہم پر واجب لازم نہیں اُس کی گمراہی ہے۔ یہی گمراہی مصنف مذکور نے پھیلائی (دہم) یہ کہ تمام شارحین تمام فقہا نے آقاءِ کائنات حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قطعِ لحیہ کے عمل شریف سے استدلال کر کے فرمایا کہ اَللِّحْیَۃُ اِذَا کَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَھُوَ وَمَا وَرَاءَ ذَالِکَ یَجِبُ

قَطْعُهٗ۔ فَكَذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَاخُذُ مِنَ اللِّحْيَةِ مِنْ طُوْلِهَا وَعَرْضِهَا۔ اَوْرَدَهٗ اَبُوْ عِيْسٰى يعنى تِرْمَذِىْ۔ وَمُقْتَضَاهُ الْاِثْمُ بِتَرْكِهٖ (از فتاوٰی شامی جلد اوّل ص ۱۵۵ اور شرح نہایہ) ترجمہ۔ داڑھی مبارک کی شرعی حد عملی سنت کے مطابق ہے۔ اس سے زائد کاٹ دینا واجب ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مقدس کو لمبائی چوڑائی سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ اِس عمل شریف کا تقاضا ہے کہ نہ کاٹنا۔ اور داڑھی کو چھوڑ رکھنا گناہ ہے۔ ہم نے اِن تمام عبارات سے واضح کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف بھی اُمت پر واجب ہے (گیارھویں) یہ کہ داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا حرام ہے یعنی تین انگلی یا دو انگلی برابر رکھنا حرام ہے وَاعْفُوا اللُّحٰى کی سراسر مخالفت اور حکم عدولی ہے۔ اور زائد رکھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عملی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اب ہم مصنف مذکور کے مضمون شرح ابو داؤد کی اغلاط کی نشاندہی کریں گے۔ ہمیں سائل کی طرف سے بیس ۲۰ صفحات کے فوٹوسیٹ وصول ہوئے جن میں ایک صفحہ جلد اوّل کا دیباچہ ۲۰ اور باقی صفحات داڑھی سے متعلق۔ جلد ساتویں از ص ۴۳۶ تا ص ۴۵۳ ہے داڑھی کے متعلق مضمون ص ۴۵۱ تک ہے۔ میں نے بغور اُن کا مطالعہ کیا مجھ کو اس میں دس قسم کی غلطیاں گمراہیاں نظر آئیں۔ ۱ مصنف مذکور میں علمی ۲ فکری ۳ تدبّر کی بے حد کمی ہے ۴ مصنف کی عقل بھی معدومیت کی حد تک کمزور ہے ۵ بہت سے حوالوں میں خیانت کی گئی ہے ۶ بعض جگہ بددیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ۷ مصنف مذکور بہت جگہ خود اپنے پیش کردہ حوالوں کو نہ سمجھا ۸ بعض جگہ خود مصنف اپنی بات کے ہی خلاف چل پڑا ۹ مصنف مذکور کو کتب پر عبور نہیں یعنی مطالعہ اور معلومات بہت کم ہیں ۱۰ بعض جگہ مصنف نے جان بوجھ کر گستاخیِ رسالت کا ارتکاب کیا۔ ان غلطیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بچہ کو قلم پکڑا دیا ہو نہ معلوم مصنف نے کس کے اُکسانے پر شرح لکھنے کی جسارت کی اور کتاب کے کاغذات کے علاوہ اپنے نامۂ اعمال کو

بھی سیاہ کر ڈالا۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف نے کئی جگہ کذب بیانی سے بھی کام لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ چنانچہ مصنف مذکورہ کی پہلی غلطی۔ دیباچہ کے صفحہ نمبر ؟ پر لکھتا ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ نفس داڑھی رکھنا واجب اور قُبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے اور یہ آپ سے ثابت نہیں ہے۔

جواب۔ مصنف کی یہ دونوں باتیں (۱) قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب نہیں۔ (۲) وجوب کے ثبوت کے لیے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ضروری ہے) غلط اور جاہلانہ ہے۔ غلط اس لیے کہ یہ کوئی قانون نہیں کہ وجوب کے لیے امر ضروری ہے فعل سے بھی وجوب ثابت ہو جاتا ہے مصنف کو علم پڑھنے میں محنت کرنی چاہیے تھی۔ جاہلانہ اس لیے کہ یہ بات خود مصنف کے اپنی عبارت اور حوالوں کے بھی خلاف ہے مصنف مذکور اسی عملِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لمبی داڑھی رکھنے کو گناہ اور قبضہ سے زائد کاٹنے کو واجب قرار دے رہا ہے۔ مصنف صرف چھوٹی داڑھی کی حمایت میں کسی رشوت خوری کی بنا پر یہ خود ساختہ قانون بنا کر تخریب کاری اور فساد فی الاُمّت پیدا کر رہا ہے۔ یا پھر بقولِ شخصے جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ مصنف کذب بیانی سے یادداشت قائم نہ رکھ سکا کہ یہاں تو لکھتا ہے وجوب کے لیے امر ضروری۔ اور جلدِ سادس میں لکھتا ہے کہ فعلِ نبی سے کاٹنا واجب ہے۔ غلطی نمبر۲ اسی دیباچہ ص؟ پر لکھا ہے کہ جن لوگوں کے خیال میں قُبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب ہے اُن پر لازم تھا کہ وہ یہ بیان کرتے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قُبضہ بھر داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ لیکن اِن لوگوں نے ہم کو حسبِ عادت طعن تشنیع کی اور ہم پر تبرّا کیا۔

جواب۔ مصنف نے یہاں بین جھوٹ بول کر لعنتِ الٰہی کا استحقاق لیا (۱) ہم پر تبرا کیا۔ ہر باطل کا یہ وطیرہ ہے کہ ہار کھا کر بھی کہتا ہے کہ مخالفت کے پاس دلیل نہیں صرف تبرا بازی ہے۔ مخالف کے دلائل بھی باطل کو تبرّے نظر آتے ہیں مصنف کو چاہیے تھا کہ مخالف کا پورا بیان دیانت داری سے

شائع کرتا ۔ ۲ یہ کہنا کہ اُن پر لازم تھا (الخ) غلط ہے لازم نہ تھا کیونکہ یہ قانون ہی نہیں تو لازم کیوں تھا۔ کیا مصنف کے گھر کی شریعت ہے کہ جو اُس کے منہ سے نکل جائے وہ شریعت کا قانون بن جائے۔ مصنف پر لازم تھا اور ہے کہ قرآن و حدیث سے صراحتاً دکھائے کہ وجوب کے ثبوت کے لیے اَمر ہی ضروری ہے تب اِس کی یہ بات درست ہوتی ۔ ۳ مصنف کا یہ کہنا کہ ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ یہ تحریر مصنف کا عیارانہ جھوٹ ہے۔ ہر باطل ضدی سے ضدی بھی اس طرح کی چاپلوسی کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔ ضِد بازی باطل کی جبلی عادت ہوتی ہے اور مصنف خود بھی اس میں آزمودہ ہے اتنا بھولا اور نیک سیرت نہیں جس طرح آسانی سے لکھ دی ہے۔ غلطی ۳ اسی صفحہ ۷ پر لکھا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض حسن نیت اور للہیت سے لکھا ہے۔

جواب (نعوذ باللہ، کیسا عجیب دعویٰ ہے۔ کہ دبے لفظوں میں نبی کریم پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین گستاخی بھی کی جا رہی آپ کو مُذنب خطا کار گناہ گار اور خلافِ اَوْلیٰ کاموں کا مرتکب بھی کہا جا رہا ہے اِس کے باوجود پھر بھی حُسنِ نیت اور للہیت کا تمغہ بھی سجایا جا رہا ہے ایسی للہیت کا اظہار تو سب سے پہلے ابلیس نے اُس وقت کیا تھا جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا کہ میں اللہ کو سجدہ کرنے والا ہوں۔ میں موحِد ہوں۔ میں کیوں آدم کو کروں۔ یہ للہیت کے خلاف ہے۔ اُس کے بعد آج تک اِس قسم کی للہیت وہابی دیوبندی کرتے چلے آرہے ہیں کہ نبوت کی گستاخی کا نام توحید رکھ دیا گیا۔ اور توہینِ رسالت ولایت کو للہیت کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہی راستہ اب مصنف مذکور نے اپنایا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِن سب کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ غلطی ۴ مصنف لکھتا ہے۔ ہم نے جلد ثالث میں وہ اَحادیث بیان کر دیں جن میں صحابہ کرام نے آپ کے سامنے ذنب کی نسبت کی۔

جواب۔ سائل نے جلد ثالث کے اُن ورقوں کی فوٹو سٹیٹ ہمارے پاس نہیں بھیجی جن میں یہ احادیث مصنف نے لکھ دی ہیں ورنہ ہم ان کا بھی جواب دیتے اور مصنف مذکور کی کوڑھ مغزی وجہالت وناسمجھی کو ظاہر کر دیتے۔ بہر کیف اگر

موقعہ ملا تو اس پوری شرح ابو داؤد کا تردیدی جواب شائع کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تاکہ مسلمانوں کو اس زہر یلی شرح سے بچایا جائے۔ اگر مصنف واقعی ضدی نہیں ہے اور ہمارا سابقہ تجربہ اب غلط ہے۔ اور اپنی اس بات پر قائم کہ ہم مان لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ تو آیئے ہم دکھاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کاٹنے سنوارنے اور داڑھی کی حد بندی کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وجوب کے ثبوت کے لیے یہ کوئی شرعی قانون نہیں۔ چنانچہ خود مصنف ہی اپنے اس مضمون کے ص۴۳ پر لکھتا ہے۔ اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَجُلٍ اَنَّ اَبَاقُحَافَۃَ۔ (الخ) یعنی مسند امام اعظم میں ہے کہ حضرت ابو قحافہ حاضر بارگاہ ہوئے تو آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کاش تم ان بالوں کو اطراف سے کم کر لو۔ ۲۔ مصنف اسی مضمون کے ص۴۳ پر لکھتا ہے۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ (الخ) وَاَشَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی لِحْیَتِهٖ وَرَاْسِهٖ یَقُوْلُ خُذْ مِنْ لِحْیَتِكَ وَرَاْسِكَ (بیہقی شعب الایمان جلد پنجم ص۲۲۱ مطبوعہ بیروت) ترجمہ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی داڑھی بڑھی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اس کے بال کاٹ کر کم کرو۔ ان دونوں حدیثیں میں کاٹنے کا ــــ اور چار انگلی چھوڑ کر کاٹنے کا حکم ہے اس سے کم کرنے اور چار انگلی سے زیادہ کاٹنے کی ممانعت اقتضاء النص سے ثابت اسی پر صحابہ کا عمل۔ اگر مصنف کو یہ اقتضاء کی دلیل تسلیم نہیں اور بقول اس کے چار انگلی سے زیادہ کاٹنی جائز ہے تو ثابت کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یا کسی صحابی نے قبضہ سے کم داڑھی رکھی تھی۔ آخر صحابہ نے چار انگلی ناپ کر زائد داڑھی کو کاٹا کیوں؟ یہ کس سے سیکھا یا سنا یا کس کو ایسا کرتے دیکھا۔ یہ صحابہ کا دائمی عمل کس کی سنت پر عمل ہے۔ اس سنت پر لزوم کیوں کیا گیا۔ یہ لزوم ہی وجوب کو ثابت کر رہا ہے مصنف اس کا جواب دیں۔ اگر بقول مصنف چار انگلی سے زائد کاٹنا اور تین انگلی برابر داڑھی جائز ہوتا تو کبھی ایک مرتبہ ہی جواز ظاہر کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلی برابر داڑھی کرتے اور چار انگلی سے زائد کاٹنے

یہ قاعدہ کُلیہ ہے کہ جو کام مکروہ تحریمی نہ ہو بلکہ جائز ہو تو اُس کو نبی کریم کبھی ایک مرتبہ ضرور ادا فرما لیتے تھے تاکہ تاقیامت اُمت کو اس کا جواز مل جائے۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اوّل صفحہ ۱۲۶ باب النوافل طبع کراچی پر ہے۔ وَلَوْلَا الْكَرَاهَةُ لَزَادَ تَعْلِيمًا لِلْجَوَازِ۔ ترجمہ۔ اگر رات کے نفل آٹھ رکعت سے زیادہ ملا کر ایک سلام سے پڑھتے مکروہ نہ ہوتے اور جائز ہوتے تو کبھی ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بھی ایک سلام سے جمع کر کے پڑھتے امت کو جواز بتانے کے لیے اس سے پہلے ھدایہ میں ہے۔ وَدَلِيلُ الْكَرَاهَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزِدْ عَلَىٰ ذَالِكَ۔ ترجمہ۔ مکروہ تحریمہ ہونے کی دلیل امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے نہ پڑھیں۔ یہ فعلِ نبی وجوب کو ثابت کر رہا ہے کیونکہ ترکِ دائمی سے کراھتِ تحریمی لازم آتی ہے اور تعلیماً للجواز کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ کراھتِ تحریمی ہے نہ کہ تنزیہی۔ نیز مطلقاً کراھت سے تحریمی مراد ہوتی ہے۔ کما فِي فَتَاوٰى شَامِي وَفِي كُتُبِ الْأُصُولِ الْفِقْهِ۔ اسی قانونِ حنفی کے تحت ثابت ہوا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلِ مبارک کی اتباع ہر امتی پر واجب ہے اور ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے جس طرح نوافل میں اسی عملِ مبارک نے وجوب پیدا کیا بالکل اسی طرح داڑھی شریف میں اَخْذِ لِحْیَۃ کے عمل شریف نے وجوب پیدا کیا اور جس طرح رات کے نوافل میں ترکِ عمل مبارک اور عمل مقدس کی خلاف ورزی مکروہ تحریمی ہے اسی طرح داڑھی شریف میں عمل پاک کی مخالفت مکروہ تحریمی ہے کم از کم مصنف ہدایہ شریف کو ہی غور سے پڑھ لیتا تو یہ جہالت وگمراہی سرزد نہ ہوتی۔ پانچویں غلطی۔ مصنف مذکور جلد اوّل کے صفحہ ۸ پر لکھتا ہے نفس داڑھی رکھنا واجب ہے اور اپنی شرح مسلم کے صفحہ ۴۴۲ پر لکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا اُن کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے نہیں تھا اگر اُن کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب ہوتا تو وہ صحابہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے۔ جواب۔ ہم مصنف مذکور سے پوچھتے ہیں کہ اگر داڑھی بڑھانے کا حکم یعنی وَاعْفُوا اللِّحَى کا امر وجوب کے لیے نہیں

تو نفسِ داڑھی رکھنے کا وجوب کہاں سے ثابت ہوتا ہے کس آیت یا کس حدیث سے دوسرا سوال ہم یہ کرتے ہیں کہ صحابہ نے اپنی داڑھیاں اس حکم کے باوجود کیوں کاٹیں ان کو کیسے پتہ چلا کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں پھر سب صحابہ قبضہ بھر داڑھی کیوں کاٹی کم و بیش کیوں نہ کاٹی۔ کیا انہوں نے نبی کریم کو کاٹتے دیکھ کر کاٹی یا بغیر دیکھے اس کا ثبوت دیجئے اگر دیکھ کر اس طرح عمل کیا تو اتباعِ اعمال ثابت ہوا اور فَاتَّبِعُوْنِیْ تو واجب ہے لہٰذا ہر فعلِ عبادت پر عمل واجب ہوا۔ اور اگر بغیر دیکھے اپنی مرضی سے کاٹی تو وَاَعْفُوا اللِّحٰی کی نافرمانی ثابت ہوئی کیونکہ مطلقاً امر وجوب کے لیے ہوتا ہے یہی اصولِ فقہ کا قانون ہے اور یہی تمام فقہا کا مسلک اسی بنا پر قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹنا واجب کہتے ہیں۔ اگر ان کا جواب مع دلائل مصنف نہ دے سکے تو ماننا پڑے گا جو ہم نے پہلے صراحت کی ہے وَاَعْفُوا اللِّحٰی حکم وجوبی ہے مگر مجمل ہے جس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی داڑھی مبارک چار انگلی سے زائد کو کاٹ کر وَاَعْفُوا کی حد بیان فرما دی اور صحابہ نے سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف اجمال کی وضاحت اور اِعْفَاءُ اللِّحٰی کی حد بندی ہے اسی لیے صحابہ نے اس عمل کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ نہ صحابہ نے اپنی مرضی سے داڑھی بڑھائی نہ اپنی مرضی سے قبضہ بھر چھوڑ کر کاٹی مصنف مذکور اگر مصری گمراہوں کی اتباع کرتا ہے تو یہ اس کی کاسہ لیسی ہے نہ کہ علم و تفکر۔ چھٹی غلطی۔ مصنف مذکور ص۲۸ سے ص۴۳ تک وہ احادیث درج کرتا ہے جو مشرکین کی داڑھیوں کے لیے بتایا گیا ہے چنانچہ پہلی حدیث پاک مجمع الزوائد جلد پنجم ص۱۶۶ سے نقل کرتا ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَھْلَ الشِّرْکِ یَعْفُوْنَ شَوَارِبَھُمْ وَ یُحْفُوْنَ لِحَاھُمْ فَخَالِفُوْھُمْ یہاں مصنف ترجمہ کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں بہت زیادہ کترواتے ہیں۔ سو تم ان کی مخالفت کرو۔ مصنف نے یہاں یُحْفُوْنَ کا ترجمہ کیا ہے بہت زیادہ کترواتے ہیں۔ یہ ترجمہ غلط ہے اور مصنف نے جان بوجھ کر اپنی مطلب برآری کے لیے یہ ترجمہ کیا ہے۔ اِحْفَاءٌ کا ترجمہ ہے کتروانا

باکترنا ہے جس سے بال بات کرتے وقت ہوا میں نہ ہلیں۔ اس اعتبار تین انگلی بال بھی بولنے میں نہیں ہلتے نہ اس سے کم ہاں البتہ چار انگلی بال بات کرتے میں ہلتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ شخص کچھ پڑھ رہا ہے آقاء دوعالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک بھی اسی چار انگلی کی حد تک تھی اور پچھلی صف کے صحابہ جان لیتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھ رہے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس وقت کچھ پڑھتے دیکھا تو دوسرے صحابی نے پوچھا کہ تم کو کیسے پتہ لگا تو پہلے صحابی نے جواب میں کہا میں نے ڈاڑھی مبارک ہلتی دیکھی تھی اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ چار انگلی سے کم داڑھی رکھنا مشرکین کی نشانی ہے خواہ تین انگلی ہو یا دو یا ایک۔ ہم اپنے مشاہدے کے مطابق کہتے ہیں کہ مشرکین کی داڑھی چھ قسم کی ہے ۱ باطل منڈی ہوئی یہ اکثریت ہے ۲ ایک انگلی ۳ دو انگلی ۴ تین انگلی ۵ بہت ہی دراز ۶ کوچی اور برش مارکہ کو صرف ٹھوڑی پر ساتویں قسم صرف اسلامی داڑھی ہے۔ جس کی حد نبوی چار انگلی ہے نہ کم نہ زیادہ چار انگلی سے کم اِحْفَاءُ اللُّحٰی ہے جس کو حدیث مبارکہ نے مشرکین کی نشانی فرمایا مصنف مذکور نے اسی مضمون کے صـ ۴۲۹ پر مَجْمَعُ الزَّوائد سے ایک حدیث نقل کی جس کے الفاظ اس طرح ہیں عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ (الخ) قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ سُنَّةَ غَيْرِنَا ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے غیر کی سنت (طریقے) پر عمل کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں ۱ کہ داڑھی میں غیر مسلم کا طریقہ اختیار کرنا بہت سخت گناہ ہے اس پر لَيْسَ مِنَّا کی وعید ہے دوم یہ کہ چار انگلی سے کم داڑھی بھی غیر کی سنت ہے کیونکہ اِحْفَاءِ لُحٰی ہے۔ مگر مصنف مذکور احفا کا غلط ترجمہ کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایک انگلی برابر داڑھی کترنا ہے۔ یہ مصنف کی اپنی اختراع اور بناوٹ ہے۔ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ چار انگلی سے کم رکھنا مشرکین کی علامت اور اِحْفَا ہے۔ اور يُحْفُونَ لُحَاهُمْ سے

تین انگلی تک داڑھی کاٹنا مراد ہے۔ ہاں اگر اسی کو بہت زیادہ کتروانا کہا جائے
تو درست ہے یعنی چار انگلی سے زیادہ کاٹنا اِحفا ہے اور مشرکین کی نشانی ہے
تو یہ ترجمہ درست ہے مگر مصنف کا یہ ارادہ نہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے ظاہر
ہے۔ ساتویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۴۳۱ سے ص۴۳۲ تک جو احادیث نقل کرتا
ہے۔ اُن تمام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے بہت احتیاط سے ناپ
کر چار انگلی داڑھی سے زائد بال کاٹ دئے یہی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت کیا گیا ہے۔
جواب۔ لیکن مصنف مذکور آگے چل کر صحابہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
اسی ابدی مواظبی عمل مبارک کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اُن کا (معاذ
اللہ) ذاتی عمل تھا۔ اس لیے ہم پر نہ واجب ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے (آٹھویں
غلطی۔ اسی طرح مصنف مذکور ص۴۳۴ سے ص۴۳۹ تک ائمۂ اربعہ کا مسلک لکھتا
ہے۔ چنانچہ ص۴۳۴ پر امام شافعی کا مسلک بھی یہ لکھا ہے کہ داڑھی ایک قبضہ
یعنی ایک مشت (چار انگلی برابر) سے زائد کاٹ دینے میں حرج نہیں یعنی
گناہ نہیں۔ اس سے قطعاً اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ چار انگل سے کم داڑھی رکھنا
گناہ اور حرج ہے چار اُنگلی برابر بال کاٹنا گناہ ہے۔ اس سے زائد ہوں تو
کاٹنا جائز ص۴۳۵ امام مالک کا مسلک لکھا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ علامہ دشتانی
اَبی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے۔ کہ لمبی داڑھی رکھنا بھی اسی طرح
مکروہ ہے جس طرح داڑھی کٹوانا مکروہ ہے۔ (الخ) بعض متقدمین نے داڑھی
کم کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور یہ کہا ہے کہ داڑھی کو حدِ تمسخر تک نہ چھوڑا جائے
اور بعض علما نے قبضہ کو حد مقرر کیا ہے۔
جواب۔ یہاں مصنف مذکور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ فقہاءِ مالکیہ کے
نزدیک بعض نے داڑھی کم کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی خواہ کوئی انگلی داڑھی
رکھے یا دو یا تین یا چار۔ گویا کہ عملِ نبوت وعملِ صحابہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا
مصنف نے اس عبارت کی نہ کوئی عربی لکھی نہ حوالہ دیا نامعلوم کیا کیا خیانتیں
کی ہیں۔ مگر یہی عبارت بھی تمام فقہاءِ مالکیہ کی حد بندی کو ثابت کر رہی ہے صرف

مصنف کی عقل میں یہ بات سمجھ نہیں آئی یہ مصنف کی ذاتی بد عقلی ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض نے اجمالاً داڑھی کی حد بیان کر دی بعض نے تبیاناً۔ اور بعض نے زماناً پہلے گروہ نے فرمایا کہ داڑھی کو حدِ تمسخر تک نہ چھوڑا جائے۔ یہی حد بندی ہے یعنی چار انگلی تک داڑھی چھوڑنا حدِ تمسخر نہیں کیونکہ یہ عملِ صحابہ اور طریقۂ نبوی کے مواظبت کے مطابق اس کو تمسخر کہنے والا تو کافر ہو جائے گا۔ تمسخر یا اس سے کم میں ہوگا یا زیادہ میں تو فقہاءِ مالکیہ کا یہ پہلا گروہ کہنا چاہتا ہے کہ حدِ تمسخر تک داڑھی نہ چھوڑنی بلکہ حدِ شرعی یعنی حدِ نبوی قائم رکھنی واجب ہے اور وہ صرف اور صرف قبضہ بھر داڑھی ہے نا کم نا زیادہ۔ نہ ایک دو تین انگلی برابر نہ پانچ چھ سات اُنگلی وہ کم بھی تمسخر اور مذاق اور یہ زیادہ بھی مذاق۔ دوسرا گروہ تبیاناتی طور پر حد بندی کی وضاحت کر رہا ہے کہ قبضہ بھر داڑھی ہی شرعی اسلامی داڑھی ہے چار انگلی سے کم داڑھی بھی غیر اسلامی ہے اور زیادہ بھی۔ فقہاءِ مالکیہ کا تیسرا گروہ بھی یہی فرما رہا ہے کہ داڑھی شرعی اسلامی حد تو یہی قبضہ بھر ہے مگر یہ عمرے اور حج کی تیاری کے وقت کرائے۔ اور عمرہ تو سارا سال ہوتا ہے۔ لہٰذا سارا سال یہ داڑھی کو کاٹ کر کم کر سکتا ہے البتہ لمبائی میں اگر تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن چار سے کم ہرگز نہ ہونی چاہیے یہ ان تینوں گروہ کے اندازِ بیان کا اختلاف ہے نہ کہ اصل مسئلے کا۔ اور پھر فقہا کی یہ جرأت کہاں کہ عملِ نبوت کے خلاف اپنا مسلک بنا لیں یہ تو اس زمانے کے شیطان صفت علاموں مصنفوں شارحوں باطلوں کی جرأتِ ضلالت پیدا ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ ان زہریلی کتابوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ مصنف مذکور ص۲۶ پر لکھتا ہے۔ کہ داڑھی کی مقدار حنبلی فقہا کے نزدیک۔ چنانچہ۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی حنبلی کی کتاب الفقہ اسلامی جلد اول ص۳۰۸ کے حوالے سے لکھا ہے۔ وَقَدْ حَرَّمَ الْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ حَلْقَهَا وَلَا يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْقُبْضَةِ وَلَا أَخْذُ مَا تَحْتَ حَلْقِهِ بِفِعْلِ ابْنِ عُمَرَ۔ ترجمہ۔ مالکی حنبلی فقہا کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے لیکن قبضہ سے زائد جو بال ہوں ان کا کاٹنا مکروہ نہیں۔ یعنی قبضہ برابر بال کاٹنے مکروہ ہیں۔

جواب۔ کتنی واضح اور صاف عبارت ہے کہ چار انگلی سے زیادہ بال کاٹنے

مکروہ نہیں۔ تو پھر مکروہ کیا ہے؟ یہی کہ اگر چار انگلی برابر داڑھی ہو جائے تو کاٹنا مکروہ ہے ثابت ہوا کہ چار انگلی سے کم یعنی تین انگلی داڑھی مکروہ ہے مگر بے چارے مصنف مذکور کو یہ باریکیاں سمجھ نہیں آئیں۔ اسی صفحہ ۴۳۶ پر حنفی مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی کی کتاب بنایہ جلد اول صفحہ ۱۳۴۴ وصفحہ ۱۱۴۵ کا حوالہ دیتے ہوئے دراز عبارت لکھتے ہیں خلاصہ یہی ہے کہ عملِ صحابہ کے مطابق داڑھی کی شرعی حد قبضہ بھر ہے۔ کسی صحابی سے قبضہ سے کم رکھنا ثابت نہیں اگر ذرہ بھر بھی کوئی حوالہ ملتا تو یہ مصنف اُچھل کر لکھتا۔ اور ہم نے پہلے بتا دیا کہ صحابہ کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اُن کے اسی عمل کی اِتباع میں تھا۔ اگر کوئی بدرُ الدین عینی یہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اِس پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو قبضہ کے بعد کاٹتے تھے۔ تو عینی کی یہ بیہودہ بات اُن کا ذاتی تصور ہو گا۔ بہر کیف عملِ صحابہ زیادہ معتبر ہے عینی کی بات دیوار پر ماری جائے گی۔ مصنف مذکور صفحہ ۴۳۷ پر علامہ زبیدی حنفی کے حوالے سے لکھتا ہے اُس میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ داڑھی کی درازی میں شرعی حد کوئی نہیں خواہ کوئی ایک انگلی رکھے یا تین یا چار۔ ہم زبیدی کی عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے کیونکہ علامہ زبیدی خود فاسق و فاجر شخص تھا پہلے اُس کی چار انگلی داڑھی ہوتی تھی پھر کم کرتے کرتے ایک انگلی رکھی پھر آخری عمر میں داڑھی منڈاتا تھا اور بھی بہت سی گمراہیاں اُس نے مصری قوم میں پھیلائیں بلکہ مصر کے جامع ازہر کو اسلام سے دور حکومت سے قریب کرنے والا یہی شخص تھا۔ مصر کے نوخیز ائمۂ خطبا اسی کی تعلیم سے داڑھیاں منڈانے لگے ہیں۔ مصر کی بے راہ روی آزاد خیالی بھی اسی کی کتابوں کا زہر ہے۔ اِس کا خود کو حنفی لکھنا ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا کہ ابنِ تیمیہ کا خود ساختہ حنبلی ہونا۔

غلطی ۹ اسی صفحہ ۴۳۷ پر مصنف مذکور علامہ زبیدی کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک داڑھی بڑھانا اَولیٰ ہے جس کا تقاضا ہے کہ داڑھی کاٹ کر کم کرنا خلافِ اَولیٰ ہے حرام نہیں ہے۔

جواب۔ یہ تصریح اور یہ تقاضا تم جیسے فاسقین کی عقل کا ہے نہ جمہور سے

یہ ثابت نہ عملِ صحابہ سے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود مصنف کی پیش کردہ عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ جمہور کے نزدیک حدِ شرعی قبضہ ہے۔ کہیں سے اس سے کم داڑھی کی عملی یا قولی صراحت نہیں ملتی۔ (دسویں غلطی) مصنف مذکور صـ۴۳۸ پر ملا علی قاری کے حوالے سے لکھتا ہے۔ کہ واجب کا معنیٰ ہے مناسب یا واجب کا معنیٰ ہے سنتِ مؤکدہ۔ ورنہ قبضہ سے زائد داڑھی کاٹنے کو مطلقاً واجب کہنا صحیح نہیں ہے (از مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ہشتم صـ۲۹۸)

جواب۔ یہ عبارت مصنف کو مفید نہیں قبضہ سے زائد بڑھتے ہوئے بالوں کو کاٹنا واجب ہے یا نہیں اس میں تنازع نہیں۔ تنازع تو اس میں ہے کہ قبضہ سے کم داڑھی رکھنا جائز ہے یا ناجائز۔ عملِ صحابہ اور سنتِ موکدہ سے تو تین انگلی داڑھی ناجائز ثابت ہے۔ تم کوئی جواز کا صریح حوالہ دکھاؤ۔ لفظوں کو توڑ موڑ کر کے واجب کا معنیٰ مناسب کرنا یہ تو پھر آگے بھی جرأت پیدا کر سکتا ہے اس طرح تو کوئی واجب نہ رہے گا۔ نہ کوئی فرض۔ جہاں دل چاہا توڑ موڑ کر لیا گیارھویں غلطی۔ مصنف صـ۴۳۹ پر لکھتا ہے کہ بعض متاخرین علما نے قبضہ کو واجب کہا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سب سے پہلے قبضہ کو واجب لکھا لیکن یہ شیخ محقق کی انفرادی رائے ہے صـ۴۲۶ پر محدث دہلوی کی گستاخی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی بشر اور انسان تھے نبی اور رسول نہ تھے۔ ان کی رائے میں خطا ہو سکتی ہے نیز ان کو ایک محدث کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اُن کو فقیہ نہیں مانا گیا۔

جواب۔ جاہل کو یہ پتہ نہیں کہ کسی چیز میں شہرت ہونا دوسری لیاقتوں قابلیتوں کی نفی نہیں کرتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اُن ہستیوں شخصیتوں میں سے تھے جو بیک وقت محدث مفسر محقق مفتی شارح اور فقیہ تھے آج تک آپ کے اقوال و عبارات پر فتاویٰ جاری کئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ اعلیٰحضرت بریلوی اگرچہ تفسیر ترجمہ اور فتاویٰ میں مشہور ہوئے مگر علمی لیاقت کو دیکھا تو امام احمد رضا حدیث میں امام ترمذی کا مقام رکھتے تھے فلسفہ میں اگر امام رازی کے ساتھیوں میں تھے تو منطق میں امام غزالی تھے۔ اور نعت گوئی میں حسانِ وقت تھے

یہی کیفیات ہمارے دیگر بزرگوں کی ہے بے چارہ علم سے کورہ تحقیق سے عاری تدبر سے خالی اگر کوئی بستر پر لیٹے لیٹے قلم لے کر محقق دوران محدث دہلوی کے خلاف بہمانا شروع کردے تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ بارھویں غلطی ص۴۲۹ پر فتاوی فتح القدیر جلد دوم ص۲۷ کی عبارت لکھتا ہے۔ وَاَمَّا الْاَخْذُ مِنْهَا وَهِیَ دُوْنَ ذَالِكَ كَمَا یَفْعَلُهٗ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحْهُ اَحَدٌ۔ مصنف فتاوی کے سیاق وسباق سے آنکھیں بند کرکے جاہلانہ ترجمہ کرتا ہے کہ۔ اور اس (یعنی داڑھی کے اکثر حصے) سے مزید داڑھی کم کرنا جیسا کہ بعض مغاربہ اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے مباح نہیں کہا جواب۔ یہاں مصنف نے منھا کی ضمیر ھا کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اس کا مرجع داڑھی کا اکثر حصہ نہیں نہ فتاوی میں کہیں یہ مرجع مذکور ہے۔ بلکہ درست ترجمہ یہ ہے کہ اور لیکن اس داڑھی سے بال کاٹنا کہ قبضہ سے کم ہوجائے جیسا کہ بعض انگریز (چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھتے ہوئے) کرتے ہیں یا مرد ہیجڑے (سب داڑھی منڈاتے ہوئے) کرتے ہیں اس کام کو کسی نے حلال نہ فرمایا۔ یہ دونوں عبارتیں یعنی محدث دہلوی اور علامہ ابن ھمام کی عبارتیں۔ چار انگلی داڑھی کے وجوب پر اور چار سے کم کرنے کی حرمت وناجائز ہونے پر اتنی واضح ثبوت کی دلیلیں ہیں کہ مصنف ان سے بھاگ نہیں سکا۔ لہٰذا اپنے شیطانی ابلیسی باطل نظریے کو بچانے کے لیے تین طرح کی تخریب کاری کرتا ہے ۱ لکھتا ہے کہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی نے اس کو مباح نہیں کہا۔ لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی تو نہ کہا۔

جواب۔ کیا ڈھٹائی اور ضد بندی ہے کہ اتنی صاف عبارت کے ہوتے ہوئے جس میں صاف کہا گیا ہے کہ قبضہ برابر داڑھی رکھنا واجب ہے اس سے زیادہ کاٹنے اور چھوٹی داڑھی رکھنے کو لَمْ یُبِحْهُ اَحَدٌ کسی نے مباح کا معنی ہے حلال اور جائز۔ کتب فقہ میں اس معنی کے بے شمار حوالے ہیں مثلاً حاجی کو شکار مباح نہیں جب کہ احرام میں ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی ضدی ذہنیت والا تو اگر ہم نے کل اس کی عبارت بھی دکھادی تو کہدے گا

کہ یہ اُس کی انفرادی رائے ہے یا کہدے گا کہ یہ ہمارے لیے نہیں کیونکہ اس میں ہمارا نام نہیں جس طرح کہ ایک بار ہم نے حرمت سیاہ خضاب کا فتویٰ لکھا تو ایک اسی قسم کے ضدی ذہنیت والے خطیب نے صرف یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ اس میں میرا نام نہیں یہ فتویٰ میرے لیے نہیں ہے اگلی عبارت میں مصنف مذکور عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ قبضہ داڑھی اس لیے واجب نہیں ہے کہ علامہ ابن ہمام نے بھی اور دیگر کئی فقہاء نے اِس کو مسنون لکھا ہے۔ اِس پر مصنف مذکور نے اگلی سطور میں از ص۴۴۴ تا ص۴۴۵۔ بارہ حوالے پیش کئے ہیں ۱۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم ص۲۷۰ وَهُوَ اَيِ الْقَدْرُ الْمَسْنُوْنُ فِي اللِّحْيَةِ الْقُبْضَةُ ۲۔ ھدایہ اولین ص۲۰۱ اِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ ۳۔ علامہ عینی۔ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ ۴۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم ص۲۸۰ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ ۵۔ علامہ عثمان بن زیلعی بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ ۶۔ حاشیہ دُرر والغرر جلد اوّل ص۲۰۸ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ ۷۔ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ھشتم ص۲۹۱ مِقْدَارُ قُبْضَةٍ عَلٰى مَا هُوَ السُّنَّةُ وَالْاِعْتِدَالُ الْمُتَعَارَفُ ۸۔ دُرِّ مختار جلد دوم ص۱۵۵ بِقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ ۹۔ فتاویٰ شامی جلد پنجم ص۳۵۹ وَالسُّنَّةُ اَنْ يَّقْطَعَ مَا زَادَ عَلٰى قُبْضَةِ يَدِهٖ۔ لِيَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيَتَهٗ مِمَّا زَادَ عَلٰى قُبْضَةٍ قَطَعَهٗ ۱۰۔ حاشیہ طحطاوی ص۳۱۶ اَنَّ السُّنَّةَ اَنْ يَّقْطَعَ مَا زَادَ عَلٰى قُبْضَةِ يَدِهٖ ۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری وَالْقَصُّ سُنَّةٌ فِيْهَا۔ وَهُوَ اَنْ يَّقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيَتَهٗ فَاِنْ زَادَ مِنْهَا عَلٰى قُبْضَةٍ قَطَعَهٗ ۱۲۔ ملا علی قاری شرح مسند امام اعظم ص۲۱۰ وَتَرَكْتُمْ قَدْرَ الْمُسْتَحَبِّ۔

جواب۔ نامعلوم کس کم بخت نے اس مصنف کو ایسی غلط شرح مسلم لکھنے کو کہا اِس بے چارے کو مسنون اور سنت فرض واجب کا فرق نہیں معلوم۔ اتنی کم علمی میں قلم پکڑ لینا گمراہی اور تباہی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ خیال

خیال رہے کہ اصطلاحِ فقہا میں مسنون کا معنیٰ ہے اَلْمَسْنُوْنُ مَا یُثْبَتُ مِنَ السُّنَّةِ۔ یعنی ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت کی جائے وہ مسنون ہے خواہ حکماً فرض ہو یا واجب یا مستحب فقہا کا یہ معنیٰ ماخوذ ہے احادیث مبارکہ سے چنانچہ مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابن ماجہ ص۱۱۹ پر ہے وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ (اَىْ طَرِيْقَةٌ مَسْنُوْنَةٌ لَا تُتْرَكُ۔ لمعات شرح مشکوٰۃ) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه۔ ترجمہ۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سنت سے حکم فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر میں دو رکعت فرض ہیں اور وتر سفر میں بھی اسی طرح پر قائم ہیں جس طرح حضر میں۔ یہاں سَنَّ اور سنۃ کا معنیٰ طریقہ اور سنّت سے ثابت ہونا ہے نہ کہ حکمی سنّت۔ یعنی حدیث فرمودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً سنت کا معنیٰ حدیث نبی ہے چنانچہ مقدمہ دارمی میں ہے۔ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ۔ ترجمہ۔ حضرت جبرئیل احادیث لے کر بھی نازل ہوئے جیسے آیات قرآن لے کر۔ مجمع البحار جلد دوم ص۱۴۵ پر ہے۔ اَلسُّنَّةُ فِي الْاَصْلِ الطَّرِيْقَةُ وَالسِّيْرَةُ وَفِي الشَّرْعِ يُرَادُ بِهَا مَا اَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَهٰى عَنْهُ وَنَدَبَ اِلَيْهِ قَوْلًا وَفِعْلًا مِمَّا لَمْ يَاْتِ بِهِ الْكِتَابُ۔ ترجمہ۔ لغت میں سنّت کا معنیٰ طریقہ وسیرت ہے شریعت میں نبی کریم کے ہر حکم اور نہی کا نام سنت ہے قولی ہو یا فعل (یعنی حدیث کے ہر فرض واجب مستحب کا نام سنّت ہے) سنّت کا طریقہ۔ نہ کہ حکماً سنت۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے مسنون کی گیارہ قسمیں کی جاتی ہیں (پہلی مسنون فرضی۔ جیسے ارشاد نبوی صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ یعنی نماز اس طریقے سے پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتے دیکھو میرے افعال کی اتباع کرو اسی حدیث سے علماء اصول فقہ فرماتے ہیں نبی کریم کی اتباع فرض واجب ہے (از توضیح تلویح جلد اول ص۳۰) اس کو مسنون فرضی کہا گیا ہے۔ دوم مسنون واجبی۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے۔ لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ۔ یعنی اقامت

سنتے ہی جماعت کے لیے نہ کھڑے ہوجایا کرو۔ جب تک مجھ کو نہ دیکھ لو (از مشکوٰۃ رواہ مسلم)، سوم مسنونِ مباح چہارم مسنونِ سنّت مؤکدہ پنجم مسنون سنتِ غیر مؤکدہ۔ ششم مسنونِ نفلی۔ ہفتم مسنونِ خصوصی مثلاً قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے خَالِصَةً لَّكَ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال خصوصی جیسے نمازِ تہجد کی فرضیت اور صومِ وصال وغیرہ۔ ہشتم مسنونِ عارضی۔ مثلاً نماز میں ایک دفعہ جوتی اتارنا نہم مسنونِ نسیانی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر کوئی کام کردیا۔ دہم مسنونِ عادت جو عادت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال فرمائے یازدہم مسنونِ عبادت جو کام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبادت کے طریقے پر کئے ان کو سُنّتِ ھُدیٰ بھی کہتے ہیں ان تمام کو مسنون اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوتے ہیں اور آپ کے طریقے کا منقولِ شرعی نام سنّت ہے اس لیے اس طریقے کو مسنون کہتے ہیں یہ مسنون اعمال حکماً صرف سنت ہونے کے درجے میں نہیں ہوتے بلکہ یہ مسنون واجب بھی فرض بھی نفل بھی سنتِ مؤکدہ بھی غیر موکدہ بھی مستحب بھی نفل بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسنون کہہ دینے سے اُس سے عمل کا حکمی سنت ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ مصنف نے اپنی نادانی سے سمجھ لیا۔ فقہاءِ کرام کے نزدیک حکمی سنّت صرف دو قسم کی ہے (۱) سنت مؤکدہ (۲) سنت غیر موکدہ۔ مسنون اور حکمی سنت کو بیان کرنے میں فقہا نے تین طرح فرق کیا ہے ایک یہ کہ اس کے لیے مسنون کا لفظ بولیں دوم یہ کہ اس کے لیے مقدار بتائیں یا طریقہ نبوی کا ذکر کریں۔ جیسا کہ مصنف کے پیش کردہ حوالوں میں سے سات جگہ قدرِ مسنون کا لفظ ہے۔ اور ایک جگہ مقدارُ قُبْضَةٍ عَلٰی مَاهُوَ السُّنَّةُ کا لفظ ہے۔ ایک جگہ وَالسُّنَّةُ فِيْهَا کا لفظ اور ساتھ ہی طریقۂ نبوی بتایا جارہا ہے اور ایک جگہ اَنَّ السُّنَّةَ اَنْ يَّقْطَعَ۔ کا لفظ ہے اور ایک جگہ وَالْقَصُّ سُنَّةٌ کا لفظ ہے۔ یعنی ان تمام حوالوں میں کہیں بھی داڑھی چار انگلی برابر کو حکمی سنت نہ فرمایا گیا۔ نہ سنتِ مؤکدہ نہ سنتِ غیر مؤکدہ اگر یہ قبضہ بھر داڑھی حکمی سنت ہوتی تو یا اس کو سنتِ مؤکدہ کہا جاتا یا غیر مؤکدہ ثابت ہوا کہ یہاں مسنون اور سنت سے مراد طریقہ ہے۔ لیکن یہ طریقہ حکماً واجب ہے یا فرض یا سنتِ حکمی اس کا یہاں ذکر نہیں نہ یہ ذکر ہے کہ

چار انگل سے کم داڑھی رکھنا جائز ہے۔ بلکہ علامہ ہمام کی پوری عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ داڑھی کاٹنے کا طریقہ تو مسنون ہے مگر کاٹنا واجب ہے اور قبضہ بھر رکھنا لازم ہے کم رکھنا لَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ کسی نے اس کو حلال نہ جانا۔ اگر ہماری یہ تشریح نہ مانی جائے تو خود مصنف کے بھی خلاف مصیبت بن جائے گی۔ مصنف کے ان حوالوں میں ۹ و ۱۰ و ۱۱ شامی۔ طحطاوی۔ اور عالمگیری میں ہے کہ قبضہ سے زیادہ بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹنا سنّت ہے حالانکہ یہی مصنف پہلے حوالے لکھ چکا ہے کہ زائد بالوں کو کاٹنا واجب ہے۔ مصنف تو پھنس گیا کسی طرح مطابقت نہیں کر سکتا مگر ہماری اس تشریح نے بحمدہٖ تعالیٰ شاندار مطابقت کر دی کہ دونوں حوالے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ کاٹنا حکماً تو واجب ہے۔ مگر کاٹنے کا طریقہ اور حد بندی سنّتِ نبوی سے ثابت ہے اور جب یہ حد بندی ثابت تو کم داڑھی لَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ کسی کے نزدیک حلال اور جائز نہیں۔ یہ تو لفظ مسنون کا معنیٰ ہے لیکن جب فقہاءِ کرام کسی کام کو حکمی سنت کہیں گے تو اُس کی طرز بیانی اس طرح ہوگی کہ هٰذَا الْعَمَلُ وَاجِبٌ اَوْ سُنَّةٌ یا فرمایا جائے گا هٰذَا الْعَمَلُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ اَوْ غَيْرُ مُؤَكَّدَةٍ۔ جیسا کہ خود مصنف نے ص۴۷ پر لکھا ہے کہ۔ وَاشْتَبَهَ الْمَذْهَبُ فِي صَلٰوةِ الْعِيْدِ اَنَّهَا وَاجِبَةٌ اَمْ سُنَّةٌ۔ یا جیسا کہ ھدایہ میں ہے اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ

تیرھویں غلطی ص۴۴ پر مصنف نے واجب کی تعریف لکھی ہے مگر سنّت مؤکدہ کی تعریف چھوڑ دی۔ حالانکہ سنتِ مؤکدہ کے ترک پر بھی اُخروی عذاب کے استحقاق کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ ہدایہ اوّلین ص۸۲ پر ہے۔ اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى۔ اس کے حاشیہ ص۱۸ میں۔ قَوْلُهٗ مُؤَكَّدَةٌ اَيْ يُشْبِهُ الْوَاجِبَ فِي الْقُوَّةِ۔ اور حاشیہ ۲۰ میں ہے قَوْلُهٗ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى اَلْمُرَادُ بِالسُّنَنِ الْهُدٰى مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيْقِ الْعِبَادَةِ۔ اور حاشیہ ۲۱ میں ہے۔ قَوْلُهٗ الْهُدٰى اَلسُّنَنُ الَّتِيْ اَخْذُهَا هُدًى وَتَرْكُهَا ضَلَالَةٌ۔ ترجمہ۔ جماعتِ نماز

سنتِ مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنن ھُدیٰ میں شامل فرمایا۔ حاشیہ ۵ مؤکدہ کا معنیٰ ہے قوت میں واجب کے مشابہ۔ حاشیہ ۶ سنن ھدیٰ وہ کام ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے انداز میں ہمیشہ کیا ہو حاشیہ ۱۲ اس کو ھُدیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فعلوں پر ہر امتی کو عمل کرنا ہدایت ہے اور چھوڑنا گمراہی ہے لہٰذا اگر مصنف داڑھی کو قبضہ بھر سنتِ مؤکدہ مانے تب بھی اس کا ترک ضلالت گمراہی ہے اور چار اُنگلی سے کم داڑھی گمراہی وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ (الحدیث)

دوچھوں غلطی۔ ص ۱۴۴ پر وجوب کو ثابت کرنے کے پانچ طریقے لکھے ہیں جن میں ع ۳ یہ ہے کہ جس کام کے ترک پر وعید ہو۔

جواب سنتِ مؤکدہ کے ترک پر بھی وعید ہے۔ جیسا کہ ہم نے ہدایہ سے ثابت کیا۔ ۵ پانچ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو صیغہ علیٰ کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا ہو۔ **جواب** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ یعنی واجب ہے تم پر میرے افعال کی اتباع کرنا اور خلفاءِ راشدین کے افعال پر عمل کرنا از مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ فصل ثانی رَوَاہُ ترمذی بقول مصنف اس حدیث پاک میں علیٰ کے ساتھ مقید کر کے بیان فرمایا گیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں بلکہ خلفاءِ راشدین کی سنتوں پر عمل کرنا بھی واجب ہے اور سنت فعل کا نام بھی ہے نہ کہ فقط قولی حکم کا۔ پندرھویں غلطی۔ مصنف مذکور ص ۱۴۴ پر لکھتا ہے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ (الخ) بعض نے کہا ہے اس صورت میں آپ کے افعال کی اتباع واجب ہے۔ اور اکثر نے کہا نہیں ہوگی اور یہی مختار ہے۔

جواب۔ یہاں ضلالت کی حد کر دی۔ اکثریت کا ذکر نفی میں کرنا مصنف کی کذب بیانی ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ کہنا مصنف کی اپنی بدعقیدگی ہے۔ مصنف نے توضیح تلویح اور نور الانوار کا حوالہ دیا ہے مگر۔ ان دونوں کتابوں میں چند قول نقل کئے ہیں مگر قوی قول یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال شریف

چھ قسم کے بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ توضیح تلویح جلد دوم ص۴۹۱ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ پاک امّت پر عمل کے لیے چھ قسم کے ہیں ۱۔ مباح یعنی جائز ۲۔ مستحب یعنی بہتر ۳۔ واجب ۴۔ فرض یعنی نبی پاک کے ذاتی افعال اُمت کو کرنا جائز مباح۔ کچھ مستحب کچھ آپ کے افعال اُمت پر واجب کچھ کام اُمت پر فرض ۵۔ کچھ مخصوص افعال ۶۔ عارضی یا بھول چوک۔ توضیح تلویح اور نورالانوار میں بہت سے قول مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جن پر عبادت کے طور سے آپ نے ہمیشگی فرمائی اور اس کے ترک سے نفرت فرمائی۔ وہ اعمال اُمت پر واجب ہیں داڑھی شریف ایک قبضہ بھر اُن ہی اعمال میں سے ہیں۔ لہٰذا ایک مُشت داڑھی ہر مسلمان مرد کو رکھنا واجب ہوئی۔ اس سے کم کرنا گناہ ہے مصنف مذکور کی کور چشمی دیکھئے کہ ان تمام عبارتوں سے آنکھیں پھیر کر ایک گھسی پٹی عبارت پر اپنی بدعقیدگی کی عمارت تعمیر کرتا ہے مصنف نے اپنے اس مضمون کے ص۴۴۲ پر توضیح کی عبارت میں دو مثالیں دے کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ایک صوم وصال کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا دوم نماز میں جوتی مبارک اتارنے کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جوتی اتارنے پر سوال فرمایا کہ تم لوگ نے جوتی کیوں اتاری۔ ان دونوں مثالوں سے توضیح تلویح والے اور مصنف مذکور یہ دلیل لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل واجبُ العمل نہیں۔ حالانکہ یہ استدلال نہایت کمزور اور غلط ہے اس لیے کہ صوم وصل خصوصیت تھا اور جوتی نہ اتارنا نسیان یا بھول چوک تھا۔ اور عارضی فعل تھا۔ بلکہ صحابہ کے طرزِ عمل سے تو ثابت یہ ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام مع خلفاءِ راشدین اور فقہاءِ صحابہ آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو واجب العمل سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فعل کی اِتّباع سے منع کرنا پڑتا تھا۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوتیں اتارنے سے منع نہ فرماتے یا آپ خاموش رہتے تو وجوب ثابت تھا اور جن افعال کی اِتّباع واجب ہے اُن کی اِتّباع سے نہ روکا گیا بلکہ بعض افعال کی اتّباع کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عطا فرمایا اور بعض کی اتباع سے منع نہ فرمایا یہ دونوں قسمیں ہر اُمتی پر

واجب یا مستحب ہوگئیں اور جن کی اتباع ممنوع ان سے آپ نے خود منع فرما دیا۔ اس لیے افعال کی یہ تقسیم ضروری ہے۔ چار انگلی برابر داڑھی کا واجب ہونا اُن ہی افعال میں سے ہے جن پر عمل کرنا واجب ہے۔ سولھویں غلطی۔ جب مصنف اپنے ہی پیش کردہ حوالوں کے جال میں پھنس کر گھبرا گیا۔ اور نکلنے کا راستہ نہ پایا تو تو لگا تابڑ توڑ پھوڑ کرنے۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ واجب کے معنیٰ ہیں مناسب ص۴۳۸، پھر ص۴۴۶ پر لکھا ہے کہ محدث دہلوی کی عبارت میں واجب بمعنیٰ ثابت ہے پھر لکھتا ہے اباحت کے معنیٰ تحسین ہیں اور فَلَمْ یُبِحْہُ کا معنیٰ ہے لَمْ یُحْسِنْہُ اَحَدٌ ص۴۳۹۔

جواب۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ اگر اسی طرح توڑ پھوڑ کر کے تخریب کاری فساد فی الارض کا دروازہ کھولنا ہے تو پھر تو کوئی چیز بھی سلامت نہ رہے گی فرض کو نفل بنا دو۔ واجب کو مستحب کر دو چار کے معنیٰ پانچ کردو۔ دو اور دو چھ گنتے رہو۔ صبح کو شام اور شام کو صبح کا نام دے دو سفید کو کالا اور کالے کو ہرا کہدو۔ کتے کو بکری بکری کہہ کر کھا جاؤ۔ تمہاری کھلی چھٹی ہے پھر مصنف نے اپنی اِن تحریفات اور لفظی قلا بازیوں پر کوئی حوالہ پیش نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ مصنف مفتری اور نیا دین اختراع کرنے والا ہے خیال رہے کہ مباح کسی لغت و شرح میں تحسین کے لیے نہیں ہوتا۔ مباح قطعاً علیحدہ چیز ہے اور مستحسن علیحدہ۔ اِن فضولیات اور توڑ موڑ کرتے وقت سمجھتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اُس کی گردن پکڑنے والا نہیں ہے اس لیے وہ کھلا میدان سمجھ کر اُچھل کود کر رہا ہے۔

سترھویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۴۴۶ پر لکھتا ہے کہ وَاَعْفُوا اللُّحٰی کا امر بھی وجوب کے لیے نہیں تھا۔

جواب۔ تو پھر مصنف مطلقاً نفسِ داڑھی کو واجب کس دلیل سے کہتا ہے یا یہاں بھی کوئی توڑ مروڑ کر کے اپنی شریعت بنالی ہے۔ اور دلیل لیتا ہے صحابہ کرام کے داڑھی کاٹنے کے عمل سے جواب کوئی سمجھائے اس نادان کو کہ صحابہ کا یہ کام اتباعِ عملی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاٹتے دیکھا

اور جہاں تک نبی کریم نے کاٹی بڑی احتیاط سے وہیں تک ہی صحابہ نے کاٹی یہ عملی اتباع تھی نہ کہ اپنی من مرضی۔ ورنہ اپنی مرضی سے امر کے واجب ہونے کی نفی نہ ہوتی بلکہ صحابہ کی مخالفتِ نبوی ہوتی (معاذ اللہ) اور یہ صحابہ سے ناممکن تھا لہٰذا دماغ وعقل کو درست کرو اور خیالی تانے بانے بنا کر دین کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔

اٹھارویں [۱۸] غلطی۔ ص۴۴۳ مصنف مذکور داڑھی کے وجوب کو خضاب لگانے پر قیاس کرتا ہے مگر نادان کو یہ پتہ نہیں کہ ھنگامی وقتی عارضی قانون کو محکم اور ابدی قانون پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ قیاس تو خود مصنف کو بھی مصیبت ڈال دے گا کیونکہ داڑھی نہ بڑھانے اور مجوس کی طرح داڑھی منڈانے کو وہ حرام کہتا ہے۔ مگر چونکہ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ یہاں بھول گیا کہ پہلے کیا کہدیا اب کیا کہدیا۔ بہرکیف حرمت سیاہ خضاب میں ہم نے وضاحت کردی ہے کہ داڑھی رنگنے کے مسئلے میں خالِفُوا الْیَھُوْد کا حکم کس نوعیت کا ہے۔

اُنیسویں [۱۹] غلطی۔ ص۴۴۳ سنن زوائد اور سننِ ھُدٰی کی بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں اور یہ سننِ ھُدٰی ہے۔ جواب یہاں بھی مصنف نے غلطی کی دائیں عضو کو پہلے دھونا سنتِ مؤکدہ ہے نہ کہ مستحب۔ اور سنتِ موکدہ کا ترک گناہ ہے جیسا کہ ہم نے ہدایہ اوّلین کے حوالے سے ثابت کردیا۔ مصنف بار بار لکھتا ہے ہمارے علم کے مطابق فلاں ایسا ہے۔ میں کہتا ہوں اپنی ناقص علمی کو علم میں شمار نہ کرو۔ بیسویں غلطی۔ ص۴۴۶ پر ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے عبد کے واجب ہونے کے قول کو ترجیح دی اور سنت کے قول کی تاویل کی کہ اس کا معنیٰ ہے سنت سے ثابت شدہ۔ جواب۔ ثابت ہوا کہ سنت کی تاویل ہو سکتی ہے لہٰذا جہاں جہاں فقہانے داڑھی مسنون یا سنت کہا ہے وہاں بھی یہ تاویل چلے گی ورنہ قطع واجب والے اقوال میں تعارض ہوگا۔ امام اعظم اور دیگر تمام فقہانے بھی قبضہ سے زائد بالوں کو کاٹنا واجب کہا ہے اور سنت بھی

کہا ہے تو جیسے عیدین میں صاحب ہدایہ کی تاویل تم کو منظور ہے تو داڑھی میں بھی سنت کی تاویل ماننی پڑے گی۔ اکیسویں غلطی۔ ص۴۴۸ پر لکھا ہے کہ یاد رکھئے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہی ثابت نہ ہو اُس وقت تک کسی کام کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں کہا جا سکتا مکروہ تحریمی تو بہت دور کی بات ہے۔

جواب۔ مکروہ تحریمی تنزیہی ہوتے ہیں تنازعہ نہیں بات واجب نہ واجب کی اور ترکِ واجب کے گناہ کی ہے مصنف صاحب اوٹ پٹانگ کروٹیں نہ بدلو۔ ہم کہتے ہیں کہ قبضہ بھر داڑھی رکھنا واجب ہے اس کا ترک دو قسم کا ہے ما کم کر کے یا زیادہ کر کے اور دونوں قسم کے ترک پر مرتکب فاسقِ معلن اور گناہگار۔ بائیسویں غلطی۔ مصنف مذکور ص۴۴۹ پر لکھتا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس احکامِ شرعیہ کو مقرر کرنا فلاں اور فلاں کا منصب نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔ اور جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں ہم لوگ تو صرف مبلغ ہیں۔ جواب۔ جہالت کی حد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسیات پر قلبی اعتقاد بھی ہے تو پھر اتنے فقہا کے حوالے اور علامہ زبیدی کو پوری شریعت کا ٹھیکہ کیوں دیدیا اُس پر کامل ایمان کیوں بنا لیا۔ محدث دہلوی کے اگر دلائل پیش ہوئے تو تم اُن کے مقابل کس علم کے دعویدار ہو۔ مصنف نے کہا ہم صرف مبلغ ہیں۔ میں کہتا ہوں تم تو مبلغ ہونے کے بھی حق دار نہیں ہو۔ اسلامی تبلیغ کے لیے کچھ علم ہونا ضروری۔ امام اعظم امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل تمام أئمہ کے نزدیک داڑھی قبضہ بھر رکھنی واجب ہے اور مسنون ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ وجوب سنتِ عملی و قولی سے ثابت ہے جیسا کہ خود مصنف کے ہی پیش کردہ حوالوں سے ہم نے ثابت کر دیا مگر مصنف کی کم عقلی کو کیا کہا جائے کہ اس کو خود اپنے حوالے سمجھ نہ آئے۔ تئیسویں غلطی ص۴۵۰ پر لکھا ہے کہ یہ واضح رہے کہ ہم خشخشی رکھتے یا فرینچ کٹ داڑھی رکھنے یا داڑھی کی زیادہ مقدار کاٹنے کے مجوز نہیں۔ داڑھی کی اتنی مقدار رکھنی ضروری ہے جس پر عرف میں داڑھی کا اطلاق ہوتا ہو۔ جواب۔ کیوں مُلّا صاحب اب تم کیا اللہ رسول سے زیادہ حق دار بن گئے کہ بقول تمہارے اللہ رسول نے تو خشخشی

داڑھی اور قریب قریب کٹ اور زیادہ مقدار کو حرام یا ناجائز نہیں کیا مگر تم مجوّز نہیں اور حرام وناجائز کر رہے ہو۔ اب تم کو یہ حق کس نے دیا۔ نیز عرف میں داڑھی کا اطلاق کیا تمہارے گھر کی پیداوار ہے کہاں سے یہ عرف لاؤ گے کس قوم کس شہر کس ملک کس رواج کا عرف کیا شریعت تمہارے گھر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ذاتی فعل بھی قابل عمل نہیں امر بھی واجب نہیں داڑھی سنت مؤکدہ بھی صحابہ کا عملی نمونہ بھی ناقابلِ قبول عمل اور تمہاری یہ خود ساختہ عُرف بہت قابلِ احترام یہ سچ فرمایا رضا جب دین لیتا ہے عقل بھی ماری جاتی ہے۔ عقل جب ماری جاتی ہے جہالت آہی جاتی ہے۔

چوبیسویں[۲۴] غلطی ص۱۵۱ پر مصنف کا موقف داڑھی کے متعلق اس طرح لکھا ہے وَاعفُوا اللحیٰ کا حکم وجوبی نہیں یعنی وہ حدِّ شرع تک رکھنا واجب نہیں ۲ لمبی داڑھی مسلمانوں کا شعار رہے ۳ قبضہ تک رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ اب اگر مشت بھر کو واجب کہا جائے تو دو خرابیاں ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کریم نے واجب نہیں کیا اپنی رائے سے واجب کیا جائے دوم یہ کہ اگر قبضہ کو واجب کہا جائے تو جس شخص نے قبضہ سے ایک انگل بھی داڑھی کم رکھی ہو تو اُس کو فاسق معلن کہا جائے گا اور اس سے بغیر کسی وجہ شرعی کے ایک مسلمان کی عزت مجروح کرنا لازم آئے گا آگے لکھا ہے کہ یہ قبضہ بھر داڑھی سنتِ مؤکدہ بھی نہیں بلکہ غیر موکدہ ہے پھر لکھتا ہے۔ داڑھی میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی نبی کریم اور صحابہ کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے نزدیک عرف کا اعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے پھر لکھتا ہے مُلّا علی قاری نے قبضہ بھر داڑھی کو مستحسن کہا گویا کہ ملا علی قاری اِس کے نزدیک شارع ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ علامہ زبیدی نے کہا کہ داڑھی بڑھانا مستحب ہے گویا کہ اِس کے نزدیک علامہ زبیدی۔ محدّثِ دہلوی سے زیادہ اہم ہے پھر لکھتا ہے کہ اگر میرا یہ موقف غلط ہے تو اللہ تعالیٰ رسول اِس سے بری ہیں یہ آخری نقرہ بہت مغرورانہ اور متکبرانہ ہے گویا کہ یہ مصنف اللہ رسول کو بری کر رہا ہے۔ نادان کو کہنا چاہئے تھا کہ اگر یہ غلط ہے تو اللہ رسول مجھ کو معاف فرمائیں۔ اسی تکبّر کا نام ابلیسیت ہے۔ جواب۔ مصنف مذکور نے

اپنے اس موقف میں گیارہ نادانیاں کی ہیں اور اصل مقصد مصنّف کا یہ ہے کہ تین انگلی برابر داڑھی رکھنے والے شخص کو فاسق معلن نہ کہا جائے اُس کی عزت مجروح ہو گی یہ تھی وہ رشوت خوری جس کا حق ادا کرنے کے لیے مصنف نے اتنی بڑی بدعقیدگی پھیلانے کا تانا بانا بُنا۔ کسی تین انگلی والے فاسق معلن مولوی یا خطیب یا ڈاکٹر پروفیسر نے مصنف کو بھاری رشوت دے کر یہ مضمون لکھوایا بنوایا ہے مگر مصنف کا نامۂ اعمال سیاہ کروا دیا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ خشخشی داڑھی والا ایک انگلی دو انگلی والا فرنچ کٹ تو فاسق معلن ہوں اُن کی عزت بھلے سے مجروح ہو تو کوئی پرواہ نہیں فکر صرف تین انگلی داڑھی والے کی ہے۔ اس طرح اگر رشوت خوری سے مسئلے بنائے جاتے رہے تو کل نہ جانے کون کون فاسق معلن اس مصنف کو رشوت دے کر اپنی من مرضی کے مسئلے بنوائے گا۔ اور ایسی جاہلانہ غلط کتابیں لکھوائے گا اور نشر بھی بنوائے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ایسے باطل رشوت خور مصنفوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ اب ہم مصنف مذکور سے چند سوال کرتے ہیں مصنف مذکور پر ان کا باحوالہ جواب دینا فرض ہے۔ سوال ۱: یہ کہ باحوالہ ثابت کیا جائے کہ وَاَعْفُوا اللِّحٰی کا حکم وجوبی نہیں۔ کسی مصنف جیسے کی ذاتی خیالی رائے نہیں چلے گی سوال ۲: صحابہ کرام نے قبضہ سے زائد بال باقاعدہ ناپ کر کیوں کاٹے اگر یہ اُن کی من مرضی تھی تو سب نے یہ ایک ہی طریقہ کیوں رکھا کہ چار انگلی ہی سے زائد بال کاٹے صحابہ کا عمل متفرق کیوں نہ ہوا کسی صحابی نے تین انگلی برابر داڑھی کیوں نہ رکھی یا دو انگلی۔ سوال ۳: خشخشی داڑھی یا دو انگلی یا ایک انگلی برابر کیوں ناجائز ہے اور ایسی داڑھی والا فاسق ہو گا یا نہیں اور اس کی عزت مجروح ہو گی یا نہیں احادیث سے ثابت کیا جائے۔ ورنہ جس داڑھی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز نہ فرمایا مصنف اُس کا شارع کیوں بن گیا اور مبلغیت کی حد سے باہر کیوں نکلا۔ سوال ۴: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انگلی یا پانچ انگلی برابر داڑھی رکھی؟ اگر نہیں تو چار انگلی مقرر ہو گی اور یہی حدِّ شرعی اور اسی کو دیکھ کر صحابہ کا اتباعی عمل ہوا۔ یا نہیں؟ سوال ۵: یہ حدیث کہ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ اسمیں اِتِّبَاعِ افعال کے واجب ہونے

کا ثبوت ہے یا نہیں کیا اِس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے اَفعالِ نماز و عبادت کی اتباع تم پر واجب ہے بس جو بھی مواظبت کی عبادت کروں حکم دوں یا نہ دوں تم پر اُس کا عمل لازم ہے۔ واجب ہوکر یا سنتِ موکدہ ہوکر مطہکو۔ صلّوْ سے صرف نماز کا حکم ثابت نہیں بلکہ اِتباعِ اَفعال کا حکم ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ سوال نمبر ۶ لمبی داڑھی شعارِ مسلمین ہے کیا اِس سے لمبی داڑھی کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور آپ باحوالہ بتائیں کہ کتنی لمبی داڑھی شعارِ مسلمین ہے؟ ایک دو تین انگلی برابر، یا قبضہ بھر، یا پانچ چھ سات آٹھ وغیرہ انگلی برابر؟ سوال نمبر ۷ اگر بقول مصنف مذکور داڑھی رکھنا قبضہ بھر سنت موکدہ بھی نہیں سنت غیر مؤکدہ ہے تو پھر باحوالہ سنت موکدہ اور غیر موکدہ کی تعریف بیان کی جائے سوال نمبر ۸ داڑھی کے متعلق عرف کیا ہے صحابہ کے زمانے سے آج تک اور اس کا باحوالہ ثبوت دیا جائے۔ سوال نمبر ۹ مُلا علی قاری کا قبضہ بھر داڑھی کو مستحسن کہنا۔ یہ اُن کی انفرادی رائے ہے یا نہیں اگر نہیں تو جمہور سے مُستحسن ہونے کا ثبوت دیا جائے اور اگر یہ بھی انفرادی رائے ہے تو تم نے اس کو کیوں قبول کیا اور محدث دہلوی کے انفرادی قول پر اس انفرادی کو کیوں ترجیح دی۔ کیا یہ سب رشوت کا کرشمہ ہے۔ سوال نمبر ۱۰ علامہ زبیدی کو محدث دہلوی پر کیا فوقیت حاصل ہے کہ اس کی ہر بات پسند اور امامِ اہل سنت عبد الحق محدث دہلوی کی مسلمہ بات بھی ناپسند اس ترجیح بلا مرجح کی وجہ بتائی جائے یہ دس سوال ہیں اگر مصنف صاحب کا دعوئے للّٰہیت درست ہے تو یا جواب باحوالہ دیں یا پھر توبہ کریں کیونکہ اُن کے اِس مضمون سے اِفعال نبوت اور اُسوۂ حسنہ کی سراسر گستاخی ہوتی ہے ہمیں امید ہے کہ مصنف مذکور اپنے وعدے کے مطابق اس شرعی گرفت کو صراحۃً اور پسند کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچینگے اور اپنی شرح اس تمام عبارت کو کاٹ دیں گے اور توبہ و رجوع کرکے اپنی آخرت سنوار لیں گے۔ کیونکہ یہ مضمون آئندہ نسلِ اسلامی کے لیے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اس کا خلاصہ یہ کہ مصنف مذکور اپنی علیحدہ شریعت بنانا چاہتا ہے اور اَفعالِ نبوّت اور اعمال

صحابہ کی عزت اہمیت گھٹانا چاہتا ہے۔ اِس کی بدعقیدگی چار حماقتوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ معاذ اللہ صحابہ کرام شریعت میں اتباعِ نبی علیہ السّلام کو چھوڑ کر اپنی من مانیاں کرتے تھے دوم یہ کہ طرز اور طریقۂ نبوت ضروری نہیں مصنف کا خود ساختہ طریقہ اہم ہے سوم یہ کہ فساق کی عزت بچانی لازم ہے پھلے سے شریعت اور شعار مسلمین کی توہین ہوتی رہے چہارم یہ کہ مصنف مذکور نے الفاظ و معانی میں توڑ پھوڑ کر کے خودساختہ مطلب بنایا ہے جس کا ثبوت وحوالہ کوئی نہ دیا اس طرح اُس نے فسادِ فی الامّت کا دروازہ کھولا ہے اور اس طریقے سے اپنی اور اپنے نظرئے کی جان بچائی ہے: ہمارا گیارھواں سوال مصنف سے یہ کہ واجب کا معنیٰ ثابت یا مناسب۔ اور مباح کا معنیٰ مستحق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلِ مواظبت کا معنیٰ سنّتِ غیر مؤکدہ کہاں لکھا ہے کسی حدیث یا لُغت سے دکھایا جائے یہ سائل کا تیسرا سوال کہ مصنف مذکور نے شرح مسلم میں۔ حدیثِ دجّال کی غلط تشریح کرتے ہوئے ایک دن کی سال بھر درازی کو حقیقی درازی تسلیم نہ کیا بلکہ اس درازی کو دجّال کی جادوگری بتایا ہے اس کا جواب اس طرح ہے کہ مصنف مذکور اپنی شرح کی آخری کی جلد ہفتم کے صـ ۸۲۸ پر اسی حدیث دجّال کی شرح کرتے ہوئے درازیِ دن کی وجہ میں سات قول نقل کرتا ہے ۱ امام نووی کا قول ۲ قاضی عیاض کا قول ۳ علامہ شتانی اُبی مالکی ۴ علّامہ خطابی ۵ علّامہ ابن جوزی ۶ علّامہ ابوالحسن بن مناوی ۷ مُلّا علی قاری۔ ان اقوال میں امام نووی شافعی۔ قاضی عیاض، علامہ شتانی۔ علامہ خطابی۔ علامہ ابن جوزی کا قول یہ ہے کہ اس دن کی درازی بالکل حقیقی درازی ہوگی کوئی جادو وغیرہ نہ ہوگا۔ لیکن ابوالحسن بن مناوی کا قول یہ ہے کہ اس دن درازی حقیقی نہ ہوگی صرف گھبراہٹ اور دہشت وحشت کی وجہ سے درازی محسوس ہوگی اور دن کاٹے نہ کٹے گا جیسے کہ مغموم یا بیمار کا دن)، مگر اس قول کو علامہ ابن جوزی نے ابوالحسن کے اس قول کی تردید کی ہے۔ ملّا علی قاری کے اقوال میں چند باتیں لکھ کر آخری فیصلہ اس طرح سناتے ہیں کہ چونکہ دجّال بہت بڑا جادوگر ہے اور اس سے بڑے بڑے شعبدے، تلبیسات اور ملمع کاری ظاہر ہوگی

کسی کو مار کر زندہ کرے گا کسی کو باغات اور چراگاہوں موٹے تازے جانوروں دولتوں سے نواز دے گا کسی کو قحط سالی و غربت میں پھنسا دے گا اپنے ساتھ اپنی جنت اور دوزخ لئے پھرے گا۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس حدیث کی صرف یہ تاویل ہے کہ وہ (دجال) لوگوں کی سماعت اور بصارت کو مسخر کرے گا اور ان کے دماغوں میں یہ خیال پیدا کرے گا کہ صبح کی روشنی اور شام کے اندھیرے کے بغیر زمانہ ایک حالت پر ٹھہر گیا ہے اور وہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ سورج کی روشنی دور نہیں ہو رہی اور رات کی سیاہی نہیں پھیل رہی سو وہ زمانے کے اس قدر طول سے حیران ہوں گے۔ یہ تھا مصنف مذکور کا وہ باطل قول جو اس حدیث کی شرح کے آخر میں لکھا۔ اور مصنف نے یہ عبارت اس انداز میں لکھی ہے کہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا اپنا نظریہ اور خیال بھی یہ ہی ہے اور ملا علی قاری صاحب کا بھی۔ اگر ہمارا یہ اندازہ درست ہے تو مصنف اور ملا علی قاری نے گستاخیِ نبوت کے علاوہ قدرتِ الٰہی کا بھی انکار کیا۔ اور قدرتِ الٰہی اس لیے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ فرمانِ نبوی پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی شرح جلد ہفتم ص۴۲۸ پر لکھتا ہے۔ لیکن اس (اندازے سے نمازیں پڑھنے والے فرمان) پر اعتراض یہ ہے کہ ہر نماز کے وجوب کا سبب اُس کا مخصوص وقت ہے مثلاً طلوعِ شمس۔ زوالِ شمس۔ غروبِ شمس غروبِ شفق وغیرہ اور ان اوقاتِ مخصوصہ کا تحقق اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب دن اور رات کا حقیقۃً تعدّد ہو اور وہ اس صورت میں مفقود ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ اُس دن اندازوں سے نمازیں پڑھی جائیں یہ مسئلہ کہ وقت پر نمازیں پڑھنی چاہیئے غلط ہو جاتا ہے اس لیے فرمانِ نبوت پر اعتراض پڑتا ہے۔ یہ تھی وہ شرح جس نے نبوّت کی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اس بیہودہ قول کی تین طرح تردید کی جاتی ہے۔

اوّلاً یہ کہ جن بعض لوگوں نے اس دن کی طوالت کی وجہ غم و پریشانی حزن و گھبراہٹ کو بتایا ہے وہ اُن کی ذاتی دماغی فتور اور اختراع ہے حدیث پاک میں صراحتاً یا اشارۃً اس کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور یہ ہو بھی نہیں سکتا

خاص کر اہلِ ایمان اور اہلِ مدینہ و اہلِ مکّہ کے لیے کیونکہ اہلِ ایمان کا دل دماغ ذکرِ الٰہی سے مطمئن رہتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کی وجہ سے لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ کا ظہور ہوگا۔ اہلِ مدینہ و اہلِ مکّہ کو اس لیے بھی کوئی غم و پریشانی نہ ہوگی کہ وہاں دجّال داخل ہی نہ ہو سکے گا ثانیاً یہ کہ دنیا میں کوئی بھی کبھی بھی کسی کو بھی ایسا غم پریشانی گھبراہٹ نہیں ہوتی جس سے دن ہی دن نظر آئے اندھیری رات کو بھی دن ہی سمجھے نہ ہی آج تک کوئی جنون ایسا نظر آیا نہ کسی مجنون کو رات کے وقت کو دن کہتے سنا گیا۔ بجز اِن مجنون شارحین کے حالانکہ دجّال کا پہلا دن سب کے لیے ہی طویل ہوگا۔ پریشانوں کے لیے بھی مطمئن لوگوں کے لیے بھی مسلمانوں نمازیوں ذکر اللہ والوں کیلئے بھی غیر مسلموں بے نمازیوں غافلوں کے لیے بھی۔ جیسا کہ اِس حدیث پاک میں اندازوں سے نمازیں پڑھتے (اذانیں دینے مسجدوں میں آتے صحیح اندازے لگاتے درست وضو کرتے) کے حکم سے ثابت۔ ان پاگل اور باطل گمراہ شارحین سے کوئی پوچھے کہ۔ کیا وہ لوگ جنکی عقل اتنی بگڑ چکی ہو کہ آدھی اندھیری رات کو بھی دوپہر کا دن سمجھے وہ صحیح اندازے سے وضو اذان نماز ادا کر سکتے ہیں؟ اگر ان غلط شارحین کی بات درست ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پوچھنے پر فرما دیتے کہ تم لوگ اُس دن غم و گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے نمازیں پڑھ ہی نہ سکو گے مگر یہ نہ فرمایا بلکہ اندازے لگانے کا حکم دیا جس سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان نمازی مسلمان اُس دن بھی بہت مطمئن عقل مند صاحبِ قلب و دماغ صحیح صحیح اندازے لگانے والے ہوں گے۔ ثالثاً یہ کہ جن حُمقا شارحین نے یہ کہا ہے کہ اُس دن کی طوالت حقیقی نہیں بلکہ دجّال کی جادوگری سے ہوگی اور اُس کی جادوگری کی وجہ سے کسی انسان کو سورج چلتا نظر نہ آئے گا۔ آدھی رات کو بھی سورج نظر آتا رہے گا۔ ہم اِس بیہودہ قول کی پانچ طرح تردید کرتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ یہ قول بھی ان شارحین کا نفسانی اختراع اور نہایت کمزور ذاتی خیال ہے۔ مذکورہ حدیث پاک یا کسی بھی حدیث مقدس میں اِس بات کا اشارۃً یا عبارۃً ذکر قطعًا نہیں۔ دجّال نے اپنے جادو اور شعبدے کے ذریعے

جو کچھ کرنا ہے وہ سب کچھ ایک ایک کر کے حدیث پاک میں بیان فرما دیئے گئے مگر اس بات کا ذکر نہیں کہ سورج پر بھی دجّال کا جادو چل جائے گا اور سورج ٹھیرا محسوس ہوگا۔ یا لوگوں کو ٹھیرا محسوس ہوگا۔ بلکہ حدیثِ پاک کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ قدرتِ الٰہی سے دن لمبا ہوگا۔ اور حقیقتاً دراز ہوگا نہ کہ صرف احساس۔ چنانچہ مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۴۰۱ پر ہے۔ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا لُبْثُہٗ فِی الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا۔ یَوْمًا کَسَنَۃٍ وَیَوْمٌ کَشَھْرٍ وَیَوْمٌ کَجُمُعَۃٍ وَسَائِرُ اَیَّامِہٖ کَاَیَّامِکُمْ۔ ترجمہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ دجال کا ٹھہرنا زمین میں کتنا ہوگا۔ فرمایا آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چالیس دن اُس کا پہلا دن سال کے برابر لمبا ہوگا اور پھر اُس کا دوسرا دن مہینے کے برابر تیسرا دن جمعہ یعنی ہفتہ سات دن کے برابر صحابہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دن جو سال برابر ہوگا کیا اُس پورے دن میں ہمیں ایک دن کی نمازیں (یعنی چار) کافی ہوں گی۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ اندازے لگا لگا کر (دن کی چوبیس ساعتوں میں پانچ نمازیں) پوری کرنی پڑیں گی۔ یہ تھے حدیثِ مقدسہ کے الفاظِ مبارک اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ سحر زدہ دن ہوگا۔ بلکہ اس حدیث پاک کے اگلے چند لفظ اشارۃً بتا رہے ہیں کہ درازیِ دن کی وجہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ حدیث ہے قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا اِسْرَاعُہٗ فِی الْاَرْضِ قَالَ کَالْغَیْثِ اِسْتَدْبَرَتْہُ الرِّیْحُ۔ ترجمہ۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس دجّال کے چلنے کی رفتار کیا ہوگی زمین میں فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اتنا تیز چلے گا جیسے بادل جس کو ہوا اُڑا اُڑا رہی ہو۔ جس کے پیچھے ہوا لگی ہو۔ یعنی موجودہ دور کے ہوائی جہاز سے بھی تیز۔ اور یہ بات مشاہدے میں ہے کہ اگر ہوائی جہاز سمتِ آفتاب کی طرف اُڑ رہا ہو تو دن لمبا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے دجّال کی رفتار کی وجہ سمتِ سورج کی طرف ہوتا ہو۔ یا قدرتِ الٰہی سے آفتاب کی رفتار اتنی کم ہو جائے کہ اُس وقت پہلے دن آفتاب مشرق سے مغرب تک ایک سال میں پورہ کرے بہرکیف اِن مصنفین کی یہ لغو تشریح کسی

طور بھی اس حدیثِ پاک سے ثابت نہیں۔ اس لیے ہم اس شرح کی تردید کرتے ہیں ثانیاً یہ کہ اس شرح میں قدرتِ الٰہی کا انکار ہے ثالثاً یہ کہ اس میں فرموداتِ نبوت کی گستاخی ہے۔ کہ مصنف مذکور بے باک ہو کر فرمانِ نبوت پر اعتراض کرتا ہے یہ بڑی ایمان سوز جرأت ہے۔ رابعاً یہ کہ مصنف مذکور اور ملا علی قاری علماءِ اصولِ فقہ کے اُس قاعدے کی آڑ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اعتراض کر رہے ہیں جو انہوں نے آیت وروایت کے استنباط سے بنایا ہے کہ نماز کا سبب اُس کا وقت ہے اور جب تک وقت نہ ہو نماز فرض ہی نہیں ہوتی اور جب تک رات و دن نہ ہوں وقت آسکتا ہی گویا کہ مصنف مذکور اور مُلّا علی قاری کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اندازہ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا وہ غلط فرمایا (معاذ اللہ) اندازے سے نماز کبھی فرض نہیں ہوتی بلکہ ظاہر ظہور وقت آنے سے ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شرح ہے یا نادانی و گمراہی خیال رہے کہ فقہاءِ اصول کے جتنے بھی استنباط ہیں وہ سب ظنّی ہیں غلط بھی ہو سکتے ہیں تو ایسی ظنّی چیز کو فرمانِ نبوّت کے مقابل زیادہ اہمیت دینا اور اپنی کم عقلی کور ذہنی سے دلائل قائم کرتے پھرنا غلطی و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ نیز آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اندازے لگا کر نمازیں پڑھی جائیں یہ بھی اوقاتِ نماز ہی کا لحاظ بتاتا ہے کہ جس موسم میں جس نماز کو اتنی دیر میں پڑھا جاتا ہے تم اُس دن اتنے گھنٹوں کا فاصلہ کر کے نمازیں پڑھنا۔ اور یہ اندازے تو برسات کے دنوں میں اُن زمانوں میں بھی لگائے جاتے تھے جب گھڑیاں نہ تھیں دن میں سورج نظر نہ آتا تھا۔ رات میں ستارے نہ دِکھتے تھے۔ رہا مصنف مذکور کا یہ خیال کہ حقیقی دن اتنا لمبا ہو سکتا ہی نہیں یہ مصنف کی معلوماتی کمی ہے۔ ورنہ آج بھی دنیا کے بہت سے علاقوں میں اتنے اتنے دراز دن ہوتے ہیں کہ عقل حیران ہے جیسا کہ ناروے اور سویڈن کے شمالی علاقے۔ بستروں میں لیٹے لیٹے ایسے اُلٹے پلٹے قلم چلا کر شرح لکھ دینی اور فرمانِ اقدس پر اعتراض کرنا کوئی دینی خدمت نہیں بلکہ ایسے قلم تو سیدھا جہنم کا راستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے قلم سے بچائے۔

خامساً یہ کہ مصنّف مذکور مُلّا علی قاری کے اس لغو قول کا سہارا لے کر لکھتا ہے کہ یہ درازیِ دن حقیقی نہ ہوگی بلکہ دجّال کی جادوگری کا اثر ہوگا۔ یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ کوئی بھی جادو آسمان یا آسمان کی کسی چیز پر نہیں چل سکتا نہ سورج پر نہ چاند پر نہ ستاروں پر۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد نہم صـ۲۶۴ پر سورۃ قمر کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور سردارانِ مکہ نے ایک یہودی راہب کو بلوایا تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرے تاریخوں میں اس یہودی راہب کا نام حبیب یمنی لکھا ہے جب وہ آیا تو اُس سے کہا گیا کہ وہ نبی بہت بڑا جادوگر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مجلس میں بلایا گیا جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حبیب یمنی یہودی نے کہا کہ مجھ کو کوئی معجزہ دکھایئے آپ نے فرمایا کہ جو تو کہے اُس نے کہا کہ اِس وقت چودھویں کا چاند نکلا ہوا ہے آپ اس کو توڑ کر دکھایئے۔ آپ نے فرمایا کہ چلو کوہِ ابی قبیس پر جب سب وہاں پہنچے تو آپ نے انگلی کا اشارہ فرمایا چاند ایک دم آدھا آدھا دو ٹکڑے ہوگیا ابوجہل کہنے لگا کہ محمد نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے لیکن حبیب یمنی یہ کہتے ہوئے مسلمان ہوگیا کہ جادو صرف زمین پر چل سکتا ہے آسمان پر نہیں چل سکتا۔ افسوس ہے اِن آج کل کے نومولود شارحین تو خیر مصنفین پر کہ جو بات یہودی بھی جانتے ہیں مسلمان ہو کر ان کو اِس بات کا پتہ نہیں۔ یہ تھیں اس شرح کی کم عقلیاں کمزوریاں اب ہم اس حدیث مقدس کی صحیح اور سچی شرح کرتے ہیں چنانچہ مسلم شریف جلد دوم کے صـ۴۰۱ پر امام شرف الدین نووی فرماتے ہیں۔ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَهٰذِهِ الْاَيَّامُ الثَّلَاثَةُ طَوِيْلَةٌ عَلٰى هٰذَا الْقَدْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْحَدِيْثِ۔ يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ۔ (الخ) ترجمہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ ایک دن سال برابر اور ایک دن مہینہ برابر اور ایک دن جمعے یعنی ہفتے برابر (سات دن) اور باقی تمام دن

تمہارے عام دنوں کی طرح۔ تمام علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف بالکل اپنے ظاہری معنیٰ پر ہے۔ اور یہ تینوں دن اُسی قدر لمبے ہوں گے جیسے حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اور علماءِ کرام کے اس قول پر ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ دوسری دلیل یہ کہ صحابہ نے جب عرض کیا یارسول اللہ کیا اُس دن پورے سال برابر دن میں ہم کو پانچ نمازیں کافی ہوں گی فرمایا آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ عام موسمی دنوں کی ساعتوں کے برابر اندازہ لگا لگا کر پورے سال کی اور دوسرے دن پورے مہینے کی اور تیسرے دن پورے ہفتے کی نمازیں پڑھنی لازم یعنی اُن تین دنوں میں علماءِ اصولِ فقہ کا قانون نہ چلے گا بلکہ اُن ایام میں تمہارے اندازے ہی اَسبابِ نماز بن جائیں گے۔ تیسری دلیل یہ کہ مختارِ کل صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی درحقیقت عبادت الٰہی ہے جب چاہیں جس کو چاہیں عبادت کا سبب بنا دیں۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اندازہ کرکے نمازیں پڑھنا صرف انہی مخصوص دنوں کے لیے خاص ہے۔ یہی سچی صاف واضح اور عام فہم تشریح ہے کسی اوٹ پٹانگ مارنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ان غلط مصنفین کے کہنے پر چلا جائے تو اسلام کا ایک مسئلہ بھی درست نہیں رہ سکتا۔ اِن لوگوں کی تو عادت ہے ہر بات میں اُلجھاؤ پیدا کرنا۔ ورنہ دن کا لمبا ہونا چھوٹا ہونا قدرتِ الٰہی کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہر مشیت پر قادر ہے ہاں البتہ اس میں کلام کیا جا سکتا ہے کہ اس طوالت کی صورت اور طریقہ کیا ہے محققین کے اس میں تین قول ہیں ۱۔ سورج کی رفتار کم کر دی جائے گی اور چونکہ دجّال کا آنا صرف مسلمانوں کے امتحان کے لیے ہوگا اس لیے وہ دجّال صرف اسلامی علاقوں میں جائے گا اور وہیں پر صرف ایک سال کا دن رہے گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شروع ایام سے آج تک جتنے بھی ابتلا اور امتحان کسی بھی شکل میں کسی بھی ذریعے سے نازل ہوئے وہ صرف اہل ایمان کے لیے ہی ہوئے کفار کا کبھی امتحان نہ لیا گیا کیونکہ پیاروں کا ہی امتحان لیا جاتا ہے۔ فرعون ہامان نمرود شدّاد یزید۔ ابلیس دجّال کے ذریعہ صرف

ایمان والوں کا ہی امتحان لیا جاتا رہا رہے گا۔ دجال بھی صرف ان ہی علاقوں میں جائے گا جہاں مسلمان ہوں گے اُن ہی کو کافر بنانے کی کوشش کرے گا، کفار تو پہلے ہی کافر ہیں۔ اس لیے ان ہی علاقوں میں یہ دن لمبے ہوں گے باقی جگہ اتنے وقت رات ہوگی ۔۲ بعض نے فرمایا کہ دجال کی اپنی رفتار کی وجہ سے یہ درازی ہوگی کہ پہلے دن وہ سورج کی سمت پر مغربی جانب چلے گا دوسرے دن شمال مغرب کی جانب تیسرے دن وہ جانب جنوب پھر اُس کی واپسی ہوگی عام رفتار سے اس لیے بقیہ سینتیس دن بھی عام دنوں کی طرح ہوں گے ۔۳ بعض نے فرمایا کہ قدرت الٰہی سے وہ سورج ٹھیر جائے گا اور دجال صرف اُن ہی علاقوں میں جائے گا۔ جہاں تک کھڑے سورج کا دن ہوگا۔ یہ سب اسلامی علاقے ہوں گے اس دن کو ایک سال برابر اس لیے کیا جائے گا کہ دجال اپنا پورا کام دل بھر کے کرلے۔ اور جن لوگوں کا امتحان مقصود ہے ان کا پورا امتحان ہو جائے۔ پھر باقی ایام میں اس کی واپسی ہوگی اور اس طرح وہ چالیس دنوں میں پوری انسانی آبادی کا چکر لگائے گا۔ جن روایت میں آتا ہے کہ وہ پوری سرزمین کا چکر لگائے گا ان کا مطلب بھی یہ ہے انسانی آبادی والی سرزمین نہ کہ بے آباد۔ بہر کیف کچھ بھی ہو یہ درازیِ ایام قدرتِ الٰہی سے بالکل حقیقی ہوگی نہ کہ غم واندوہ کا احساس یا جادوگری کا کرشمہ لہٰذا مصنف مذکور کی یہ شرح مسلم غلط ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

آٹھواں فتویٰ: کوئی غیر نبی کسی بھی علم صنعت و حرفت میں کسی نبی علیہ السلام سے بڑھ نہیں سکتا ہر اُمتی ہر کام میں اپنے نبی علیہ السلام کا محتاج ہوتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب تفسیر کبیر جلد پنجم ص۵۱۵ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ غَیْرُ النَّبِیِّ فَوْقَ النَّبِیِّ فِیْ عُلُوْمٍ لَا تَتَوَقَّفُ نُبُوَّتُہٗ عَلَیْھَا۔ یعنی جائز اور ممکن ہے کہ غیر نبی اُن علوم میں نبی سے زیادہ عالم اور اونچا ہو جائے جن علوم پر نبوّت

موقوف نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السّلام کے واقعے میں لکھا ہے فرمایا جائے کہ خضر علیہ السّلام نبی ہیں یا ولی ہیں اگر ولی ہیں تو گویا ولی کا علم نبی سے زیادہ ہو گیا دوسرا سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم برابر ہیں! قرآن مجید سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے چنانچہ سورۃ نحل آیت ۸۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ اور سورۃ الانعام آیت ۱۵۴ میں ہے ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ دونوں جگہ لفظ کتاب بھی ہے۔ اور لفظ کل شیء بھی دونوں جگہ کل شیء اپنے عموم پر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور توریت میں بھی جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم اور موسیٰ علیہما السّلام کے علوم برابر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم برابر ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اعلحضرت کا ایک شعر ہے جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے: نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

لفظ ٹکڑا اور نورِ وحدت پر وہابیوں کو اعتراض ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم دونوں کی ہی بے ادبی ہے۔ کیونکہ نور وحدت سے مراد اللہ تعالیٰ اور ٹکڑے سے مراد ہمارا نبی ہے۔ نبی کریم کو ٹکڑا کہنا گناہ ہے۔ بَيِّنُوا تُوجَرُوا برائے کرم ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب عطا فرمایا جائے اور شعر کا صحیح معنیٰ سمجھایا جائے۔ د

دستخط سائل جاوید گولڈ سمتھ بلاک ۷ صرافہ مارکیٹ ڈیرہ غازیخان۔ پاکستان۔ ۱۵/ جولائی ۱۹۹۶ء بروز پیر

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب ــــــــــــــــــــ

قانونِ شریعت کے مطابق وحدیث قرآن کی روشنی میں یہ بات دلائلِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ ہر قسم کا علم رب تعالیٰ نے اپنے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو عطا فرمایا کسی نبی علیہ السّلام سے کسی انسان جن فرشتے کا علم زیادہ تو درکنار برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم السّلام کے

علم پر بہت سی آیات شاہد ہیں، فخر الدین رازی صاحب کا تفسیر کبیر میں یہ لکھ دینا کہ غیر نبی اُن علوم میں نبی سے زیادہ ہو سکتا ہے جن علوم پر نبوت موقوف نہیں۔ یہ لغو بات ان کی ذاتی رائے سے ہے نہ اس پر کوئی دلیل نہ مشاہدہ نہ تجربہ۔ صرف بات کر دینی تو بڑی آسان ہے لیکن دلیل اور ثبوت کوئی بھی پیش نہ کر سکا نہ کر سکتا ہے۔ اگر رازی صاحب کے پاس ذرہ بھر بھی کوئی دلیل ہوتی تو ضرور لکھ دیتے دراصل رازی صاحب اُن شخصیات میں سے ہیں جن کے پاس سوائے عقلیات و نفسیات کے اور کچھ نہیں ساری زندگی فلسفے کی اُلجھنوں میں گزری اسی لیے ہر چیز کو عقلی استدلال کی ترازو میں تولنے کے عادی وہ یہی نہیں جانتے کہ دینی رموز عقل سے نہیں شعور سے حاصل ہوتے ہیں اور شعورِ ایقانی کشفِ اسرار سے اور کشفِ اسرار شرحِ صدر سے، اور شرحِ صدر رب تعالیٰ کے کرم و فیضانِ نبوّت سے، دینی کاموں کو عقلِ استدلالی نہیں سمجھ سکتی۔ فخر الدین رازی صاحب کی اِن ہی عقلیات کی تردید کرتے ہوئے مولانا روم نے مثنوی شریف میں فرمایا۔

گر بہ اِستدلال کارِ دیں بودے فخر رازی رازدارِ دیں بودے
کارِ اِستدلالیاں چوبیں بُوَدْ کارِ چوبیں سخت بے تمکین بُوَدْ

ترجمہ ۔ اگر دین کے کام عقلی دلیلوں سے سمجھ آ سکتے۔ تو فخر الدین رازی دین کا سمجھ دار ہوتا۔ استدلالی کام تو لکڑی کے ہوتے ہیں۔ اور لکڑی کے کام سخت کمزور ہوتے ہیں بہر کیف فخر الدین رازی صاحب کی یہ بات قطعًا غلط بے بنیاد اور بے ثبوت ہے۔ حقیقت ایمانی یہ ہے کہ کوئی غیر نبی دین و دنیا کے کسی بھی علم میں کسی بھی نبی علیہ السّلام پر فوقیت تو در کنار برابری بھی نہیں کر سکتا۔ تفسیر کبیر کی عبارت چار طرح غلط ہے پہلی یہ کہ کوئی دلیلی ثبوت پیش نہ کیا گیا محض بات کر دینا غلط اور قابلِ تردید ہے دوم یہ کہہ کہنا کہ بعض علوم پر نبوّت موقوف ہے بعض پر نہیں یہ بھی غلط ہے یا کہ بعض علوم کی نبی کو ضرورت ہے بعض کی نہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ انبیا علیہم السّلام کو دین دنیا کے تمام علوم کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اس لیے رب تعالیٰ نے ہر علم۔ فن۔ صنعت۔ حرفت اپنے انبیاء

علیہم السّلام کو اپنی قدرت سے خود تعلیم فرمائی، دنیا میں جس کسی نے جو کچھ سیکھا وہ بلواسط یا بلا واسطہ سینہ بسینہ تعلیمِ رسالت و فیضانِ نبوت سے ہی سیکھا
سوم۔ یہ کہ فخر الدین رازی کے پاس کوئی ایسی میزان نہیں جس سے وہ علوم کی تقسیم یا چھانٹ کرتے پھریں کہ یہ علوم نبوّت کے لیے ضروری ہیں اور یہ ضروری نہیں
چہارم یہ کہ تفسیر کبیر کی یہ بات قرآن مجید کے دلائل کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کے دلائل سے ثابت ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہر علم تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ہے۔

اس کی پہلی دلیل۔ کائناتِ مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے فرشتے ہیں کیونکہ حصولِ علم کے سات ذرائع اور وہ سب ذرائع فرشتوں کو حاصل ۱ زبان دانی ملائکہ بلکہ ابلیس تمام مخلوق کی زبانوں کو جانتے ہیں ۲ تجربہ ۳ مشاہدہ ۴ سیر وسیاحت ۵ قلم سے ملائکہ لکھنا بھی جانتے ہیں بلکہ دن رات لکھ رہے ہیں ۶ پڑھنے سے ملائکہ پڑھنا بھی جانتے ہیں ۷ صنعت وحرفت سے ملائکہ ہر قسم کی چیز بنانا جانتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جنت اور جنت کی اشیا ملائکہ ہی سے بنوائیں بلکہ اب بھی بہت سی اشیا بنا رہے ہیں جیسے جنتی زیور برتن وغیرہ۔ دوزخ کی زنجیریں وغیرہ بلکہ دنیا کی بہت سی چیزیں بھی فرشتے ہی بنا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ خود انسان کو بھی۔ مگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا علم ملائکہ سے بھی زیادہ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السّلام کا مقابلہ مناظرہ تمام فرشتوں سے علم میں ہی کرایا۔ نبیُّ اللہ آدم علیہ السّلام جیت گئے ملائکہ ہار گئے ثابت ہوا کہ نبی کا علم ملائکہ سے زیادہ ہے۔

دوسری دلیل۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ کسی علم پر نبوّت موقوف ہے کسی پر نہیں۔ بلکہ ہر نبی علیہ السّلام کے لیے کائناتِ ارضی وسماوی کے تمام علوم ضروری ہیں۔ نبی کو ہر علم کی ضرورت ہے کیونکہ ہر اُمّتی کو نبی علیہ السّلام کے آستانے سے ہی علم کا صحیح اور سچا حصول ہوتا ہے ذہنی عقلی قلبی علم ہو یا صنعت وحرفت کا علم۔ نار رنجیں بتاتی ہیں کہ نبی کسی علم کسی فن میں کسی شخص کا محتاج نہیں نہ کسی

سے کم نہ کبھی مخلوق کا شاگرد۔ آدم علیہ السلام زمین پر کھیتی باڑی چکی بن چکی کے موجد۔ ادریس علیہ السلام کپڑے کے موجد۔ کتابت، اور تانگہ گاڑی اور پہیے کے موجد، نوح علیہ السلام نے بغیر کسی سے سیکھے ہوئے ستائیس منزلہ آبدوز کشتی بنا دی۔ داؤد علیہ السلام نے لوہے کی زرہ اور مختلف ہتھیار بنا دئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ پرندہ بنا دیا۔ لقمان علیہ السلام نے علم طب ظاہر فرما دیا اور بتا دیا کہ فلاں جڑی بوٹی میں یہ شفا فلاں میں یہ یہ تمام علوم انبیاء علیہم السلام کو کس نے سکھائے۔ ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ نے سکھائے اور اس لیے سکھائے کہ نبوت کے لیے یہ علوم ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیکار کام نہیں کرتا نبی علیہ السلام ہی اپنی اپنی اُمت کے معلم اکمل ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر ضرورت علم سے پوری ہوتی ہے اس لیے ہر نبی کے لیے ہر علم ضروری ہے۔ لہٰذا نبوت ہر علم پر موقوف ہے بغیر علم نبوت ناممکن۔ ثابت ہوا کہ امام رازی کی یہ تقسیم غلط ہے۔

تیسری دلیل۔ باری تعالیٰ نے اپنے تمام دنیوی دینی علوم اور صنعت و حرفت فن اور صناعی انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ہی زمین پر بھیجے اور جاری فرمائے۔ گویا کہ وجودِ انبیا علوم الٰہیہ کے خزانے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید کی اُن مختلف آیت سے ثابت ہے جن میں انبیا علیہم السلام کی عملی اور فعلی زندگی کا ذکر ہے۔ چنانچہ کہیں فرمایا گیا کہ ہم نے نوح کو کشتی بنانی داؤد کو صنعۃ لبوس سکھائی اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ ہم نے آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور عالمِ ازل میں ہی سکھا دیا۔ انبیا علیہم السلام نے ہی دنیا میں آکر یہ علوم لوگوں کو سکھائے اور زمین پر جاری فرمائے۔ ورنہ بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر چوتھی دلیل کشفِ علم کا پہلا ذریعہ زبان ہے۔ جس کو جتنی زیادہ زبانیں آتی ہوں گی اُس کا علم اتنا ہی زیادہ وسیع ہوگا۔ اس چیز میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو سب مخلوق پر فوقیت ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان کا ایک فرمان قرآن مجید میں اس طرح۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ۔ ترجمہ۔ اور ہم سکھائے گئے پرندوں کی بولی (سورۃ نمل آیت ۱۶) یعنی صرف اپنا ذکر نہیں فرماتے کہ میں سکھایا گیا۔ بلکہ جمع متکلم کے صیغے سے تمام گروہِ انبیا کا ذکر فرما رہے ہیں۔ نیز تفسیر صاوی جلد چہارم ص۱۲۹ پر ہے۔ فَكَانَ يَتَكَلَّمُ بِسَبْعِ مِائَةِ لُغَتٍ۔ ترجمہ۔ یعنی

یعنی حضرت آدم علیہ السّلام سات سو زبانوں میں کلام کر سکتے تھے۔ اسی طرح تفسیر سورۃ یوسف میں ہے کہ یوسف علیہ السّلام سے جب شاہِ مصر نے گفتگو کی تو اپنا علم ظاہر کرنے کے لیے مختلف زبانوں میں بولنے لگا حضرت یوسف علیہ السّلام نے اُسی زبان میں اس کو جواب دیا بیس زبانوں تک بادشاہِ مصر بولتا رہا۔ لیکن جب یوسف علیہ السّلام نے اکیسویں زبان بولی تو وہ خاموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے چالیس زبانیں بولیں اور بادشاہ گنگ بنا بیٹھا رہا اور حیران ہوتا رہا۔ اپنے علم کا سارا غرور ٹوٹ گیا علمِ یوسفی سے مرعوب ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نہ معلوم ابھی کتنی زبانیں اور بول لیتے یہ تو دیگر انبیا علیہم السّلام کے علم کی شان ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو سردارِ انبیا ہیں۔

پانچویں دلیل۔ رب تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام کے علم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا (سورۃ الانبیاء آیت ۷۹) اور تمام کو ہم نے بڑی حکمت اور بڑا علم عطا فرمایا یہاں کُلًّا سے مراد تمام ہی ہے کُلًّا کا حقیقی ترجمہ یہی ہے اور حُکْمًا وَّ عِلْمًا۔ میں تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑا حکم بڑا علم۔ اسی طرح بہت سی مختلف آیت میں مختلف انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے علم کی شان یہی بتائی گئی کہ۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ یعنی کہ ہر نبی علیہ السّلام کو ہم نے بڑی حکمت اور بڑا علم عطا فرمایا۔ ہر جگہ تنوین تعظیمی سے ارشاد ہے۔ لیکن جب غیر نبی انسان کے علم کی حالت بیان فرمائی گئی تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (سورۃ اسرا آیت ۸۵) اور اے انسانو تم بہت ہی تھوڑا علم دئے گئے ہو اندازہ لگائیے کہ کتنی واضح آیت سے رب تعالیٰ نے انبیا علیہم السّلام کے علم کی کثرت اور غیر انبیا انسانوں کے علم کی قلت بیان فرمائی۔ اس لیے فخر الدین رازی صاحب کی یہ بات نہایت غلط اور منشاءِ باری تعالیٰ کے خلاف ہے نیز خضر علیہ السّلام کی نبوت کے انکار میں رازی صاحب کے جتنے بھی استدلال ہیں وہ سب لغو ہیں اس لیے کہ وہ ان کی ذاتی عقلی باتیں ہیں کوئی ثبوت نہیں صرف اپنے منہ سے کسی چیز کا انکار کرتے چلے جانا تو بہت آسان ہے ایسا انکار تو ہر جاہل ضدی کر سکتا ہے۔ ائمہ وقت کی

شان کے خلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں اس کے مضبوط دلائل ہماری تفسیر نعیمی پارہ پندرہ میں دیکھئے جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے وہ کم عقل اور غلط ہیں۔ ان کے اقوال کمزور ہیں، سائل کا دوسرا سوال سائل نے دو آیتیں پیش کر کے یہ سمجھ لیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ مگر یہ غلط ہے کسی بھی آیت سے علم کی برابری ثابت نہیں ہوتی بلکہ کثیر آیات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ثابت ہو رہا ہے۔ سائل کی پیش کردہ آیتوں میں بھی چار طرح فرق ظاہر ہے ۱۔ پہلی آیت میں وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ہے۔ دوسری میں ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى ہے ۲۔ پہلی میں تِبْيَانًا ہے۔ دوسری میں تِبْيَانًا نہیں ہے ۳۔ پہلی آیت میں عَلَيْكَ الْكِتَابَ ہے دوسری آیت میں تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ ہے ۴۔ پہلی آیت میں تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہے دوسری آیت میں تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہے۔ نَزَّلْنَا اور آتَيْنَا میں یہ فرق کہ نزول میں تکلم کا اشارہ۔ اِتْيَانٌ میں صرف تحریر کی عطا کا ذکر اور تکلم کی طرز بیانی سے ایک علیحدہ علم کا حصول ہے جو دستی خط یا تحریر سے حاصل نہیں ہوتا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبیان کے ساتھ کتاب دی موسیٰ علیہ السلام کو بغیر تبیان۔ پھر مزید یہ کہ قرآن مجید کا نزول عَلَيْكَ ہے۔ اور آپ کے وسیلے سے ہی پوری کائنات کو مگر توریت کی تحریر عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ ہے یعنی بغیر وسیلہ موسیٰ علیہ السلام بھی اس کو سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر قرآن مجید بغیر تعلیم مصطفیٰ سمجھا نہیں جا سکتا خواہ آدمی کتنا ہی پڑھا لکھا سمجھ دار ہو۔ محققین کے نزدیک تبیان اور تفصیل میں تین طرح فرق ہے ۱۔ تبیان وہ جو خود سمجھ نہ آسکے بلکہ مضمون والا سمجھائے تفصیل وہ جو ہر ایک کو خود سمجھ آجائے ۲۔ تبیان میں علم کی کثرت ہے اسی لیے سمجھانے پڑھانے والے کی حاجت ہے تفصیل میں زیادہ علم کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خود ہر ایک کو سمجھ آجاتی ہے ۳۔ تبیان میں دو قسم کے علم ہوتے ہیں بعض مُفصّل بعض مُجمل لیکن تفصیل میں صرف ایک ہی علم ہوتا ہے۔ تفصیل ہی فقط۔ اجمال طریقت ہے تفصیل شریعت ہے۔ اجمال تھوڑی جگہ میں زیادہ علم اور معلومات سما سکتے ہیں، تفصیل زیادہ جگہ میں تھوڑا علم ہوتا ہے۔ اِجمال

کو سمجھنے کے لیے چار علمی قوتیں ضروری ہیں ۱۔ تفکرؔ ۲۔ تدبرؔ ۳۔ تعقلؔ ۴۔ تذکرؔ۔ مگر تفصیل کو سمجھنے کے لیے صرف دو علمی قوتیں ضروری ۱۔ تعقل ۲۔ تذکر۔ نیز اگرچہ دونوں آیت میں کُلُّ شَیْءٍ اپنے اپنے عموم پر ہے مگر عموم چار قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا عموم جنسی۔ دوسرا عموم نوعی۔ تیسرا عموم صنفی۔ چوتھا عموم افرادی۔ سب سے زیادہ عموم جنسی ہوتا ہے۔ پھر نوعی پھر صنفی پھر سب سے کم افرادی، اس کی دو قسمیں ہیں ۱۔ کُلّی ۲۔ جزئی۔ قرآن مجید میں چونکہ ۱۔ شریعت ۲۔ طریقت ۳۔ حقیقت ۴۔ معرفت ۵۔ عبادات ۶۔ ریاضات ۷۔ اذکار ۸۔ دعائیں ۹۔ حمد ۱۰۔ ثنا ۱۱۔ ہدایت ۱۲۔ رحمت ۱۳۔ اجمال ۱۴۔ تفصیل ۱۵۔ دین ۱۶۔ دنیا کے تمام طریقے ہیں اس لیے یہاں کُلُّ شَیْءٍ اپنے عموم جنسی پر ہے۔ مگر توریتِ مقدس جب طور پر عطا ہوئی تو اس میں شریعت کی ہدایت اور طریقت کی رحمت تھی جب موسیٰ علیہ السّلام نے قوم بنی اسرائیل کے مرتد ہو جانے کے غم و غصے میں توریت کی تختیوں کو زمین پر پھینک دیا تو رحمت و طریقت والی تختیاں غائب ہوگئیں صرف شریعت والی رہ گئیں۔ اب توریت کی کُلُّ شَیْءٍ صرف وہی ہدایتِ شریعت کی آیت ہیں۔ جب کہ قرآنِ مجید کی کُلُّ شَیْءٍ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کی وسعت و کثرتِ عمومی کے ساتھ ہیں (سورۃ انعام آیت ۵۹) چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۵۰ میں وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ۔ اور پھینک دیا موسیٰ نے تختیوں کو۔ اور آگے آیت ۱۵۴ میں ہے۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ۔ یعنی اور جب موسیٰ کا غصہ ختم ہوا تو انہوں نے تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں کے نسخے میں یعنی ...... لوحِ محفوظ سے منقولہ تختیوں میں ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی روایتوں میں آتا ہے کہ پھینکنے سے پہلے توریت میں ہدایت یعنی شریعت بھی تھی اور رحمت یعنی طریقت بھی مگر پھینکنے کی وجہ سے ہدایت اور موعظت رہ گئی رحمت و طریقت کی تختیاں غائب ہوگئیں اس لیے اب توریت میں کُلُّ شَیْءٍ سے مراد فقط شریعت کی کُلُّ شَیْءٍ ہے۔ پس فرق ظاہر ہے قرآن مجید کے کُلُّ شَیْءٍ میں۔ نُسْخَتِهَا کا معنیٰ ہے وہ تحریر جو لوحِ محفوظ سے نقل کی گئی خیال رہے کہ تحریر پانچ قسم کی ہوتی ہے ۱۔ مسوّدہ ۲۔ مطبوعہ ۳۔ منقوشہ ۴۔ منسوخ

۵ معکوسہ۔ مسودّہ وہ تحریر جو مصنف اپنے قلم سے خود لکھے مطبوعہ وہ تحریر جس کو چھاپ لیا جائے۔ منقوشہ وہ تحریر جو باریک کاغذ رکھ کر نیچے کے کاغذ کی تحریر پر قلم پھیر کر اوپر والے باریک کاغذ پر اتاری جائے۔ منسوخہ وہ تحریر جو مسودہ سے من وعن نقل کر لی جائے۔ یہاں آیت کریمہ میں یہی مراد ہے یعنی توریت کی تختیوں کی عبارت بعینہٖ لوحِ محفوظ سے نقل کی گئی تھی ذرّہ بھر کمی بیشی نہ تھی اسی لیے توریت کو نسخہ فرمایا گیا۔ معکوسہ وہ تحریر کہ کاغذ کے ایک جانب تیز روشنی ڈال کر دوسرے کاغذ پر اُس کا عکس یعنی تصویر اور فوٹو لیا جائے اور پھر اس کو طبع کر لیا جائے۔ سائل کا تیسرا سوال۔ کہ نورِ وحدت سے مراد اللہ۔ اور ٹکڑا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دونوں باتیں بے ادبی ہیں۔ وہابیوں کی کم عقلی اور ناقص علمی کو کیا کہا جائے کہ اُن کو مصدر اور مشتق کے فرق کا پتہ ہے اور نہ اُردو محاورہ کا۔ اسی لاعلمی کی بنا پر اپنے کسی کا نام عبدالتوحید رکھدیتے ہیں اور کسی کا نام عبدالوحدت، حالانکہ اصل گناہ جہالت وگستاخی ویے ادبی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مصدر بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ کہ وحدت اور توحید۔ نورِ وحدت کا معنیٰ اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ نورِ وحدت مرکب توصیفی ہے اور اِس کا معنیٰ ہے۔ یکتا، بے مثل نور۔ اور اردو محاورے میں لفظِ ٹکڑا مشترک ہے چار معنیٰ ہیں ۱ ٹکڑا کا معنیٰ پیارا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں میرے جگر کا ٹکڑا ہے دل کا ٹکڑا ہے یعنی فلاں میرے قلب وجگر کا پیارا۔ یہاں۔ نورِ وحدت کا ٹکڑا۔ میں یہی مراد ہے۔ یعنی بے مثل نور کا پیارا۔ ۲ ٹکڑا کے معنیٰ قریب جیسے کہا جاتا ہے فلاں میری جان کا ٹکڑا ہے یعنی میری جان سے قریب ہے ۳ ٹکڑا کا معنیٰ جُز۔ حصّہ جیسے کہا جاتا ہے روٹی کا ٹکڑا۔ برتن کا ٹکڑا۔ وغیرہ وغیرہ ۴ ٹکڑا کا معنیٰ توڑنا۔ یہاں اعلحضرت کے اِس شعر کے پہلے مصرعے میں یہی معنیٰ لیے گئے ہیں۔

کہ جس نے ٹکڑے کیئے ہیں قمر کے وہ ہے   نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

اب اِس پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوا کہ۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آسمان کا چودھویں والا بڑا چاند توڑ دیا۔ وہ بے مثل نور پیارا۔ ہمارا ہی نبی

ہے۔ یہاں لفظِ کا اُردو محاورے میں اضافت کا نہیں بلکہ نسبتی ہے جیسے کہا جاتا ہے جگری پیار۔ قلبی لگاؤ۔ ظاہری حسن باطنی محبت وغیرہ تو معنیٰ یہ ہے کہ ہمارا نبی وہ بے مثل نور ہے جو ہر ایک کو پیارا اور محبوب ہے۔ اور اگر ٹکڑا کے معنیٰ یہاں قریب کیا جائے تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا۔ نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی۔ وہ بے مثل نور جو ہم سے قریب ہے ہمارا نبی ہے۔ بہرحال اس شعر پر کوئی عالم اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور جہلا تو اعتراض کرتے ہی رہتے ہیں نہ قرآن سے ٹلیں نہ حدیث سے۔ واللہُ وَرسُولُہٗ اَعلَمُ۔

کتبہ

نواں فتویٰ۔

بنام حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب

السلام علیکم۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ چند دن سے پیشتر مجھ کو فتاویٰ رضوی جلد اوّل کی زیارت نصیب ہوئی جسے رضا اکیڈمی ممبئی نے شائع کیا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلِ اقدس کا نقش بنا ہوا دیکھا۔ اِس نقش مبارک کے اندر اوپر کی طرف اَلحَمدُ لِلّٰہِ اَبَدًا۔ اس کے تھوڑا نیچے دو حصوں میں درود پاک اور نیچے ما شاءَ اللہ لکھا ہے۔ ساتھ ہی کچھ اور عبارتیں بھی ہیں۔ بیچ میں الفقیر احمد رضا القادری۔ لکھا ہوا ہے۔ الحمد للہ اس مبارک نقش کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ مگر یہاں ایک شخص زید واویلا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر اللہ رسول۔ عَزَّوَجلَ وَصَلّیٰ اللہ علیہ وسلم کا نام لکھنا سخت بے ادبی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسا پیارا اور محبت بھرا جواب دیں اور ایسا فتویٰ تحریر فرمائیں کہ زید کو مطمئن کرنے میں مدد ملے اللہ تعالیٰ عزّوجل آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ جواب مع دستخط و مہر عنایت فرمایئے گا۔ میں اس استفتا کے ساتھ فتاویٰ رضویہ مذکورہ مطبوعہ جلد اوّل کے پہلے صفحے پر دئے ہوئے نقشِ نعلِ اقدس کی فوٹو کاپی اور

جوابی لفافہ بھی بھیج رہا ہوں۔
دستخط سائل المستفتی محمد سلیم ولد عبد الحکیم کیفے سلیم لائٹ ہاؤس کراچی
۹۴/۱۱/۲ ۱۹۹۴ء براہ کرم جلد جواب عطا فرمایا جائے۔

بعون العلام الوھاب

الجواب

محترم سائل محمد سلیم صاحب۔
وعلیکم السلام ثم السلام علیکم۔

آپ کا یہ گرامی نامہ تشریف لایا آپ کے جواب میں دیر اس لیے ہوتی رہی کہ جن کے نام یہ خط لکھا ہے وہ بزرگ ہستی ۱۹۷۱ء اور ۱۳۹۱ھ میں وفات پا چکے ہیں آپ کی کمزور معلومات یا تجاہل عارفانہ پر مجھ کو حیرت ہے کہ اتنی مشہور ہستی کی وفات شریف کا آپ کو پتہ نہ چل سکا جب کہ اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ پورے ملک کے علاوہ دیگر ممالک برطانیہ امریکہ ہندوستان، افغانستان اور عرب ممالک سے بھی تعزیت نامے آئے تھے۔ میں اسی سوچ میں رہا کہ کیا میں آپ کے اس استفتا کا جواب دوں یا نہ دوں۔ آج میں خود اپنے قلم سے جواب دے رہا ہوں تاکہ آپ کو انتظار کی زحمت مزید نہ اٹھانی پڑے آپ نے اِس سوال نامے میں جو فتویٰ طلب فرمایا ہے وہ مکمل و مدلل کچھ عرصہ پہلے کسی اور مستفتی شخص کے جواب میں لکھا جا چکا ہے اور اس کی نقول مدعی و مدعا علیہ کو بھیجدی گئی ہیں ہم نے مدعیٰ علیہ سے توبہ و رجوع کا مطالبہ کیا ہے جس کا انتظار ہے۔ اگر مدعیٰ علیہ تحریری توبہ نامہ شائع کر دے گا تو شاید یہ فتویٰ ہم شائع نہ کریں کیونکہ مقصود صرف ہدایت و اصلاح ہے نہ کہ تشہیر۔ وہ فتویٰ رجسٹر سائز پر قلمی مسودہ تقریباً تنتالیس ۴۳ صفحات میں ہے۔ آپ کے اِس سوال نامے کا جواب اس طرح ہے کہ آپ نے اپنے خط میں پانچ باتیں لکھی ہیں ۱ زید واویلا کرتا ہے ۲ نعل اقدس ۳ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں ۴ ایسا پیارا فتویٰ دیں کہ زید کو مطمئن کرنے میں مدد

ملے ۵ نقشہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کے پہلے صفحہ پر ہے دگویا کہ یہ آپ کی دلیلِ جواز ہے) اس کے علاوہ آپ کے اِس خط میں ایک شرعی غلطی ہے وہ یہ کہ آپ نے لکھا ہے۔ اللہ و رسول عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ شرعًا اس طرح لکھنا منع ہے۔ شرعی اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کے ساتھ ہی تعالیٰ و عزوجل لکھا جائے۔ فاصلہ کرنا کسی دوسرے کے نام سے ممنوع ہے یہی حکم درود پاک کا ہے۔ آپ کے اس خط میں دیگر باتوں کے جوابات اِس طرح ہیں۔ آپ نے لکھا ہے، نقشِ نعلِ اقدس۔ خیال رہے کہ نعلِ پاک اور نعلین شریف کو اقدس اور مقدس کہنا منع ہے۔ صرف پاک یا مبارک یا شریف کہنا چاہیئے۔ اقدس کہنا قرآن مجید کے فرمان کے خلاف ہے اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم نے اصل نعلین موسیٰ علیہ السّلام کو اُتروا دیا اور وادی کو مقدس فرمایا نہ کہ نعلین پاک کو۔ اِس آیتِ پاک نے اِشارۃً فرمایا کہ کسی کی جوتی کو اقدس نہ کہا جائے اگرچہ وہ جوتی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السّلام کی ہو یا آقا حبیبُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو۔ ہاں البتہ قدمِ اقدس کی نسبت سے نعلین یا نقشۂ نعلین کو پاک طیّب مبارک اور شریف کہا جائے گا اور ادبِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس لیے کہ جب آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور اَقدس اور رسولِ مُقدّس کہا جائے گا تو آپ کی نعلین پاک کو وہی لقب دینا برابری پیدا کر کے گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے۔ شریعت میں تو یہ بھی جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اَلقاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی علیہ السّلام کو دیئے جائیں تو ادنیٰ سی عقل والا بھی سمجھ جاتا ہے کہ ایک عام آدمی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی جوتی عام سے چمڑے کی بنی ہوئی کو نبوّت کے اَلقاب کس طرح دیئے جا سکتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی ہے، یہ اندھی عقیدت ایمان نہیں حماقت یا ضلالت ہے آپ نے دوسری بات لکھ دی کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ آپ کے اس جملے میں سوال یہ ہے کہ کس چیز سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر فقط نقشۂ نعلین پاک سے

ٹھنڈی ہوتی ہیں تو آپ کے روشن ایمان کی نشانی اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ اور اگر جوتی شریف پر اللہ تعالیٰ کا نام۔ قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ لکھنے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں تو یہ آپ پر شیطان کا غلبہ ہے اور تلبیسِ ابلیس ہے۔ جلد از جلد اِس وسوسۂ شیطانی سے آپ کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اِس ملعون نے بڑے بڑوں کا بیڑہ غرق کر دیا ہے یہ ازلی دشمن کسی سے نہیں ٹلتا۔ اللہ تعالیٰ میرے سب سنی بھائیوں کو ابلیسِ لعین ورجیم کے اِن خفیہ حملوں سے بچائے۔ موجودہ دور میں یہ خبیث ابلیس ہمارے پیروں مولویوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کسی سے کالا خضاب جائز کروا رہا ہے۔ کسی سے داڑھی مبارک کی حدِ شرعی چار انگلی سے کم کروا رہا ہے۔ اور سنتِ موکدہ نبویہ کی توہین کرواکر اِن علاموں اور خطیبوں کو قوم کا لیڈر بناکر پیشوائی جہنم کروا رہا ہے۔ کسی سے نقشۂ نعلین پاک پر گستاخی الٰہی توہینِ قرآن عظیم کرواکر تمام خدماتِ اسلامی کو برباد کروا رہا ہے۔ کہیں جھوٹی خوابوں پر اکسا کر لیڈری چمکا رہا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔ آپ نے تیسری بات یہ لکھی کہ۔ نقش نعلین پر آیت قرآنی اور درود شریف اللہ کا نام لکھنے پر زید واویلا کرتا ہے۔

جواب۔ زید کا واویلا درست ہے۔ یہ زید کی آوازِ حق بلند کرنا ہے۔ اور آپ جیسے نرغے میں آئے ہوؤں کو سچی ایمانی راہ دکھاتا ہے۔ بلکہ اِس آوازِ حق کو واویلا کہنا بھی شیطانی افترا ہے۔ زید باادب معلوم ہوتا ہے یہ اس کے ادب کی نشانی ہے۔ آپ نے چوتھی بات یہ لکھی کہ ایسا پیارا اور محبت بھرا فتویٰ دیں کہ جس سے زید کو مطمئن کرنے میں مدد ملے۔ جواب پیار و محبت بہت قسم کا ہوتا ہے۔ غلط بھی صحیح بھی۔ بگاڑنے والا بھی۔ سنوارنے والا بھی۔ مجازی بھی حقیقی بھی عارضی بھی۔ سچا صحیح حقیقی دائمی پیار و محبت حق اور سچ میں ہے اگرچہ کسی کو کڑوا لگے۔ تندرست آدمی کے لیے پیار و محبت یہ ہے کہ اُس کو مٹھائی کھلائی جائے۔ لیکن بیمار آدمی کے ساتھ پیار و محبت یہ ہے کہ اُس کو کڑوی، دوائی اور دوائی کا ٹیکہ لگایا جائے۔ اندھی عقیدت اور جھوٹی تقلید تو زہرِ قاتل ہے۔ سچا حقیقی اور ایمانی محبت اسلامی پیار والا فتویٰ یہی ہے کہ نعلینِ پاک

کے نقشۂ مبارک پر کسی آیتِ کریمہ یا بسم اللہ شریف یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا اشد حرام ہے کیونکہ گستاخی اور ایمان سوز بے ادبی ہے۔ زید کا مسلک اور قول درست اور حکمِ قرآنی کے مطابق ہے۔ صرف خالی نقشۂ نعلین پاک بنانا چاہیئے۔ آپ نے پانچ۔ بس بات یہ لکھی کہ۔ رضا اکیڈمی بمبئی کے چھپے ہوئے فتاوی رضویہ کے ٹائٹل (پہلے صفحہ) پر چھپے ہوئے نقشۂ نعلین پاک میں اللہ کا نام۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ مَاشَاءَ اللہ درود شریف۔ آیتِ قرآن لکھی ہے۔ جواب غالباً آپ لوگوں کے نزدیک یہ ٹائٹل اس طرح جوتی کے نقشے پر لکھنے کے جواز پر دلیل ہو۔ میں کہتا ہوں اگر اسی طرح کی دشمنی حرکتوں سے آپ لوگ دلیلیں لینی شروع کر دوگے تو پھر دشمن کے لیے آپ کو پاگل بنانا اور گمراہ کرنا بڑا ہی آسان ہو جائے گا۔ دشمن اس طرح کی مکاریاں بہت عرصے سے دکھاتا چلا آرہا ہے۔ یہودیوں کی انہی پُرفریب مکاریوں نے آج تک عیسائیوں کو پاگل بنایا ہوا ہے۔ پہلے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا جب عیسائیوں کے انتقام کا خوف ہوا تو کفارے کا مسئلہ بنا کر اُسی صلیب کے ذریعے تمام دنیا کے عیسائیوں کو مشرک بنایا گیا، پھر کفارے کے فائدے سمجھاتے ہوئے تمام عیسائیوں کو بے عمل بلکہ بدعمل بنایا گیا اور شریعت کو لعنت کہلایا گیا۔ یعنی مسیح ابنُ اللہ نے خود مصلوب ہوکر اگلے پچھلے تمام عیسائیوں کا کفارہ دے دیا اور آئندہ سب کو شریعت کی لعنت (مصیبت) سے چھڑا لیا۔ اور آج تک تمام دنیا بھر کے عیسائی یہود یانہ مکر کے شکار بن کر اپنی آخرت تباہ کئے ہوئے ہیں۔ اور حماقت کی انتہا یہ کہ خود اپنی بائبلوں انجیلوں میں لکھتے پڑھتے سنتے بھی ہیں کہ یسوع مسیح یہودی قاتلوں دشمنوں ڈھونڈنے والوں سے چھپتے پھرتے تھے۔ روتے تھے۔ اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا شَبَقْتَنِیْ کہتے تھے۔ ترجمہ۔ اے اللہ۔ اے اللہ کیوں چھوڑ دیا تو نے مجھ کو۔ ان ظالموں میں۔ مگر دشمنوں نے پھر بھی پکڑ پکڑا کر صلیب چڑھا دیا۔ (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۴۶ ص ۳۳) کوئی پوچھے ان حمقا سے کہ جو صلیب سے چھپتا پھرے جس کو پکڑ کر تلاش کر کے صلیب چڑھایا جائے کیا اُس نے کفارہ دیا ہے

اور کیا اس طرح کے جبری قتل کو کفارہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر عیسائی اِن مکاریوں پر غور ہی نہیں کرتے اور پاگل بنتے ہوئے ہیں ہم مسلمان عیسائیوں کی ان بیوقوفیوں پر ہنستے ہیں۔ لیکن میرے مسلمان بھائیوں کو اب کیا ہو گیا ہے کہ جو عیّار دشمن کے عیّارانہ نرغے میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ نامعلوم کس عیّار دشمن نے بمبئی میں دشمن اکیڈمی کھولی اور نام رضا اکیڈمی رکھ کر ناجائز مفاد حاصل کیا۔ ٹائٹل پر گستاخانہ طریقے سے نقشۂ تعلین پاک چھاپ کر دشمنوں کو اعلیٰحضرت کے خلاف بولنے کا موقعہ فراہم کیا۔ اگر اسی طرح کے کمزور اور احمقانہ دلائل کا سہارا لیا جائے تو پھر اعلیٰحضرت کی حدائق بخشش حصّہ سوم میں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند اشعار میں سخت ترین توہین و گستاخی بے ادبی کرنیکی غرض سے یہ اشعار ملاوٹ کئے اور بعد میں خود ہی اچھالا کہ دیکھو سنیوں کے اعلیٰحضرت نے کیا لکھدیا۔ یہ بھی دشمن اکیڈمی نے کیا اور وہ بھی سوم یہ کہ اعلیٰحضرت ہی کی کتاب ملفوظات حصّہ چہارم مطبوعہ فرید بک سٹال صـ۳۶۱ پر ایک آیت کریمہ کو غلط لکھا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ حالانکہ اصل آیت۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ ہے ملفوظات میں آیت غلط چھاپی گئی ہے اور اب تک چھپتی ہی چلی آ رہی ہے کسی کو اس کا ہوش نہیں اِس کا قہر بروزِ قیامت کس پر پڑے گا؟ یا پھر اگر کوئی زید واویلا کرے تو بیچارے پر فتوے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ یہ وہ چھوٹی چھوٹی دشمنوں کی عیّارانہ ملاوٹیں ہیں جس نے نادان عقیدت مندوں کو پاگل بنایا ہوا ہے اور خود اُن ہی دشمنوں نے اعلیٰحضرت کے خلاف زبان درازی کرنے کا موقعہ نکالا ہوا ہے۔ اور آپ لوگ ہیں کہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اعلیٰحضرت کی کتاب میں یہ لکھا گیا ہے۔ بس دل و جان سے فدا ہیں اگر کوئی واویلا کر کے سچی بات سمجھانا چاہتا ہے تو اُس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ مگر دشمنِ عیّار کی چالوں کو نہیں سمجھتے اسی طرح اعلیٰحضرت کی کتاب احکامِ شریعت میں بہت سے غلط مسائل چھپ گئے اور ملفوظات کے بعض مسائل کی تردید تو خود اعلیٰحضرت کے چھوٹے فرزند مفتئ اعظم ھند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کو فرمانی پڑی۔ اب بتائیے کہ کیا یہ غلطیاں صرف اس لیے مان لی جائیں کہ اعلیٰحضرت کی کتابوں میں چھپی ہیں یا چھاپ دی گئی ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ ان اکیڈمیوں نے اپنی حماقتوں سے کئی ایسے غلط کام بھی کیے ہیں جس سے اعلیٰحضرت کی بدنامی ہوتی ہے حالانکہ اعلیٰحضرت بریلوی کی ذاتِ طیّبہ طاہرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے جو نقشۂ نعلین پاک تخریج لکھکر فرمایا تھا اُس پر کچھ نہیں لکھا بالکل خالی ہے۔ جس کی زیارت کرنے والے اب بھی بہت سے بزرگ موجود ہیں مگر آپ لوگوں کو پھر بھی لکھنے اور لکھ کر بے ادبی کا ارتکاب کرنے پر اصرار ہے۔ کراچی کے ایک بزرگ نے تو اس شر انگیز ایمان سوز حرکت کے جواز پر ٹوکرا بھر کر اپنے حق میں تین تین سطری فتوے بھی حاصل کر لیے اور اُن مولویوں اور صاحب زادوں نے جن کی عمر تعویذ لکھنے میں گزری تعویذ چھوڑ کر محض اُن بزرگ کو خوش کرنے کے لیے فتویٰ نویسی میں لگ پڑے اور اسلام کی اس سپریم کورٹ عدالت کے وقار و مرتبے کے حقوق کا بھی خیال نہ رکھا۔ اُن شہزادوں کو یہ معلوم ہی نہیں کے فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ نہ روایت کا پتہ نہ درایت کا شعور نہ استنباط کا ملکہ نہ سیاق کا حافظہ نہ سیاق کی بصیرت نہ تخریج کی علمیت نہ تصحیح کی فہمیت نہ تحقیق کی محنت نہ تفتیش کی عادت اور شوق ہے مفتی فلاں کہلانے کا یہ فتوے یا تو خوشامدانہ لکھوائے گئے ہیں یا چاپلوسانہ لکھے گئے ہیں، ہمارا یہ اندازہ ان کمزور بے دلیلی گھسی گھسائی تحریر اور غیر مفتیوں کی قلم زنی سے ہے۔ ورنہ اہلِ فتویٰ حضرات اس طرح جلد بازی اور وَجَدْنَا آبَائَنَا کا مظاہرہ نہیں کیا کرتے یہ اس زمانے قربِ قیامت میں عجیب اور خطرناک شوق پیدا ہو گیا ہے کہ ہر جاہل تبلیغیہ بنا پھرتا ہے۔ اور ہر کسلمند مفتی۔ تَعَالَى اللهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

9/11/94

کتبہ

دسواں فتوای

لمبے دن اور لمبی راتوں کا بیان اور اُن دنوں میں نماز وروزے کی ادائیگی کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ دنیا میں بعض علاقے ایسے بھی پائے گئے ہیں جہاں نظامِ شمسی کے تحت سال بھر میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے۔ احادیثِ کریمہ بلکہ نصِّ قطعی سے یہ ثابت ہے کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ چھ ماہ کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ تو فرمایا جائے کہ وہاں اُن علاقوں کے مسلمان باشندوں پر روزہ فرض ہے یا نہیں۔ اور اگر فرض ہیں تو دنیا کے کون سے علاقہ کی یومیہ مقدار کو مدِّ نظر رکھا جائے گا۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔
دستخط سائل۔ قاضی نور حسین معرفت صوفی فضل حسین، نزد ڈاکخانہ سکھو تحصیل گوجرخان ۲/۱۰/۹۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

میری مشاہداتی تحقیق کے مطابق پوری سرزمینِ آبادیات میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں چھ مہینے مسلسل دن رہے اور پھر موسمِ سرما میں چھ ماہ مسلسل رات رہے، نا معلوم سائل نے ایسے علاقوں کو کہاں سے پایا کہ جہاں انسانی آبادی بھی ہو اور چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات بھی ہو میں نے اپنی سفری زندگی میں بہت دور دراز کے سفر کئے ہیں، مثلاً برطانیہ فرانس سویڈن ناروے ڈنمارک وغیرہ وغیرہ۔ اِن میں کہیں بھی ایسا نہ کبھی سنا گیا نہ دیکھا ہاں البتہ یورپ کے بعض علاقوں میں موسم گرما کے کچھ دن بہت

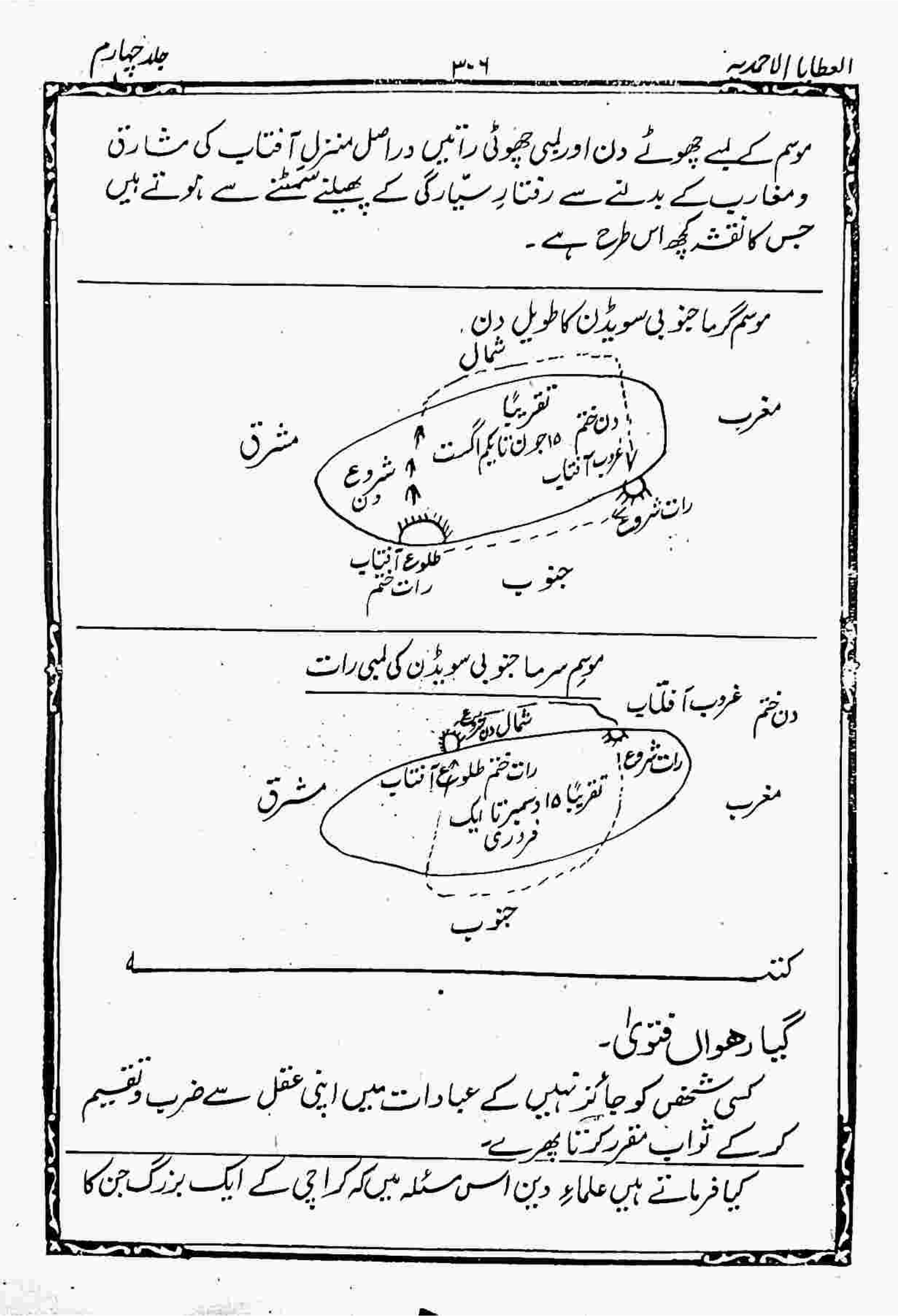
درازے ہوتے ہیں اور سردیوں کی کچھ راتیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ مگر یہ چھوٹا بڑا ہونا چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی ہوتا ہے چوبیس گھنٹوں سے تجاوز نہ کبھی کسی جگہ کے دن میں ہوتا ہے نہ کبھی کسی جگہ کی رات میں مثلاً جنوبی ناروے میں بائیس جون کا ایک دن تئیس ۲۳ گھنٹے کا اور رات فقط ایک گھنٹے کی ہوتی ہے باقی علاقوں میں۔ گرمی کا موسم مثلاً جون جولائی اگست کے چند دن اٹھارہ اور بیس بائیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں اور راتیں چھ۔ چار اور دو گھنٹوں کی۔ اسی طرح سردیوں میں راتیں اسی حساب سے لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔

علامہ شامیؒ نے اپنے فتاویٰ شامی جلد اوّل کتابُ الصّلوٰۃ۔ مطلب فِیْ فَاقِدِ وَقْتِ الْعِشَاءِ کَاَھْلِ الْبُلْغَارِ میں ص ۲۳۵ پر فرمایا فَاِنَّ فِیْھَا یَطْلُعُ الْفَجْرُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ فِیْ اَرْبَعِیْنَۃِ الصَّیْفِ۔ ترجمہ۔ پس بے شک علاقۂ بلغاریہ میں گرمیوں کی چالیس راتیں ایسی آتی ہیں جب کہ غروبِ آفتاب کی شفق غائب ہونے سے پہلے فجر صادق کی روشنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت میں نے بہ نظرِ خود برطانیہ سویڈن ڈنمارک کے بعض علاقوں میں دیکھی۔ علامہ شامی اُن علاقوں میں عشا کی نماز کے بارے علما کے دو قول پیش کرتے ہیں ۱۔ بعض نے فرمایا کہ وہاں اُن راتوں میں موجود مسلمانوں پر نمازِ عشا فرض ہی نہ ہو گی اِس لیے کہ نمازوں کی فرضیت کا سبب اُن کے اپنے اپنے وقت ہیں عشا کی نماز کا وقت شفق غائب ہونا ہے جب شفق ہی غائب نہ ہو تو وقت نہ آیا اور سببِ نمازِ عشا نہ پایا گیا لہٰذا عشا فرض ہی نہ ہوئی۔ ۲۔ بعض علما نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ سببِ نماز اُس کے وقت کا ظہور ہو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اتنی مقدار کا اندازہ بھی سببِ فرضیتِ نماز بن جاتا ہے جیسا کہ دجّال کی حدیث پاک میں اندازے کو سببِ فرضیت نماز فرمایا گیا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ پہلا اس لیے کہ وہ علما فرماتے ہیں کہ چونکہ سببِ فرضیت غروبِ شفق یعنی شفق کا غائب ہونا ہے اس لیے نمازِ عشا فرض ہی نہ ہوئی یہ قول اس لیے غلط ہے کہ میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق شفق غائب ہو جاتی ہے اگرچہ

آدھی رات کو ہو۔ اس طرح کہ شفق دو قسم کی ہے۔ پہلی شفق سرخی مغربی کناروں کی دوم آسمانی کناروں کی سفیدی۔ ہر جگہ غروبِ آفتاب کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفیدی جب سفیدی غائب ہو جاتی ہے تو پھر سیاہی آتی ہے اب فقہائے مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے کہ شفق کس چیز کا نام ہے امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ شفق نام ہے سفیدی کا اور صاحبین یعنی امام یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ شفق نام ہے سرخی کا۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ شفق کے غائب ہو جانے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص۶۲ پر ہے۔ ثُمَّ الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ فِي الْأُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا هُوَ الْحُمْرَةُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلشَّفَقُ هُوَ الْحُمْرَةُ۔ ترجمہ۔ پھر شفق وہ سفیدی ہے جو آسمان کے مغربی کناروں میں ہو سرخی کے بعد امام اعظم کے نزدیک، لیکن صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کا نام ہے یہی ایک روایت میں امام اعظم کا قول ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی شفق سرخی کا نام ہے اور ان سب کی دلیل نبی کریم آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مقدس ہے کہ شفق وہ سرخی ہے اگرچہ ان اختلافی مسالک میں امام اعظم کا مشہور مسلک باعتبار استنباط کے مضبوط ہے مگر اُن یورپی علاقوں میں ہم صاحبین کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے سرخی کو شفق تسلیم کرتے ہیں تاکہ وقتِ عشا حاصل ہو جائے۔ اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ رات کو کبھی بارہ بجے کبھی ایک کبھی ڈیڑھ بجے سرخی غائب ہو جاتی ہے سرخی کو شفق تسلیم کرنے کی صورت میں گویا بارہ ایک بجے گرمیوں کے اُن طویل دنوں میں عشا شروع۔ پھر تقریباً آدھا گھنٹہ بعد فجرِ صادق۔ وہاں کے محتاط مسلمان اس آدھے گھنٹے میں نمازِ عشا ادا کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان مخصوص چند ایام میں سونے کا وقت میسّر نہیں آتا تہجد کے عادی محروم تہجد رہتے ہیں مگر فرضیتِ عشا قائم و دائم رہتی ہے۔ غرضکہ بلغاریہ یا دنیا کے کسی علاقے میں کوئی ایسا پہاڑی یا غیر پہاڑی (میدانی) مقام نہیں ہے جہاں چھ ماہ کا

دن یارات تو درکنار ایک ماہ یا ایک ہفتہ بھی مسلسل گرمیوں میں دن اور سردیوں میں رات طاری رہے اور رات کا اندھیرا یا دن کا سورج ظاہر رہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے اوپر بیان کیا کہ سویڈن ناروے وغیرہ میں گرمی میں دن اور سردی میں رات تقریباً بنتا یعنی ایام سردیوں میں صرف ایک گھنٹہ سورج ظاہر رہتا ہے اور گرمیوں میں صرف ایک گھنٹہ غروب رہتا ہے یعنی گرمی میں تیئس گھنٹے کا دن اور ایک گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں ۲۳ گھنٹے کی رات اور ایک گھنٹے کا دن ہوتا ہے یہ نظارہ صرف چند دن ہوتا ہے اسی گھنٹے میں پندرہ بیس منٹ کے پہلے شفقِ احمر سمتِ مغرب غائب ہوتی ہے۔ پس یہی پندرہ بیس منٹ وہاں کا وقت عشا ہے۔ پھر صبح یعنی ایک گھنٹے کے بعد سمتِ مشرق میں سورج نکلنے سے پہلے صبح صادق کا دھاگہ بھی نظر آتا ہے اور فجر شروع ہو جاتی ہے یہ بھی تقریباً پندرہ بیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اکثر سیّاح لوگ ان چند مہینوں کے ان مخصوص دنوں میں اُن عجائباتِ قدرت کا نظارہ کرنے جاتے ہیں۔ مقامی ومسافر سیّاح مسلمان اسی حساب سے اپنی نمازیں ادا فرماتے ہیں۔ بعض مقامی ومسافر وہابیوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ نہ عشا پڑھتے ہیں نہ فجر وہ کہتے ہیں کہ یہاں عشا اور فجر شروع ہی نہیں ہوتی لہٰذا فرض ہی نہیں ہوئی۔ ہم نے بہت سمجھایا شفق کے غائب ہوتے فجر صادق کی روشنی کے سفید دھاگے (خیط ابیض) کے دیکھنے کی دعوت دی کہ آؤ دیکھو۔ مگر بستروں میں پڑے پڑے انکار کرتے رہے ہمارا کہنا نہ مانا تو یہ اُن کی ابلیسیانہ کسل مندی ہے۔ اس طرح کے نظارے اُن علاقوں میں ان چند مخصوص دنوں میں روزانہ ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہو جاتا ہے۔ باقی ایام پھر اپنی اصلی حالت پر آتے جاتے ہیں۔ اور تمام برطانیہ میں، سویڈن ناروے کے باقی مغربی مشرقی علاقے میں سب سے بڑا دن موسم گرما میں انیس[۱۹] گھنٹے کا۔ رات پانچ گھنٹے کی۔ موسم سرما میں رات انیس یا بیس گھنٹے کی دن چار پانچ گھنٹے کا گرمی کے موسم میں برطانیہ میں ہم نے خود بیس گھنٹے کا روزہ رکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کہیں بھی چھ ماہ کا مسلسل دن یارات نہیں ہوتی۔ یورپی ملکوں کے یہ بدلتے

موسم کے لمبے چھوٹے دن اور لمبی چھوٹی راتیں دراصل منزلِ آفتاب کی مشارق ومغارب کے بدلنے سے رفتارِ سیّارگی کے پھیلنے سمٹنے سے ہوتے ہیں جس کا نقشہ کچھ اس طرح ہے۔



کتبہ

گیارھواں فتویٰ۔

کسی شخص کو جائز نہیں کے عبادات میں اپنی عقل سے ضرب وتقسیم کرکے ثواب مقرر کرتا پھرے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ کراچی کے ایک بزرگ جن کا

تعلق ایک تبلیغی جماعت سے ہے انہوں نے حال ہی میں ایک چھوٹا سا پمفلٹ شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ اُنچاس کروڑ نمازوں کا ثواب۔ اس چند ورقی پمفلٹ میں انہوں نے دو حدیثیں مبارکہ کو جمع کر کے لکھا ہے کہ راہ خدا عزّ وجلّ میں نکلنے کے لیے نماز۔ روزہ اور ذکر اللہ کا ثواب انچاس کروڑ گنا ہو جاتا ہے۔

پہلی حدیث پاک ابن ماجہ شریف ص۱۹۸ سے منقول ہے۔ مَنْ اَرْسَلَ بِنَفَقَةٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَقَامَ فِیْ بَیْتِہٖ فَلَہٗ بِکُلِّ دِرْھَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْھَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَنْفَقَ فِیْ وَجْھِہٖ ذَالِكَ فَلَہٗ بِکُلِّ دِرْھَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفِ دِرْھَمٍ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَةَ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

دوسری حدیث پاک۔ ابو داؤد شریف جلد اول ص۳۳۸ سے منقول ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ وَالصِّیَامَ وَالذِّکْرَ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔ ان دونوں حدیثوں کو جوڑ کر وہ اس طرح ضرب دیتے ہیں کہ راہِ جہاد میں ایک درہم کا ثواب خود مجاہد کو سات لاکھ درہم اور غیر مجاہد کو سات سو درہم برابر ہے اور نماز روزہ۔ ذکر اللہ کا ثواب راہِ جہاد میں خرچ کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ یعنی اگر مجاہد کا ثواب حدیث دوم میں مراد ہے اور نماز روزہ۔ ذکر اللہ کا ثواب راہِ جہاد میں خرچ کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ۔ یعنی اگر حدیث دوم کی فی سبیل اللہ سے کسی غیر مجاہد کے خرچ کا ثواب مراد ہو تو ایک نماز۔ ایک روزے۔ ایک بار ذکر اللہ کا ثواب سات سو دفعہ سات سات سو ہوگا۔ وہ بزرگ اپنے اس پمفلٹ میں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میری جماعت میں شامل ہو کر جو شخص راہِ خدا میں تبلیغ اور تعلیم کے لیے نکلے گا اُس کو واپس آنے تک ہر نماز ہر روزے اور ہر ایک بار ذکر اللہ کرنے کا ثواب انچاس کروڑ نماز۔ انچاس کروڑ روزوں کا ثواب ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہاں ایک عالم دین زید کہتے ہیں کہ ایسا کہنا لکھنا کفر

ہے اور جو اس قول وتحریر کو درست سمجھے وہ گمراہ ہے۔ زید کی دلیل یہ ہے کہ ثواب
دینا صرف رب کا کام ہے۔ کسی شخص کا اپنے کسی گروہ کے لیے ثواب کا اس
طرح ٹھیکہ کرنا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے اور جو اللہ پر افتریٰ باندھے وہ ظالم
ہے اور ظالم کافر ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید کی سورۂ انعام کی آیت ۱۴۴ میں ارشاد
الٰہی ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ
عِلْمٍ۔ ترجمہ۔ اُس جاہل آدمی سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ
پر افتریٰ باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے علم کے بغیر ہی۔ اور سورۂ آلِ عمران
آیت ۹۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ترجمہ۔ جو شخص اللہ
تعالیٰ پر بناوٹی جھوٹی بات کا افتریٰ باندھے تو وہ ہی لوگ ظالم ہیں۔ اور
سورۂ مائدہ آیت ۱۰۳ میں ارشادِ پاک ہے۔ وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ ترجمہ۔ اور لیکن کافر لوگ ہی اللہ پر جھوٹ کا افتریٰ
باندھتے ہیں۔ اِن آیت سے ثابت ہوا کہ جس چیز کا یقین نہ ہو نہ کہیں ثبوت ہو
تو وہ جھوٹی اور بناوٹی بات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹی بات بناوٹی قول
کا اپنی عقل سے تخمینے لگا کر افترای باندھنا ظالم کافر لوگوں کا کام ہے۔ اور
لوگوں کو گمراہ کرنا ہے بے علمی اور جہالت سے۔ کتنا بڑا مکر اور ظلم ہے کہ
صرف اپنی جماعت بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو اپنچاس کروڑ ثواب دینے
کا پابند کر دیا گیا۔ حالانکہ اس ضرب کا ثبوت نہ زبانِ نبوت سے نہ عملِ صحابہ و
تابعین تبع تابعین سے نہ اقوالِ ائمہ مجتہدین سے۔ اس لیے اِن بزرگ صاحب
کا اس طرح پمفلٹ لکھ لکھ کر قوم کو گمراہ کرنا حدودِ شریعت سے تجاوز کرنا
ہے۔ اور قرآنِ مجید سورۂ بقرہ آیت ۔ ۲۲۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ترجمہ۔
اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتے ہیں تو وہ لوگ ہی ظالم ہیں۔ اور
سورۂ طلاق آیت ۱ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ ترجمہ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑے

تو اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ ثواب بھی اللہ تعالیٰ کی حدود میں ہے۔ ان بزرگ نے ان حدود کو توڑ کر من مرضی کا ثواب اپنے قلم کی ضرب و تقسیم سے مقرر فرمالیا۔ تو بحکم قرآنی اپنی ہی جان پر ظلم کیا محض مقصود ہے تعداد مریدوں کی بڑھائی۔ مگر بکر جو اُن بزرگ کا عقیدت مند ہے اور خود کو مفتی کہتا ہے۔ اُس نے تحریری طور پر ایک فتویٰ جاری کیا ہے کہ یہ پمفلٹ نہ کفر ہے نہ گمراہی۔ اس رسالے کے حق میں بہت سے علما کی تائیدیں و تصدیقیں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ پمفلٹ اہل سنت کے مسلک کی تبلیغ اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک رسالے انوار البشارۃ میں ایک مقام پر پیدل حج کی نیکیوں کے ثواب پر ضرب دی ہے، حالانکہ نہ صحابہ سے ضرب ثابت نہ ائمہ مجتہدین سے۔ اسی طرح بہار شریعت حصہ ششم ص۷۵ پر ہے کہ ہو سکے تو پیادہ حج کو جاؤ کہ جب تک مکہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں لکھی جائیں گی یہ نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں۔ اور اللہ کا فضل اس اُمت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے بے شمار ہے۔ بکر کہتا ہے کہ مصنفِ بہارِ شریعت کا یہ تخمینا ضرب ہی تو ہے حالانکہ یہ تخمیناً بھی کسی حدیث میں صراحتاً نہیں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے۔ آپ کے نزدیک اس طرح دو حدیثوں کو جمع کر کے ضرب دینا جائز ہے یا نہیں۔ ان بزرگ صاحب نے اپنی حمایت میں بہت سے فتوے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ جن کی مہریں تو بہت بڑی بڑی ہیں مگر عبارتیں بہت پھُس پھُسی اور کمزور چند سطری ہیں۔ اور مفتیان بھی غیر معروف قسم کے لوگ ہیں۔ بہر کیف ہم وہ پمفلٹ اور تمام فتووں کی فوٹو کاپی بھیج رہے ہیں۔ جوابی لفافہ بھی ہمراہ ہے براہِ کرم جلدی جواب عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ ارشد محمود سرائے عالمگیر ضلع جہلم۔ بازار کلاں ۹۵/۵/۱۳

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

سائل محترم کی طرف سے ہم کو بذریعہ ڈاک چھ چیزیں وصول ہوئیں ۱۔ سائل

کا استفتا ۲ استفتا میں زید کا بیان ۳ اور بکر کا بیان ۴ اُن بزرگ صاحب کا مصدقہ مطبوعہ پمفلٹ ۵ بارہ تبرہ منقولہ فتاوی ۶ جوابی لفافہ۔ ہر چیز کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ جواب تحریر کر کے بھیجا جا رہا ہے۔"قانونِ شرعی کے مطابق زیر مطالعہ مرسلہ استفتا میں زید کا بیان بھی درست نہیں ہے اور بکر کا بیان بھی درست نہیں ہے۔ زید کا اس پمفلٹ کی تحریرات کو کفر کہنا اُس کی جلد بازی اور جذباتی کیفیت کا مظہر ہے۔ کسی چیز کو کفر کہنا اتنا آسان نہیں جتنا آج کل سمجھ لیا گیا ہے۔ نہ ہی جلد بازی میں گمراہی کا حکم جاری کرنا درست ہے۔ زید کے مندرجہ فی السؤال آیات سے کفر و گمراہی پر استدلال بھی کمزور ہیں۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس پمفلٹ کی اشاعت سے فساد کا ایک نیا دروازہ کھولنا ہے اور باطل کو بھی من پسند ثوابات کی نئی نئی اختراعات کا موقعہ دینا ہے جس سے عبادات الٰہیہ اور اُن کے اجر و ثواب ایک کھیل بنکر رہ جائیں گے اور اس طریقۂ قبیحہ و بدعتِ سیئہ کا سارا وبال اِس پمفلٹ کے مصنف پر وارد ہوگا۔ بکر کا قول چار وجوہ سے غلط ہے۔ پہلی یہ کہ بکر کہتا ہے کہ یہ پمفلٹ مسلک اہل سنّت کی تبلیغ اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ اس طرح کی غلط باتوں سے تبلیغِ دین ہوتی ہے نہ گمراہی کی روک تھام۔ اہل سنت والجماعت ایک سچا مسلک ہے اُس کی تبلیغ بھی سچائی و یقینی کی باتوں سے ہوسکتی ہے نہ کہ نو ساختہ اختراعات و کذبیات سے دوم یہ کہ بکر کہتا ہے۔ اس رسالے (پمفلٹ) کے حق میں بہت سے علما کی تصدیقیں و تائیدیں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ فی زمانہ تائیدیں حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں اور نہ ہی ہمنواؤں کی تائیدیں تقریظیں جمع کر لینا کسی بات کی حقانیت کی دلیل ہے رہا یہ کہنا کہ تصدیقیں حاصل کی گئی ہیں۔ تو خیال رہے کہ کسی چیز کی تصدیق حاصل نہیں کی جاتی بلکہ صدق کی تصدیق اُس کی اپنی صداقت ہوتی ہے اور صداقت دلائل سے ہوتی ہے نہ کہ کسی باتوں سے۔ سوم یہ کہ بکر کہتا ہے اعلیحضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی کتاب انوار البشارہ میں ایک جگہ نیکیوں کے ثواب پر ضرب لگائی ہے بکر کی یہ انتہائی غلط

بیانی یا نادانی کم فہمی سے ہے یا جہالت سے۔ اعلحضرتؒ نے انوار البشارہ میں ضرب نہیں لگائی۔ بلکہ پیادہ حاجی کے قدموں کو جمع کر کے جاتے اور آتے ہر قدم کے سات سو ثواب کو جمع فرمایا ہے اور یہ ثواب بھی اعلحضرت خود نہیں بانٹ رہے بلکہ ایک حدیثِ مقدسہ کے ایک فرمان کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں آپ کی کتاب انوار البشارہ مکمل چھپی موجود ہے۔ اس میں ص۷۰۵ پر لکھا ہے جب آفتاب نکل آئے منیٰ کو چلو اور ہو سکے تو پیادہ کہ جب تک مکہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس سے آگے اس ثواب اور قدموں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سو ہزار کا لاکھ۔ سو لاکھ کا کروڑ۔ سو کروڑ کا ارب سو ارب کا کھرب یہ نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں۔ اعلحضرت نے یہ جمع کا اندازہ یقیناً خود بہ راستہ از مکہ مکرمہ تا منیٰ پھر تا عرفات پھر واپس تا منیٰ و مکہ مکرمہ پیدل چل کر ہی قدم گنکر ہی لگایا ہوگا اور اس طرح زبانی یا تحریر کر کے جمع فرمایا ہوگا۔ بہار شریعت نے خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ انوار البشارہ کی عبارت بعینہٖ نقل فرما دی مگر مصنف یا کتابت کی غلطی یہ ہو گی کہ۔ ہر قدم پر سات سو نیکیاں کی بجائے۔ یہ لکھ ڈالا کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں۔ یہ تھا بکر کا غلط بیان بیچارے کو جمع اور تقسیم کا فرق بھی معلوم نہیں۔ چہارم یہ کہ بکر لکھتا ہے۔ تخمیناً ضرب ہی تو ہے۔ یہ بھی بکر کی جہالت ہے کہ تخمینے کو ضرب کہہ رہا ہے۔ حالانکہ ضرب یقینی ہوتی ہے اور جمع کا اندازہ ہوتا ہے اور تخمیناً کا معنیٰ اندازہ ہے اور اندازے میں یقینیت نہیں افراط و تفریط ہو سکتی ہے۔ ان بیانات کے علاوہ کچھ تحریری فتاویٰ کی نقلیں بھی مجھے وصول ہوئیں۔ میں نے ان تمام فتاویٰ کا بغور مطالعہ کیا۔ ان ہی فتاویٰ کے متعلق بکر کہتا ہے کہ یہ فتاویٰ جو علماءِ کرام نے لکھے وہ مصنف کے بیٹے خود اُن کے اس رسالے (پمفلٹ) کے حق میں تائیدوں اور تصدیقوں میں حاصل کئے گئے ہیں۔ فتاویٰ کی غیر مدلل اور کمزور عبارات کو دیکھ کر بکر کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ فتاویٰ حق نوازی کے لیے نہیں بلکہ اپنی ضد پرستی۔ مسلک بچانے کی خاطر خوشامدانہ

حاصل کیئے گئے فتاوی ہیں بھی اُن مفتیان کرام نے زیادہ تر اُن بزرگ صاحب کی شخصیت کے احترام کا پہلو مدِ نظر رکھا ہے نہ کہ عدالتِ اسلامیہ کے عدل وانصاف کا۔ حالانکہ مفتیٔ اسلام کو عادل قاضی اور انصاف پسند جج کے مقام پر بیٹھا ہونا چاہیئے اُس کا قلم تو میزانِ عدل ہونا چاہیئے اِس کرسی پر کسی ذاتی عقیدت کا احترام انصاف کے خون کے مترادف ہے اور فریق ثانی کے لیے زہر قاتل ایسے ہی فتاوی پہلے زمانوں کے بادشاہوں کو تائید باطل کے لیے بہت مل جاتے تھے۔ ہر ضد پرست اپنے غلط مسلک اور فاسد نظریے کو بچانے اپنی ضد قائم رکھنے حق سے ٹکر لینے کے لیے ہر دور میں کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی طرح حاصل کرتا رہا۔ اِن فتووں کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان بزرگ صاحب کا ارادہ جستجوءِ حق نہیں صرف ہٹ دھرمی قائم رکھنا ہے۔ اس کے بعد اس پمفلٹ کا مطالعہ کیا گیا۔ اس پمفلٹ میں چھ قولی ایسی نادانیاں ہیں جو سراسر اللہ رسول اور شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔ پہلی یہ کہ مصنف مذکور نے اپنی نادانی کم عقلی سے نہایت ہی غلط بات انچاس نمازوں کا ثواب مقرر کر کے اللہ تعالیٰ کی ایک خصوصی صفت میں دخل اندازی کا ارتکاب کیا یہ کام آقاءِ کائنات نے بھی باوجود مختارِ کل ربُّ العلمین کی محبوبیت رحمۃُ اللعٰلمین کی فضیلت والے ہونے کے نہ کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہ کسی صحابہ نے نہ تابعین نہ تبع تابعین نہ صاحبِ اجتہاد ائمہ مجتہدین نے نہ اولیا نہ علما نے نہ اعلٰحضرت مجدد بریلوی نے نہ صدر الشریعت صاحبِ بہار شریعت نے۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی موقعہ پر کسی نیکی کے ثواب پر دُگنا تگنا ثواب بیان فرمایا بھی تو فوراً ہی ارشاد فرما دیا کہ

وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۶۱)

یعنی یہ جو ثواب میں نے بیان کیا ہے یہ میری اپنی طرف سے نہیں نہ میں ثواب دینے والا ہوں بلکہ یہ تمام ثوابات ہر نیکی کا اجر سینکڑوں گنا کر کے اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے وہ ہی ذاتِ باری جَلَّ مَجْدُہٗ جس کا چاہے جتنا چاہے ثواب بڑھا دے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمانے والا ہر چیز کو جاننے

والا ہے۔ اسی طرح کی ایک حدیث پاک میں پیدل حج کرنے والے یعنی مکہ سے منیٰ عرفات تک اور واپس مزدلفہ منیٰ اور مکہ مکرمہ تک پیدل آنے جانے والے حاجیوں کے لیے ہر قدم پر سات سو قدم کے برابر ثواب ارشاد فرمایا تو اعلیٰحضرت نے ان قدموں کو غالباً خود پیدل چل کر گن کر قدم اور ان کا سات سو گنا ثواب صرف جمع فرماکر بتایا ہے۔ مصنف مذکور اپنی نادانی سے اس جمع کو ضرب سمجھ بیٹھا اور اپنی عقیدت مذموم کے سامنے اعلیٰحضرت کے برابر بننے کی کوشش کرتے کی ٹھانی کہ جب اعلیٰحضرت ضرب دے سکتے ہیں تو میں کیوں کسی سے کم رہوں اور نہایت مفسدانہ نانا بانا بن کر ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا۔ اور اہل باطل کو من مانیاں کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اس سے پہلے ایک وہابی تبلیغی جماعت والے بھی اسی قسم کی حماقت کے پردے میں گستاخی کرتے چلے آرہے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ تبلیغ میں نکلے گا اس کو ہر نماز کا ثواب سات لاکھ نماز ملے گا۔ اسی بہانے کہتے پھرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی مسجد کا ثواب ایک لاکھ اور مسجد نبوی کا ثواب پچاس ہزار لیکن ہماری مسجد نور میں تبلیغ سننے اور نماز پڑھنے کا ثواب فی نماز سات لاکھ ہے اور بد بخت لوگ مسلمانوں کو مسجدِ حرم شریف و مسجد نبوی سے اٹھا اٹھا کر اپنی قریبی بنائی مسجد میں آنے کی دعوت دیتے مجبور کرتے ہیں۔ وہ تو بد بخت ہیں ہی جہنم کے گستاخ و کذاب مگر میں تو حیران اِن بزرگ کی عقل پر ہوں کہ ان کو بیٹھے بٹھائے کیا سمائی کہ نقلِ شیطاناں کر بیٹھے ہمیں اِن کی نیت میں فتور نہیں لگتا۔ خلوص ہی ملتا ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ وہ خدشہ جو مستفتی سائل نے اپنے سوال میں لکھا ہے کہ وہ بزرگ اپنے اس پمفلٹ میں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ صرف میری جماعت میں شامل ہو کر چلنے والوں کو یہ ثواب ملے گا (الخ) یہ الفاظ پمفلٹ مذکورہ میں مجھے نظر نہیں آئے ۲۔ یہ کہ انہوں نے چند احادیث کا ذکر کر کے صاف گوئی سے یہ کہہ دیا کہ اگرچہ صریحی حدیث شریف کوئی بھی اس ثواب اور ضرب ثواب کے بارے میں میری نظر سے نہیں گزری۔ اِن دونوں صفائیوں سے ہمیں بزرگ کی نیت صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ صرف لوگوں کو اسلامی

تعلیم کی محبت کی طرف مائل کرنا چاہیئے تھا اگرچہ انہوں نے یہ طریقہ غلط اور نقصان دہ اختیار کیا۔ ان کو فوراً رجوع کر کے پمفلٹ ضائع کر دینا چاہیئے۔ اس پمفلٹ کی غلطی ۲ یہ کہ مصنف مذکور نے اس پمفلٹ کو لکھتے وقت اپنی عقل وفکر علم وفہم کو بالکل مدِنظر نہیں رکھا نہ علماءِ حق سے مشورہ لیا اور جب اس نئی اختراع سے ذھنوں میں انتشار پیدا ہوا تو لگے بھاگنے فتوے حاصل کرنے اور فتووں کے ٹوکرے بھرنے۔ اللہ کے بندو بعد میں جو تم نے یہ راستہ اختیار کرنا تھا تو پہلے ہی علماءِ متبحرین کے پاس آجاتے اُن کے دلائل سن کر اس باطل کام سے باز آجاتے چنگاری نہ پھیلاتے نیا دین نئی شریعت بنانے کی کوشش نہ کرتے اس قسم کے نوخیز بزرگ اور نومولود مشائخ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید تمام مسلمان حماقت کی چادریں بدمست وخرمستِ خوابِ غفلت میں پڑے ہیں ہم جو چاہیں لکھ دیں کہدیں سنا دیں۔ کان لپیٹ کر مان لیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں بقولِ شیخ سعدی۔

ممکن نیست کہ ھنرمنداں بمیرند ویے ہنراں جائے ایشاں گیرند

لوگ بے وقوف نہیں۔ اندھے عقیدت مندوں کی بات نہیں وہ تو حقانیت سے کان لپیٹ لیتے ہیں۔ مگر زیرک انسان کے دل میں ہر باطل بات کھٹک جاتی ہے اگرچہ ان کو صحیح جواب کا علم نہیں ہوتا مگر۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ پر عمل کرتے ہوئے بذریعہ استفتاء خط وکتابت حق وباطل کا فرق معلوم کرنے کی تگ ودَو اور دَوڑ دھوپ میں لگ جاتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باطل لوگ کم ازکم کھلے بندوں من مانیوں سے رُک جاتے ہیں۔ اس پمفلٹ کی غلطی ۳ یہ کہ مصنف مذکور نے اپنے اس پمفلٹ میں دو حدیثیں لکھی ہیں۔ مگر کم علمی کا یہ حال ہے کہ ظاہر متنِ مقدس کو بھی نہ سمجھا۔ اور اسی کم علمی میں اپنی بناوٹی اختراع کی طرف کھینچا تانی شروع کر دی کہ جو شخص بھی تعلیم حاصل کرنے یا تبلیغ کرنے میں نکلے اور چلے گا۔ اس کو راہِ جہاد میں خرچ کرنے والے مجاہدین سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ بیچارے کو یہ پتہ بھی نہیں کہ ابو داؤد کی حدیثِ پاک مجمل ہے اور مجمل

حدیث پاک کی شرح پر عمل و علم ضروری ہے، ابو داؤد شریف جلد اوّل صفحہ ۳۳۸ کتاب الجہاد میں مذکور حدیث پاک کے الفاظ اس طرح ہیں۔
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ وَالصِّیَامَ وَالذِّکْرَ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ۔
ترجمہ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک نماز اور روزہ اور ذکر بڑھا دیا جاتا ہے ان کا ثواب مالی خرچ کے ثواب پر اللہ کے راستے میں سات سو گنا۔ یہ حدیث اس اعتبار سے مجمل ہے کہ کس کی کس نماز روزے اور ذکر کا ثواب جہاد میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی لفظی وضاحت متن حدیث پاک میں نہیں ہے۔ اس اجمال کی وجہ سے ان بزرگ صاحب کو اپنی من مانی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ مجمل حدیث پاک کا معنیٰ و مقصد علماءِ فقہا سے پوچھا جائے۔ اور بغیر شرح کے خود پسندی سے نچینے نہ لگائے جائیں ورنہ گمراہی کا خطرہ ہے۔ ہم اس اجمال کی تفصیل خود امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح سے پوچھتے ہیں۔ چنانچہ آپ اوّلاً۔ اس حدیث پاک کو کتاب الجہاد میں لاتے ہیں پھر اس کے لیے علیحدہ باب باندھتے ہیں۔ بَابٌ فِیْ تَضْعِیْفِ الذِّکْرِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ کا معنیٰ اسی حدیث کے ان الفاظ سے واضح ہوا کہ یُضَاعَفُ عَلَی النَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ شریف کی حدیث پاک میں۔
مَنْ اَرْسَلَ بِنَفَقَۃٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اور وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ سے مراد بھی جہاد اور غزوہ ہے۔ اس شرح کے تحت ابو داؤد شریف کی حدیث پاک کا ترجمہ یہ ہوا کہ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میدانِ جہاد میں جو مجاہد نماز روزہ۔ اور ذکر اللہ بھی کرتا رہے اور جہاد بھی تو اس کو ہر نماز ہر ایک روزے اور ہر یاد ذکر اللہ کرنے کا ثواب جہاد میں مجاہدین پر خرچ کرنے کے مقررہ بیان کردہ ثواب سے سات سو گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ ثواب صرف

میدانِ جہاد میں قتال وجہاد کرنے والے نمازیوں کے لیے ہے مگر ان بزرگ صاحب کی عقل نے کچھ اور ہی کھینچا تانی شروع کر دی۔ پھر لگے اندھے فتووں کا سہارا ڈھونڈنے نہ ان بیچارے نوخیز مفتیوں کو منشاءِ حدیثِ مقدسہ پر غور کرنے کا وقت ملا نہ ضرورت محسوس کی اسی کو کہتے ہیں عقیدت مندانہ خوشامد۔ یہی چیز مسندِ افتا اور کرسی عدل میں حرام ہے۔ اس پمفلٹ کی چوتھی غلطی۔ مصنف مذکور نے اپنے پمفلٹ میں ابن ماجہ کتاب الجہاد اور ابو داؤد کتاب الجہاد کی دوؔ حدیثوں کو لکھ کر اپنی کم علمی سے یہ سمجھ لیا کہ شاید یہ دونوں علیحدہ مضمون ہیں۔ حالانکہ دونوں حدیثِ مبارکہ کا ایک ہی مضمون ہے کہ جہادِ اسلامی کے شرکا مجاہدین تین قسم کے ہیں ۱ ایک وہ جو صرف جہاد میں اپنا مال دولت خرچ کرکے فی سبیل اللہ مجاہدین کی خدمت کرے ۲ وہ جو اپنی تلوار اور اپنی شرکت قوت سے خدمت کرے ۳ وہ جو جہادِ اسلامی قتالِ مسلمین میں نماز روزے ذکر اللہ کی پابندی بھی کرے۔ پہلے آدمی کا ثواب سات سو گنا۔ دوسرے کا ثواب سات لاکھ گنا۔ تیسرے کا ثواب۔ خرچ کرنے والے کے ثواب سے سات سو گنا زیادہ۔ اور اس میں اجمال ہے کہ یہاں کون سے خرچے کا ذکر ہے گھر بیٹھے شخص کے نفقے کا سات سو برابر ثواب سے زیادہ کا۔ یا خود مجاہد کے خرچے کے سات لاکھ ثواب سے زیادہ کا۔ یعنی مجاہد نمازی روزے دار۔ ذاکر کا ثواب دونوں خرچوں میں سے کس خرچے سے یُضَاعَف ہے۔ اس دوسری حدیث ابوداؤد میں کسی طالب علم مبلغ یا سانجھ والی مسجد میں جا کر تبلیغ سننے سنانے والے کا ذکر نہیں۔ نہ اس قسم کے ان پڑھ کم عقل بے علم مبلغین کی تبلیغ کا یہ ثواب ہو سکتا ہے نہ کسی آیت یا حدیث میں مبلغین کے اتنے ثواب کا ذکر ہے۔ میدانِ جہاد کی نماز اور ماہ رمضان مبارک میں درمیانِ جہاد روزے رکھنے اور اس ہیبت ناک حالت میں ذکر کا ثواب اتنا زیادہ ہونا اس لیے ہے کہ۔ بارگاہ ربانی سے ثوابات کی کثرت چارؔ وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مقدسہ سے ثابت ہے

ما اعظمتِ مقامات سے۔ چنانچہ احادیث مقدسہ میں ہے کہ حرم کعبہ مسجد حرم شریف مکہ مکرمہ کی مسجد، میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ فی نماز مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا پچاس ہزار ثواب فی نماز مسجد بیت المقدس میں بھی پچاس ہزار فی نماز ما۲ فضیلت شخصیات سے جیساکہ احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کی نیکیوں کا ثواب تمام اولیا علما کی نیکیوں سے زیادہ پھر تابعین پھر تبع تابعین ما۳ خلوص فی النیات جیساکہ ثابت ہے کہ جس کی عبادت میں جتنا زیادہ خلوص ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ ثواب بڑھتا جائے گا ما۴ مشقت فی العبادات یعنی عبادات میں بندے کو جتنی زیادہ مشقت اٹھانی پڑے اتنا ہی اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔ جیساکہ احادیث سے ثابت ہے کہ بیٹھ کر نماز سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ تندرست کی نماز سے بیمار کی نماز کا ثواب گھر کی آرام دہ نماز سے مسجد میں چل کر نماز سے، کھلے موسم کی نماز و عبادات سے بارش کیچڑ سردی کے موسم کی نماز کا ثواب زیادہ مکہ مکرمہ سے سواری پر منیٰ عرفات جاکر حج کرنے سے پیدل جاکر حج کرنے کا ثواب زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ تو چونکہ دنیوی زندگی میں سب سے زیادہ مشقت، مصیبت کلفت، ہیبت، خطرناک حالت جنگ کے میدان میں مجاہدین کو ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خطرناک ہولناک حالت میں بھی اپنے رب تعالیٰ کو یاد رکھنے نمازیں پڑھنے فرض روزے رکھتے رہنے والوں کو اس کثرت ثواب کی سچی بشارت عطا فرمائی ہے جو اس حدیث ابوداؤد شریف میں بیان ہوئی عقل ماری ہوئی ہے ان نوعمر بزرگوں کی جو گھسیٹ گھساٹ کر یہ ثواب اپنے گروہ کی طرف لے جانے کا چکر چلا رہے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک لڑکا آنکھیں ملتا ہوا جاہل گنوار فرہی مسجد میں جاکر آرام دہ قالینوں دریوں سردی کے گرم ہیٹروں، گرمی کے ٹھنڈے پنکھوں میں بیٹھ کر چند منٹ درس کی لکھی لکھائی تقریر کسی ان پڑھ مبلغ لڑکے سے سن لے تو آناً فاناً اس کا ثواب ان مجاہدین اسلام سے بڑھ جائے جو چل چلاتی دھوپ کی مصیبت بھوک پیاس کی شدت۔ مسافری کی کلفت خونخوار دشمن

کی حراست، قتال و جہاد کی ہلاکت اور جاں سوز مشقت میں پڑ کر اپنی جان و مال کا نذرانہ دینِ اسلام کی خاطر راہِ الٰہی میں پیش کر رہا ہے۔ اگر انسان کی عقل و دماغ فہم و شعور پر بالکل ہی تعدادِ مریدان بڑھانے کی طمعی پٹی بندھ جائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ ذرا سی لالچ ہٹا کر دیکھا جائے تو یہ انچاس کروڑ کے ثواب والا پمفلٹ قطعاً غلط نظر آجائے کہ یہ صرف نیت پرستی ہے اور کچھ نہیں کم از کم ایسی مطلب پرستی کو تبلیغِ اسلام اور خدمتِ دین نہیں کہا جاسکتا

مصنف کی پانچویں غلطی۔ اس پمفلٹ میں مصنف مذکور نے چند جگہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مرأۃ شرح مشکوٰۃ کا حوالہ پیش کیا اور یہ بتانے کی نادان کوشش کی ہے کہ حکیم الامت عام طالبعلم کو مجاہدین اسلام کا درجہ دیتے ہیں، مصنف کی یہ حرکت بھی عوام کو دھوکہ دینے یا دھوکہ کھانے کی کیفیت ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ وہ شخص جو اپنے وطن سے علم کی جستجو میں علما کے پاس گیا وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے غازی کی طرح گھر لوٹنے تک (الخ) اس عبارت میں نہ مجاہدین کی برابری کی گئی ہے نہ مجاہدین اسلام کے ثواب سے زیادتی۔ صرف اس چیز میں تشبیہ ہے کہ ان کا آنا جانا فی سبیل اللہ ہے اس لیے عبادت میں شمار ہوگا کہ یہ مجاہد حکمی ہے یا مجاہد بمعنیٰ مجاہدہ یعنی راہِ خدا میں بقدرِ وسعت و فرصت جَدّ و جُہد کرنے والا مراد ہے نہ کہ مجاہدِ حقیقی۔ ایسے حکمی مجاہد کا ثواب بھی اپنی ہمت کی بقدر ہوگا۔ مجاہدِ حقیقی کے عشرِ عشیر بھی نہ ہوگا۔ مگر مصنف مذکور اپنے اس پمفلٹ میں ظاہر ظہور میدانِ جہاد کے سربکفن زرہ پوش ہتھیار بند مجاہدین اسلام کو گھٹا کر اپنے گروہ کے لڑکوں کی شان بڑھانے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ چھٹی غلطی کرتے ہوئے۔ امام غزالی رح کی کتاب کیمیائے سعادت کے حوالے سے صـ۱۲ پر لکھتا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ۔ تمام نیکیاں جہاد کے سامنے ایسی ہیں جیسے دریائے عظیم کے سامنے ایک قطرہ اور اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہِیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ کے سامنے جہاد ایسے ہے جیسے دریائے عظیم کے سامنے ایک قطرہ۔ کیمیائے سعادت کی اصل مطبوعہ

عبارت اس طرح ہے ایضاً ایں ہم فرمود کہ ہمہ نیکیاں بمقابلۂ جہاد چناں است کہ بمقابلۂ دریاءِ اعظم قطرۂ نیست و بمقابلۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر چناں است کہ بمقابلۂ دریاءِ عظیم یک قطرہ د کیمیاءِ سعادت امام غزالی مطبوعہ نول کشور باب ۱ امر بالمعروف ونہی عن المنکر وا جب شدن صد ۳۷۸ اس عبارت میں تین ابہام ہیں ۱ یہ کہ یہ عبارت شروع ہوتی ہے ایضاً فرمود سے۔ یعنی نیز انہوں نے فرمایا۔ اس باب میں یہاں تک گیارہ سطروں میں امام غزالی نے اتنی الجھنیں بھر دی ہیں کہ پڑھنے والا پریشان ہو جاتا ہے کیا فیصلہ کرے کیا نہ کرے مثلاً پہلے کہتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب است پھر کہتے ہیں کہ فرضیت ثابت ہے۔ پھر کہتے ہیں فرض کفایہ ہے۔ حالانکہ یہ تینوں حکم ہر طرح بالکل مختلف ہیں ۲ اسی گیارہ سطری عبارت میں ارشادات نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ارشادِ باری تعالیٰ یہ ہے۔ دوم یہ کہ ارشادِ نبوی یہ ہے۔ سوم یہ کہ صدیق اکبر نے یہ روایت ارشاد فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ۔ ایضاً ایں ہم فرمود۔ اب پتہ نہیں چلتا کہ اس فرمود کا فاعل متکلم کون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہے۔ یا صدیق اکبرؓ۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳ اس عبارت میں اگر خود ہی تخمینہ لگا لیا جائے کہ یہ فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تب یہ الجھن ہے کہ کوئی حوالہ نہیں۔ نہ عربی متن نہ سند نہ کسی کتاب کا ذکر۔ ہم نے اپنے طور پر اس عبارت کو جس کو غالباً امام غزالی نے روایت بنایا ہے۔ احادیثِ مبارکہ کی نو مشہور کتابوں میں تلاش کیا ۱ بخاری شریف ۲ مسلم شریف ۳ ابو داؤد شریف ۴ نسائی شریف ۵ ترمذی شریف ۶ ابن ماجہ شریف ۷ دارمی ۸ مؤطا امام مالک ۹ مسند امام احمد بن حنبل۔ مگر بہت اور کئی بار تلاش کرنے کے باوجود اس روایت یا عبارت کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ نہ پہلے کسی کتاب میں یہ روایت دیکھی نہ سنی۔ اب غور فرمائیں کہ ایسی مجہول اور الجھن والی عبارت کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کہا جا سکتا ہے

اور صرف امام غزالی کا قول کس طرح معتبر ہوسکتا ہے جب کہ آپ علیہ الرحمۃ نہ محدث نہ مجتہد نہ صاحب تخریج فقیہ۔ نہ راوی۔ نیز امام غزالی کی اس پوری عبارت میں مزید الجھن یہ کہ پانچ سطر اوپر ارشادِ باری تعالیٰ کے حوالے سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درجے ومقام کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو نماز وزکوٰۃ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ یہاں تو یہ ثابت کیا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر نماز وزکوٰۃ کی مثل ان کے برابر کا عمل ہے۔ اور پانچ سطر نیچے تمام عبادات کو جہاد کے مقابل قطرۂ ناچیز بنایا پھر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دریاءِ عظیم بنا کر جہاد کو قطرۂ ناچیز بنایا۔ یا للعجب کیا عجیب تماشہ ہے اور یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ امام غزالی کی اصل عبارت میں ہے کہ ہمہ نیکیاں بمقابلۂ جہاد۔ اور آگے ہے۔ وبمقابلۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر چناں است یہاں یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کون امر بالمعروف کے مقابل قطرہ ہے پتہ نہیں ہمہ نیکیاں سے مقابل ہے یا جہاد سے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہمہ نیکیاں ہی جہاد کے مقابل ایسی ہوں جیسے دریاءِ اعظم کے مقابل قطرہ۔ اور ہمہ نیکیاں ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابل ایسی ہوں جیسے دریاءِ عظیم کے مقابل قطرہ یعنی امام غزالی نے جہادِ قتال کو دریاءِ اعظم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دریاءِ عظیم کا درجہ دیا ہو۔ دریاءِ اعظم کے معنی ہے بڑا دریا۔ اور دریاءِ عظیم کا معنیٰ ہے بہت ہی بڑا یا ہمیشہ بڑا دریا۔ ان تمام الجھنوں کے باوجود اگر ہم پھر بھی محض احترام امام غزالی میں اس عبارت کو روایت مان لیں تب بھی یہ قابلِ فتویٰ اور شرعاً معتبر نہیں۔ چند وجوہ سے پہلی وجہ یہ کہ یہ عبارت مجہول ہے سنداً بھی متناً بھی نقلاً بھی تخریجاً بھی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ روایت درایت کے خلاف ہے۔ درایتاً پندرہ چیزوں کا توافق ضروری ہے۔ روایت اور درایت کا فرق یہ ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہوں اس تحقیق کے لیے اسناد سے بحث اور چھان بین کی جاتی ہے۔ صحیح درایت

وہ ہے جس کا متن آیتِ قرآنِ پاک اور دیگر مشہور و متواتر احادیث کے خلاف نہ ہو۔ یعنی روایت سند سے نبتی ہے اور درایت متن سے اس لیے ہر روایت کو درایت کے معیار پر تولا جائے گا تب اس کو حدیثِ پاک کہا جائے گا اور یہ کام بھی علماءِ راسخین کا ہے نہ کہ عوام کا۔ مگر امام غزالی کی اس عبارت کی نہ سند ظاہر نہ متن درست۔ متن نے جہاد اور مجاہد کی اہمیت وشان کو اتنا گھٹا دیا کہ قرآنِ مجید کی صریحی آیت کے خلاف ہو گیا۔ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علیحدہ چیز بنا دیا حالانکہ امر بالمعروف ونہی المنکر کا مؤثر ترین ذریعہ وطریقہ یہ جہاد ہی ہے نہ کہ یہ چھوٹی چھوٹی تبلیغیں۔ یہ جہاد ہی کا نتیجہ ہے کہ آج سارے عالم دنیا میں اسلام موجود ہے اور کفر کا ظلم و جبر ٹوٹا ہوا ہے۔ قرآن مجید کی تقریباً چھیاسٹھ آیت میں جہاد اور مجاہدین کی شان عزت مرتبہ اور اخروی انعاماتِ خصوصی کا ذکر فرمایا گیا۔ ایسی شان وعظمت کسی نیکی و نیک کی بیان نہ فرمائی گئی۔ جہاد کی شانِ کرامت کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ جس میں قتل ہو جانے والا شہید۔ اور جس کا مرنے والا دائمی حیات۔ جس کو ابدی عزت کی زندگی فضیلت کا رزق۔ فوراً جنت کا داخلہ زیارت الٰہی، جس کے لیے شریعت کے قانون بدل گئے۔ غسل معاف خون آلود جسم و لباس پاک سورۂ والعٰدیات کی پہلی پانچ آیت میں رب تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم ارشاد فرمائی ہے اور رب تعالیٰ کا قسم فرمانا انتہائی عظمت وشان کی دلیل ہے۔ کیا کسی بھی مبلغ دین کو یہ مرتبہ مل سکتا ہے۔ غرضکہ جہاد اور مجاہدین کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ امام غزالی کی مذکورہ عبادت ناقابلِ قبول ہے۔ اور مصنف مذکور کا اس سے ایک آڑ پکڑ کر جہاد و مجاہدین کا مرتبہ گھٹانا وسوسۂ نفسانی ہے۔ اپنے گروہ کے نوخیز مبلغوں کے لیے فی نماز انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب بتانا بالکل غلط اور دین میں فتنہ پروری و تخریب کاری پھیلانا ہے۔ ہم تو صرف یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان بزرگ صاحب کو اپنی بزرگی کا خیال چھوڑ کر ضد کا لبادہ اتار کر اللہ رسول سے بڑا بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ سادہ رہو سادگی اختیار کرو

سائل کو بھی چاہیئے کہ نہایت تحمّل سے اُن بزرگ کو سمجھائے میرا یہ فتویٰ دکھائے۔ اختراع سے بچائے جہنم سے ھٹائے۔ اور سمجھانے کا ایسا پیارا باادب طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہ بزرگ مصنّف راہِ راست پر آجائے صندیۂ مچائے احادیثِ مقدسہ میں آتا ہے کہ عبادات کا اَجر وثواب صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی کے قبضۂ کرم میں ہے کہ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے ثواب کو جتنا چاہے ضرب دے۔ اور یہ ضرب رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مخفی نہ رکھی بلکہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سب کچھ ظاہر فرمادی۔ اب کسی انسان کو اجازت نہیں کہ احادیث میں نئے جوڑ توڑ کرتا پھرے اور لوگوں میں جہالت اپنے لیے جہنم کماتا پھرے۔ بس یہی ایمان رکھا جائے کہ عطا فرمانے والا رب تعالیٰ ہے بتانے والا اُس کے مقدس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی محبوبیت کا نشانِ اعظم آپ کی تقسیم ہے بلکہ آپ کی محبوبیت تو اتنی بااختیار ہے کہ بغیر اجر وثواب بھی جسے چاہیں جنت دیدی۔ جیسے حضرت ربیعہ کو جنت کی عطا یہ کسی نیکی کے ثواب میں نہ تھی صرف عطاءِ نبوت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے کسی یُضٰعِفُ کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپایا نہیں جو اَب کسی بزرگ کو ظاہر کرنے کی زحمت کرنی پڑے کہ فلاں حدیث کو فلاں سے جوڑو فلاں کو فلاں سے۔ اور بناوٹی فرق پیدا کرو۔ مولیٰ تعالیٰ سب کو ان جہالتوں سے بچائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہی رہنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

۱۳/۱/ ۹۶

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

بارھواں فتویٰ

تین طلاقیں کسے کہتے ہیں اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم؟

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی کے ایک شخص

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ان الفاظ سے طلاق دی۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ طلاق طلاق۔ زید کے ہندہ کے بطن سے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں زید اس کے بعد بہت پچھتایا بچوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ اب زید رجوع کرنا اور دوبارہ خانہ آبادی چاہتا ہے۔ ہم اہل سنت علما کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا تین طلاقیں ہو گئی ہیں اب بغیر حلالہ زید ہندہ کو واپس اپنی زوجیت میں نہیں لا سکتا۔ پھر ہم ایک دوسرے اہل سنت مدرسے میں گئے انہوں نے بھی تحریراً یہی فتویٰ جاری کیا۔ اس طرح چار جگہ سنی مدارس سے ہمیں یہی فتویٰ دیا گیا پھر زید کو کسی نے مشورہ دیا کہ وہابی مولویوں سے فتویٰ حاصل کرو زید اپنی پریشانی کی وجہ سے ایک وہابی مولوی سے فتویٰ لے آیا اس میں لکھا ہے کہ تین طلاقیں نہیں ہوئیں کیونکہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے۔ زید اگرچہ سنی مسلمان ہے وہابی نہیں ہے مگر اسکا یہ خانہ آبادی ہو جانے کی وجہ سے وہ وہابی فتوے پر خوش ہے لیکن ہندہ سخت قسم کی سنی مسلمان اپنے آپ کو اعلحضرت بریلوی کی کنیز اور غلام سمجھتی ہے گولڑے شریف کی مریدنی ہے وہ کہتی ہے کہ میں ہرگز وہابی فتوے کو نہیں مانتی کسی سنی معتبر عالم سے فتویٰ لاؤ تو قبول ہے میں خانہ آبادی کو اہمیت و فوقیت نہیں دیتی مجھے تو اہل سنت علما کا معتبر فتویٰ چاہیئے چونکہ ہم نے اس سے پہلے سنی مدرسوں سے تین علما کے تین فتوے حاصل کئے ہیں جن تینوں نے لکھا ہے کہ تین طلاقیں ہو چکی ہیں ہم سب بہت پریشان تھے ہم اپنے پیر خانے شرقپور شریف حاضر ہوئے ان کو وہ سب فتاویٰ دکھائے انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ گجرات پنجاب حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانے پر چلے جاؤ وہاں تم کو مضبوط فتویٰ مل جائے گا اور اُسی کو آخری حتمی شرعی فتویٰ سمجھنا۔ اس لیے ہم حاضر ہوئے ہیں ہم کو شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔

بَیِّنُوا تُوْجَرُوا۔

دستخط سائل۔ خالد حسین دہلی دروازہ لاہور شہر۔ نزد اکبر منڈی 15/1/97

بِعَوْنِ العَلّامِ الوَہّاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق یہ پانچوں فتوے غلط ہیں۔ زبانی بھی تحریری بھی اہل سنت علما کے بھی اور وہابی صاحب کے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ سنی حضرات کے فتاوی میں عدمِ تدبّر و تفکّر ہے اور وہابی فتوے میں عدم علم ہے۔ قرآن مجید وحدیث اور فقہ سلیم کی روشنی میں صحیح مدلل جواب یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں صرف ایک طلاق ہوئی ہے باقی دوبار خاوند نے پہلی اصلی طلاق کی تاکید کی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں طلاق ثلاثہ کی تین قسمیں ہیں اور ان کی صورتیں پانچ ہیں ۱۔ یہ کہ خاوند نے اپنی بیوی کو بیک دم ایک مجلس میں اسی طرح طلاق دی جس طرح سوال میں مذکور ہے اس کو طلاق بالتاکید کہتے ہیں۔ اس میں پہلی طلاق پڑ جاتی ہے دوسری تاکیدِ طلاق اور تیسری طلاقِ تاکید بن جاتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ کل میرے پاس زید آیا تھا زید۔ زید۔ جیسے کسی کے گھر سانپ نکل آئے تو وہ ڈر کر گھبرا کر کہے سانپ سانپ سانپ یا چور کی خبر دیتے ہوئے کوئی کہے چور۔ چور۔ چور۔ تو ان صورتوں میں نہ زید تین ہوئے نہ سانپ نہ چور۔ باوجود تین بار کہنے کے زید بھی ایک سانپ بھی ایک چور بھی۔ اسی طرح جب خاوند نے بیوی سے کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق۔ تو طلاق بھی ایک ہی واقع ہوگی ۲۔ کوئی خاوند اپنی کسی مُنہ کھولے بیوی کو کہے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ اس کو طلاقِ بَتّہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں طلاقِ اوّل تو فوراً واقع ہو جائے گی دوسری دو میں اگر اس کا ارادہ طلاق دیتے وقت طلاقِ دوم۔ اور طلاقِ سوم کا تھا تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اگر اس کا ارادہ صرف پہلی طلاق کا تھا تو صرف پہلی طلاق ہوگی دوسری دو توں یہاں بھی تاکید بن جائے گی۔ اس کو طلاقِ بتّہ اس لیے کہتے ہیں کہ لغت میں بتّہ کا معنی ہے ۱۔ کاٹنا ۲۔ اُلجھن میں ڈالنا ۳۔ مشقت میں ڈالنا۔ تو چونکہ خاوند نے اس انداز میں الفاظِ طلاق ادا کئے کہ بیوی اور اس کے لواحقین کو اُلجھن اور مشقت میں

ڈالدیا کہ نہ پتہ چلتا ہے ایک طلاق دی نہ پتہ چلتا ہے تین دیں۔ اس لیے خاوند سے حلفیہ بیان لیا جائے گا کہ اُس وقت تیرا ارادہ کیا تھا جب تو نے اس طرح طلاقیں ادا کی تھیں۔ قسم بول کر جو ارادہ ظاہر کرے گا وہ ہی حکم جاری کیا جائے گا۔

چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اوّل کتابُ الطلاق بابُ البَتۃ صفحہ ۳۰۰ پر ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرحِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْكَلْبِيُّ. عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَلِيِّ بْنِ سَائِبٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ. الْبَتَّةَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَقَالَ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَاللهِ مَا أَرَدْتَ إِلَّا وَاحِدَةً؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً. فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ۔ حضرت رکانہ کے گھر والے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سُهَيْمَہ کو طلاقِ بتہ دی۔ اور خود آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور عرض کیا کہ میں نے اللہ کی قسم ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا واقعی تو اللہ کی قسم کے ساتھ کہتا ہے کہ تو نے ایک طلاق کا ہی ارادہ کیا تھا۔ عرض کیا رکانہ نے اللہ کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کی بیوی اُن کو واپس کرادی۔ اس حدیث مقدس سے ثابت ہوا کہ طلاقِ بتہ میں ارادے کے مطابق طلاق واقع ہوتی ہے تین کا ارادہ تو تین۔ ایک کا ارادہ تو ایک ۳۔ کوئی خاوند اپنی مدخولہ بیوی کو ایک ہی مجلس میں بیکدم تین طلاقیں عدد سے دے مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں۔ تو فوراً تین طلاقیں پڑجائے گی۔ یا تین طلاقیں گنتی سے دے مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیتا ہوں۔ فوراً تینوں پڑجائیں گی۔ یا تین طلاقیں نمبر سے دے۔

مثلاً کہے کہ میں اپنی بیوی کو پہلی طلاق، دوسری طلاق، تیسری طلاق دیتا ہوں تب بھی تینوں طلاقیں ایک دم پڑجائیں گی۔ ان صورتوں کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں۔ غرضکہ تین دفعہ طلاق کے الفاظ ادا کرنے کی تین صورتیں اور پانچ قسمیں اور تین نام ہو گئے ۱۔ طلاقِ تاکیدی ۲۔ طلاق بتہ ۳۔ طلاقِ مغلظہ طلاقِ تاکیدی میں نہ نیت شرط نہ ارادے کی ضرورت، طلاق بتہ میں نیت شرط نہیں مگر ارادے کی ضرورت ہے اگر کچھ ارادہ نہ ہو تب بھی ایک طلاق ہوگی اگر ایک طلاق کا ارادہ تھا تب بھی ایک طلاق اگر تین کا ارادہ تھا تو تین طلاق طلاقِ مغلظہ میں بھی نہ نیت کی ضرورت نہ ارادے کی، ایک دم تین پڑجائیں گی۔ رہاں اَلْبَتَّہ طلاق کنایہ میں نیت کی شرط ہوتی ہے۔ طلاق بتہ میں ارادے کی ضرورت کا ثبوت اس مندرجہ بالا حدیث مقدس سے ہوا اور کنایہ میں نیت کی شرط کتبِ فقہا سے ہوا چنانچہ حاشیہ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۳۰۰

ع قَوْلُہٗ فَقُلْتُ لِامْرَأَتِی (الخ) غَرَضُ اَبِی دَاؤٗدَ مِنْ اِیْرَادِ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنَّ کَعْبَ ابْنَ مَالِکٍ تَکَلَّمَ بِلَفْظِ الطَّلَاقِ وَھُوَ قَوْلُہٗ اَلْحِقِیْ بِاَھْلِکِ وَلَمْ یَقَعْ بِہِ الطَّلَاقُ لِاَنَّہٗ لَمْ یَنْوِ الطَّلَاقَ بِہٖ لِاَنَّ اللَّفْظَ لَمْ یَکُنْ صَرِیْحًا فِی الطَّلَاقِ بَلْ کَانَ کِنَایَۃً عَنْہُ فَاحْتَاجَ اِلَی النِّیَّۃِ فَلَمَّا لَمْ یَنْوِ الطَّلَاقَ لَمْ یَقَعْ بِہِ الطَّلَاقُ۔

ترجمہ۔ حضرت کعب بن مالک جو جنگِ تبوک سے رہ گئے تھے تو ان کو سزا میں حکم ہوا تھا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ تب انہوں نے اپنی بیوی کو فرمایا تھا اَلْحِقِیْ بِاَھْلِکِ یعنی اپنے اہل ولواحقین کے پاس چلی جا۔ امام ابوداؤد محدث اس حدیث پاک کو اس باب میں اس لیے لائے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اگرچہ طلاق والے لفظ بول دئے اور وہ یہی اَلْحِقِیْ بِاَھْلِکِ والے ہیں حالانکہ طلاق نہ پڑی ان لفظوں سے اس لیے کہ انہوں نے اِن لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی کیونکہ اس میں نیت ضروری تھی اور یہ صریحی طلاق والے لفظ نہ تھے بلکہ کنایہ طلاق والے

لفظ ہیں۔ لہٰذا نیت کی اس میں ضرورت ہے توجب نیت نہ پائی گئی طلاق بھی نہ پڑی اس سے ثابت ہوا کہ طلاق کنایہ میں نیت ضروری اور طلاق بتہ میں ارادہ ضروری۔ ارادے کا تعلق عقل کے انعقاد سے ہوتا ہے نیت کا تعلق دل کے اختیار سے ارادے میں وجود ہوتا ہے نیت میں معنیٰ ہوتا ہے۔ ارادہ ظاہر میں ہوتا ہے نیت باطن میں۔ لیکن طلاقِ تاکیدی اور طلاق مغلظہ میں نہ نیت کی ضرورت نہ ارادے کی۔ طلاقِ بتہ میں چونکہ ارادہ ضروری ہے اس لیے امام شافعی رض اور امام اعظم رض کے نزدیک خاوند جس نیت کا ارادہ کرے وہی طلاق واقع ہوگی اور امام مالک رض کے نزدیک طلاقِ بتہ میں تین ہی طلاق پڑیں گی اگرچہ اُس کا ارادہ کچھ بھی ہو یعنی ایک کا یا تین کا۔ چنانچہ حاشیہ ابن ماجہ بحوالہ لمعاتِ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل صفحہ ۱۴۸ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْبَتَّةِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَجْعِيَّةٌ. بِهٰذَا الْحَدِيْثِ. وَاِنْ نَوٰى اِثْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَهُوَ عَلٰى مَا نَوٰى وَعِنْدَ مَالِكٍ ثَلَاثٌ وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بَائِنَةٌ. فَتَاوِيْلُ الرَّدِّ عِنْدَهٗ تَجْدِيْدُ النِّكَاحِ (لمعات)

ترجمہ۔ امام شافعی کے نزدیک طلاقِ بتہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے (خواہ کچھ بھی نیت نہ کرے یا ایک کی نیت کرے) اس حدیث پاک کی دلیل سے لیکن اگر طلاقِ بتہ دینے والا خاوند دو طلاق یا تین طلاق کی نیت کا ارادے کرے تو وہ ہی طلاق واقع ہوگی جو اس نے نیت کی ہوگی۔ اور امام مالک کے نزدیک طلاقِ بتہ ہر صورت میں تین طلاق ہی ہوں گی۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک طلاق بتہ ایک طلاقِ بائنہ ہوگی (یعنی اگر خاوند طلاقِ بتہ دے کر ایک کا ارادہ کرے تب ایک بائنہ ہوگی لیکن اگر دو یا تین کا ارادہ کرے جو نیت ارادے کرے تو نیت کے ارادے کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں پڑجائیں گی۔ اور حدیث رُکانہ میں فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا معنیٰ یہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے رُکانہ کو اُن کی بیوی تجدیدِ نکاح کرا کے واپس دوبارہ خانہ آبادی کرائی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ واقعی اگر

تمہارا ارادہ ایک طلاق کا تھا اور یہ ارادہ تشبیہ درست ہے تب تم تجدید نکاح کرو اور بیوی کو گھر لے آؤ احادیث سے طلاقِ ثلاثہ کی فقط یہ ہی تین قسمیں ثابت ہیں۔ تاکیدی۔ بتّہ۔ مغلّظہ۔ تاکیدی کبھی تین نہیں ہو سکتی اور مغلّظہ کبھی ایک نہیں ہو سکتیں۔ صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یہی طلاقِ تاکیدی دی ہے۔ جس پر ہمارے مفتیانِ اربعہ نے غور نہ فرمایا۔ اور اس کو تین طلاقِ مغلّظہ سمجھ بیٹھے۔ اگر ہر طلاقِ ثلاثہ مغلّظہ ہوتی تو حدیثِ رکانہ میں حضرت رکانہ کی زوجہ کو واپسی کا حکم نہ دیتے۔ لیکن وہابی فتویٰ اس لیے غلط ہے کہ دنیا بھر کے تمام غیر مقلد حضرات اپنی بے علمی سے ایک ہی رٹ لگائے بیٹھے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ اگر ان کی یہ ہی بات درست ہوتی تو اسی حدیث رکانہ میں آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قسم دلا کر اُن سے اُنکا ارادہ نہ پوچھتے۔ اس حدیثِ پاک نے اقتضاءُ النص سے طلاقِ ثلاثہ کی تین قسمیں فرما دیں۔

حکایت۔ ایک مرتبہ گجرات کے ایک بہت بڑے وہابی اہلحدیث غیر مقلد حافظ عنایت اللہ صاحب سے میری اس مسئلہ پر کچھ دیر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔ میں نے عرض کیا حافظ صاحب کسی معتبر کتاب سے ایک ایسی حدیث دکھاؤ جس سے صاف ثابت ہو کہ یہ ہر قسم کی تین طلاقیں ایک طلاق بنے گی۔ فوراً ابن ماجہ شریف کھول کر یہی حدیثِ رکانہ دکھائی اور فرمانے لگے کہ دیکھو انہوں نے طلاقِ بتّہ یعنی تین طلاقیں دیں۔ مگر فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں نے عرض کیا کہ اولاً تو طلاقِ بتّہ کو یعنی کہہ کر تین کہنا تو آپ کا قول ہے۔ ورنہ طلاقِ بتّہ کا تو یہ معنیٰ نہیں ہے۔ ثانیاً۔ اگر یہ طلاقِ بتّہ بقول آپ کے ایک طلاق رجعی بائنہ ہی ہے تو پھر آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم کیوں دلوائی اور ارادہ کیوں پوچھا اس کا کوئی مضبوط اور مدلل جواب دیجئے میں نے جب ذرا بحث کی تو خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا اچھا حافظ صاحب یہ بتائیے کہ اگر میرے گھر میں سانپ نکل آئے اور میں باہر نکل کر شور مچا دوں کہ سانپ

سانپ سانپ یا کوئی نابینا کوئیں کے قریب آجائے اور میں زور سے کہوں کنواں، کنواں، کنواں۔ تو بتایئے کتنے سانپ اور کتنے کوئیں ہوئے فرمانے لگے کہ ایک ہی۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں آپ سے کہوں کہ ہمارے گھر میں تین سانپ ہیں یا ہمارے محلے میں تین کوئیں۔ یا فلاں حوالات میں تین چور ہیں تو بتایئے۔ کتنے سانپ، کتنے کوئیں۔ اور کتنے چور مانو گے۔ حافظ صاحب تو ذرا سوچ میں پڑ گئے ساتھ ہی ایک ان کا مقتدی بیٹھا تھا کہنے لگا کہ تین ہی مانے گے۔ میں نے کہا بلکہ ہر ذی عقل بھی تین ہی مانے گا۔ تو پھر اللہ کے بندو خاوند کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں مگر آپ دور بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ نہیں تین نہیں ایک دی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ خیر یہ تو ایک سمجھنے سمجھانے کا طریقہ تھا میرا تو آپ سے یہ مطالبہ ہے کہ کوئی حدیث شریف ایسی دکھاؤ کہ خاوند ظاہر ظہور کہے کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں۔ تین کا لفظ بولے۔ اور سننے والی بیوی بھی کہے کہ مجھ کو میرے خاوند نے تین کا عدد بول کر تین طلاق دی ہیں پھر نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق فرمایا ہو۔ آج تک کسی وہابی صاحب نے صحاح ستہ یا کسی معتبر و متواتر مجموعے سے ایسی صاف حدیث نہیں دکھائی۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت ایسی حدیثِ مقدس ظاہر ظہور صاف صاف دکھا سکتے ہیں کہ خاوند نے ثلاثہ کے لفظ سے طلاق دی بیوی نے تصدیق کی اور ایک مجلس میں بیکدم دی اور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تینوں پڑ گئیں۔

چنانچہ ابن ماجہ جلد اوّل ص۱۴۵ پر ہے۔ بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَدِّثِيْنِيْ عَنْ طَلَاقِكِ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ اِلَى الْيَمَنِ فَاَجَازَ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ۔ حضرت عامر شعبی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی طلاق کا واقعہ سناؤ۔ فرمانے لگیں میرے خاوند نے ثلاثہ کے لفظ سے مجھ کو تین طلاقیں

دیں جب نکلنے والے تھے یمن کے سفر پر تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تین طلاقوں کو جاری فرما دیا کہ پڑ گئیں ہیں نے یہ مطالبہ حافظ صاحب مذکور سے بھی کیا تھا مگر وہ بے چارے تو بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔ میں نے برطانیہ امریکہ اور انڈیا میں بھی بڑے بڑے غیر مقلدین سے مطالبہ کیا کہ صرف ایک ہی صحیح حدیث پاک زمانۂ نبوی کی دکھا دو مگر آج تک انتظار ہے۔ طلاقِ ثلاثہ کا مزید بیان جاء الحق حصہ اوّل میں دیکھئے۔ خلاصہ یہ کہ طلاقِ ثلاثہ تین قسم کی ہے ۱۔ طلاقِ تاکیدی جیسے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق ۲۔ طلاقِ بتہ۔ جیسے میں تجھے طلاق دیتا ہوں تجھے طلاق دینا۔ تجھے طلاق دیتا ہوں ۳۔ طلاق مغلظہ جیسے تجھے تین طلاق دیتا ہوں۔ یا تجھے پہلی دوسری تیسری طلاق یا تجھے ایک دو تین طلاق دیتا ہوں۔ صورتِ مذکورہ میں زید نے اپنی بیوی ھندہ کو طلاقِ تاکیدی دی ہے۔ اس کے ارادے یا تصور میں اگرچہ تین ہوں مگر شرعاً ایک ہی پڑی دو دوسری تاکید بن گئیں طلاقِ بتہ کا حکم پہلے بتا دیا گیا کہ جیسا خاوند کا ارادہ اتنی ہی واقع ہوں گی۔ طلاقِ مغلظہ میں مدخولہ بیوی کو اگر ایک مجلس میں کسی طرح بھی طلاقِ ثلاثہ دے یکدم تین کہہ کر یا یکدم ایک دو تین۔ یا پہلی دوسری تیسری کہہ کر سب پڑ جائیں گی بغیر حلالہ پھر واپسی خانہ آبادی نہیں ہو سکتی لیکن غیر مدخولہ کو متفرق طلاق دینے سے پہلی ایک پڑ گی دوسری ضائع۔ زید ہندہ سے نکاح کرے کیونکہ مذہبِ حنفی میں طلاقِ تاکیدی بھی بائنہ ہوتی ہے اور ایک طلاقِ بتہ بھی کیونکہ طلاق میں ذرا سی بھی شدت طلاق کو بائنہ بنا دیتی ہے اور تاکید بھی شدت ہے خلاصہ یہ کہ امام اعظم کا بَتَّہ کو بائنہ فرمانا فردّھا الیہ کی وجہ سے ہے یعنی رسول اللہ نے لوٹائی اس سے تجدیدِ نکاح ثابت ہوا کیونکہ رجعی میں ردّھا کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تو خاوند کے رجوع سے ہی خود لوٹ آتی ہے۔ لیکن امام شافعی نے اسی ردّھا سے طلاقِ بَتَّہ کو طلاقِ رجعی بنا دیا، حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، شافعی علیہ الرحمۃ نے ردّھا میں تفکر نہیں فرمایا اس لیے ان کا نظریہ کمزور ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَعْلَمْ۔

۱۷ / ۱ / ۱۹۹۷

کتبــه

تیرھواں فتوٰے

شریعتِ اسلامیہ میں ہر قسم کی فوٹو تصویر کپڑے کاغذ وغیرہ پر بنانا حرام ہے۔ جو شخص اِس کو جائز کہے وہ گمراہ اور فاسق ہے اُس کے پیچھے نماز منع ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ کے چند بیرون مولویوں کے دماغوں پر ابلیسِ لعین نے یہ نیا وسوسہ ڈالدیا ہے کہ کیمرے کی تصویر اور فوٹو تصویر نہیں بلکہ عکس ہے۔ اور احادیث میں تصویر کی حرمت آئی ہے نہ کہ عکس کی پاکستان میں آج کل ایک پروفیسر مشہور ہو رہا ہے جو بہت ہی عجیب عجیب مسئلے پھیلا رہا ہے کبھی کہتا ہے کہ کاغذ یا کپڑے پر تصویر بنانا یا بنوانا حرام نہیں صرف لکڑی لوہے پتھر پر مورتی تراشنا حرام ہے اور کہتا ہے کہ احادیث میں کپڑے پر فوٹو بنانے کی حرمت یا ممانعت نہیں ہے۔ صرف اِس چیز کی حرمت ہے جس کا سایہ بنتا ہو۔ کبھی پردہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ صرف سر کے بالوں کا پردہ ضروری ہے چہرے کا پردہ ضروری نہیں۔ کبھی اسلامی شرعی چار انگلی داڑھی شریف کی مخالفت کرتا ہے اسی لیے اِس کے معتقد خطیبوں نے داڑھیاں چھوٹی کرادی ہیں غرضکہ عجیب وغریب گمراہی کی باتیں کرتا ہے ہم اپنے علاقوں میں اِن کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے سب مریدوں سے کہدیا ہے کہ اس طوفانِ گمراہی کا سختی سے مقابلہ کرو۔ لوگوں کو اور اپنے بچوں نوجوانوں مردوں عورتوں کو ان لوگوں کی محفلوں تقریروں کتابوں سے بچاؤ۔ مگر چونکہ یہ تمام شرعی مسائل ہیں اس لیے ہمیں اِس مقابلۂ حق و باطل میں ہر ہر قدم پر آپ کی شرعی رہنمائی کی ضرورت ہے اس سلسلے کی پہلی کڑی میں آپ ہم کو حرمت تصویر پر شرعی فتوی عطا فرمائیں اور وضاحت فرمائیں کہ عکس۔ اور تصویر

فوٹو ہورتی ہیں کیا فرق ہے کیا ان کا شرعی اور حکمی فرق ہے یا نہیں۔ اور اب تو دن بدن یہ پیر، مولوی اور ان کے پیروکار اتنے بے باک شوخ اور نڈر ہو گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے شریعتِ پاک کا مسئلہ بتائے تو اس کا محفل میں کھلے عام مذاق اڑاتے ہیں۔ ابھی چند دن پیشتر میرا ایک مرید ایک پیر صاحب کی محفل میں چلا گیا۔ اسی کمرے میں پیر صاحب کی بڑی سی فوٹو لگی ہوئی ہے۔ میرے مرید نے کہا کہ یہ فوٹو اتار دو۔ کیونکہ جس گھر کسی جاندار کی فوٹو لگی ہو وہاں کوئی نماز کوئی عبادت ورد وظیفہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ سن کر ان کا ایک معتقد مرید اہل خانہ میں سے اُٹھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ حضرات آپ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں یہ تو ہر فوٹو سے اُلرجک ہیں۔ الرجک ہونا ایک نفسیاتی بیماری کا نام ہے لوگ یہ سن کر ہنس پڑے۔ میرے مرید نے کھڑے ہو کر کہا کہ صرف میں ہی اُلرجک نہیں۔ بلکہ میری شریعت میری طریقت میرے فرشتے میرا اسلام سب ہی ان سے الرجک یعنی متنفر ہیں۔ اس پر سب خاموش رہ گئے اور پیر صاحب پھیکے پڑ گئے اس لیے فی زمانہ یہ مقابلہ سخت ہے۔ شیطان اپنی جگہ ہتھیار بند مقابلے میں ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ پہلے ہی باطلین کے مقابل بہت عرصے سے قلم کی تیز اور مضبوط تلوار سے گمراہی کا مقابلہ فرما رہے ہیں اس لیے ہمارے ساتھ بھی تعاون کیجئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ پیر عبداللطیف شیرازی ڈسکہ ۱۷/۱/۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

آج کل کے جن چند پیروں خطیبوں نے فوٹو تصویر کے متعلق عکس وغیرہ کے الفاظ وضع کر لیئے ہیں وہ بالکل بناوٹی ہیں احادیث پاک میں کسی تصویر کے لیے عکس کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا خواہ وہ تصویر کپڑے پر ہو یا کاغذ پر۔ شیطان نے یہ وسوسہ براستہ نفس امارہ دل میں ڈال دیا ہے۔ صرف فوٹو کھنچوانے کے شوقین پیروں خطیبوں کے لیے

نام بدل کر جواز پیدا کرتے کا۔ حالانکہ کاغذ پر تصویریں ہو یا کپڑے پر قلم پنسل کی ہو یا کیمرے مشین کی سب حرام اشد حرام ہے تصویر کے متعلق شرعی احکام تو ہمارے فتاوٰی العطایا الاحمدیہ جلد دوم میں دیکھئے وہاں تفصیل موجود ہے یہاں اتنا سمجھ لو مسئلہ شرعاً حقیقتاً اس طرح ہے کہ عربی زبان میں ہر طرح کی شکل وصورت کے نقشے کو تصویر اور تمثیل کہا جاتا ہے ان کی جمع تصاویر اور تماثیل ہے صورت یعنی ناک کان وغیرہ کے علاوہ باقی ڈھانچے کے نقشے کو ھیکل یا تقویم کا نقشہ کہا جاتا ہے خواہ ڈھانچہ بے جان اشیا کا ہو یا جاندار اشیا کا دنیا میں ہماری نظر جس کو دیکھتی ہے ۔ وہ چار قسم کی ہیں ۱ اصل اشیا ۲ عکس ۳ تصویر اس کا انگریزی نام فوٹو ہے ۴ تمثیل۔ انسانی نظر فقط ان چار چیزوں کو دیکھتی ہے ۔ وہ چار قسم یہی ہیں ۱ اصل ظاہری وجود کو کہتے ہیں۔ عکس آئینے میں نظر آنے والی اشیا کو کہا جاتا ہے اور تصویر کاغذ یا کپڑے پر بنے ہوئے نقشے کو تمثیل عام ہے لکڑی پتھر لوہے کی بنی ہوئی مورتی اور کپڑے کاغذ پر بنے ہوئے نقشے کو کہتے ہیں یہ چاروں چیزیں اتنی مختلف ہیں کہ ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کا نام نہیں دے سکتے مگر بعض موقعے پر صرف مجازاً۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اصل کو نہ عکس کہہ سکتے ہیں نہ تصویر اسی طرح تصویر کو نہ عکس کہہ سکتے ہیں نہ اصل اور عکس کو بھی نہ اصل کہہ سکتے ہیں نہ تصویر مگر کبھی تمثیل کو تصویر اور تصویر کو تمثیل مجازاً کہا جاتا ہے صرف لغوی معنی میں ورنہ حقیقتاً اور اصطلاحاً تمثیل عام مجسم اور مورتی ہے اصل وہ ہے جو اپنی پیدائشی حالت کے ساتھ خارج میں موجود ہے اصل کی دو قسمیں ہیں ۱ مخلوق اشیا یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہوں ۲ ایجادی اشیاء یعنی وہ چیزیں جو بندوں نے ایجاد کی ہیں ۔ ایجادی اشیاء بھی ابتداءً اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں بندوں نے تو فقط جوڑ کر ایک نقشہ بنا دیا۔ عکس وہ ہے جو آئینے یا پانی یا کسی چمکتی چیز میں نظر آئے یہ عکس بنایا نہیں جا سکتا خود بخود بن جاتا ہے ۔ تصویر وہ ہے جو کسی کاغذ کپڑے پر برش قلم یا پنسل سے لکھ کر بنایا جائے یا کسی مشین کیمرہ وغیرہ سے چھاپ کر

بنایا جائے تمثیلی تصویر وہ نقشہ ہے جو کسی مورتی پر تراش خراش کر بنایا جائے لیکن ان تمام میں اصل ہی کی نقل ہے جو دستی بنائی جائے وہ تصویر جو خود بن جائے وہ عکس۔ جاندار کی تصویر یعنی شکل صورت کا نقشہ شریعت نے حرام فرما دیا۔ اس لیے کہ یہ سب کاغذ کپڑے مورتی کی تصاویر و تماثیل بت ہیں ان کو کسی زبان لغت یا اصطلاح میں عکس نہیں کہا گیا اور کپڑے یا کاغذ پر چھاپہ شدہ نقوش کو ترقیم کہا جاتا ہے۔ چتکبرے سانپ یا گھوڑے کو ارقم اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے۔ آج کل پاسپورٹ یا فارم کے نمبر کو رقم کہا جاتا ہے ہماری اصطلاح میں پیسوں کو رقم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کاغذ یا دھات پر چھپی ہوتی ہے اگر کپڑے پر پھول پتی کے نقش و نگار رنگے ہوں تو احادیث مبارکہ میں ان کا تذکرہ رقماً فی الثوب کے الفاظ سے آیا ہے۔ بعض لغت کی کتابوں نے فوٹو کا ترجمہ منفی عکس کیا ہے مگر یہ اُس کے بنانے کا طریقے کی طرف اشارہ ہے معنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح آئینے یا پانی کے ذریعے فوٹو سازی کو عکس کی تصویر تو کہا جا سکتا ہے لیکن عکس نہیں کہہ سکتے۔ عکس کا لغوی معنیٰ ہے اُلٹ۔ اُلٹا کرنا اس معنیٰ میں ہم ہر دستی و مشینی تصویر کو عکس بندی کہہ سکتے ہیں انگلی برش قلم پنسل سے بنائی جائے یا کیمرہ مشین سے کیونکہ ہر تصویر، ہی اصل چیز کی دائیں بائیں سے اُلٹ ہوتی ہے خواہ لفظوں کی تصویر ہو یا کسی جسم کی۔ طباعت کتب میں بھی یہی الٹ پھیر کی تصویر ہوتی ہے کہ پہلی فوٹو تصویر الٹی پھر دوسری تصویر الٹ کی الٹ یعنی سیدھی۔ اس کو عکس بندی یا چھاپہ کہا جاتا ہے مگر عکس نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا کیمرے کے کام میں تین لفظ استعمال ہوئے ۱۔ عکس ۲۔ عکس بندی ۳۔ منفی عکس عکس وہ نقشہ جو خود بخود بنتا ہے اس کو کوئی بنا نہیں سکتا عکس بندی کیمرہ مین کا وہ کام ہے جو وہ عکس کے ذریعے اُس کی مثل تصویر بناتا ہے۔ منفی عکس اس کام کا نتیجہ تصویر کو عکس نہیں کہا جا سکتا جو شخص آئینے کے سامنے آجائے اور اپنے آپ کو دیکھے یا دکھائے وہ شخص عکاسی ہے نہ کہ کیمرہ مین۔ کیمرہ مین کو انگریزی میں فوٹو گرافر اور عربی میں مصور کہتے ہیں عکس اور تصویر میں چار طرح فرق ہے پہلا یہ کہ تصویر بنائی جاتی ہے عکس آئینے میں خود بخود بن جاتا ہے۔ دوم یہ کہ تصویر کو بقا ہے کہ کاغذ کپڑے مورتی پر قائم

رہتی ہے مگر عکس کو بقا نہیں کہ جب تک عکّاس آئینے کے سامنے ہے عکس باقی جب آئینے سے ہٹ گیا ہے تو عکس ختم اسی لیے آئینے کے سامنے نماز جائز ہے لیکن بڑی یا چھوٹی فوٹو کے سامنے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اس لیے کہ اصل جب سجدہ کرے گا تو عکس بھی سجدہ ریز ہوگا۔ مگر تصویر ویسے ہی سامنے ڈٹی رہے گی۔ دوسرے کے عکس کے سامنے بھی نماز جائز کہ وہ پیچھے ہوگا اپنی تصویر کے سامنے بھی نماز ناجائز۔ تصویر (فوٹو) اور عکس میں تیسرا فرق یہ کہ تصویروں فوٹوؤں سے کمرے کو اور کمرے کی اونچی دیواروں کو آلودہ کیا جا سکتا ہے۔ عکس سے نہیں کیا جا سکتا۔ چہارم فرق یہ کہ جس کمرے میں فوٹو لگے ہوں وہ کمرہ مندر اور بت خانہ ہے لیکن عکس اور آئینوں والا کمرہ بت خانہ نہیں۔ تصویر اور فوٹو جیب میں رکھا جا سکتا ہے عکس نہیں رکھا جا سکتا کتنے دیو انے جاہل ہیں وہ پیر اور خطیب جو شیطانی نرغے میں آکر تصویر کو عکس کہہ رہے ہیں خیال رہے کہ جس طرح کہ اصل وجود اور اصل کی تصویر جداگانہ چیزیں ہیں کہ پیر کی ٹنگی ہوئی فوٹو کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیر صاحب ٹنگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح عکس اور تصویر دو مختلف چیزیں ہیں اور چونکہ لفظِ تصویر اور لفظ فوٹو اصلاً ایک ہی چیز ہے صرف زبانوں کا اختلاف ہے کہ تصویر عربی لفظ ہے اور فوٹو انگریزی لفظ۔ اس لیے ان کا شریعت میں ایک حکم ہے یعنی احادیث میں ہر تصویر کی ممانعت کہ بنانا حرام بنوانا مکروہ تحریمی، اور گھروں میں لگانا قطعاً ناجائز فی زمانہ ہر قسم کی جاندار کی فوٹو کا بھی یہ ہی حکم ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بنانے بنوانے کا موقع ہو تو فوٹو اور تصویر میں فرق کر دیا جائے اور کہا جائے کہ صرف تصویر کو حرام کیا گیا ہے فوٹو جائز ہے اور نماز پڑھنے کا وقت ہو تو تصویر کو بھی فوٹو کو بھی سامنے سے ہٹا دیا جائے اور فوٹو کے سامنے بھی نماز کو ناجائز کہا جائے فوٹو کے لیے وہ احادیث و آیات کہاں سے لاؤ گے جس میں فوٹو کے لفظی ذکر کے ساتھ ممانعت ثابت ہو، احادیث مبارکہ میں تو صرف تصویر اور تصاویر کا ہی نام آتا ہے، تو جس طرح نماز کے لیے یہ لوگ تصویر والی احادیث فوٹو پر چسپاں کر لیتے ہیں اسی طرح چاہیئے کہ فوٹو بنانے بنوانے کے وقت تصاویر بنانے بنوانے کی حرمت والی احادیث مدِنظر رکھ کر فوٹو بنانے بنوانے کو حرام سمجھیں اپنی ابلیسی خرمستیوں

کے لیے شیطانی تاویلیں نہ کرتے پھریں۔ احادیثِ مقدسہ میں مطلقاً تصویر بناتے بنواتے سے منع فرمایا گیا اور بنانے والے کو سخت عذاب کی وعید ہے خواہ وہ تصویر بڑی ہو یا چھوٹی اور کسی طرح سے بھی بنائی گئی ہو۔ طریقہ تصویر سازی سے بحث نہیں یہ دنیا کی نت نئی کارسازیاں ہیں۔ ان میں تفریق کر کے شریعت کے خلاف چلنا اور فوٹوگرافی کے جواز کا کوئی راستہ نکالنا یا حیلہ بہانا بنانا فقط تلبیس ابلیس ہے اور جہنم کا کھلا راستہ ابلیس نے ان پیروں خطیبوں کو ورغلایا اور ان پیروں خطیبوں نے اپنے مریدوں مقتدیوں کو وسوسایا۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی طرح طرح کے فضول و بیہودہ سوالات کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اگر فوٹو حرام ہے تو شناختی کارڈ کیوں بنواتے ہو۔ پاسپورٹ پر کیوں لگواتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو حرمت اور وعید عذاب فوٹو سازی کے لیے احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہے وہ بدستور قائم ہے کوئی حکومتی قانون اُسے ختم نہیں کر سکتا ہر فوٹوگرافر کو بہر حال بھگتنا پڑے گا۔ ہاں البتہ فوٹو بنوانے والے کی دو نوعیتیں ہیں ۱۔ اختیاری ۲۔ اضطراری اگر بلا مجبوری کوئی شخص اپنے اختیار و خوشی سے بنوا رہا ہے تو اس پر گناہ لازم، لیکن اگر کوئی قانون وغیرہ اس کو مجبور کر رہا ہے اور اُس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں اور اس جبر و اکراہ اور مجبوری میں وہ شخص فوٹو بنوا رہا ہے تو اس بنواتے کا گناہ اُس قانون ساز شخص پر پڑے گا۔ لہٰذا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے فوٹو بنواتے کا گناہ اس حاکم پر تا قیامت ہوگا جس نے یہ قانون بنایا۔ لوگ تو اپنے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنوانے کے لیے مجبور ہیں۔ کیونکہ پاسپورٹ سے دنیوی زندگی نوکری بیرونی ملازمت روزی کمانے کی ضروریات وابستہ ہیں اور شناختی کارڈ سے اندرونِ ملک اپنے وطن میں رہنا اس طرح وابستہ کر دیا گیا کہ ان کے بغیر زندگی اور باعزت وقت گزارنا مشکل ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی ہدایت نصیب فرمائے اور ہر شیطان و شیطانی نما سے بچائے۔ وہ ہی ہر مسلمان کو دھوکے اور دھوکے پر ضد کرنے کے سبق

سکھاتا بڑھاتا ہے۔ اب ہم مندرجہ ذیل سطور میں وہ تمام احادیثِ مقدسہ نقل کرتے ہیں جن میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر سے ممانعت اور وعیدِ عذاب بیان فرمائی شدتِ ممانعت سے ہی حرمت ثابت ہے۔

جاندار کی تصاویر بنانے کی حرمت و ممانعت کی احادیثِ مبارکہ مقدسہ

ملا بخاری شریف جلد دوم کتابُ اللباس بابُ التصاویر ص۸۸۰ تا ص۸۸۱ تیرہ احادیث مقدسہ۔

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَلَا تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس سے گھر میں کتا ہو نہ اس گھر میں جس میں تصویریں لگی ہوں۔

ملا بخاری شریف جلد دوم باب۔ عذاب المصورین یوم القیٰمۃ عَنْ مُسْلِمٍ قَالَ کُنَّا مَعَ مَسْرُوْقٍ فِیْ دَارِ یَسَارِ بْنِ نُمَیْرٍ فَرَاٰی فِیْ صُفَّتِہٖ تَمَاثِیْلَ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَلْمُصَوِّرُوْنَ۔

ترجمہ۔ مسلم سے روایت ہے کہ ہم حضرت مسروق کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھے تو اُن کے کمیل میں تصویریں دیکھیں تو مسروق نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب تصویریں بنانے والوں کو ہوگا۔

۳ بخاری شریف دوم۔ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَصْنَعُوْنَ ھٰذِہِ الصُّوَرَ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ ابن عمر نے ان کو خبر سنائی کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ ان جیسی جانداروں کی تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب دئے جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو تم ان کو جو تم نے پیدا کیا۔

۴۔ بخاری دوم باب نقض الصور۔ عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حَطَّانَ اَنَّ عَائِشَۃَ حَدَّثَتْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ (اَیْ تَصَاوِیْرُ) اِلَّا نَقَضَہٗ۔

ترجمہ۔ عمران بن حطان سے روایت ہے کہ بے شک عائشہ صدیقہ رضؓ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر مبارک میں ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں بت بنے ہوں یعنی تصویریں مگر اُن کو مٹا دیتے۔

۵۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ زُرْعَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ دَارًا بِالْمَدِیْنَۃِ فَرَاٰی عَلٰی ھَا مُصَوِّرًا یُصَوِّرُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا حَبَّۃً وَّلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً۔

ترجمہ۔ حضرت ابوذرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھر میں داخل ہوا مدینہ منورہ کے تو انہوں اس گھر کی اوپری منزل میں ایک مصور کو دیکھا جو تصویریں بنا رہا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے آقا صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو میری مخلوق جیسے صورتیں بنانے لگے پس چاہیئے کہ وہ لوگ دانے بنانے لگیں (اگر ہمت ہے تو) اور ذرّے پیدا کریں (اگر طاقت ہے) یہاں جاندار کی تصویر کی برائی کا ذکر ہے۔

۷۔ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلُ مِنْهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ بِقِرَامٍ لِيْ عَلٰى سَهْوَةٍ لِيْ فِيْهَا تَمَاثِيْلُ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَتَكَهُ وَقَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ قَالَتْ فَجَعَلْنَهُ وِسَادَةً۔

ترجمہ۔ حضرت سفیان نے ہم سے حدیث پاک بیان فرمائی انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبد الرحمن بن قاسم سے سنا۔ اور اُن دنوں مدینہ منورہ میں اُن سے افضل شخص کوئی نہ تھا (غالبًا یہ آخری تابعی ہوں گے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے عائشہ صدیقہ اُمّ المومنین سے سنا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے حالانکہ میں نے اپنی ایک چادر کا اپنی ایک الماری پر پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں تو جب آقا حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فورا اکھیڑ پھینکا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی جاندار مخلوق کی فوٹو بناتے ہیں، حضرت صدیقہ رض نے فرمایا کہ بعد میں ہم نے اُس چادر کا بیرون والا گدیلا بنا لیا۔

۷ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَعَلَّقْتُ دُرْنُوكًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَنْزِعَهُ فَنَزَعْتُهُ۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے حالانکہ میں نے ایک موٹا پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھی تو آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس پردے کو اتار دوں۔ میں نے فوراً اتار دیا۔

۸ بخاری شریف جلد دوم۔ بَابُ مَنْ كَرِهَ الْقُعُوْدَ عَلَى الصُّوَرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَقُلْتُ أَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مِمَّا أَذْنَبْتُ قَالَ مَا هٰذِهِ النُّمْرُقَةُ قُلْتُ لِتَجْلِسَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَإِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ الصُّوْرَةُ۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے انہوں نے ایک چادر خریدی جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے اندر تشریف نہ لائے میں نے گھبرا کر عرض کیا میں توبہ کرتی ہوں اُس گناہ سے جو میں نے کیا ہو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چادر کیسی ہے۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے ٹیک لگائیں۔ فرمایا کہ بے شک ان تصویروں کو بنانے والے عذاب دئے جائیں گے قیامت کے دن۔ ان سے کہا جائے گا زندہ کرو تم جن کو تم نے بنایا ہے۔ اور بے شک فرشتے اُس

گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔

۹ (بخاری دوم ص ۸۸۱) عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ الصُّوْرَۃُ۔ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَکٰی زَیْدٌ فَعُدْنَاہُ فَاِذَا عَلٰی بَابِہٖ سِتْرٌ فِیْہِ صُوْرَۃٌ فَقُلْتُ لِعُبَیْدِ اللّٰہِ رَبِیْبِ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَمْ یُخْبِرْنَا زَیْدٌ عَنِ الصُّوَرِ یَوْمَ الْاَوَّلِ فَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ اَلَمْ تَسْمَعْہُ حِیْنَ قَالَ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔ بُسر نے فرمایا پھر زید بیمار ہوگئے تو ہم ان کی عیادت کے لیے گئے تو اچانک میں نے ان کے دروازے پر تصویروں والا پردہ پڑا دیکھا میں نے اُمّ المومنین میمونہ رض کے ربیب عبید اللہ سے عرض کیا کہ ان حضرت زید نے ہی ہم کو پہلے دن تصویروں کی ممانعت کی خبر نہ دی تھی تو عبید اللہ نے جواباً فرمایا کہ کیا تم نے اُسی وقت ان کی زبان سے یہ بھی نہ سنا تھا کہ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ مگر نقش و نگار کپڑے میں ہوں تو جائز ہے۔

۱۰ بخاری دوم باب کراھیۃ الصلوٰۃ فی التصاویر عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَۃَ سَتَرَتْ بِہٖ جَانِبَ بَیْتِھَا فَقَالَ لَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنِّیْ فَاِنَّہٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تَعْرِضُ فِیْ صَلٰوتِیْ۔

ترجمہ۔ حضرت انس رض سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رض کا ایک کپڑا تھا جس کو اپنے دروازے کا پردہ بنایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ مجھ

سے اس پردے کو دور کردو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں خلل ڈالتی ہیں۔

۱۱۔ بخاری دوم باب لَا تَدخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ وَعَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلُ فَرَاثَ عَلَیْہِ حَتّٰی اشْتَدَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ﷺ فَشَکَا اِلَیْہِ مَا وَجَدَ فَقَالَ لَہٗ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ وَلَا کَلْبٌ۔

ترجمہ۔ حضرت سالم اپنے والد سے راوی انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل امین نے ملنے کا وعدہ کیا تب انتظار فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ شدید ہوگیا انتظار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ باہر ملاقات کیلئے کھڑے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدتِ انتظار کی شکایت کی جو آپ نے محسوس کی تو حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا آپ سے کہ ہم ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں یا کتا ہو۔

۱۲۔ بخاری جلد دوم۔ باب من لم یدخل بَیْتًا فِیْہِ صورۃٌ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّھَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَۃً فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا رَاٰھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْھِہِ الْکَرَاھِیَۃَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ قَالَ مَا بَالُ ھٰذِہِ النُّمْرُقَۃِ فَقَالَتْ اِشْتَرَیْتُھَا لِتَقْعُدَ عَلَیْھَا وَتُوَسَّدَھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الصُّوَرِ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ فِیْہِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُہُ الْمَلٰئِکَۃُ۔

ترجمہ۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے اس کی خبر دی کہ انہوں نے ایک کپڑا خریدا جس میں تصویریں بنی تھیں تو جب اس کو آقائے کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے (اندر تشریف نہ لائے)، تو میں نے آپ کے چہرۂ اقدس میں کسی چیز کی ناپسندیدگی پہچانی انہوں نے فرمایا میں نے توبہ کی اللہ رسول کی بارگاہ میں اس گناہ سے جو مجھ سے ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا یہ چادر کیسی ہے انہوں نے عرض کیا یہ میں نے خریدی ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے ٹیک لگائیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فوٹو گرافر قیامت کے دن شدید عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ ان کو زندہ کرو ان میں جان ڈالو۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ گھر جس میں تصویریں ہوتی ہیں۔ ان میں فرشتے نہیں آتے۔

۱۳ بخاری جلد دوم۔ باب مَنْ لَعَنَ الْمُصَوِّرَ۔ عَنْ عَوْنِ ابْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ اِشْتَرٰى غُلَامًا حَجَّامًا فَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ۔

ترجمہ۔ عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے راوی انہوں نے ایک حجام غلام خریدا پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا خون کی قیمت سے اور کتے کی قیمت سے یا غیبہ کی کمائی سے اور ملعون فرمایا سود کھانے اور کھلانے والوں کو اور جسم گودھنے والے اور گدھوانے والے کو اور تصویریں بنانے والے کو۔

۱۴ مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۰۱ عَنْ زُهَيْرِ ابْنِ حَرْبٍ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ يَعْنِي الْقَطَّانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا الْكَنِيْسَةَ رَاَيْنَهَا

بِالْحَبَشَۃِ فِیْهَا تَصَاوِیْرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

ترجمہ۔ زہیر بن حرب سے روایت ہے وہ یحیٰی بن سعید سے وہ ہشام سے وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ بے شک اُمِّ حبیبہ رض اور اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہما نے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حبشے میں ایک لباس دیکھا جس میں تصویریں بنی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک کفارِ حبشہ میں رواج ہے کہ جب کوئی بزرگ بندہ ان میں مرجائے تو اس کی قبر کے اوپر سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کی تصویر بنا لیتے ہیں۔ اسی میں کی تصویریں اس لباس میں ہوں گی وہ ہی لوگ اللہ کے نزدیک سب مخلوق سے زیادہ بدبخت ہوں گے قیامت کے دن۔

۱۵۔ مسلم شریف جلد دوم از ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۲۔ تین احادیث

حَدَّثَنَا نَصْرُ ابْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ ابْنِ عَبْدِ الصَّمَدِ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُسْلِمِ ابْنِ صُبَیْحٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ مَسْرُوْقٍ فِیْ بَیْتٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ مَرْیَمَ فَقَالَ مَسْرُوْقٌ هٰذَا تَمَاثِیْلُ كِسْرٰی فَقُلْتُ لَا هٰذَا تَمَاثِیْلُ مَرْیَمَ فَقَالَ مَسْرُوْقٌ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔

ترجمہ۔ روایت ہے مسلم بن صبیح سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت مسروق کے ساتھ ایک گھر میں گیا جس میں حضرت مریم کی فوٹو تھیں

تصویریں تھیں تو حضرت مسروق نے فرمایا یہ کسریٰ بادشاہ کی تصویریں ہیں میں نے کہا نہیں یہ تو مریم کی تصویریں ہیں تو حضرت مسروق نے فرمایا کہ بے شک میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے سب سے زیادہ سخت عذاب والے فوٹوگرافر ہوں گے۔

۱۷ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّيْ رَجُلٌ اُصَوِّرُ هٰذِهِ الصُّوَرَ فَاَفْتِنِيْ فِيْهَا فَقَالَ لَهُ اُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ اُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَا مِنْهُ حَتّٰى وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَاْسِهِ فَقَالَ اُنَبِّئُكَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهُ فِيْ جَهَنَّمَ. وَقَالَ اِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا نَفْسَ لَهُ فَاَقَرَّ بِهِ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ۔

ترجمہ۔ روایت ہے سعید ابن ابی الحسن سے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں مصوّر ہوں اس قسم کی (جانداروں کی) تصویریں بنایا کرتا ہوں مجھے اس کے جواز کا فتویٰ عطا فرمائیے آپ نے فرمایا میرے قریب آجا وہ آگیا فرمایا اور آجا وہ اور آگیا تب آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ جو میں نے آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کی تجھ کو خبر دیتا ہوں۔ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہر مصوّر جہنم میں ہوگا اور جتنی بھی اس نے تصویریں اپنی زندگی میں بنائی ہوں گی ہر تصویر کے بدلے اس کا جہنم میں ایک حصہ بنایا جائے گا۔ اور پھر فرمایا عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہ اگر

تجھ کو مصوری کا کام ہی ضرور کرنا ہے تو درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں دسیز بیں، بنایا کر تب نصر بن علی نے اس بات کا اقرار کیا۔

۱۷ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ وَاَبُوْکُرَیْبٍ وَالْفَاظُہُمْ مُتَقَارِبَۃٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فِیْ دَارِ مَرْوَانَ فَرَاٰی فِیْھَا تَصَاوِیْرَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْلِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْلِیَخْلُقُوْا شَعِیْرَۃً۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابی زرعہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوہریرہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا تو اُس کے گھر میں تصویریں دیکھیں تو حضرت ابوھریرہ نے فرمایا کہ میں نے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو میری مخلوق کے مشابہ بنانے لگے اگر قدرت ہے تو ذرّے اور دانے اور جَو پیدا کر کے دکھائیں۔

۱۸ ابوداؤد شریف جلد دوم ص۵۷۳۔ بابٌ فِی الصَّلِیْبِ۔
عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصْلِیْبٌ اِلَّا قَضَبَہٗ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی چیز ایسی باقی نہ چھوڑتے تھے جس میں تصویر ہوتی مگر مٹا دیتے تھے اس کو۔

۱۹ ابوداؤد شریف بابٌ فِی الصُّوَرِ۔ عَنْ عَلِیٍّ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ

صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ۔

ترجمہ۔ مولا علی شیر خدا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو نہ اُس میں جس میں کتا ہو نہ اس میں جس میں پلید جُنبی مرد ہو یا عورت۔

۲۰ عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيْ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تِمْثَالٌ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ انصاری سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں کتا یا تمثال یعنی جاندار کی تصویر ہو۔

۲۱ عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ۔

ترجمہ۔ ابوطلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ بے شک آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں تصویر ہو۔

۲۲ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ زَمَنَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ أَنْ يَأْتِيَ الْكَعْبَةَ فَيَمْحُوْ كُلَّ صُوْرَةٍ فِيْهَا فَلَمْ يَدْخُلْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مُحِيَتْ كُلُّ صُوْرَةٍ فِيْهَا۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ بے شک نبی کریم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا فاروقِ اعظم کو جب کہ فتح مکہ ہوئی اور آپ مقامِ بطحا میں تشریف فرما تھے کہ وہ کعبے میں جائیں اور جتنی تصویریں اس میں ہیں سب کھرچ دیں۔ تو آقاءِ کائنات نبیٔ مکرم اس وقت تک کعبہ کے اندر تشریف نہ لائے جب تک کہ وہ تمام فوٹو مٹا نہ دیے گئے جو اس کعبے میں تھے۔

۲۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ مَیْمُوْنَۃُ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَام کَانَ وَعَدَنِیْ اَنْ یَلْقَانِیْ فِی اللَّیْلَۃِ فَلَمْ یَلْقَنِیْ۔ (الخ) فَلَمَّا لَقِیَہٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَام قَالَ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَلَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے ام المومنین حضرت میمونہ نے خبر دی کہ ایک بار نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا کہ آج رات مجھے ملیں گے لیکن مجھ سے ملنے نہیں آئے (الخ) لیکن پھر جب ملاقات ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ بے شک ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

۲۴۔ عَنْ مُجَاھِدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اَتَیْتُکَ الْبَارِحَۃَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَکُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْہِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ کَلْبٌ۔ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ فِی الْبَیْتِ یُقْطَعُ فَیَصِیْرُ کَھَیْئَۃِ الشَّجَرَۃِ۔

ترجمہ۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حدیث بیان فرمائی ہم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا انہوں نے کہ ارشاد فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ کل رات میں آپ کے پاس آیا تھا مگر مجھ کو گھر میں داخل ہونے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ گھر میں پردے کی چادر پر تصویروں کے نقش بنی تھیں اور اس وقت گھر میں ایک چھوٹا سا کتے کا پلا بھی

تھا۔ اب آپ گھر والوں کو حکم دیجئے کہ تصویروں کے سر کاٹ دیں اس طرح وہ بے جان درخت کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۵ ترمذی شریف جلد اوّل کتابُ اللِّبَاسِ بابُ ماجاءَ فی الصُّورَۃِ صـ۳۰۵

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ عَنِ الصُّوْرَۃِ فِی الْبَیْتِ وَنَھٰی اَنْ یُّصْنَعَ ذَالِکَ (الخ) حَدِیْثُ جَابِرٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گھر میں تصویر لگانے سے اور منع فرمایا تصویر بنانے سے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ جابر کی یہ حدیث شریف حسن صحیح ہے علی رض۔ ابوطلحہ رض، عائشہ رض، ابو ہریرۃ رض ابوایوب رض کی سند سے۔

۲۶ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُتْبَۃَ اَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی اَبِیْ طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیْ یَعُوْدُہٗ فَوَجَدَ عِنْدَہٗ سَہْلَ ابْنَ حُنَیْفٍ قَالَ فَدَعَا اَبُوْطَلْحَۃَ اِنْسَانًا یَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَہٗ فَقَالَ لَہٗ سَھْلٌ لِمَ تَنْزِعُہٗ قَالَ لِاَنَّ فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَقَالَ فِیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاقَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَھْلٌ اَوَلَمْ یَقُلْ اِلَّا مَا کَانَ رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ قَالَ وَلٰکِنَّہٗ اَطْیَبُ لِنَفْسِیْ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ اس کی شرح قوت المغتذی ۵ میں ہے۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ مَا کَانَ فِیْہِ تَصَاوِیْرُ مِنْ بِسَاطٍ یُّبْسَطُ اَوْفِرَاشٍ یُّفْرَشُ اَوْوِسَادَۃٍ فَلَا بَاْسَ بِذَالِکَ اِنَّمَا یُکْرَہُ مِنْ ذَالِکَ فِی السِّتْرِ وَمَا یُنْصَبُ نَصْبًا وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَۃِ مِّنْ فُقَہَاءِ نَا۔

ترجمہ۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے بے شک عیادت کرتے ہم حاضر ہوئے ابوطلحہ انصاری کے پاس تو ان کے پاس سہل بن حنیف کو بیٹھا پایا راوی نے فرمایا ابوطلحہ رض نے

ایک آدمی کو بلایا جو ہٹا دے وہ گدیلا جوان کے نیچے تھا تو حضرت سہل نے فرمایا تم اس کو کیوں ہٹواتے ہو آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس میں تصویریں بنی ہیں اور جو فرمایا ہے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصویروں کے بارے میں وہ تم کو بھی معلوم ہے تب حضرت سہل نے فرمایا کہ کیا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا کہ مگر وہ جو نقش نگار بنے ہوں کپڑے میں ان کی معافی ہے فرمایا ابو طلحہ انصاری نے لیکن میں اس کو فخر و غرور سمجھتا ہوں اپنے دل میں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کی شرح قوت مقتدی کتاب میں اس طرح ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ اور اسی حدیث پاک کی وجہ سے ہمارا مسلک یہ ہے کہ وہ کپڑا جس میں تصویریں بنی ہوں اگر وہ بیروں کا بستر ہو بچھا ہوا یا فرش و قالین کی طرح پڑا ہوا ہو یا تکیے کی طرح زمین پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں مکروہ تحریمی تو صرف وہ تصویروں والا کپڑا گھر وغیرہ میں لگاتا ہے جو پردے کی طرح ٹانگا جائے یا خوب صورتی کے لیے لٹکایا جائے یہی امام اعظم رضؓ اور ہمارے عام فقہا مشائخ کا قول ہے۔

۲۷ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً عَذَّبَہُ اللّٰہُ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا یَعْنِی الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا (الخ) وَفِی الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ جُحَیْفَۃَ وَعَائِشَۃَ وَابْنِ عُمَرَ حَدِیْثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کسی شکل و صورت کی تصویر بنائی تو اس مصوّر کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ مصوّر کبھی بھی اس تصویر میں روح نہ پھونک سکے گا۔ اسی باب میں ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضؓ

اور ابو ہریرہ رض اور ابو جحیفہ رض اور عائشہ صدیقہ رض اور عبد اللہ بن عمر رض نے فرمایا کہ عبد اللہ رض ابن عباس رض کی حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۸۔ ابن ماجہ شریف باب الصورۃ فی البیت ص ۲۶۸۔

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَ لَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو طلحہ سے روایت ہے وہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور اقدس نے فرمایا کہ اُس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

۲۹۔ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَ لَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ:۔ مولیٰ علی شیرِ خدا سے روایت ہے وہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے راوی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔

۳۰۔ ابن ماجہ شریف باب الصُّوَرِ فِیْمَا یُوْطَأُ ص ۲۶۸۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَتَرْتُ سَھْوَۃً لِیْ تَعْنِیْ الدَّاخِلَ بِسِتْرٍ فِیْہِ تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَتَکَہٗ فَجَعَلْتُ مِنْہُ مَنْبُوْذَتَیْنِ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی اَحَدِ ھِمَا۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے پردہ بنایا اپنے لیے ایک طاق پر یعنی داخلی اندرونی طرف میں ایسے پردے کا جس میں تو تصویریں تھیں پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اُس پردے کو پھاڑ دیا تب میں نے اُس کپڑے سے دو گاؤ تکیے بنا دئے پھر میں نے نبی کریم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے

ایک کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

۳۱۔ نسائی شریف جلد دوم بابُ التصاویر ص۲۵۵

اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ زُھْرِیٍّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّ لَا صُوْرَۃٌ۔

ترجمہ:۔ ابوطلحہ سے روایت کہ بے شک نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے۔

۳۲ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَکٰی زَیْدٌ فَعُدْنَاہُ فَاِذَا عَلٰی بَابِہٖ سِتْرٌ فِیْہِ صُوْرَۃٌ قُلْتُ لِعُبَیْدِ اللّٰہِ الْخَوْلَانِیِّ اَلَمْ یُخْبِرْنَا زَیْدٌ عَنِ الصُّوْرَۃِ یَوْمَ الْاَوَّلِ قَالَ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ اَلَمْ تَسْمَعْہُ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابوطلحہ سے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں تصویر ہو۔ بسر بن سعید نے فرمایا پھر ایک مرتبہ زید بیمار ہو گئے تو ہم اُن کی عیادت کے لیے گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ اُن کے دروازے پر پردہ ہے جس میں تصویر ہے میں نے عبید اللہ خولانی سے پوچھا کیا زید نے تصویر کے بارے میں پہلے دن ہم کو خبر نہ دی تھی امام خولانی نے فرمایا کہ کیا اُس دن حضرت زید سے تم نے یہ نہ سنا تھا کہ مگر وہ نقش و نگار جو کپڑے میں بنتے ہوں وہ منع نہیں ہیں۔ یعنی تصویری شکل وصورت تو حرام ہے مگر نقش ونگار جائز ہیں۔

۳۳ حَدَّثَنَا مَسْعُوْدُ ابْنُ جُوَیْرِیَۃَ عَنْ وَکِیْعٍ عَنْ ھِشَامٍ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ مُسَیَّبٍ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ صَنَعْتُ طَعَامًا فَدَعَوْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ

فَدَخَلَ فَرَاٰ سِتْرًا فِیْهِ تَصَاوِیْرُ فَخَرَجَ وَقَالَ اِنَّ الْمَلٰئِکَةَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْهِ تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ: مولیٰ علی شیر خدا سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے ہیں نے کھانا بنایا پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی حضور اقدس نبی کریم تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک تصویروں والا پردہ دیکھا تو آپ فوراً گھر سے نکل گئے اور فرمایا بے شک جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں ملائکہ نہیں آتے۔

۳۴ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ لَنَا سِتْرٌ فِیْهِ تِمْثَالُ طَیْرٍ مُسْتَقْبِلَ الْبَیْتِ اِذَا دَخَلَ الدَّاخِلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَةُ حَوِّلِیْهِ فَاِنِّیْ کُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَاَیْتُهُ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس میں پرندوں کی شکلیں بنی تھیں جب کوئی داخل ہونے لگے تو وہ پردہ گھر کے سامنے ڈال دیا جایا کرے۔ لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ اس کو ہٹا دو کیونکہ بے شک جب میں جب گھر میں داخل ہوا تو میں نے اس کو دیکھا مجھ کو دنیا یاد آگئی۔ یعنی دنیوی شیطانی لہو ولعب۔

۳۵ نسائی شریف جلد دوم باب ذکر اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا ص ۲۵۲

اَخْبَرَنَا قُتَیْبَةُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَاسِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ بِقِرَامٍ عَلٰی سَهْوَةٍ لِّیْ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ فَنَزَعَهٗ وَقَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے طاق کا پردہ ایک ایسی چادر کا بنایا ہوا

تھا جس میں تصویریں تھیں تو آقائے کائنات رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت میں ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقابلہ بنائیں۔

۳۶ نسائی شریف دوم باب ذِکرِ مَا یُکَلَّفُ اَصْحَابُ الصُّوَرِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَنْ نَضْرِ ابْنِ اَنَسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اَتَاہُ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْعِرَاقِ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَوِّرُ ھٰذَا التَّصَاوِیْرَ فَمَا تَقُوْلُ فِیْھَا فَقَالَ اُدْنُ اُدْنُ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً فِی الدُّنْیَا کُلِّفَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنْ یَّنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت نضر ابن انس رضی اللہ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اھلِ عراق میں سے اور اس نے کہا کہ بے شک میں اس قسم کی جاندار تصویریں بناتا ہوں تو آپ کیا اس کے بارے میں فرماتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا قریب آ قریب آ میں نے اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص دنیا میں تصویریں بنائے گا بروزِ قیامت مکلّف کیا جائے گا کہ روح ڈال اس میں، اور وہ ڈال نہ سکے گا۔

۳۷۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ عِکْرَمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً عُذِّبَ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا۔

ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ارشادِ مقدس فرمایا آقائے کائنات حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تصویریں بنائے گا وہ عذاب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اُس تصویر میں روح پھونکے اور وہ کبھی بھی روح نہ پھونک سکے گا۔

۳۸:۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الصُّوَرِ الَّذِیْنَ یَصْنَعُوْنَ ھَا یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں والوں کو جو تصویریں بناتے ہیں عذاب دیا جائے گا اور اُن سے کہا جائے گا جو تم دنیا میں بناتے رہتے ہو ان کو زندہ کرو۔

۳۹:۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ لَیْثٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ قَاسِمٍ عَنْ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الصُّوَرِ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ یُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک تصویریں بنانے والے بروز قیامت عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اُن تصویروں کو زندہ کرو۔

۴۰:۔ نسائی شریف جلد دوم ص۲۵۷۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ ابْنُ حَرْبٍ (الخ) عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلْمُصَوِّرُوْنَ۔

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام انسانوں سے زیادہ شدید عذاب فوٹوگرافروں

کو ہو گا قیامت کے دن ۔

۴۱۔ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ ابْنُ السَّرِیِّ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِسْتَاذَنَ جِبْرَئِیْلُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُدْخُلْ فَقَالَ کَیْفَ اَدْخُلُ وَفِیْ بَیْتِكَ سِتْرٌ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ فَاَمَّا اِنْ تُقْطَعَ رُؤُسُهَا اَوْ تُجْعَلَ بِسَاطًا یُوْطَأُ فَاِنَّا مَعْشَرَ الْمَلٰئِکَةِ لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْهِ تَصَاوِیْرُ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضور اقدس رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آ جاؤ۔ تو جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا اندر کیسے آؤں آپ کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا ہے جس میں فوٹو بنے ہوئے ہیں ۔ لیکن اگر ان تصویروں کے سر چہرے مٹا دیے جائیں یا اس پردے کو زمین کا فرشی بستر ہ بنا دیا جائے کہ پیروں میں روندا جائے تو ٹھیک ہے ۔ کیونکہ ہم فرشتوں کے گروہ ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں (ہم کو ان بتوں فوٹووں سے نفرت ہے)

۴۲ مؤطا امام مالک جلد دوم صـ۳۲۰ ۔

حَدَّثَنَا مَالِكٌ (الخ) عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی اَبِیْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِیِّ یَعُوْدُهٗ فَوَجَدَ عِنْدَهٗ سَهْلَ ابْنَ حُنَیْفٍ فَدَعَا اَبُوْ طَلْحَةَ اِنْسَانًا یَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهٗ فَقَالَ سَهْلُ ابْنُ حُنَیْفٍ لِمَ تَنْزِعُهٗ فَقَالَ لِاَنَّ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهَا مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ اَوَلَمْ یَقُلْ اِلَّا مَا کَانَ رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنَّهٗ اَطْیَبُ لِنَفْسِیْ ۔ وَفِیْ شَرْحِهٖ ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ

وَبِھٰذَا نَاخُذُ مَا كَانَ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ مِنْ بِسَاطٍ يُبْسَطُ اَوْ فِرَاشٍ اَوْ وِسَادَةٍ فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ اِنَّمَا اَنْكَرَهُ فِي السِّتْرِ وَمَا يُنْصَبُ نَصْبًا وَهُوَ قَوْلُ (امام اعظم) اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا۔

ترجمہ۔ حضرت امام مالک رضی سے روایت ہے کہ عتبہ ابن مسعود رضی حاضر ہوئے حضرت ابوطلحہ انصاری کے پاس آپ کی بیمار پرسی کرنے تو دیکھا کہ اُن کے پاس سہل بن حنیف تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابوطلحہ نے کسی شخص کو بلایا کہ اُن کے نیچے کا گدیلا ہٹا دے تو سہل بن حنیف نے فرمایا کہ گدیلا کیوں ہٹوا تے ہو۔ تو حضرت طلحہ نے فرمایا اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں حالانکہ آقاء کائنات رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تصویروں کی برائی میں جو فرمایا ہے وہ تم بھی جانتے ہو حضرت سہل نے جواباً فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا کہ مگر وہ نقش ونگار جو کپڑے میں بنے ہوں۔ یعنی ہر قسم کی جاندار تصویر تو حرام ہے مگر کپڑے میں بے جان اشیا کے نقش ونگار جائز ہیں۔ حضرت طلحہ نے جواب دیا۔ اور لیکن میرا دل الطیب ہے۔ یعنی میں اس فیشن پرستی سے بھی بچنا چاہتا ہوں اس حدیث کی شرح میں امام محمد نے فرمایا کہ اسی حدیث مقدسہ کی وجہ سے ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر زمین کے بستر یا فرش یا تکیے میں تصویریں ہوں تو کوئی گناہ نہیں ایسے کپڑے کے استعمال میں (کیونکہ وہ ذلت کے ساتھ پیروں میں گرا پڑا رہتا ہے) ناپسندیدہ اور منکر ومکروہ وحرام تو صرف وہ تصویروں والا کپڑا ہے جو پردہ بنا کر لٹکا یا ہوا ہو (کیونکہ اس طرح تصاویر کی تعظیم ہوتی ہے اور یہ تعظیم بُتاں ہے جو شرعًا حرام ہے۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

۲۴۳۔ طحاوی شریف جلد دوم صفحہ ۳۶۲۔ حَدَّثَنَا رَوْحُ ابْنُ الْفَرَجِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِشْتَرَيْتُ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَرَآهَا تَغَيَّرَ ثُمَّ قَالَ مَا هٰذِهٖ فَقُلْتُ نُمْرُقَةٌ اِشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا قَالَ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَصَاوِيرُ۔

ترجمہ۔ روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک باریک کپڑا خریدا جس میں تصویریں تھیں پھر جب میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کپڑے کو دیکھا آپ کا چہرہ مبارک غصّے سے متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا کہ کیا ہے یہ میں نے عرض کیا یہ کپڑا میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم اُس گھر میں نہیں جایا کرتے جس میں تصویریں ہوں۔

۴۴ مشکوٰۃ باب التصاویر فصل اوّل ص۳۸۵

عَنْ اَبِي طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِيرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں (مسلم بخاری)

۴۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا وَقَالَ اِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ وَعَدَنِي اَنْ يَّلْقَانِيَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِي۔ اَمَ وَاللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِي ثُمَّ وَقَعَ فِي نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِي اَنْ تَلْقَانِيَ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اُمّ المومنین

میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ بے شک آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح فرمائی رنجیدگی میں اور فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھ سے وعدہ کیا تھا گذشتہ رات آکر ملنے کا لیکن ملاقات نہ کی حالانکہ وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں وہ کتے کا بچہ آیا جو آپ کی چوکی کے نیچے تھا تو آپ نے اس کے نکالنے کا حکم دیا تب وہ نکال دیا گیا پھر آپ نے پانی لیا اپنے دست اقدس میں اور وہ جگہ دھو کر صاف فرمائی پھر جب کل شام جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھ سے ملاقات کرو گے کل گذشتہ رات۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا ہاں وعدہ تو کیا تھا لیکن ہم ملائکہ اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں (رواہ مسلم)۔

۴۶ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ اِلَّا نَقَضَہٗ (رَوَاہُ الْبُخَارِیْ)۔

ترجمہ:۔ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں باقی چھوڑتے تھے جس میں بتوں کی تصویریں ہوتیں مگر اس کو مٹا دینے ختم کر دیتے۔ (رواہ البخاری)

۴۷:۔ وَعَنْھَا اَنَّھَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا رَاٰھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ وَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْھِہِ الْکَرَاھِیَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ ھٰذِہِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ اِشْتَرَیْتُھَا لَکَ لِتَقْعُدَ عَلَیْھَا وَتَوَسَّدَھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ ۔ اُن ہی عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ میں نے باریک کپڑا خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں جب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دیکھا تو آپ دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے اندر تشریف نہ لائے تب میں نے آپ کے چہرۂ اقدس میں کراہیت ونفرت کے آثار دیکھے ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں توبہ کرتی ہوں اللہ رسول کی بارگاہ میں اُس گناہ سے جو مجھ سے ہوا ہو۔ تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نمرقہ کیسا ہے میں نے عرض کیا میں نے یہ آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویر بنانے والوں کو قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو ان کو جو تم نے بنایا ہے اور فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں متفق علیہ ۔

۴۸ ۔ وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ سَهْوَةً لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَيْہ ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے انہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ انہوں نے اپنے ایک طاقچہ پر تصویروں والے کپڑے کا پردہ لٹکایا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا ۔ (مسلم بخاری)

۴۹ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ۔ انہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ شدید عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی جاندار مخلوق کی شکلیں بناتے ہیں۔ (بخاری مسلم)

نمبر۵۰۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِیْرَةً۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرۃ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ رب تعالیٰ عزّوجلّ نے فرمایا کہ کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو میری مخلوق کی مثل شکلیں بنانے لگے انہیں چاہیئے کہ وہ جوار یا دانے یا جَو پیدا کر کے دکھائیں۔ (بخاری ومسلم)

نمبر۵۱۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ مُتَّفَقٌ علیہ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ شدید عذاب فوٹو گرافروں کو ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

نمبر۵۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَیُعَذِّبُهٗ فِیْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِیْهِ مُتَّفَقٌ علیہ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے

آپ فرماتے تھے ہر فوٹو گرافر جہنم میں ہوگا اس کی ہر تصویر کے عوض شخص بنایا جائے گا تو وہ شخص اس مصور کو عذاب دیں گے دوزخ میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اے مصور اگر تم کو ضرور تصویریں ہی بنانی ہیں تو درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ۔ (بخاری و مسلم)

۵۳ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِىْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

ترجمہ :۔ انہی حضرت ابن عباس سے روایت ہے فرمایا کہ سنا میں نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ جو شخص جھوٹی خوابیں بنائے حالانکہ دیکھی نہ ہوں قیامت میں اس کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جوؤں میں گانٹھ لگا اور وہ یہ کام ہرگز نہ کر سکے گا اور جو لوگوں کی خفیہ باتیں سنتا ہو حالانکہ لوگ اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں یا دور بھاگتے اس سے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا اور جو شخص جاندار کی تصویر بنائے وہ عذاب دیا جائے گا اور سزاءً مجبور کیا جائے گا کہ اس میں جان ڈالے حالانکہ کبھی نہ ڈال سکے گا۔ (بخاری)

۵۴ مشکوٰۃ شریف باب التصاویر فصل ثانی ص ۳۸۷۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِىْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِى الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِى الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِىْ عَلٰى بَابِ الْبَيْتِ فَيُقْطَعُ

فَيَصِيْرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ فَلْيُجْعَلْ وِسَادَتَيْنِ (الخ) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُد۔

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا میں کل رات آپ کے پاس آیا تھا تو مجھ کو اندر آنے سے صرف اِس چیز نے منع کیا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں پردے کا کپڑا تھا جس میں فوٹو بنے تھے اور گھر میں ایک کتا تھا۔ پس آپ حکم فرمائیں کسی کو کہ اُن تصویروں کے سر چہرے مٹا دے جو دروازے پر ہیں تو وہ بقیہ دھڑ کا جسم درخت کی شکل کی مثل بے جان چیز ہو جائے گی اور گھر والے اُس پردے کے کپڑے کے لیے یہ حکم فرمائیں کہ اُس کو پھاڑ کر دو فرشی بستر بنا ڈالیں تاکہ پیروں میں رہے (الخ) (ترمذی ابو داؤد)

۵۵: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ بِالْمُصَوِّرِيْنَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ترجمہ :۔ انہی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں سے ایک جسم لمبی گردن والا نکلے گا اُس گردن میں دو آنکھیں ہوں گی جو ہر طرف دیکھیں گی دو کان ہوں گے جو سب کچھ سنیں گے ایک زبان ہو گی جو بولتی ہو گی اور کہے گی کہ میں تین شخصوں کے عذاب پر مقرر کی گئی ہوں ہر ضدی جابر سرکش پر اور ہر مشرک کافر پر اور تصویریں بنانے والوں پر (ترمذی)۔

۵۶: مشکوٰۃ شریف فصل ثالث صـ۳۸۸ـ۔

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اِبْنِ عَبَّاسٍ اِذَا جَاءَهُ

رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنِّي رَجُلٌ إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدِي وَإِنِّي أَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيهِ الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

ترجمہ:۔ روایت ہے سعید ابن ابی الحسنؓ سے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا حضرت صاحب میں دستی کام کا کاریگر ہوں اور یہی کاریگری میرا واحد روزگار ہے اور اس قسم کی جاندار تصویریں بناتا ہوں۔ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا میں صرف وہ فرمان سناتا ہوں جو میں نے اپنے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے آپ سے سنا کہ جو شخص تصویریں بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ فوٹوگرافر مصور اُس اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالے حالانکہ وہ مصور اس میں کبھی بھی جان نہ ڈال سکے گا۔ یہ سن کر وہ شخص خوف و دہشت سے ہانپ گیا اور چہرہ پیلا پڑ گیا یہ دیکھ کر حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے اگر تو اس کاریگری کے بغیر زندگی کا کاروبار نہیں چلا سکتا تو تجھ پر لازم ہے کہ درختوں اور بے جان چیزوں کی تصویریں اور سینریاں بنایا کر کہ اس میں زیادہ آمدنی بھی اور حلال روزی بھی) (بخاری)

۱۵۴۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ

وَ اُمُّ حَبِیْبَۃَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَۃِ فَذَکَرَتَا مِنْ حُسْنِھَا وَتَصَاوِیْرَ فِیْھَا فَرَفَعَ رَاْسَہٗ وَقَالَ اِذَا مَاتَ فِیْھِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰئِکَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰہِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔

ترجمہ ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بیمار ہوئے آپ کی بعض ازواج پاک نے ذکر کیا ایک گرجے کا جس کو خوب صورتی کی وجہ سے ماریہ کہا جاتا تھا اور حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ حبشہ کی ہجرت سے واپس مدینہ منورہ پہنچی تھیں ۔ تو انہوں نے اُس گرجے کے حسن کا ذکر کیا اور اس میں اُن کے لگے ہوئے فوٹوں تصویروں کا ذکر کیا تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا کہ کفارِ حبشہ کا رواج یہ ہے کہ جب ان میں کوئی نیک بزرگ ان کا مرتا ہے تو اس کی قبر کو پوجا پاٹ کا سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں پھر یہ تصویریں اِس قسم کی وہاں ہی اپنی عبادت خانوں سجدہ گاہوں میں لگا دیتے ہیں ۔ یہ لوگ دنیا و آخرت میں بدترین مخلوق ہیں (بخاری و مسلم)

۵۸ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْ قَتَلَہٗ نَبِیٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَیْہِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَمْ یَنْتَفِعْ بِعِلْمِہٖ

ترجمہ : حضرت ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمام انسانوں میں سخت ترین عذاب والا قیامت کے دن ایک وہ شخص ہوگا جو کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرے ۔ یا وہ ہوگا جس کو کسی جہاد وغیرہ میں کوئی نبی علیہ السلام قتل کریں اپنے ہاتھ سے تیسرا وہ ہوگا جو اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو قتل کرے چوتھا وہ ہوگا جو دنیا میں مصور فوٹوگرافر ہو پانچواں وہ ہوگا جو عالم دین

مگر اس کے علم سے نفع نہ لیا جا سکے یا تو نقصان اور گمراہی پھیلائے یا بالکل اپنا علم چھپائے۔

مندرجہ بالا احادیث مقدسہ باعتبار سند کے اٹھاون ۵۸ ہیں اور باعتبار متن مبارک چونتیس ۳۴ ہیں سب احادیث تو عدد کتب معتبرہ ومشہورہ سے ہم نے نقل کی ہیں مقام غور ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی نہ عکس کا لفظ موجود نہ بناوٹ کے طریقے کا ذکر ہے کہ کس طرح بناؤ کس طرح نہ بناؤ جس سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ جاندار کے چہرے شکل کی ہر فوٹو تصویر حرام ہے خواہ کسی طرح بھی کوئی مسلمان بنائے قلم سے یا پنسل سے برش سے یا انگلی سے کیمرہ مشین سے یا کیمرہ وڈیو سے کاغذ پر یا کپڑے پر بلکہ ان احادیث میں کپڑے وکاغذ کا ہی عبارۃً و دلالۃً ذکر ملتا ہے اور اسی کو ہی تصویر تمثال اور صورت کہا گیا ہے۔ اور یہ سب نام ان احادیث پاک سے چہرے کے لیے ہی ثابت ہیں بنانے کی کوئی تقسیم نہیں ہے ہر طرح ہی تصویر بنانا حرام ہے۔ نا معلوم ہمارے ان پیروں خطیبوں کو کس شیطان نے ورغلا دیا جو تصویر کو عکس کہنا شروع کر دیا۔ اور پھر کچھ جہلا جب لفظ عکس اور اس کے جواز کو ثابت نہیں کر سکے تو انہوں نے ایک اور شیطانیت چھوڑ دی کہ پردے کپڑے اور کاغذ پر تصویر بنانا حرام نہیں ہے صرف مورتی کی شکل بنانا حرام ہے۔ اور دلیل میں مسلم شریف وترمذی کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ کے الفاظ ہیں یہ لغویات صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان جہلا کو رَقْمًا کا معنیٰ نہیں آتا لغت عربی میں رقم کا معنیٰ ہے نقش ونگار یعنی کپڑے میں پھول بوٹے بنانا۔ چنانچہ کتاب لغت مجمع البحار جلد دوم صـ۲۹ پر ہے۔ وَالرَّقْمُ یُرِیْدُ النَّقْشَ وَالْوَشْیَ وَالْاَصْلُ فِیْهِ الْکِتَابَۃُ۔ ترجمہ: اور لفظ رقم سے مراد لیتے ہیں نقش ونگار اور وَشْیِ بنانا۔ وشی کا معنی المنجد عربی صـ۹۰۲ پر اس طرح لکھا ہے۔ وَشْیٌ وَشْیٌ یَشِیْ وَشْیًا وَشِیَۃً۔ اَلثَّوْبُ حَسَّنَہٗ بِالْاَلْوَانِ وَنَمْنَمَہٗ وَنَقَشَہٗ۔ ترجمہ: وَشْیٌ کے مشتقات ہیں وشی یشی وشیا وشیۃ یعنی کپڑے

کو خوب صورت بنانا رنگوں سے اور نقش و نگار بنانا۔ اُردو منجد ص۱۳۴۲ پر لکھا ہے کہ رقم کا معنیٰ وشی اور وشی کا معنیٰ ہے نقش و نگار ہونا۔ مجمع البحار جلد دوم ص۳۰ پر ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک رقما سے شجرات اور درختوں کی تصویریں مراد ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ يَحْتَجُّ بِهِ فِي إِبَاحَةِ صُوَرٍ هِيَ رَقْمٌ وَأَجَابَ الْجُمْهُورُ بِأَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى صُورَةِ الشَّجَرِ۔ ترجمہ: بعض لوگوں نے رقما کے لفظ سے ہر تصویر کے جواز کی دلیل لی ہے اور اکثریتِ علما نے اس کا جواب یہ دیا کہ رقما کا معنیٰ صرف درخت وغیرہ کی تصویر ہے۔ ہماری تلاش میں اِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ کی صرف دو حدیثیں ہیں۔ ایک ابوطلحہ انصاری رح کی عیادت والی اور ایک زید رض کی عیادت والی۔ ابوطلحہ کے فرشِ زمین پر ایک کپڑے کا ذکر ہے جس میں رقما فِي ثوبٍ تھے اور حضرت زید کے دروازے پر ایسا پردہ تھا جس میں رقما فِي ثوبٍ کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو بخاری ترمذی، اور نسائی نے نقل فرمایا ہے اس کا جواب بخاری شریف جلد دوم کے حاشیے پر ص۸۸۱ میں اس طرح دیا گیا ہے۔ ۳۔ قَوْلُهُ اِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَسُكُونِهَا اَلنَّقْشُ وَالْكِتَابَةُ۔ قس۔ قَالَ فِي الْفَتْحِ فِي رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ فَقَالَ اِنَّهُ قَالَ۔ اِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ اَلَا سَمِعْتَهُ قُلْتُ لَا۔ قَالَ بَلٰى قَدْ ذَكَرَهُ وَوَقَعَ عِنْدَ النَّسَائِي مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدَ اللهِ ابْنِ سُفْيَانَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ نَعُوْدُهُ فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ نُمْرُقَتَيْنِ فِيْهِمَا تَصَاوِيْرُ فَقَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ اَلَيْسَ حَدَّثْتَنَا فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ فَقَالَ زَيْدٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ قَالَ النَّوَوِيُّ يَجْمَعُ بَيْنَ الْاَحَادِيْثِ بِاَنَّ الْمُرَادَ بِاسْتِثْنَاءِ الرَّقْمِ فِي الثَّوْبِ مَا كَانَتِ الصُّوْرَةُ فِيْهِ مِنْ ذَوَاتٍ لَا رُوْحَ فِيْهَا كَصُوْرَةِ الشَّجَرِ وَنَحْوِهَا (الخ)

ترجمہ:۔ حدیث مقدسہ کا یہ فرمان کہ اِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ قاف کے زبر سے بھی پڑھا جاتا ہے اور سکون سے بھی اِس کا معنیٰ ہے نقش و نگار اور

کتابت یعنی لکھائی۔ اسی پر قیاس کر کے مسئلہ سمجھ لے۔ فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا عمرو بن حارث کی روایت کے بارے میں تو شارح نے فرمایا کہ عمرو بن حارث نے فرمایا کہ کیا تم نے اِلَّا رَقْمًا فِی ثَوْبٍ کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہ سنے تھے۔ راوی نے کہا کہ نہیں سنے تھے۔ محدث نے فرمایا ہاں بلکہ سنے تھے اس کا ذکر فرمایا تھا۔ اور امام نسائی کے نزدیک یہ روایت ایک اور طریقے سے ہے وہ روایت کرتے ہیں بسر ابن سعید سے وہ روایت کرتے ہیں عبیدہ بن سفیان سے انہوں نے فرمایا کہ میں اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن حاضر ہوئے زید ابن خالد کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے ہم نے اُن کے پاس دو باریک پردے پڑے دیکھے جن میں تصویریں تھیں۔ یہ دیکھ کر ابو سلمہ نے حضرت زید سے کہا کہ آپ نے تو ہم کو حدیث سنائی تھی جس میں تصویروں کی حرمت وممانعت کا ذکر تھا۔ (اور آپ خود یہ تصویر والے پردے رکھے ہوئے) حضرتِ زید نے جواباً فرمایا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ مگر نقش ونگار والا پردہ جائز ہے۔ امام نووی نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ان احادیث کے درمیان اس طرح مطابقت کی جا سکتی ہے کہ اِلَّا رَقْمًا فِی ثَوْبٍ سے مراد وہ تصویریں ہیں جو بے جان چیزوں کی ہوں مثلاً درختوں کی یا پھول پھل پتوں کی۔ ان تمام لغوی اور شرعی حوالوں سے ثابت ہوا کہ رقم کا معنیٰ تمثال نہیں بلکہ پھول پتوں کے نقش ونگار ہیں مگر چونکہ عربی زبان میں ہر قسم کی جان بیجان چیزوں کے نقشے کو تصویر کہدیا جاتا ہے اس لیے بعض تابعین کو حدیث مبارکہ میں حرمتِ تصویر کے الفاظ دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید بے جان اشیا کی تصاویر بھی حرام ہیں تو انہوں نے پھول پتوں کے نقشے والے کپڑے کو دیکھ کر بھی وہ سوال کر دیا جس کا ذکر اس روایت میں ہے اور جس کا جواب اِلَّا رَقْمًا فِی ثَوْبٍ کے استثناء سے دیکر جان وبے جان کی تصویر کا شرعی فرق بیان فرمایا گیا اگر یہ فرق نہ ہوتا تو فرمانِ نبوت میں اِلَّا رَقْمًا نہ ہوتا بلکہ اِلَّا تِمْثَالًا یا تصویرًا۔ یا تصلیبًا، ہوتا۔ اتنی واضح عبارت اور آسان فہم الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی کم ذھن نہ سمجھے اور تماثیل وبتوں کے بنانے بنوانے کے جواز پر اڑا رہے

تو ہم اُس کو جہنم اور جہنم کے اَشدّ عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں ہمارے پاس تو صرف قلم ہی ہے کہ لکھ کر فرمانِ نبوت سنا دیں سمجھا دیں منشاءِ حدیث بتادیں اصل معنٰی لغات و شرح سے بیان کر دیں وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ کوئی جاہل اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ جاندار کی تصاویر حرام نہیں بلکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس لیے تصویروں والا پردہ ہٹا دیا تھا کہ آپ کو نماز میں خلل ڈالتا تھا۔ یا آپ کو دنیا یاد آتی تھی اور دلیل میں پیش کرتے ہیں نسائی شریف کی عَنْ عائشہ والی حدیث پاک کہ۔ فَاِنِّیْ کُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَاَیْتُہٗ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا اور بخاری دوم کی عَنْ اَنس والی حدیثِ پاک کہ۔ اَمِیْطِیْ عَنِّیْ فَاِنَّہٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تَعْرِضُ فِیْ صَلوٰتِیْ جہلا ان دونوں حدیثوں سے یہ لغو استدلال لیتے ہیں کہ تصویر لگانا سجانا حرام نہیں صرف اِس لیے اتروانی چاہیئے کہ نماز میں خلل پڑتا ہے اور دنیا یاد آتی ہے اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو گھر میں تصویریں نوٹیں لگانے میں کوئی حرج نہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ ان لغویات کا جواب اس طرح ہے کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا اور تَعْرِضُ فِیْ صَلوٰتِیْ۔ یہ تصاویر و تمثال سے نفرت بیان فرمانا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز سے نفرت کرنا ہی اُس کا حرام ہونا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی چیز سے نفرت فرمائیں لیکن امتی اس سے محبت اور اس کی تعظیم کرے اس سے اپنا گھر سجائے نیز جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ اکمل میں خلل ڈال دے وہ شیطانی چیز ہماری نمازوں کو کتنا سخت خراب اور نقصان پہنچائیں گی لہٰذا لازمًا ثابت ہوا کہ ہماری نمازیں تو تصویروں سے قطعًا برباد ستیاناس ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے کہ جو چیز نماز میں خلل ڈالے وہ شیطانی ہے اور جو شیطانی ہو وہ حرام ہے پس صغریٰ کبریٰ منطقی جوڑ کر ثابت ہوا کہ ہر جاندار کی تصویر حرام ہے۔ یہ تو صرف گھر میں لگانے کا ذکر ہے لیکن تصویریں بنانا بنوانا تو مطلقًا ہر طرح حرام ہے۔ اور اَشدّ عذاب کا باعث۔ کوئی جاہل اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ جس تصویر کا سایہ ہو وہ حرام ہے جس تصویر کے جسم کا سایہ نہ ہو وہ حرام نہیں مگر ایسا نہ

بہ نہ کوئی حوالہ نہ دلیل۔ بس جو منہ میں آیا بول دیا گویا شریعت ان کی ذاتی چیز ہے۔ جیسے چاہا پھیری پھیری کر لی۔ اللہ تعالیٰ اِن گمراہوں کو ہدایت دے شیطان کے چنگل سے بچائے۔ اور ان کی گمراہ گری سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔ خلاصہ یہ کہ تصویر کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ تمثال ۲۔ ترقیم ۳۔ تصالیب ۴۔ مکتوب ۵۔ مورتی جن میں سے ترقیم اور مکتوب بنانا جائز ہے تمثال اور مورتی بنانا حرام ہے تصلیب اگر کفر یا کفر نوازی کی وجہ سے ہو تو اگرچہ بیجان چیز کی ہو مطلقاً حرام ہے اور اگر ارادۂ کفر نہ ہو تو جائز اور اگر تصلیب جاندار اشیا کی ہو تو بہر کیف حرام ہے خیال رہے کہ تمثال اور مورتی کا موجد ابلیس ہے تصویر و ایجادِ ابلیس کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

چودھواں فتویٰ

عورت اور مرد کی دِیت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ قانونِ شریعت میں قرآن وحدیث کی رو سے عورت اور مرد کی دیت کا مسئلہ کیا ہے دیو بندی حضرات کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے اور اس مسئلے پر وہ بہت متشدد ہیں یہاں تک کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے اس مسئلے کی مخالفت کرے وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ لیکن بہت سے اہلِ سنت علما نے فرمایا ہے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔ ہمارے علاقہ میں اس لفظ نے انتشار ڈال دیا ہے کہ جو دیو بندیوں کی بات اور مسئلہ نہ مانے وہ گمراہ ہے لہٰذا ہم کو اس کے دلائل اور صحیح مسئلے سے آگاہ فرمایا جائے۔ تاکہ ہم جان سکیں کہ حق مسئلہ کیا ہے اگر وہابی دیو بندی مسلک اس مسئلے میں غلط ہے تو آپ کا فتویٰ مبارکہ ہم ان کو دکھائیں گے تاکہ اُن کے فساد فی الارض والے کام

وکلام بند ہوں۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوْا۔ فقط والسلام۔

دستخط سائل ۲/۱/۹۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب،

سوالِ مذکورہ میں جو مسئلہ سائلِ محترم نے پوچھا ہے وہ فی زمانہ کچھ زیادہ اہمیت کا نہیں ہے کیونکہ نہ کوئی اس پر قانون سازی کی گئی نہ اس ملک کی بدقسمتی سے ابھی تک اسلامی قانون جاری کیا گیا اس انگریزی عیسائی قانون کی غلامی میں ہم ابھی تک جکڑے ہوئے ہیں۔ نہ خطاءً قتل ہوتے ہیں نہ دیت کوئی دیتا ہے نہ لیتا ہے اس کے علاوہ بہت سے ایسے اشد ضروری مسائل موجود ہیں جس کو شرعاً حاصل کرنا ضرورۃً دین وایمان کے علاوہ ضروریاتِ زندگی کے لیے بھی شدید ضروری ہیں۔ مگر اُن کی طرف اتنی توجہ نہیں دی جاتی۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں نے بھی سنا کہ پاکستان میں چند ماہ پیشتر اس مسئلے پر مخالفین ومعاندین نے اتنا شور مچایا کہ اخبارات ورسائل محافل ومجالس۔ راہ چلتے عوام وخواص نے بس یہی ایک مشغلہ بنا لیا تھا کہ آدھی دیت ہے یا پوری۔ اور اس غیر اہم مسئلے پر نئے نئے اہلِ قلم نے اتنا اودھم مچایا کہ جیسے انکو زندگی میں اور کوئی کام ہی نہیں اور اگر اس مسئلے میں ہماری بات نہ مانی گئی تو قیامت آجائے گی۔ ایسے ہی غیر ضروری مسائل کے لیے ہمارے اہلِ قلم تضیع اوقات میں لگے رہتے ہیں بس اخبار رسائل بھرتے خانہ پوری کرنے کے لیے شریعت ومسائل پر اُلٹے سیدھے قلم آزماتے رہتے ہیں۔ ان حرکات سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ یہ کہ قوانینِ اسلامیہ کی توہین ہوتی ہے ۲۔ یہ کہ ہر جاہل کو اسلامی اصول وفروع کے خلاف زبان درازی کا موقعہ ملتا ہے ۳۔ اخبارات ورسائل میں اسلام کے مسائل آیات واحادیث چھاپ کر بے ادبی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ اخبار کی مدت ہی کیا ہے آج مطالعہ ہے تو کل وہی اخبار پیروں میں ہے سڑکوں پر ردی کی ترازو میں ہیں۔ مگر ہمارے دانشوروں کو عقل نہیں آتی بعض اخبارات تو اتنے حریص ہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو اپنے اخبار میں سمونا چاہتے ہیں ۴۔ اغیار وکفار کی

نگاہ میں اسلامی قوانین کا وقار مجروح ہوتا ہے کسی کی زبان کہتی ہے۔ یہ مولویوں کی لڑائی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اسلام کا ہر مسئلہ ہی سراپا لڑائی ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کبھی کسی اہل قلم کو ہائی کورٹ سپریم کورٹ اور انگریزی لاء پر اس طرح کی قلم زنی کی جرأت نہیں ہوئی مفتیٔ اسلام جو شریعت اسلامیہ کی عدالت کے چیف جسٹس کا درجہ رکھتا ہے اور جس کا قانونی قلم کرسیِ عدالت کی زینت ہونی چاہیئے آج اخباروں رسالوں میں بکتا پھرتا ہے سڑکوں گلیوں میں پھکتا پھرتا ہے۔ کسی دین والے نے اپنے دین کی ایسی توہین نہ کرائی جیسی کہ ہمارے بر خود ساختہ مولوی اور مفتی مضمون نویسی کے شوقین حضرات نے کرائی ہے۔ میں اس مسئلۂ دیت پر ہرگز اپنا قلم نہ اُٹھاتا اگر سائل کا یہ سوال نہ آتا۔ سائل کے سوال کی وجہ سے مجھ کو یہ مسئلہ لکھنا پڑا اولاً اس لیے کہ حدیثِ پاک میں ارشادِ اقدس ہے جس سے مسئلہ پوچھا جائے اور وہ نہ بتائے اپنے علم کو چھپالے کل قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ ثانیاً اس لیے کہ اس مسئلے پر بعض جہلا نے اتنا تشدد اختیار کیا کہ اپنے مخالفین کو گمراہ اور گمراہ گر کہنا شروع کر دیا حالانکہ اِس مسئلے پر بلکہ کسی بھی اجتہادی یا قیاسی مسئلے پر کسی مخالف کو ضال اور مُضِل کہنا بذاتِ خود جہالت ہے۔ ضلالت صرف یہ ہے کہ آیتِ قرآن مجید کی عبارۃ النص یا حدیث متواترہ مشہورہ اور صحیحہ کی مخالفت کی جائے ثالثاً اس لیے کہ بقولِ سائل بعض جُہلا کے متشدد رویے کی وجہ سے علاقہ میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور انتشار سے فسادِ فی الارض کا ظہور ہے جس کو ختم کرنا ضروری لہٰذا سائل کے سوال کا جواب اس طرح ہے کہ دیتِ رجال ونساء کی مقدار مشائخ فقہاءِ احناف میں مختلف فیہ ہے اگرچہ مجتہدین میں اختلاف ثابت وظاہر نہیں مگر مشائخ میں اختلاف موجود ہے۔ خیال رہے کہ فقہی اختلاف تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا اختلاف مجتہدین کا یہ اصول اور فروع میں ہوسکتا ہے دوسرا اختلاف مشائخ کا یہ صرف فروع میں ہوسکتا ہے۔ تیسرا اختلاف متاخرین کا یہ صرف مُفتا بہ اور

غیر مفتا بہ ہیں ہو سکتا ہے اِن تینوں قسموں میں جہاں کہیں اختلاف نہ ہوا اس کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ اِس تقسیم کے اعتبار سے فقہ کے ہزار ہا سائل مختلف فیہ ہیں اور ہزار ہا سائل متفق علیہ ہیں۔ عورت و مرد کی دیت کی مقدار کا مسئلہ مشائخ میں مختلف فیہ ہے چنانچہ امام اعظم رض کے ایک شاگرد صرف امام محمد رح کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔ لیکن امام اعظم کے ہی ایک شاگرد امام اصم رح اور ایک اور شاگرد امام ابن علیہ رح ان ہر دو اماموں کے نزدیک عورت و مرد بچہ اور بڑا مسلمان، اور غیر مسلم مستامن و ذمی کافر کی دیت برابر ہے ہر امام کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ مگر چونکہ امام اصم اور امام ابن علیہ کے دلائل مضبوط ہیں اس لیے ہم پہلے ان کو بیان کریں گے۔ اور چونکہ امام محمد کے دلائل کمزور ہیں اس لیے ان کو بعد میں بیان کیا جائے گا۔ اور ہر دلیل پر اس کی کمزوری بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

برابر دیت کی پہلی دلیل، سورۃ نساء کی آیت ۹۲ پارہ پنجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا۔ ترجمہ: اور وہ شخص جو کسی مومن آدمی (مرد یا عورت) کو غلطی سے قتل کر دے تو قاتل پر کفارہ یہ ہے مومنہ لونڈی یا غلام آزاد کرے اور دیت ادا کرے مقتول کے وارثوں کو مگر یہ کہ وہ وارثین خود ہی معاف کر دیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اجماعِ صحابہ بھی ہے اور اجماعِ امت بھی کہ یہاں مومناً سے مراد عورت بھی ہے اور مرد بھی تو جتنی دیت مرد کی ہوگی اتنی ہی عورت کی کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں کا ذکر فرمایا بلکہ دِيَةٌ کا ایک ہی بار ذکر فرمایا اور قرآنِ مجید کا یہ مطلق اِس کا اطلاق عورت و مرد دونوں کی دیت پر برابر ہے اس لیے کہ علمِ اصول کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اَلْمُطْلَقُ يَجْرِي عَلَىٰ إِطْلَاقِهِ یعنی ہر مطلق اپنے اطلاق پر ہی قائم رہتا ہے ثابت ہوا کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے۔ اگر کوئی مخالف اس دلیل کو تسلیم نہ کرے تو پھر وہ قرآن مجید سے

عورت کی دیت بالکل ہی ثابت نہیں کر سکتا ہے نہ آدھی نہ پاؤ۔ کیونکہ قرآن مجید میں دیت کے واجب وثابت ہونے کی فقط یہ ایک ہی آیت ہے اسی سے عورت کی دیت ثابت اس سے مرد کی۔ تو اگر یہاں دِیَۃٌ کا لفظ پوری دیت ثابت کر رہا ہے تو عورت ومرد برابر اور اگر آدھی دیت ثابت کر رہا ہے تو بھی عورت ومرد برابر۔ عقل وتدبّر کے کتنے کمزور ہیں وہ لوگ جو اتنی واضح آیت کے ہوتے ہوئے پھر بھی عورت کی آدھی دیت کی رَٹ لگائے پھرتے ہیں۔

دوسری دلیل۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں جتنی بھی فرضی واجبی عبادات کا ذکر فرمایا ہے وہ سب ہی مذکّر کے صیغوں سے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن ان تمام عبادات واحکام میں مرد وعورت برابر کے شریک۔ مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ وغیرہ ان تمام آیت میں جمع مذکر کے صیغوں کو ہی ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن اس کے باوجود اِن تمام میں مردوں کے ساتھ عورتیں ہر جگہ شامل بھی ہیں اور برابر کی حصّہ دار بھی ہیں۔ مثلاً انہی آیات سے جتنی نمازیں مرد پر فرض اتنی ہی عورتوں پر فرض یہی حال زکوٰۃ اور روزوں کا ہے اور جس طرح یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد مرد ہیں اِسی طرح عورتیں بھی مراد ہیں کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ عورت پر مرد سے آدھی نمازیں آدھے روزے آدھی زکوٰۃ فرض ہے۔ تو پھر دیت بھی تو اسی قسم کی آیت سے ثابت ہے یہاں اپنے ذہنی اِختراع سے نصف کیوں بنا دیا۔ اگر دیت آدھی ہے تو پھر روزہ نماز زکوٰۃ بھی آدھی ہونی چاہیئے۔

تیسری دلیل۔ نسائی شریف جلد دوم ص۲۴۷ بَابُ عَقْلِ الْمَرْئَۃِ۔ اَخْبَرَنَا عِیْسَی ابْنُ یُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا ضَمْرَۃٌ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ ابْنِ عَیَّاشٍ عَنْ اِبْنِ جُرَیْجٍ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَقْلُ الْمَرْئَۃِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ حَتّٰی یَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِیَتِھَا۔ ترجمہ۔ عمرو ابن شعیب کے دادا روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ یہاں تک

کہ تہائی تک بھی ہو جائے۔ چونکہ لفظ حتیٰ دو قسم کا ہے ۱۔ حتیٰ جارہ ۲۔ حتیٰ عاطفہ۔ حتیٰ جارہ صرف اسمِ ظاہر پر آتا ہے۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۶۸ پر ہے۔ وَتَخْتَصُّ اَیْ حَتّٰی بِالظَّاهِرِ اَیْ بِالْاِسْمِ الظَّاهِرِ فَلَا یُقَالُ حَتَّاهُ۔ ترجمہ:۔ اور حتیٰ جارہ خاص ہوتا ہے اسم ظاہر سے کسی ضمیر پر نہیں آسکتا۔ اس لیے نہیں کہا جاسکتا حَتَّاهُ۔ حتیٰ جارہ کے ترجمے دو طرح ہو سکتے ہیں کبھی اِلٰی کے معنیٰ میں اور اکثر مَعَ کے معنیٰ میں۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۶۸ وَحَتّٰی کَذٰلِکَ اَیْ مِثْلُ اِلٰی فِیْ کَوْنِهَا لِاِنْتِهَاءِ الْغَایَةِ وَبِمَعْنٰی مَعَ کَثِیْرًا۔ ترجمہ:۔ اور حتیٰ جارہ اِلٰی کی مثل مقصد کے انتہا کے لیے ہوتا ہے اور اکثر مَعَ کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور حتیٰ عاطفہ اسم ظاہر پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور فعل پر بھی آجاتا ہے ہے اور حتیٰ عاطفہ حرف ثُمَّ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شرح جامی ص ۳۸۵ پر ہے۔ حَتّٰی مِثْلُهَا اَیْ مِثْلُ ثُمَّ فِی التَّرْتِیْبِ بِمُهْلَةٍ ۔ غَیْرَ اَنَّ الْمُهْلَةَ فِیْ حَتّٰی اَقَلُّ مِنْهَا فِیْ ثُمَّ۔ (الخ) ترجمہ۔ حتیٰ عاطفہ مہلت اور ترتیب میں ثُمَّ کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ثُمَّ میں زیادہ مہلت ہوتی ہے حتیٰ میں اس سے کم۔ نسائی شریف کی اس حدیثِ مقدسہ میں آخری الفاظ ہیں۔ حَتّٰی یَبْلُغَ الثُّلُثَ۔ یہ حتیٰ عاطفہ ہے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے پھر یہاں تک کہ تہائی تک بھی پہنچ جائے تب بھی۔

چوتھی دلیل۔ دیت اپنے معنیٰ مقصد اور سبب وجوب کے اعتبار سے بھی تقاضہ کرتی ہے کہ عورت مرد بچہ بوڑھا مُستامَن اور ذِمّی سب کی دیت برابر ہو اس لیے کہ دیت بنا ہے وَدْیٌ اس کا لغوی معنیٰ ہے عطا کرنا قاتل کا مقتول کے خون کا بدلہ اور اس کا شرعی معنیٰ ہے خونِ انسانی کی صیانت حفاظت کے لیے خطا اور غلطی سے قتل ہونے پر بھی خونِ آدمیت کی عزت و حرمت قائم رکھتے ہوئے اس کا عوض دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ دُرِّمختار شامی جلد پنجم کتاب الدیات ص ۵۰۴ پر ہے۔ اَلدِّیَةُ فِی الشَّرْعِ اِسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِیْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ۔ وَصِیَانَةُ الْحَیٰوةِ وَالنَّفْسِ وَفِی اللُّغَةِ مَصْدَرُ وَدَی الْقَاتِلُ الْمَقْتُوْلَ اِذَا اَعْطٰی وَلِیَّهُ الْمَالَ الَّذِیْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ وَالتَّاءُ

فِیْ اٰخِرِھَا عِوَضٌ عَنِ الْوَاوِ فِیْ اَوَّلِھَا کَالْعِدَۃِ۔ ترجمہ، دیت کا شرعی معنیٰ وہ مال ہے جو جان کا بدلہ ہوتا ہے اور زندگی اور جان کی عزت کے لیئے اور دیت کا لغوی معنیٰ ہے وَدْیٌ یہ مصدر ہے۔ یعنی غلطی سے قتل کر دینے کے بعد قاتل کا منقول کی عزت کرتے ہوئے اُس کے والی وارث کو اتنا مال دینا جو شریعت نے ایک جان کا بدلہ بنایا ہے اور اس کے آخر کی تَ شروع کی واؤ کا عوض ہے جیسے وَعْدٌ سے عِدَۃٌ۔ اور فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم کتاب الدیات صـ۳۷۲ پر ہے۔ وَاَمَّا سَبَبُ وُجُوْبِھَا فَالْخَطَاءُ فَاِنَّ الْاٰدَمِیَّ لِمَا خُلِقَ فِی الْاَصْلِ مَعْصُوْمُ النَّفْسِ مَحْقُوْنَ الدَّمِ مَضْمُوْنًا عَنِ الْھَدْرِ فَیَجِبُ صَوْنُ حَقِّہٖ عَنِ الْبُطْلَانِ۔ ترجمہ۔ اور لیکن دیت کے واجب ہونے کا سبب پس غلطی سے قتل کر دینا ہے کیونکہ آدمی چونکہ اَصْلًا جان کی حفاظت کیلئے پیدا کیا گیا۔ اور معصومُ النفس ہے۔ اس کے خون کی حفاظت واجب ہے اور ضائع کرتے کا ضمان دیا گیا۔ ہوا ہے لہٰذا آدمی کے حق کو ضائع ہونے سے بچانا واجب ہے۔ مؤطا امام محمد عربی کا حاشیہ صـ۲۸۹ پر ہے۔ لہ کِتَابُ الدِّیَاتِ جَمْعُ دِیَۃٍ (الخ) وَھُوَ اِسْمٌ لِضَمَانٍ یَجِبُ بِمُقَابِلَۃِ الْاٰدَمِیِّ اَوْ طَرَفٍ مِنْھَا سُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ یُؤَدّٰی عَادَۃً لِاَنَّہٗ عَقْلُ مَا یَجْرِیْ الْعَفْوُ فِیْہِ لِحُرْمَۃِ الْاٰدَمِیِّ۔

ترجمہ: کتابُ الدیات یعنی دیتوں کا بیان دیت کی جمع ہے اور وہ دیت نام ہے اُس بدلے کا جو واجب ہوتا ہے آدمی یا اُس کے اعضا کے مقابلے میں اس کا نام دیت اس لیے رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ عادۃً لوٹ کر ادا کی جاتی ہے کیونکہ یہ وہ تاوان ہے جس میں معافی جاری ہوتی ہے آدمی کی عزت کے لیے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ شریعت اسلام نے مطلقاً ہر آدمی کی عزت و احترام ہر مقام پر بحال رکھی ہے بشرطیکہ وہ اسلامی ملک میں پُر امن طریقے سے رہتا ہو۔ آدمیت اور انسانیت پر یہ احسان کسی مذہب نے نہیں کیا دیت ادا کرنا انسانی جان کا احترام ہے اور چونکہ آدمیت و انسانیت تو عورت، مرد، بچے، جوان، بوڑھے مسلم، غیر مسلم میں برابر ہے

اس لیے ان کی آدمیت اور جان کا احترام بھی برابر ہے اور دیتِ شرعی احترامِ آدمیت ہے لہٰذا سب کی دیت برابر ہے۔

پانچویں دلیل تمام فقہا فرماتے ہیں ذمی کافر مستامن کافر اور مسلمان کی دیت سب کی برابر ہے چنانچہ شامی جلد پنجم صـ۵۰۵ پر ہے وَ الذِّمِّیِّ وَالْمُسْتَامِنِ وَالْمُسْلِمِ فِی الدِّیَۃِ سَوَاءٌ۔ ترجمہ ذمی مستامن اور مسلمان کی دیت برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح ان تینوں کا مال معصوم یعنی قابلِ حفاظت ہے کہ اگر مسلمان کا مال کوئی شخص ضائع کردے تو اس کا پورا بدلہ دینا واجب ہے اسی طرح کوئی شخص ذمی کافر یا مستامن کافر کا مال ضائع کردے تو پورا بدلہ دینا واجب تو جیسے تینوں کا مال معصوم تو بدلہ برابر اسی طرح ان تینوں کی جان معصوم ہے لہٰذا اس کا بھی بدلہ یعنی دیت برابر ہے۔

چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم صـ۳۷۵ پر ہے۔ لِاَنَّھُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مُتَقَوَّمُوْنَ لِاِحْرَازِھِمْ اَنْفُسَھُمْ بِالدَّارِ فَوَجَبَ اَنْ یَّکُوْنَ مُلْحَقِیْنَ بِالْمُسْلِمِیْنَ اِذْ یَجِبُ بِقَتْلِھِمْ مَا یَجِبُ بِقَتْلِھِمْ اَنْ لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ اَلَا تَرٰی اَنَّ اَمْوَالَھُمْ وَاَنْفُسَھُمْ لَمَّا کَانَتْ مَعْصُوْمَۃً مُتَقَوَّمَۃً یَجِبُ بِاِتْلَافِھَا مَا یَجِبُ بِاِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ فَاِذَا کَانَ ھٰذَا فِیْ اَمْوَالِھِمْ فَمَا ظَنُّکَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ۔ ترجمہ۔ ذمی مستامن اور مسلمان تینوں کا خون معصوم محفوظ اور قیمتی ہے اس لیے تینوں کی دیت برابر کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تینوں کے مال معصوم اور شرعاً قیمتی ہیں تو اگر ذمی مستامن کفار کا مال کوئی ضائع کردے تو اتنا ہی بدلہ دینا پڑے گا جتنا کہ کسی مسلمان کے مال ضائع کرنے پر اسی قسم کے مال کا بدلہ بنتا ہے تو پھر کفار کی جان ضائع کرنے پر تیرا کیا گمان ہے وہ تو مال سے بھی زیادہ معصوم اور قابلِ عزت و تکریم ہے لہٰذا اس کا بدلہ بھی مسلمان کے برابر ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مال اور معصومیتِ مال و جان پر قیاس کرکے ہی دیتِ مسلم و کافر کی برابری ثابت کرتی ہے تو پھر عورت کے مال کا

بدلہ بھی مرد کے مال کے بدلے کے برابر ہے کیونکہ عورت کا مال بھی مرد کے مال کی طرح معصوم ہے تو جب عورت کے مال کا بدلہ مرد کے مال کے بدلے کے برابر ہے فَمَا ظَنُّكَ فِي اَنْفُسِهِنَّ۔ تو پھر عورت کی جان کی دیت مرد کی جان کی دیت کی برابری میں تیرا کیا گمان ہے۔ یہاں تو ایسا کیوں غلط ہو گیا۔ ذمی مستامن مسلمان کی طرح عورت کی جان مال بھی معصوم و متقوم ہے اور بدلہ برابر ہے تو دیت بھی برابر ہے۔

چھٹی دلیل۔ فتاویٰ ردّ المختار جلد پنجم ص۵۰۵ پر ہے۔ قَوْلُهٗ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُوْنَهَا وَهٰذَا فِيْمَا فِيْهِ دِيَةٌ مُقَدَّرَةٌ وَاَمَّا فِيْمَا فِيْهِ الْحُكُوْمَةُ فَقِيْلَ كَالْمُقَدَّرَةِ وَقِيْلَ يَسْتَوِيْ بَيْنَهُمَا كَمَا فِي الظَّهِيْرِيَّةِ (الخ) فَفِي التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ مَالَيْسَ لَهٗ بَدَلٌ مُقَدَّرٌ يَسْتَوِيْ فِيْهِ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔ ترجمہ۔ فتاویٰ تنویر کا یہ کہنا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (اس میں بھی اختلاف ہے) اس طرح کہ فقہاء علما نے جو دیت مقرر کی ہے اس میں تو عورت کی دیت نصف ہے لیکن اگر دیت حکومت مقرر کرے تو اس میں عورت و مرد کی دیت برابر ہے بعض نے کہا کہ تب بھی آدھی ہے۔ لہٰذا فتاویٰ تاترخانیہ میں ہے شرح طحاوی کے حوالے سے۔ وہ دیت کہ جس کو حکومت مقرر کرے (شریعت کی مقرر کردہ دیت سے ہو) تو اس میں عورت و مرد برابر ہیں۔ اس عبارت کے ماتحت آج کوئی دیت شریعت کی مقررہ کردہ تو جاری ہوتی ہے نہ کی جاتی ہے خاص کر ہمارے علاقوں میں کیونکہ شریعت نے سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم مقرر فرمائے جیسا کہ فتاویٰ شامی وغیرہ نے فرمایا اور آج کل نہ اونٹ دستیاب نہ دینار نہ درہم۔ جو بھی دیت ہو گی وہ حکومتِ وقت کی مقررہ کردہ ہو گی۔ لہٰذا برابر ہو گی یہ تھے وہ دلائل جو امام اصم اور امام ابن عطیہ کے مسلک پر ہیں اور قوی ہیں ان کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ دیت کے بارے میں ان دونوں سے امام محمد کا اختلاف ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت

آدھی ہے امام محمد اپنے مسلک پر پانچ دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس کو تفسیر کبیر جلد سوم سورۃ النساء کی آیت ۹۲ میں ص ۲۹۷ پر امام رازی علیہ الرحمۃ مندرجہ ذیل عبارت میں اس طرح بیان فرماتے ہیں (اَلْمَسْئَلَۃُ الثَّامِنَۃُ) مَذْھَبُ اَکْثَرِ الْفُقَھَاءِ اَنَّ دِیَۃَ الْمَرْاَۃِ نِصْفُ دِیَۃِ الرَّجُلِ وَقَالَ اَصَمُّ وَابْنُ عَطِیَّۃَ دِیَتُھَا مِثْلُ دِیَتِ الرَّجُلِ۔ حُجَّۃُ الْفُقَھَاءِ اِنَّ عَلِیًّا وَعُمَرَ وَابْنَ مَسْعُوْدٍ قَضَوْا بِذٰلِکَ وَلِاَنَّ الْمَرْاَۃَ فِی الْمِیْرَاثِ وَالشَّھَادَۃِ عَلَی النِّصْفِ مِنَ الرَّجُلِ فَکَذٰلِکَ فِی الدِّیَۃِ وَحُجَّۃُ الْاَصَمِّ وَابْنِ عَطِیَّۃَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ وَّ دِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰٓی اَھْلِہٖ وَاَجْمَعُوْا عَلٰٓی اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ دَخَلَ فِیْھَا حُکْمُ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَۃِ فَوَجَبَ اَنْ یَّکُوْنَ الْحُکْمُ ثَابِتًا بِالسَّوِیَّۃِ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ:۔ اکثر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور امام اَصَمّ اور امام ابن عطیہ نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے بالکل برابر ہے۔ فقہا کی دلیل ایک یہ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اس طرح کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اور دوسری دلیل چونکہ عورت میراث پانے اور گواہی دینے میں مرد سے آدھی ہے تو اسی طرح دیت میں آدھی ہونی چاہیئے۔ اور امام اَصَمّ و امام ابن عطیہ کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً (الخ) اور تمام صحابہ و اُمت کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت کا وجوب بھی اسی آیت سے ثابت ہے (اور عورت و مرد کی دیت کے لیے ایک ہی لفظ وَدِیَۃٌ "تنوین تعظیمی" کے ساتھ ہے یعنی مکمل پوری دیت) لہٰذا واجب ہے کہ دونوں کی دیت کے لیے برابری کا حکم ثابت ہو امام رازی رح کا یہاں فرمانا کہ مَذْھَبُ اَکْثَرِ الْفُقَھَاءِ۔ یہاں اکثر بمعنیٰ یا زیادہ نہیں اور اکثریت مراد نہیں کہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کا قانون چڑھایا جائے۔ بلکہ یہاں اکثر بمعنیٰ چند ہے کیونکہ اکثریت دو قسم کی ہے اکثریت حقیقی (۲) اکثریتِ اضافی، اکثریت حقیقی کا معنیٰ مطلقاً زیادتی ہے جیسے کہ دو ایک سے اکثر ہے۔ ہم استعمال کے وقت اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں چند یا کچھ

اور اکثریت اضافی کا معنیٰ ہے بہت زیادہ کثیر تعداد۔ تو تفسیر کبیر کی اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ کچھ فقہا کا مذہب۔ جیسے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ یعنی اور کچھ لوگ ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا۔ یہاں آیت میں بھی کثرت حقیقی مراد ہے۔ ھدایہ شریف جلد چہارم ص۵۸۰ پر ہے قَالَ (اَیْ مُحَمَّدٌ فِی الْاَصْلِ لَا فِی الْجَامِعِ) وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ۔ وَقَدْ وَرَدَ هٰذَا اللَّفْظُ مَوْقُوْفًا عَلٰى عَلِيٍّ وَمَرْفُوْعًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِاَنَّ حَالَهَا اَنْقَصُ مِنْ حَالِ الرَّجُلِ (وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸) وَمَنْفَعَتُهَا اَقَلُّ وَقَدْ ظَهَرَ اَثَرُ النُّقْصَانِ فِي التَّنْصِيْفِ فِي النَّفْسِ فَكَذَا فِيْ اَطْرَافِهَا وَاَجْزَائِهَا اِعْتِبَارًا بِهَا وَبِالثُّلُثِ وَمَا فَوْقَهَا

ترجمہ:۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے یہ مسئلہ صرف اصل مبسوط میں لکھا ہے جامع میں نہیں لکھا۔ عورت کی دیت آدھی ہے مرد کی دیت سے اس کی پہلی دلیل یہ کہ مولیٰ علی کی حدیث موقوف اور دوسری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ عورت کا حال ناقص ہے مرد کے حال سے۔ چوتھی دلیل یہ کہ سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ میں ہے کہ مردوں کا اُن عورتوں پر ایک درجہ ہے پانچویں دلیل یہ کہ عورتوں کا نفع مردوں سے کم ہے اور اس کمی کا اثر ظاہر ہو گا جان میں بھی آدھا ہونے کا پس ایسے ہی عورت کے اعضا میں اسی کمی کا اعتبار ہو گا اور تہائی دیت میں بھی اور زیادہ میں بھی۔ یعنی تہائی بھی آدھی زیادہ بھی آدھی۔ امام محمد کی چھٹی دلیل فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۳۷۵ پر ہے وقال وَلَا يُقَالُ اَنَّ نَقْصَ الْكُفْرِ فَوْقَ نَقْصِ الْاُنُوْثَةِ وَالرِّقِّ۔ (الخ) لِاَنَّا نَقُوْلُ نُقْصَانُ دِيَةِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ لَا بِاعْتِبَارِ نُقْصَانِ الْاُنُوْثَةِ وَالرِّقِّ بَلْ بِاعْتِبَارِ نُقْصَانِ صِفَةِ الْمَالِكِيَّةِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَمْلِكُ النِّكَاحَ وَالْعَبْدُ لَا يَمْلِكُ الْمَالَ وَالْحُرُّ الذَّكَرُ يَمْلِكُهُمَا وَبِهٰذَا ازْدَادَتْ قِيْمَتُهٗ وَنَقَصَتْ قِيْمَتُهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور نہ کہا جائے کہ کفر کا عیب مؤنث ہونے اور غلام ہونے

کی نا قصیت سے زیادہ ہے) تو جب عورت اور غلام کی دیت آدھی تو کافر ذمی و مستامن کی دیت بھی آدھی ہونے چاہیئے یا پھر اگر کافر کی دیت مسلمان مرد کے برابر ہے تو عورت کی دیت بھی برابر ہونی چاہیئے) یہ سوال نہ کیا جائے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ عورت اور غلام کی دیت کا کم ہونا اُن کے مؤنث یا غلام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی ملکیت کے کم ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت نکاح کی مالک اور غلام مال کا مالک نہیں اور مذکر آزاد اِن دونوں کا مالک ہے اس لیے مذکر کی جان کی قیمت زیادہ ہوئی اور عورت و غلام کی جان کی قیمت کم ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ امام محمد کی مندرجہ ذیل چار دلیلیں ہیں ایک یہ کہ حضرت علی کی موقوف حدیث سے ثابت ہے دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث سے ثابت ہے ان دونوں حدیثوں کو شرح نقایہ نے بیہقی شریف کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؒ قَوْلُهُ وَقَدْ وَرَدَ الخ) اَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ وَاَخْرَجَ اِبْرَاهِيْمُ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ تُعْقَلُ الْمَرْأَةُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ عَقْلِ الرَّجُلِ۔ شرح نقایہ (حاشیہ ھدایہ ص۵) دلیل سوم۔ یہ کہ عورت کا حال ناقص ہے مرد کے حال سے چار طرح ۱: گواہی میں ۲: میراث میں ۳: منفعت میں ۴: صفت ملکیت یعنی نکاح میں۔ دلیل چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مقدس ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ پارہ دوم)۔

اب ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ امام محمد رح کے اس مذہب میں اکثر فقہا ہیں یا اقل فقہا بلکہ ہم نے دلائل کی قوت دیکھی ہے۔ اس لیے کہ مذہب و مسلک کی حقانیت کثرتِ افراد پر نہیں بلکہ قوتِ دلائل پر ہے۔ پس غور کرنے کے بعد ہم نے اِن چاروں دلیلوں کے استدلال کو نہایت کمزور و ناقص پایا۔ چنانچہ پہلی دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ اس موقوف حدیث کو بجز بیہقی کسی بھی کتاب نے نقل نہ فرمایا۔ جس سے یہ حدیث خبرِ واحد بنی

کیونکہ ایک ہی سند ہوئی اور ایک ہی راوی۔ اس لیے محدثین کے نزدیک یہ پانچویں درجہ کی روایت ہوئی یعنی متواتر، مشہور، حسن۔ صحیح کے بعد اس کا درجہ ہے اور یہ قانون ہے کہ روایت جتنے درجہ پیچھے ہوگی اتنا ہی اس کا استدلال کمزور ہوگا۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خبر واحد ضعیف ہے یا موضوع ہے یا صحیح صرف مرفوع یا موقوف ہونا روایت کے صحیح ہونے کا مدار نہیں اس لیے کہ جس راوی نے جب بھی کہدیا۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو وہ روایت مرفوع ہوگی خواہ صحیح کہا ہو یا غلط یا بھول چوک اور اگر کہدیا۔ قَالَ الصَّحَابِیُّ وَقَالَ التَّابِعِیُّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو وہ روایت موقوف و مقطوع ہوگی۔ کہنے والا صحیح کہے یا غلط۔ لہٰذا کسی حدیث کا صرف مرفوع یا موقوف ہونا قوت کی دلیل نہیں جب تک کہ سند کی قوت کا پتہ نہ لگے۔ یہی کیفیت امام محمد کی دوسری دلیل کی ہے یعنی حضرت مولیٰ علی کی طرف موقوف حدیث کی۔

تیسری دلیل کی کمزوری۔ یہ اپنی چاروں شقوں سے اس لیے کمزور ہے کہ قیاسی ہے اور فتاوی فتح القدیر نے اسی لیے اس کو رد فرما دیا۔ چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد ہشتم صفحہ ۳۰۶ پر ہے اَقُوْلُ لِقَائِلٍ اَنْ یَّقُوْلَ حَاصِلُ هٰذَا التَّعْلِیْلِ اَلْقِیَاسُ وَلَا مَجَالَ لَهٗ فِیْ هٰذَا الْبَابِ لِاَنَّ الدِّیَةَ مِنَ الْمُقَدَّرَاتِ الشَّرْعِیَّةِ وَلَا یَجْرِی الْقِیَاسُ فِی الْمَقَادِیْرِ عَلٰی مَا نَصُّوْا عَلَیْهِ۔ ترجمہ۔ فتاوی فتح القدیر نے امام محمد کی یہی قیاسی دلیل کہ عورت ناقص ہے مرد سے ذکر کرکے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اعتراض کرنیوالے کا یہ اعتراض بالکل جائز اور درست ہے کہ یہ تعلیل اور دلیل قیاسی ہے اور اس دیت کے باب میں قیاس کی مجال نہیں یہاں قیاس کرنا غلط ہے اس لیے کہ دیت شریعت کی مقررہ کردہ چیز ہے اور شرعی مقررات و مقدورات کو قیاس سے نہیں روکا جا سکتا۔ جیسا کہ فقہا نے نص اور قاعدہ کلیہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ تھی عبارت فتح القدیر کی۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں اس کے علاوہ امام محمد کے قیاس بھی قطعًا غلط بلکہ قیاس مع الفارق ہیں اس کی وجہ سے بھی یہ دلیل انتہائی کمزور ہے کیونکہ دیت کا تعلق روح

اور جان سے جب کہ عورت کے ناقص ہونے کا تعلق جسم سے ہے۔ جسم کی حیثیت کو روح کی حیثیت پر قیاس کرنا انتہائی غلط قیاس ہے۔ عورت صرف عقل۔ اور عبادت کی معافی ملنے میں مرد سے کم ہے۔ یعنی عورت کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اس لیے گواہی میں دو عورتوں کو رکھا گیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو یاد کرا سکیں یہ ناقصیت جسم سے متعلق ہے نہ کہ روح سے اس لیے ناقصیت کی وجہ سے عورت کی کسی مالی مِلکیت پر فرق نہ پڑے گا۔ نہ میراث پر نہ ذاتی جائیداد پر نہ تجارتی منفعت پر تو پھر دبت پر کس طرح فرق پڑ سکتا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں ایک عورت کی گواہی مکمل مرد کی گواہی کے برابر ہے مثلاً - دایا کی گواہی وغیرہ وغیرہ۔ عورت کی میراث کا مسئلہ بھی یہ نہیں ہے کہ ہر عورت کو ہر مرد سے میراث کم ملے بلکہ بہت دفعہ بعض وارثہ عورت کو وارث مرد سے میراث زیادہ مل جاتی ہے۔ ہاں البتہ بیٹے یا بھائی کے مقابل بیٹی اور بہن کو آدھی میراث ملتی ہے اُس کی وجہ بھی عورت کا ناقص ہونا نہیں بلکہ اخراجات اور گھریلو خرچے کی وجہ سے عورت کو میراث کم دی گئی کہ بیٹے کے اخراجات اور خرچ زیادہ ہیں اس پر کچھ حقوق کی ذمہ داریں ہیں جو عورت پر نہیں عورت کا نان نفقہ اُس کے خاوند پر ہے اس لیے اُس کو میراث کم دی گئی۔ مرد کا وسیلہ دوسرا کوئی مالی وسیلہ نہیں بجز میراث یا اُس کی ذاتی محنت کی کمائی۔ مسائل وراثت میں کبھی عورت کو مرد کے برابر میراث ملتی ہے اور کبھی عورت کو مرد سے زیادہ دیکھو باپ مرد ہے اور بیٹی عورت ہے اگر میت نے باپ۔ بیٹا اور بیٹی چھوڑی تو باپ کو چھٹا حصہ ملا اور بقیہ مالِ میراث کو چھ حصے کر کے دو بیٹی کو دے جائیں گے۔ یہاں باپ کو بیٹی سے کم ملا۔ اور اگر میت نے صرف باپ اور بیٹی چھوڑی ہے تو بیٹی اور باپ کا حصہ برابر ہوگا۔ اسی طرح ماں شریکی اولاد یعنی اخیافی بھائی بہن ہیں کہ بھائی بہن کو برابر میراث ملتی ہے۔ نہ کہ دگنی اور آدھی۔ حالانکہ اَخیافی بھائی مرد ہے اور اَخیافی بہن عورت ہے۔ اسی طرح اگر میت عورت ہے اور وارثوں میں خاوند اور ایک بیٹی ہے تو خاوند کو چوتھائی اور بیٹی کو کُل مال کا آدھا حصہ ملے گا۔ چوتھا حصہ تھوڑا ہوتا ہے آدھا حصہ زیادہ ہوتا ہے

حالانکہ خاوند مرد ہے اور بیٹی عورت ہے یہاں عورت کو مرد سے زیادہ میراث ملے گی ایسی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ عورت کو میراث زیادہ ملی مرد کو کم یا برابر۔ میں کہتا ہوں کہ کیا امام محمد علیہ الرحمۃ کو یہ مسائل میراث نہ آتے تھے ان فقہا کو کیا ہو گیا تھا جنہوں نے آنکھیں بند کر کے کہدیا کہ چونکہ ہر عورت کی میراث بھی مرد سے آدھی ہے اس لیے ہر عورت کی دیت بھی آدھی ہونی چاہیئے حالانکہ آپ نے دیکھ لیا کہ فقہا کی یہ بات قطعاً غلط ہے لہٰذا دیت کا مسئلہ بھی اکثر فقہا کا غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ عورت و مرد کی دیت برابر ہے میں سمجھتا ہوں کہ امام رازی کے زمانے کے اُن اکثر فقہا نے اور ہمارے زمانے کے ان مصنوعی فقہا نے بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے امام محمد رح کی تقلید کر لی۔ اسی کو غلط تقلید کہتے ہیں کاش یہ حضرات کچھ خود بھی تدبر کر لیتے۔ اور آگے امام محمد علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ چونکہ عورت منفعت میں مرد سے ناقص ہے اس لیے عورت کی آدھی دیت ہے یہ بھی قطعاً غلط ہے اس لیے کہ مرد و عورت میں باعتبارِ منفعت کوئی کسی سے کم نہیں بلکہ یہاں بھی بعض عورتیں نفع میں مردوں سے زیادہ ہیں مثلاً چھوٹی اولاد کے لیے ماں کا نفع باپ سے زیادہ ہے۔ باری تعالٰی نے عورت و مرد دونوں میں اُن کی اپنی اپنی خلقت اور بناوٹ کے اعتبار سے نفع ودیعت فرمائے ہیں۔ جو منفعت مرد کی ذات سے وابستہ ہے وہ عورت میں نہیں اور جو نفع عورت کی ذات سے وابستہ ہیں وہ مرد میں نہیں گھریلو زندگی میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر باسہولت گزارہ نہیں کر سکتا۔ اسلامی ماحول میں اگر خارجی منفعتیں مصلحتیں مرد سے ملحق ہیں تو داخلی منفعتیں عورت سے ملحق ہیں مرد گھریلو حکومت حکومت کا اگر وزیر خارجہ ہے تو عورت وزیر داخلہ ہے کوئی بھی کسی سے منفعت میں ناقص نہیں۔ نامعلوم امام محمد رح نے یہ انوکھی بات کہاں سے نکال لی جس کا ذکر نہ قرآن کی آیت میں نہ احادیث کی بیّنات میں نہ صحابہ و تابعین کی لسانیات میں۔ امام محمد کے دلائل کی چوتھی بات یہ کہ عورت مرد سے صفت ملکیت نکاح میں بھی ناقص ہے۔ اس کی دو مرادیں ہو سکتی ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عورت قطعاً نکاح کرنے کی مجاز و مختار نہیں بس مرد

ہی مختارِ نکاح ہے جب چاہے عورت کی مرضی کے بغیر اس کو بیوی بنائے اور بھیڑ بکری کی طرح ساتھ لے جائے اپنی زوجیت کے کھونٹے سے باندھ دے اگر یہ مراد ہے تو قطعاً غلط حقیقت کے خلاف شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے منافی ہے جس نے بھی یہ دلیل اور بات بنائی احمقانہ بنائی۔ اس لیے کہ شریعتِ اسلام میں عورت بھی اپنے نکاح کی اتنی ہی مالک ہے جتنا مرد دونوں کی اس ملکیت کا نام ایجاب وقبول ہے۔ اگر مرد نکاح کی پیشکش کرے تو وہ ایجاب ہوگا اور عورت کی رضامندی کا نام قبول۔ لیکن اگر کبھی عورت پیشکش کرے تو اُس کا نام ایجاب ہوگا اور مرد کی رضامندی کا نام قبول یعنی ہر پیشکش کا نام ایجاب اور اس کو مان لینے کا نام قبول اور اس میں عورت ومرد کی ملکیت برابر ہے جس طرح اگر مرد کی طرف سے ایجاب یا قبول نہ ہو تو نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر عورت مرد کی پیشکش نہ مانے تو مرد کی جرأت نہیں کہ جبراً اس کو اپنی بیوی بنائے یا کہے۔ ہاں البتہ مرد صرف طلاق کا مالک ہے یہاں عورت کی کوئی ملکیت نہیں۔ تو پھر یہ کہنا کہ عورت ملکیتِ نکاح میں ناقص ہے قطعاً غلط اور اگر اس کا معنیٰ تعددِ ازواج کی ملکیت ہے کہ مرد تو چار نکاح کر سکتا ہے مگر عورت نہیں کرسکتی تو یہ بھی عورت کی ناقصیت نہیں۔ بلکہ اُسکی فضیلت ہے کہ اس سے مقصود اُس کی اور اُس کی اولاد کی حفاظت ہے تاکہ نطفہ مخلوط اور حد سے زیادہ نہ ہوجائے جو اولاد کو مخدوش اور والدہ کو ہلاک نہ کردے۔ اور پھر ملکیتِ نکاح میں تو مرد بھی پابندِ سلاسلِ شریعت ہے کہ اگر طاقت و دولت کے ذریعہ ازواج میں عدل وانصاف نہ کرسکے تو وہ بھی دوسری بیوی نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح پانچویں بیوی سے نکاح اُس کو حرام۔ یہ تو مولیٰ تعالیٰ کے علیمانہ خبیرانہ حکیمانہ قوانین ہیں کہ عورت کے لیے یہ ہیں مرد کے لیے یہ ہیں ان قوانینِ الٰہیہ کو اپنی ذہنی اختراعات کے لیے آڑ یا بہانہ بناکر ناقصیت کا مسئلہ کھڑا کردینا سراسر نادانی ہے۔ نیز اگر ملکیتِ مال و دولت اور ملکیتِ نکاح وطلاق پر ناقصیت وکاملیت کا دارومدار ہو جیسا کہ انوثیت اور غلابیت میں ان فقہا نے قاعدہ بنا لیا تو پھر غریب ومسکین مرد ناقص ہوگیا امیر اور دولت مند عورت سے لہٰذا ان فقہا کو چاہیئے کہ غریب مرد کی دیت امیر عورت سے آدھی کریں۔ مگر یہ تو نہیں کرسکتے لہٰذا عورت کی

آدھی دیت میں بھی خدا کا خوف کریں اور ایسے لایعنی بے دلیلے مسئلے نہ بنائیں جس کا ذکر اشارۃً یا عبارۃً دلالۃً یا اقتضاءً کنایۃً یا صراحتاً قرآن وحدیث میں نہیں ہے نہ صحابہ وتابعین کی زبان میں امام محمد علیہ الرحمۃ کی چوتھی دلیل کی کمزوری فرماتے ہیں۔ چونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور مردوں کے لیے ایک درجہ ہے عورت پر۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی دیت آدھی ہے کیا عجیب اجتہاد ہے۔ کیا عجیب اِتّحاد ہے۔ ایسے ہی کمزور اجتہادوں نے امت میں انتشار پیدا کر دیا۔ یہ اجتہاد قرآنِ مجید کی اس آیت کے بھی خلاف ہے اِس کے سیاق وسباق کے بھی اور منشاءِ باری تعالیٰ کے بھی اور دیت کے مسئلے کا اِس آیت سے دور دور تعلق نہیں۔ خیال رہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق دیت کا مسئلہ دنیا کی تمام عورتوں اور مردوں سے ہے خواہ وہ کسی کی ماں بہن بیٹی ہو یا بیوی پوتی نواسی ہو۔ دیت کا مسئلہ مطلق انوثیت و رجلیت سے منسلک ہے جس میں عام مرد وعورت شامل ہیں دیت کا وجوب کسی رشتے داری یا خصوصی قرابت داری نسب وحسب نسل واصل کا پابند نہیں۔ جب کہ اِس آیت کریمہ میں ہر قسم کا عام مرد اور عام عورت مراد نہیں بلکہ صرف خاوند اور بیوی مراد ہیں جیسا کہ تم تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ وَ لِلرِّجَالِ اى لِلْاَزْوَاجِ عَلَيْهِنَّ اَىْ عَلَى الزَّوْجَاتِ۔ اور تفسیر جلالین صاوی جلد سوم ص۹۵ پر ہے (وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ) فَضِيْلَةٌ فِى الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ۔ اَىْ فَحَقُّ الرَّجُلِ زَائِدٌ عَلٰى حَقِّهَا۔ ترجمہ لِلرِّجَالِ سے مراد خاوند ہیں نہ کہ ہر مرد اور عَلَيْهِنَّ سے مراد بیویاں ہیں دَرَجَةٌ سے مراد یہ ہے کہ بیوی اطاعت کرے اپنے خاوند کی اسی اطاعت کے حق کا نام درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاوند کو بیوی پر ایک فضیلت حاصل ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کا سیاق وسباق بھی خاوند بیوی سے متعلق ہے چنانچہ از آیت ۲۲۱ تا آیت ۲۳۲ نکاح اور طلاق کا ہی تذکرہ وبیان ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اِن آیت میں رجال سے مراد خاوند اور نسا سے مراد بیویاں ہیں۔ منشاءِ باری تعالیٰ بھی یہ ہے کہ یہاں خاوند بیوی مراد ہیں اس لیے کہ دَرَجَةٌ کا معنیٰ اطاعت کرنے کا حق فضیلت ہے اور شریعت میں صرف بیوی پر

ہی خاوند کی اطاعت کرنے کا حق واجب ہے۔ کسی اور دوسری عورت پر نہیں۔ عورتوں میں ماں بہن بیٹی سب ہی ہیں ہر عورت سے ہر مرد کو فضیلت نہیں ہے ماں بڑی بہن۔ ساس خالہ، پھوپھی وغیرہ اگرچہ عورت ہیں مگر اپنے تمام چھوٹے مردوں سے افضل اور درجہ میں بلند ہیں یہ شرعی قانون عام فہم و ظاہر ہے۔ اس کے باوجود آنکھیں بند کر کے اسی آیت کے سہارے عورت کو ناقص کہہ کر آدھی دیت کا اجتہاد کر لینا کہاں کا تفکر ہے، اور پھر آیتِ پاک کے صرف اس ایک لفظ دَرَجَۃٌ سے ہی خاوند کی اپنی بیوی پر فضیلت ظاہر ہو رہی ہے ورنہ اسی آیت کے پہلے لفظوں میں بھی خاوند بیوی کے حقوق کی برابری ظاہر ہو رہی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ ترجمہ۔ اور بیویوں کے لیے اُن کے خاوندوں کے ذمہ برابر کے وہی حقوق واجب ہیں جو بیویوں کے ذمے واجب ہیں اپنے خاوندوں کے لیے۔ یعنی شریعت اسلامیہ کے قانونِ عدل میں تو زندگی بھر عورت و مرد کے گھریلو حقوق بھی برابر ہیں چہ جائیکہ بعدِ قتل دیت آدھی ہو جائے جس شریعتِ پاک کے انصاف نے زندگی میں برابری کو ختم نہ فرمایا وہ قتل ہو جانے کے بعد دیت کی برابری کیوں ختم فرمائیگی یہ تو ہمارے فقہاءِ کرام کی نئی نئی سوچ ہے جو اس بے انصافی کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ اسی طرح سورۃ نساء کی آیت ۳۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔ یہاں بھی خاوند بیوی مراد ہیں نہ کہ ہر عورت اور قَوَّامُونَ کا معنیٰ ہے افسر مُنتَظِمُ الاُمُور نہ کہ افضل۔ افسر کا معنیٰ ہے ذمہ دار یعنی خاوند اپنی بیوی کے نان نفقہ رہائش اور خانہ آبادی کا پابندِ شریعت ہے اور بیوی پر اطاعت خدمت خاوند کی دیکھ بھال واجب۔ اور اس افسری سے نہ خاوند کی تکمیل مراد ہے نہ اس اطاعت و خدمت سے بیوی کی ناقصیت مراد ہے یہ تو اپنے اپنے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اس ادائیگی کو خاوند کی فضیلت و تکمیل اور بیوی کو ناقص حال سمجھ لینا ہمارے فقہا کا بہت غلط اجتہاد ہے، خلاصہ یہ کہ قانونِ شریعت کے مطابق عورت مرد کی دیت بالکل برابر ہے

پہلے زمانوں کے فقہا اور ہمارے زمانے کے چند مولویوں کا یہ کہدینا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ نہیں ہے بلکہ غلط ہے۔ اور پھر فی زمانہ بعض احباب اس قدر خود سَری اور جذباتی کیفیت میں آجاتے ہیں کہ اپنے اس خود ساختہ غلط اور بے دلیل مسلک کو اجماعِ صحابہ اور اجماعِ اُمّت کہنا شروع کر دیتے ہیں پہلے خود مجتہدِ اعظم بن بیٹھے مجدّدِ مسلکِ اہلِ سنّت کا منبر سنبھال لیا پھر چند شاگردوں مریدوں مولویوں خطیبوں کو جمع کر کے اُن سے اپنے جائز ناجائز مؤقف پر تائیدیں حاصل کر کے اِجماعِ صحابہ اور اِجماعِ اُمّت کا اشتہار لگا دیا۔ اور لگے قلم کے نشتر چلانے دوسروں کو ضَال وَمُضِل (گمراہ وگمراہ گر) کہنے نہ کوئی ضابطہ نہ دلیل نہ حوالہ نہ حدیث اگر اتنے بڑے مسلک وموقف کے لیے بیہقی جیسی کتاب کی روائتیں کافی ہوتیں تو محدّثین اس کتاب کو صحاحِ ستّہ میں شامل کر لیتے۔ اس کی کمزوری کی بنا پر اس کی روایات کو دسویں درجہ پر نہ رکھتے اگر نصف دِیت پر اجماعِ صحابہ ہے یا اجماعِ اُمّت تو با حوالہ ثابت کیا جائے ان چند کہنے والوں کو اجماع کی تعریف نہیں آتی۔ فقہ کی چند کتب میں کسی ایک شخص کے ذاتی اجتہادی مسلک کو نقل در نقل کر دینا تو اِجماعِ اُمّت نہیں ہوتا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَعْلَمْ۔

کتبــه

پندرھواں فتویٰ

تنقیدات اقتدار بر نظریات اقبال

فہرست کتب

وہ کتب و رسائل جن کے حوالے اس کتاب میں پیش کیے گئے

ا۔ پس چہ باید کرد ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور، (۲) بال جبریل ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۳) بانگ درا ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۴) ضرب کلیم ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۵) ارمغان حجاز ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۶) پیام مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۷) جاویدنامہ ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۸) اسرارِ خودی ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۹) اسرار و رموز ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور۔ (۱۰) زبورِ عجم ڈاکٹر علامہ اقبال مطبوعہ لاہور (۱۱) زندہ رود جاوید اقبال (۱۲) حیاتِ اقبال ایس۔ ایم۔ ناز (۱۳) اقبال باکمال عظیم فیروز آبادی (۱۴) فکر اقبال سردار احمد علیگ (۱۵) روحِ اسلام اقبال کی نظر میں مصنف ڈاکٹر غلام محمد خان مطبوعہ نیشنل بک ڈپو حیدر آباد دکن (۱۶) اقبال اور کشمیر مصنف جگن ناتھ آزاد مطبوعہ علی محمد اینڈ سنز پبلیلز سرینگر (۱۷) تصوف کی حقیقت مصنف غلام احمد پرویز مطبوعہ لاہور (۱۸) نذر اقبال مصنف محمد حنیف شاہد (۱۹) اقبال اور اس کا عہد مصنف جگن ناتھ آزاد مطبوعہ ادارہ انیس الہ آباد انڈیا (۲۰) مطالعہ اقبال مصنف گوہر نوشاہی لاہور (۲۱) اقبال سب کے لیے (۲۲) اقبال اپنے روپ میں (۲۳) باقیاتِ اقبال (۲۴) قرآن اور اقبال (۲۵) اقبال کی دنیا (۲۶) رسالہ روزنامہ احسان (دہلی) کا اقبال نمبر جون ۱۹۳۸ء (۲۷) اخبار جنگ لندن ۲۰/اکتوبر ۱۹۸۳ء ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ ص ۷، (۲۸) جنگ لندن اخبار ۱۶/نومبر ۱۹۸۳ء مضمون نگار عبدالحفیظ خان فرید کالج رحیم یار خان (۲۹) ہفت روزہ

مشرق انٹر نیشنل، ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء لاہور نامہ انتظار حسین ص ۵، ۳۰ جنگ لندن ۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۴ء ص ۵ بعنوان اقبال پاکستان کے خلاف تھے (پروفیسر حامد حسین علیگڑھ یونیورسٹی) (۳۱) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اپریل ۱۹۸۰ء ص ۹۲ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۲ نظیر لدھیانوی (۳۲) رسالہ طلوع اسلام اقبال نمبر ۱۹۸۲ء ص ۱۲۶، (۳۳) جنگ لندن ۱۷/ اپریل جمعرات ۱۹۸۶ء شعبان ۱۴۰۶ھ ص ۳، (۳۴) رسالہ فیض اسلام راولپنڈی عرشی نمبر نومبر دسمبر ۱۹۸۵ء (۳۵) فیض اسلام فروری اور جون ۱۹۸۶ء۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شرعی اور اسلامی اعتبار سے ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال کے بارے میں علماء اسلام کا نظریہ کیا ہے۔ ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ اقبال کے متعلق بہت اچھا گمان رکھتے ہیں۔ اور ان کو اسلام میں بہت اونچا مقام دیتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ اقبال کی بہت سی باتوں کی وجہ سے سخت خلاف ہیں ہر دو گروہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ پہلا گروہ مداحین کا کہنا ہے کہ اقبال صاحب نے نبی کریم کی ایسی نعت خوانی کی ہے۔ جو کوئی نہیں کر سکا اور ہمیں اقبال صاحب نے ہی اسلام اور قرآن اور نبی کریم کی ذات سے روشناس کرایا۔ اور یہ کہ اقبال نے مردہ قوم کو زندہ کیا اور سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑ کر جگایا اور یہ کہ پاکستان کا تصور سب سے پہلے اسلامی مملکت کی صورت میں اقبال نے پیش کیا۔ لیکن دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اقبال کی شاعری میں اقبال کا مذہب اور عقائد و نظریات ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اسلامی تعلیمات و کردار و اعمال کے بر خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی زندگی میں اقبال کے خلاف علماء شریعت کے فتوے ہی لگتے رہے اور یہ کہ اقبال کی نعت خوانی بھی کوئی ایسی نرالی یا انوکھی نہیں جس کے مقابل بزرگان دین کی نعت خوانی کو دوسرا نمبر دیا جائے۔ یہ کہ اقبال ساری عمر انگریز نوازی اور انگریز دوستی و کاسہ لیسی کرتے رہے اور یہ کہ اقبال نے سوئی ہوئی قوم کو نہ جگایا نہ کوئی اپنے اعمال و کردار کا نمونہ قوم کو عطا فرمایا۔ بلکہ اقبال کے بہت سے اشعار اسلامی افکار اور شریعت کے خلاف ہیں۔ اور یہ کہ اقبال کی ذات سے مسلمانوں کو

کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچا۔بلکہ ظاہری باطنی نقصان ضرور پہنچا ہے ہاں البتہ ہندوؤں آریوں۔اور انگریزوں کو اقبال سے بہت فائدہ پہنچا۔اور یہ کہ علامہ اقبال کا پس منظر بھی کچھ ایسا تابناک نہیں جس سے مسلم قوم اقبال کی شخصیت پر ناز کرسکے نہ ہی کوئی زندگی کا روشن پہلو ایسا ظاہر ہے جس سے مسلمانوں کے لیے اقبال کوئی تمغۂ امتیاز ہو بلکہ خاندانی اعتبار سے اقبال پہلے برہمن ہندوؤں سے ہیں جو اسلام دشمنی اور قوم بلکہ خود پرستی اور تعصب ذہنی میں مشہور ہے۔اور آبائی وطن کے لحاظ سے مصری النسل ہیں۔وہ مصر جس کے خمیر میں فرعونیت ہے۔اور اقبال کو اپنے برہمن ہونے پر فخر ہے اور یہ کہ اقبال نے اپنی پرورش قادیانیت کی آغوش میں پائی جس کا اثر یہ تھا کہ اقبال مرزا غلام احمد کے عظیم ترین مداح بلکہ کچھ عرصہ مرزا قادیانی کی بیعت میں مبتلا رہے۔اور اقبال کا پہلا قلم مدحتِ مرزا میں مسلمانوں کے خلاف اٹھتا رہا۔پھر جب اقبال کے والد صاحب نے مرزائیت سے علیحدگی اختیار کی تو اقبال بھی قادیانیت سے متنفر ہوئے مگر اقبال کے بہت سے قریبی آخر دم تک مرزائیت کے ساتھ رہے۔چونکہ اقبال موجودہ دور کی مشہور ترین شخصیت ہے۔اس لیے ہم لوگ ان مختلف خیالات سے کچھ مضطرب ہیں۔براہِ کرم آپ اپنا قیمتی وقت خرچ کرکے اقبال کے بارے میں ہماری سچی رہنمائی فرمایئے تاکہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے راہِ راست اختیار کرلیں۔اور بیجا نفرت یا اندھی تقلید سے بچ جائیں۔

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا! السائل : ظفر احمد بریڈ فورڈ ۸۳-۸-۲

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

اَلْجَوَاب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

سائل محترم نے جس قسم کا سوال فرمایا ہے اس کا جواب کچھ آسان نہیں ہے کیونکہ کسی کی ذاتی شخصیت کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا خاصا دشوار ہوتا ہے۔اور پھر اقبال کی شخصیت پر نظر دوڑانا تو اس لیے بھی دشوار ہے کہ اقبال کو پہچاننا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے جب کہ خود اقبال بھی

کہتے ہیں کہ ؎

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے ، کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

اور بھلا کسی غیر کو تعارف یا آگاہی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ کہ تعارف و معرفت کے لیے یکجہتی اور تعین نشانات ضروری ہیں۔ مگر اقبال جو کئی روپ میں ظاہر ہوتے ہیں ان کو کماحقہٗ، کون پہچان سکتا ہے۔ اقبال صبح کچھ، شام کچھ، پہلے کچھ۔ بعد کچھ کچھ اول کچھ آخر کبھی اپنوں کے روپ میں کبھی بیگانوں کے روپ میں شکل و صورت میں کچھ اور تصور ہے کردار و اعمال میں کچھ اور ہی نظر آتے ہیں۔ اشعار میں بھی کئی روپ ہیں۔ نثر میں علیحدہ روپ ہے۔ عقائد کا کوئی تعین نظر نہیں آتا۔ افعال میں یکسانیت دکھائی نہیں دیتی اگر اس دور میں اقبال کی اتنی بے وجہ عقیدت نہ بڑھتی تو اس مضمون پر قلم اٹھانا بیکار ہی تھا۔ آپ کے اصرار اور عوام کے کچھ غلط اقدام کی وجہ سے چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں اور یہ تحریر بھی کوئی شرعی فیصلہ یا حتمی رائے نہیں بلکہ فقط ذاتی تبصرہ ہے۔ جس پر عقلا کو دعوت غور و فکر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی کو مانتے اور معتقد ہوتے وقت کچھ تھوڑا بہت عقل اور تدبر کو ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔ ہماری قوم کی یہ کتنی تاریخی کمزوری ہے کہ جب مخالفت پر آتے ہیں تو اکثر بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کرتے ہیں اور دوستوں کو دشمن سمجھ لیتے ہیں۔ اور جب محبت و عقیدت کرنے لگتے ہیں۔ تو ذرہ برابر غور و فکر تدبر سے کام نہیں لیتے۔ جو بھی سنہرا پیالہ دکھائے بس ہماری قوم اس کی دلدادہ ہے۔ اگرچہ سنہری گلاس میں میٹھا زہر ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام میں جتنی فرقہ بندی اور نئے مذہب گروہ بازی اسی غلط روش سے ہوئی اتنی کسی سے نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس کمزوری سے بہت لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا بلکہ ہر طرح۔ اخلاقی، فکری نظری۔ دینی۔ ایمانی اعتبار سے مسلمانوں کو مفلوج کرنے کی کوشش کی اور باطل کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئے یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ جب بھی کوئی کسی باطل فرد یا قوم نے مسلم معاشرے پر نشتر آزمائی کی تو اوّلاً اپنے آپ کو سب سے بڑا مسلمان ظاہر کیا۔ اور قوم کے غم میں آنسو بہاتا ہوا

آیا۔ اور بھولی قوم فوراً بلا سوچے سمجھے مارِ آستین کو سچا مُقتدا سمجھ بیٹھی۔ تاریخ کے ورقوں سے ابھی تک جن باطل قوتوں کی کامیابی کا تذکرہ ملتا ہے ان کی مندرجہ ذیل نشانیاں دستیاب ہوئی ہیں۔

پہلی نشانی نمبر ۱:-

یہ کہ باطل قوت اپنی تخریب کاری کے لیے بڑے دردمند اور میٹھے اور پیار بھرے انداز میں مسلم قوم کو ساری دنیا کے سامنے سب سے زیادہ بدکار، بزدل، بددیانت ضمیر فروش۔ اور ذہنی غلام۔ گناہگار۔ مجرم۔ فسادی۔ کم ظرف۔ لالچی اور مسلمان ہی کو سب قوموں سے زیادہ برا کہتے ہیں۔ اس کے لیے بڑے بڑے جھوٹ فریب کے جال پھیلائے جس کی کئی مثالیں غیر مسلموں کی تبلیغوں کتابوں اشتہاروں میں بہت موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ایک وصیت نامہ ہے جو ایک یہودی کی شرارت سے شروع ہوا۔ ظاہراً مسلمانوں کو نصیحتیں ہیں مگر در حقیقت قوم مسلم کو بدنام کرنے کی ایک سازش اور جھوٹی تحریک ہے۔ جس میں شیخ احمد کا بناوٹی نام اور جھوٹی خواب کا حوالہ درج ہوا۔ قوم مسلم کی اس حماقت کو کیا کہا جائے کہ اسی کو خود ہی اشتہار بنا لیا۔ اور چھاپنے کو کارِ ثواب سمجھ لیا۔ یہ بھی غور نہ کیا کہ ہر سال کتنی ہی تبدیلیاں اس میں ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا سچی باتوں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں؟ خود اہلِ عرب کسی شیخ احمد سے متعارف نہیں نہ ہی اہلِ مدینہ منورہ۔ یہ وصیت نامہ نہیں بلکہ ایک کھلی سازش اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان گستاخی اور سب مسلمانوں کی ذلت ہے۔

دوسری نشانی: نمبر ۲:-

باطل کی اس تخریب کاری کے بعد دوسرا قدم۔ اسلام کے سچے خدمت گار علماء ذیشان کی توہین اور گستاخیوں پر اُٹھتا ہے۔ چونکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر باطل کو کچلنے والے صرف اور صرف علماء کرام ہی ہمیشہ دفاعی ڈھال بنتے رہے اور اس کی خاطر ان پیاروں نے اپنی عزت۔ آبرو۔ جان۔ مال۔ اولاد۔ آرام و آسائش کی بھی پرواہ نہ کی بلکہ اس دفاع میں باطل کی گالیوں کے ساتھ ساتھ اس کے بہکانے اور ورغلانے

اور اپنا اثر ڈالتے سے اپنی قوم مسلم کی بھی گالیوں گستاخیوں کے تیر سہتے رہے مگر دفاعی لائن نہ ٹوٹنے دی اور جہاں تک ہو سکا باطل کی لہروں میں ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو کھینچ کھانچ کر بچاتے ہی رہے۔ اس لیے باطل نے سمجھ لیا کہ یہ علماء ہی ہماری سازشی تحریک کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے یہ باطل ہمیشہ علماء اسلام کا مخالف رہا۔ یہی باطل کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ جب کسی باطل فرد یا باطل تحریک کا پتہ لگانا ہو کہ یہ باطل ہے یا نہیں تو یہ نشانی یاد رکھی جائے۔ جہاں یہ نشانی نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ باطل اور دشمنِ اسلام ہے۔ خواہ وہ شخصیت کسی بھی خوب صورت اور بھولے بھالے یا مَن موہنے روپ میں کیوں نہ ہو۔

باطل کی تیسری نشانی ، نمبر ۳ :

جب باطل قوت انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے اس مرحلہ پر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ قوم مسلم کو علماء کرام سے متنفر کر دیا بلکہ خود مسلمانوں کو ہی اپنے دینی رہنماؤں کے خلاف صف آرا کر دیا تو پھر باطل کا تیسرا قدم۔ صوفیاء کرام۔ اولیاء کرام اور اسلامی چمکتے ہوئے تصوّف کے خلاف اٹھتا ہے حالانکہ اسلام کے نیر تاباں یہ صوفیاء اولیاء ہی ہیں۔ جن کے اعلیٰ کردار وا خلاق نے عالمِ کفر کا ہمیشہ سر نگوں رکھا۔ اور طریقت و معرفت کے سنہرے لقب سے مزین تصوّفِ اسلامی دینِ اسلام کے قلب وجگر والا دوسرا بازو ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ اسلام کی بہار کا نظارہ علماء اولیاء جیسے پھولوں سے ہی ہے۔ موسم بہار تو آتا ہی ہے مگر بہار کا نظارہ اور دیدار اور علم اسی کو ہوگا جو چمن میں پھولوں کے پاس آجائے۔ بلا تشبیہ اسلام کی بہار تو کائنات میں ہمیشہ ہی رہے گی۔ وہ کسی مادشما کی مرہونِ منت نہیں مگر اس بہار کا دیدار اسی کو ہوگا جو اولیاء اللہ کے قدموں اور علماء اسلام کے دامن سے وابستہ رہے گا۔ اب جو ان سے دور کرے ان کے آستانوں سے روکے۔ خانقاہوں کو برا سمجھے مدرسوں سے مسلمانوں کو متنفر کرے۔ فقہ اور فقہا کا دشمن ہو۔ وہ اسلام کا سچا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسلام اور قرآن پاک سے روشناس کس طرح

کر اسکتا ہے۔ مدینے والی سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کا نقشہ تو مدرسوں اور خانقاہوں میں نظر آتا ہے۔ نبی پاک کی سچی نعت خوانی تو اُسوۂ حسنہ کو اختیار کرنا ہے جو اس سے دور ہو اور مسلم قوم کو دور کرے وہ خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ صرف غلاف یار ہی ہے۔

باطل کی چوتھی نشانی : ۴

یہ ہے کہ نبی پاک کی اداؤں اور اُسوۂ حسنہ سے دور کرنا یہاں تک کہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منکر ہوتا۔ اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے محدثین کرام وَرَاوِیانِ عظام پر کیچڑ اُچھالنا۔ حالانکہ اِن خادِمینِ اسلام کی جان گسل جگر سوز انتھک محنتوں اور خدمت اسلام نے اغیار داناؤں کو بھی حیرت سے انگشت بدندان کر دیا۔ یہ باطل فریب کار احادیث پاک کا تو منکر ہوتا ہے مگر چونکہ لباس مکر میں ہوتا ہے۔ اور دنیا سانہ ہمیشہ زیرک ہوتا ہے۔ اس لیے لباسِ خداعت کو تار تار ہوتے سے بچاتے ہوئے۔ قوم مسلم کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے۔ ان کے نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گُن گانے ہی پڑتے ہیں۔ ورنہ قوم مسلم کو تو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور ننگا ہو کر مسلمان کو کوئی فریب نہیں دے سکتا۔ اس لیے یہ چال بھی باطل نے بہت پرانی اختیار کی ہوئی ہے۔ جس سے آج تک کچھ گروہ دھوکہ کھاتے چلے آرہے ہیں۔

باطل کی پانچویں نشانی : ۵

یہ ہے کہ اپنے رہنما اس کے مخالف ہوتے ہیں اور دشمن اس کا مدحت سرا ہوتا ہے تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی کسی باطل نے اسلامی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو اسلامی روحانی۔ عرفانی تعلیم و تربیت سے دور کرنا چاہا اور اسلام کے سچے خوب صورت گہوارہ سے نکال کر باطل کی جھاڑ جھنکاڑ میں پھینکنے کی کوشش کی تو مسلمان عُرفا عُلماء لازمًا اس کے مخالف ہوئے اور اس کے غیر مہذب کردار خلاف شارع اقوال پر گرفت کی مگر ایسے باطل شخص کو پناہ اور سہارا غیر مسلموں نے دیا اور غیر مسلم لوگ ایسے افراد کے ثنا خوان بن گئے اور باطل شخص نے اس سہارے کو دل و جان سے قبول کیا

اور اس کو وہ لوگ دشمن نظر آئے جو ساری قوم وملت کے سچے دوست اور مصلح وخیر خواہ تھے۔ اور وہ غیر دوست نظر آئے جو قوم مسلم کے ازلی ابدی خون کے پیاسے دشمن تھے۔ باطل کی یہ نشانی بھی بہت یاد رکھنے کے قابل ہے۔

باطل کی چھٹی نشانی: نمبر 6۔

جب باطل مندرجہ بالا پانچ طریقوں سے مسلمانوں کو مسحور ومفلوج ومغلوب کر لیتا ہے تب چھٹا اور آخری قدم اس سازشی تحریک کی طرف اٹھاتا ہے۔ جو غالباً اس کا مقصد ہوتا ہے۔ اور جس کی طرف گھیر گھار کر لانے کے لیے یہ ساری محنت قولی وفعلی کی گئی تھی۔ اور بڑے دل نشین میٹھے انداز میں اسی زبان سے جس سے پہلے مسلمانوں کو بدخصلت کہہ چکا تھا۔ علماء کی برائیاں صوفیاء کی گستاخیاں کر چکا تھا۔ بزرگان اسلام میں کیڑے نکال چکا تھا۔ غیر مسلموں کی کفار کی ثنا خوانی کرتا ہے۔ ان کو کافر کہنے سے روکتا ہے۔ ان کی کتابوں ان کی باتوں کو قابل تعظیم کہتا ہے۔ عوام مسلمان جو میٹھی باتوں سے سحرزدہ ہوتے کے عادی ہیں بلکہ ایسی چاپلوسیوں پر دل وجان قربان کرتے پر تیار ہوتے والے ہیں۔ وہ پہلی پانچ چالوں میں تو آ ہی چکے تھے۔ اس آخری معرکے میں بھی باطل کے ہمنوا ہو جانے میں دیر نہیں لگاتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ عوام وخواص مسلمانوں کو باطل سے ہوشیار رہنے اور اپنا دین وایمان بچانے کے لیے ان چھ نشانیوں کو دو وجہ سے ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے اور ہر نئے لیا دے والے کو پہچاننے اور حق وباطل کا پتہ لگانے کے لیے ان ہی چھ نشانات سے مدد لینی چاہیئے۔

پہلی وجہ:۔ یہ کہ تمام مذاہب عالم نے اسلام سے ہر طرح دشمنی کی اور چونکہ خود ظاہر ہو کر تو مسلمانوں کے اخلاق وکردار کو مٹا نہ سکے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے پروردہ لوگوں کے ذریعے دین اسلام میں مذاہب اسلام اور فرقہ پرستی کا چکر چلایا۔ ان پس خوردہ لوگوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو ان ہی چھ طریقوں سے ذہنی اور ایمانی طور پر کھوکھلا کیا۔ یہ ایس نیند آور گولیاں

ہیں کہ مسلمان آغوشِ باطل میں بھی خراٹے لیتا رہا اور پھر اوپر سے باطل کی تھپکیاں ایسی کہ مسلم تو گھن خوردہ گندم کی طرح اندر سے ایمانی دولت اور عرفانی غذائیت سے بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔ مگر باطل کی پیاری صدائیں اور سہانی لوریاں آرہی ہیں۔ کہ تو ہی سچا مومن ہے۔ تو ہی پکا مسلمان ہے یہ ملّا لوگ اسلام کو کیا جانیں۔ خانقاہوں میں اسلام کہاں۔ یہ دیمک زدہ مسلمان بس اسی لوری میں مست ہو کر علماء صوفیاء اور اسلام کی تعلیم سے متنفر ہوئے پھرتے ہیں۔ اور پھر ان مسلم کش مذاہب کے یہ تمام جال فریب اور چال بازی صرف مسلمانوں کو خراب و برباد کرنے کے لیے ہوتیں رہیں اور ہو رہی ہیں مادرِ گیتی نے صرف ایسے ہی نونہال پیدا کیے جو مسلمانوں کو بدکار قوم مسلم کے رہنماؤں کو برا کہتے پھریں کسی ماں نے ایسا اقبال مند بیٹا پیدا نہیں کیا جو ہندوؤں سکھوں کی بد دیانتیاں اور ظلم و فساد کو بیان کرتا یا اہل یورپ کی لوٹ مار اور تعصب پرستی کا برملا اظہار کر کے ان سے دوسروں کو بچاتا۔ یا ان کی خیر خواہی کا بھیس بدلتا۔ یا کسی پنڈت پادری کی بے ادبی میں زبان کھولتا۔ ایسے لوگ تو صرف قوم مسلم میں ہی گھسے چلے آتے ہیں جن کے ناموں کی فہرست سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ سبب یہی ہے کہ قوم مسلم اپنی ناسمجھی سے ایسے لوگوں کو جگہ دے دیتی ہے۔ اس لیے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ کسی تخریب کار کو جرائت ہی نہیں دیتے کہ کوئی ان کو یا ان کے پنڈت پادری کو برا کہنے کی جرائت کرے۔

دوسری وجہ: یہ کہ ان چھ نشانیوں کو یاد رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ فریب کار کی چال میں آنا تو بڑا آسان ہے مگر فریبی۔ فسادی اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کے لیے بڑی عقل خرد اور شعورِ ایمانی و دانشِ یزدانی کی ضرورت ہے کیونکہ کسی خفیہ کو پہچاننا بڑا مشکل ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے اب تک یہی نشانیاں باطل کی اجاگر ہوئی ہیں۔ جیسا کہ مذاہبِ عالم اور مذہبِ اسلام پر لکھی ہوئی کتب سے ظاہر ہیں۔ مجھ کو اس سے غرض نہیں کہ کون سا گروہ اقبال کی مدح کرتا ہے۔ اور کون اس کو برا کہتا ہے

نہ مجھ کو اس سے غرض ہے کہ اقبال نے نعت خوانی لکھی کیونکہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط نعت خوانی کرتی یا نعتیہ اشعار لکھ دینے کسی کی صداقت کی دلیل نہیں۔ نہ حقانیت کا معیار ہے اس لیے کہ ہمارے نبی پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی نعت خوانی تو ہندوؤں، سکھوں نے کی اور آپ کی نعتیں تو یہود ونصاریٰ اور مرزا غلام قادیانی نے لکھیں۔ نہ مجھ کو اس سے سروکار ہے کہ کن لوگوں کو اقبال نے اسلام و قرآن اور نبی پاک سے روشناس کرایا اور وہ کون سے لوگ ہیں۔ جو مسلمان ہونے کے باوجود اقبال کے بغیر اسلام و قرآن سے یہاں تک کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی روشناس نہ تھے نہ دین سے اور یہ کہ اقبال نے ان کو کس طرح اسلام و قرآن و نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روشناس کرایا اور وہ کون سے لوگ ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اسلامی ماحول میں زندگی گزاری ہر طرف اسلام دیکھا۔ نام، کام مسلمانوں جیسا پھر بھی وہ اسلام اور قرآن سے بے خبر رہے۔ صرف اقبال صاحب کی کتابوں انکو سب کچھ دکھایا، اور اگر انھوں نے ہی ان بے خبر لوگوں کو اسلام کو کس طرح آیا اپنے کردار سے یا اپنے عقائد و اعمال سے یا اپنی شکل وصورت سے یا اپنی رہن سہن سے یا اپنے لباس و حلیے سے یا فقط زبانی باتوں اور شعروں سے۔ نہ مجھ کو اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اقبال نے کس مردہ قوم کو زندہ کیا۔ آیا مسلم قوم کو یا غیر مسلم کو اور اگر وہ مسلم قوم تھی تو مردہ ان کو کس نے کیا تھا۔ آیا علماء و صوفیاء اور احادیث نبوی اور مدرسوں۔ خانقاہوں نے یا یورپ کے کلیساؤں۔ اور مغربی تہذیب انگریزیت کوٹ ہیٹ ٹائی پتلون اور غیر اسلامی شکل وصورت نے؟ نہ مجھ کو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اقبال نے سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ جگایا۔ اور یہ گروہ جاگی ہوئی قوم کہاں ہے؟ اور اس نے جاگ کر قوم وملت کی کون سی خدمت کی اور یہ کہ اس کو سلایا کس نے تھا۔ امام غزالی ورازی کی تعلیم نے یا حضور بغدادی و اجمیری کی تربیت نے یا مغربی لوری نے مجھ کو نہ کچھ الجھن کہ آیا اقبال نے سب سے پہلے پاکستان کا تصور مملکتِ اسلامیہ کی شکل میں پیش کیا یا بقول ماہنامہ رضائے مصطفےٰ اگست ۱۹۸۳ء ص ۲۵ بحوالہ

روزنامہ جنگ ۲۴ جولائی۔ اقبال ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندو مسلم اتحاد ہی کے لیے کوشاں رہے۔ خطبہ الہ آباد کے بعد اقبال نے مسلم مملکت کا ذکر کیا جب کہ اعلیٰحضرت بریلوی نے کئی سال پہلے ہندوؤں سے علیحدہ مسلم سلطنت کا زور دیا۔ اور کتب و مضمون شائع کیں۔ (بحوالہ ماہنامہ نظر و فکر اسلام آباد) ۱۹۷۱ء ۵ جولائی تا ۱۱ جولائی یا بقول ہفت روزہ "چیلنج" اخبار ۱۵ مارچ ۱۹۸۴ء کہ سب سے پہلے اسلامی سلطنت پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے پیش کیا نہ کہ اقبال نے بہر حال یہاں اس اعادہ کی ضرورت نہیں نہ یہاں اس تذکرہ کی ضرورت ہے کہ اقبال کا کردار و اقوال شریعت کے خلاف ہے۔ یا اس پر فتوے لگتے رہے اس لیے کہ میری نظر سے کوئی ایسا شرعی فتویٰ نہیں گزرا جو اقبال کے خلاف ہو۔ ہاں البتہ یہ حقیقت ہے کہ اقبال کے بہت سے اشعار شرعاً قابلِ گرفت ہیں۔ مثلاً ایک شعر میں اقبال صاحب فرماتے ہیں ؎

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

اس میں رب تعالیٰ کی گستاخی صاف ظاہر ہے۔ دوسرے نعتیہ شعر میں کہتے ہیں۔ ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است۔ اور جیسے خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا لفظِ یثرب مدینہ پاک کے لیے استعمال کرنا شرعاً گناہ ہے ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

اس شعر میں کوہ ہمالیہ کا درجہ کوہ طور سے زیادہ بتایا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ع

طلب ہو خضر کو جس کی وہ جام ہے تیرا

اس مصرع میں حضرت خضر اللہ کے نبی کی توہین کی گئی ہے۔ خواجہ نظام الدین کا درجہ ان سے بڑا ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

اس شعر میں دریائے گنگا کی اس طرح ثنا خوانی کی گئی ہے۔ کہ وہ دریائیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حوض کوثر اور تسنیم کو ذلیل اور شرمندہ کیا گیا۔ دریائے گنگا ہندوؤں

کا معبود اور متبرک دریا ہے۔ اس شعر سے ہندو پرستی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شعر میں خواجہ نظام الدین اولیاء رح کی منقبت میں فرماتے ہیں ؎

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

اس میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی گستاخی کی گئی۔ حضرت مسیح اور خضر علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم رسول ہیں کس جگہ لکھا ہے۔ ع

مری چشم گریاں کی تجھ کو قسم ہے!

اس شعر میں چشم گریاں کی قسم کھا کر شریعت کے بہت بڑے قانون کی مخالفت کی گئی ہے کیونکہ غیر اللہ کی قسم بولنا گناہ عظیم اور شرک کے مترادف ہے۔ اسی طرح لکھتے ہیں ؎

قسم ہے اس کے دل دردمند کی آقا — تری ثنا کے لیے حق نے دی زبان مجھ کو

یہاں بھی غیر خدا کی قسم ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں۔

تو ذرا میری نظر کی جلوہ آشامی تو دیکھ — طور شرما جائے ایسا حوصلہ رکھتا ہوں میں

اس شعر میں طور جیسے مقدس مقام جس کے تقدس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس کو اپنے مقابلے میں گھٹیا ذلیل اور شرمندہ سمجھ رہے ہیں کیونکہ شرمندگی دلانا ذلیل کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہ وہ خلاف شرع اور خلاف اسلام اشعار ہیں۔ جن پر ضرور علماء اسلام نے گرفت کی ہوگی۔ اور یہ گرفت ان کا فرض منصبی ہے۔ ایک ٹریفک سپاہی آپ کے بے اصولی ٹریفک پر آپ کو ضرور سرزنش بلکہ آپ کا چالان تک کر سکتا ہے۔ تو علماء حق جو دینی ٹریفک کے باعظمت سپاہی ہیں وہ خلاف شریعت بولنے اور چلنے والے انسان کو ضرور آگاہ کرنے کے مجاز ہیں۔ ایک اقبال کیا کروڑوں اقبال شریعت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں جب پیارے آقا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ میرے شہر کو یثرب (بیماریوں کا مقام) نہ کہو (بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف ششم ص ۱۴۳ اور تفسیر معانی پ ۲۱ سورۃ احزاب ص اور دلائل حدیث پاک سے) لیکن اقبال بلاوجہ بغیر ضرورت شعری لفظ طیبہ ہم وزن کو چھوڑ کر یثرب ہر جگہ استعمال کرتے ہیں۔ تو اس کی ضد ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس لحاظ سے تو اقبال کی نعت نویسی

بھی نامقبول ہے۔ اگر ان بنیادوں پر اقبال کو کسی عالم دین یا مفتئ اسلام نے سرزنش اور خبردار کیا ہو تو اقبال یا ان کے دلدادگان کو برا نہ ماننا چاہیئے۔ مگر آج ان باتوں میں مجھ کو الجھنے کی ضرورت نہیں نہ یہ بے علمی نا واقفی کی باتیں کسی کے باطل ہونے کا معیار ہیں صرف ان باتوں سے اقبال کو برا سمجھ لینا ٹھیک نہیں ہے نہ یہاں اقبال کی نعت خوانی کے انوکھا اور نرالا ہونے سے بحث ہے۔ نعت خوانی جس کی زبان بھی ہو ایک مسلمان کے قلب وجگر میں ہی اس کی جگہ ہے بلکہ ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو کوئی نام بھی ادب واحترام سے لے تو وہ ہمارا پیارا اور محترم معظم ہے۔ ہاں البتہ بزرگانِ دین کے مقابل اقبال کو پہلا نمبر نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی میرے خیال میں اقبال یا کسی ذی عقل نے اس کی کوشش ہی کی۔ رہا یہ کہنا کہ اقبال نے ساری عمر انگریز نوازی کی۔ تو یہ اگرچہ تاریخی اعتبار سے درست ہے جیسا کہ اقبال نے ساری عمر انگریزی تعلیم وتربیت یا شکل ولباس وہ بہت سے اشعار سے ظاہر ہے۔ مگر یہ ان کا ذاتی مسئلہ اور سیاسی سمجھ بوجھ ہے۔ اقبال بھی آخر ملکی سیاست کو سمجھتے تھے اور سیاست میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ سیاسی لیڈر مرورِ ایام میں نہ جانیں کتنی چالیں اپنی دانش میں چل جاتا ہے۔ لہٰذا اقبال کو اس پر بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اقبال نے کسی قوم کو جگایا۔ یا نہیں یا اقبال قوم مسلم کے لیے مثالی نمونہ تھے یا نہیں؟ ان باتوں کو سوچ کر کسی کے خلاف عداوت کا محاذ کھڑا کر دینا بھی عقلا کو زیب نہیں۔ یہ باصلاحیت کردار اگرچہ انفرادی طور پر خلوصِ طبعی اور محبت قلبی اور باطنی پاکیزگی کو تو ظاہر کرتا ہے۔ مگر حق و باطل کے امتیاز کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی کے جاگنے میں سب سے بڑا دخل تو خود جاگنے والے کا ہے۔ وہ ہی کروٹیں بدل بدل کر سوتا رہے تو جگانے والا کیا کرے۔ لیکن قوم مسلم کے لیے مثالی نمونہ تو وہ ہوگا جو اسوۂ حسنہ کا پیکر شریعت کا مظہر۔ طریقت کا منبع اور سرتا پا کردار و افعالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو کار ہو جس کے چہرے سے تقدس اسلامی کا ظہور ہو تو زبان و دہن سے انوار و تجلیات کے سوتے پھوٹیں۔ مگر ہم اقبال

کی تعریف کرنے کے لیے اقبال میں ان چیزوں کے دیکھنے کے بھی خواہش مند نہیں نہ ان فیوضات کے نظر نہ آنے کی وجہ سے ہم اقبال کے مخالف بننا چاہتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کا مفقود ہونا بھی باطل کی دلیل نہیں۔ ہمارا جھگڑا اور مقابلہ مخالفت صرف باطل سے ہے۔ اور باطل کی مندرجہ بالا چھ نشانیاں ہیں۔ ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ اقبال میں یہ نشانیاں ہیں یا نہیں اور اسی کی طرف قوم کو دعوتِ غور و فکر ہے۔ سائل کے سوال میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ اقبال میں برہمیت اور قادیانیت کی بُو باس ہے، مگر یہ سب دشمنی کی باتیں ہیں۔ ایسے دوست دشمن تو سب کے ہوتے ہیں۔ دوست چاہتے ہیں۔ کہ فرشتوں سے آگے بڑھا دیا جائے اور دشمن کوشش کرتا ہے۔ کہ ابلیس کے بھی نیچے لگا دیا جائے۔ اسی طرح اقبال کے دوست اور دشمن ہیں۔ دوستوں نے اقبال کو غوث و قطب سے آگے مقام دے ڈالا اور لایعنی خود ساختہ خوابوں کا مراقبوں کا سہارا لے کر کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ تو ادھر دشمنوں مخالفوں نے اقبال کو ہندو جیسی پست ذہنیت سے مُلوث کر دیا۔ قادیانیت جیسے غلط کار فرقے میں شامل کر دیا۔ اور صرف زبانی نہیں بلکہ کتابیں چھاپ ڈالیں۔ چنانچہ ایک کتاب بنام اقبال سب کے لیے کے ص ۷ پر لکھا ہے کہ اقبال کے پردادا کٹر ہندو برہمن تھے۔ اور اقبال نے پہلے اپنی آبائی مذہبی کتاب اپنے خاندان والوں سے وید کو پڑھا۔ نیز ص ۸ پر لکھا ہے۔ اقبال کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر فخر رہا ہے۔ چنانچہ اس کی دلیل میں مصنف اقبال کے تین شعر مندرجہ پیش کرتا ہے۔ نمبر ا میں اصل کا خاص سومناتی، میرے آبا لاتی و مناتی!

نمبر ۲ میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند جز برہمن پسرے محرم اسرار کجا است!

یعنے تقریبًا سب مسلمانوں نے دین ہار دیا سیاست میں۔ صرف اب برہمن کا لڑکا ہی دینِ اسلام کا محرم راز ہے (یعنے اقبال)

نمبر ۳ مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

ترجمہ: صرف ہندوستان میں ایک ہندو لڑکا ہی مولائے رومی اور شمس تبریزی کے رمزیں سمجھنے والا ہے اور دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہا۔ اسی مضمون کو حیات

اقبال ص ۱۱۱ پر ایم ایس ناز بھی لکھ رہا ہے۔ اس کتاب میں ص ۱۰۱۵ اقبال کے تیسرے دادا نو مسلمان مسمیٰ صالح اکبر نے ایک سید زادی سے نکاح کیا۔ یہی باتیں اور مزید کچھ غلط باتیں اقبال پر تہمتاً لگائی گئیں۔ کتاب اقبال یا کمال کے ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۶ پر مصنف عظیم فیروز آبادی نے اسی طرح کی باتیں کتاب اقبال اور کشمیر میں مصنف مولف جگن ناتھ آزاد لکھتا ہے۔ ص ۹۴ بحوالہ رسالہ امرتسر البیان دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۶ پر لکھتا ہے کہ سر اقبال کے والد اور بھائی شیخ عطا محمد احمدی مذہب کے تھے۔ عطا محمد آخر دم تک اسی مذہب میں رہے اور ص ۱۵۹ پر ہے اقبال کے والد شیخ نور محمد عرف نتھو نے ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد کی بیعت کی اس بنا پر ڈاکٹر اقبال اور ان کے بڑے بھائی عطا محمد دونوں احمدیہ جماعت کے رکن تھے۔ بحوالہ تاریخ احمدیہ محرر دوست شہید۔ کہ جب مرزا غلام احمد سیالکوٹ میں آئے۔ ۱۹۰۴ء میں تو شہر کی بھاری تعداد نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا جس سے اقبال بہت متاثر ہوئے اس کے دو برس بعد جب کسی مولوی صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف کوئی مضمون لکھا تو اقبال نے مرزا صاحب کی حمایت میں اپنا قلم اٹھایا اور اس مضمون میں اقبال نے مرزا کو آفتاب صدق کہا۔ اور دوسرے مضامین میں مرزا صاحب کو اقبال نے عظیم ترین مذہبی مفکر کا لقب دیا۔ اور لکھا کہ در حقیقت پنجاب میں اسلامی کردار کی صحیح ترین مثال قادیانی تحریک نے پیش کی ہے۔ اور ص ۱۴۰ پر جگن ناتھ نے لکھا ہے کہ ۱۹۱۳ء تک اقبال احمدی تحریک کے سرگرم رکن رہے اس کے بعد اندرونی مناقشت نے ان کو دل برداشت کر دیا اس لیے وہ اس تحریک سے علیحدہ ہو گئے ص ۱۴۱ پر لکھا کہ اقبال احمدیوں سے صرف سیاسی مخالف ہوئے ایک دفعہ اقبال نے ایک خط میں کہا تھا کہ میں احمدیوں سے صرف انفرادی دوستی رکھتا رہا۔ جس کے جواب میں ریویو آف ریلیجنز نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اقبال نے اس لیے احمدیت چھوڑی ہے کہ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی قیادت سر ظفر اللہ کے ہاتھ رہی۔ حالانکہ اقبال چاہتے تھے کہ میرے ہاتھ رہے اور یہ مقام اپنے پاس چاہتے تھے۔ اسی کتاب اقبال اور کشمیر کے ص ۱۹۲

پر ہے کہ اقبال ہندو مسلم کو ایک سمجھتے تھے۔ بقول شیخ عبداللہ (سرینگر ۱۹۷۳ء روزنامہ) اور گیتا و قرآن کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔ ایسے ہی کتاب زندہ رود مصنف جاوید اقبال ص ۸ پر ہے۔ اقبال کا آبائی وطن مصر ہے۔ اقبال صاحب کے چوتھے دادا کا نام پریم چند رشی۔ سورج مندر کے پجاری۔ رام۔ را کا معنے سنسکرتی زبان میں سورج۔ رام کا معنے سورج دیوتا۔ اقبال کے اس دادا کا اسلامی نام بابا لولی حاجی رکھا گیا۔ پچیسواں دادا ہری ہر سنت۔ ۲ صدی قبل مسیح۔ ہرات شہر اسی کے نام سے آباد ہوا۔ گنگا کے کنارے ہری دوار تیرتھ اسی کے بیٹوں نے اس کے نام پر بنایا۔ پنڈت نہرو اور اقبال بہت قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور بہت گہرے دوست تھے۔ مصری نسل کشمیری نومسلم بڈھا شا سلطان نے ہندو مذہبی تعلیم مسلمانوں کو سکھانے کا رواج ڈالا۔ اس بادشاہ نے مسلمان ہو کر بھی اپنا نام تبدیل نہیں کیا تھا۔ بڈھ شا اس کا ہندوانہ نام ہے۔ بت شکن نہ تھا۔ اس لیے ہندوؤں میں بھی ہر دل عزیز رہا۔ اقبال کے خاندان نے ہی اس کو مسلمان کیا اور ان کی ہی صحبت کا یہ اثر تھا۔ بابا لولی۔ نصیر الدین نومسلم کا نام ہری ونت تھا اس کا مرید ہوا۔ مگر باوجود مسلمان ہونے کے ویدانتی اور فکرِ وجودی (یعنی مُلحِدانہ خود پرستی) کی تعلیمات پر عمل کرتے اور ہندو مذہب کے دلدادہ رہے اسی کتاب کے ص ۹ پر ہے بابا لولی حاجی کے پیر بھائی پجھم رشی اوّل و دوم تھے ان کو رشی کا نام دیا گیا جس کا معنیٰ ہے تارک الدنیا عابد۔ زاہد مسلمان ہونے کے بعد بھی ترک دنیا کی پسندیدگی اور دعوت دیتے رہے۔ پہلے اقبال کو بھی وید پڑھائی گئی۔ اسی طرح اقبال اپنے روپ میں کتاب کے ص ۲۷ پر لکھا ہے۔ اقبال نے جوانی میں قرآن مجید پڑھا۔ اور ایم ایس ناز کی کتاب حیاب اقبال ص ۳۴۹ پر لکھا ہے۔

کہ اقبال اردو اور عربی کا صحیح تلفظ ادا نہ کر سکتے تھے۔ (گویا کہ قرآن مجید صحیح نہ پڑھ سکتے تھے) ق کو ک اور ح کو ھ پڑھتے تھے۔ اور کتاب اقبال اور کشمیر ص ۱۱۶ ایک خط بنام منشی سراج دین از لاہور ۱۰/ اگست ۱۹۲۱ء میں نقط وجوہ کو وجوہات لکھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اس سے اقبال کی

علمی قابلیت واضح ہوتی ہے یہ نہیں وہ مخالفانہ باتیں جو اقبال کی طرف منسوب کی گئیں۔ اور پھر حیرانی ہے کہ یہ سب باتیں ان کتابوں میں ہیں۔ جو اقبال کی ثنا میں لکھی گئیں۔ اور کسی جانب سے بھی اس کی تردید نہ کی گئی۔ نہ اقبال کے گھر سے نہ رفقاءِ اقبال کی طرف سے اب اس کو کیا کہا جائے۔ نادان دوستی یا، عیار دشمنی یا تاریخی حقائق جو مورخ کی ذمہ داری ہے۔ حیات اقبال ص ۶۶۷ پر ہے۔ اقبال مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ کہ اس کو ریاکاری سمجھتے تھے۔ (گویا کہ سب نمازی ریاکار ہیں۔ اولیاء۔ علماء۔ صحابہ تابعین سب) اسی کتاب کے ص ۱۴۸ پر ہے اقبال کے زمانے میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ ایک گروپ کا نام۔ شفیع گروپ تھا۔ یہ گروپ رجعت پسند اور سرکار نوازی میں مشہور تھا۔ اور حکومت کی خوشامد میں بدنام تھا اقبال نے اسی گروپ کی شمولیت اور شرکت پسند کی۔ بہرحال مجھ کو اس سے غرض نہیں یہ خاندانی معاملات ہیں۔ ان سے بھی کسی کی شخصیت کا اصل چہرہ سامنے نہیں آتا۔ کیونکہ یہ حسدِ حاسد بھی ہو سکتی ہے۔ احباب اور مداح بھی محبوب کی تن بلندی میں کسر چھوڑنا گوارہ نہیں کرتے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ گمراہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ دشمنی کے گمراہ اور محبت کے گمراہ۔ یہ اندھی محبت ہی کی باتیں ہیں کہ مثنوی مولانا روم کو۔ قرآنِ پہلوی کا لقب دے دیا۔ کتنا بدبخت تھا وہ شاعر اور گمراہ ہوا وہ شعر والا جس نے یہ شعر بنایا۔ ؂

مولوی و مثنوی و معنوی　　　　ہست قرآن در زبان پہلوی

(معاذ اللہ) ایک بدبخت بدنصیب اٹھتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد اگر کسی کلام کا درجہ ہے تو مثنوی روحی ہے۔ (حیات اقبال ص ۲۰۱) گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی اس کی نظر میں کچھ نہیں یہی وہ گمراہیاں ہیں جو دوستوں دشمنوں کی طرف سے ہوتی ہیں اور بدنام بڑوں کو کر دیتی ہیں۔ لیکن حق و صداقت کی پرکھ کرنے والا ان خرافات کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اسی طرح ہم نے بھی فقط یہ دیکھنا غور کرنا ہے کہ اقبال میں بطلان کی نشانیاں ہیں یا حقانیت کی۔ لہٰذا جب پہلی نشانی پر غور کیا جاتا ہے۔ اور اس ضمن میں کلیات

اقبال پر فکر کی جاتی ہے۔ تو جو سامنے آتا ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اقبال کی ایک وہ خصوصیت جو کسی شاعر میں نہیں پائی جاتی نہ ہندی و تورانی ہیں نہ اُردو و ایرانی ہیں نہ عربی و پنجابی ہیں وہ ہے اقبال کی جذباتی حالت اور تندی و تیزی۔ یہ جذباتی کیفیت کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ بارگاہِ رب تعالیٰ کے احترام کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اقبال کے شکوے کے کثیر اشعار میں سخت بیباکی کے علاوہ دیگر اشعار میں بھی بڑی سخت کلامی پائی جاتی ہے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں۔ ؎

از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ   با قمار بدنشیں بازی کہ چہ!
مشتِ خاک وایں سپہر گردِ گرد   خود بگو می زیبدش کاری کہ کرد

ان اشعار میں اقبال شاہ علی ہمدانی سے تخلیقات خداوندی پر اعتراض و تنقیدی طور پر سوال کر رہے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ:۔ اے شاہ ہمدان میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ رب تعالیٰ کا خیر و شر پیدا کرنا جادوگری اور فریب کاری نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ برے جوئے باز کی ہم نشینی نہیں تو اور کیا ہے کہ ادھر انسان کو پیدا کیا اور ادھر سارا شیطانی لشکر اس کے پیچھے لگا دیا۔ تو خود بتا کہ اللہ کو یہ زیب دیتا ہے (بحوالہ پس چہ باید کرد۔ اور فکرِ اقبال۔ اور اقبال اور کشمیر) بال جبریل ص ۶ میں ہے۔ ؎

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک!

یعنی قیامت میں جب میرا اور اللہ کا آمنا سامنا ہوگا تو میرا جنوں یا میرا اپنا گلا پھاڑے گا یا پھر یزدان (رب) کا دامن اسی جذباتی اور غصیلی حالت میں بال جبریل ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اِک دن   کتابِ صوفی و مُلّا کی سادہ اوراقی

ترجمہ:۔ یعنی داور محشر اللہ تعالیٰ کو اپنے صوفیوں اور عالموں پر بڑا ناز ہے۔ لیکن ایک دن میدان محشر میں ان دونوں کے نامہ اعمال والے خالی ورقے اللہ کو خوب شرمندہ کرے گی۔ اسی طرح بال جبریل ص ۱۳۷ پر ہے ع

شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!

اس شعر میں بھی سراسر رب تعالیٰ جَلّ مَجدُہٗ کی گستاخی ہے۔ کیونکہ شوخ کے معنیٰ اُردو لغت میں ہیں۔ بے حیاء اکڑ باز۔ شرارتی۔ خالقِ تقدیر رب کریم ہے۔ اس کی پاک ذات کے لیے ایسے جملے استعمال کرنا بہت بے باکانہ ہیں۔ بانگ درا ص ۸۸ پر لکھتے ہیں ؎

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا　　جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

یہ رب تعالیٰ کی گستاخی والے اشعار ہیں۔ کوئی کس طرح نقل کر سکتا ہے۔ شکوہ اقبال میں اس سے بھی زیادہ بری زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہاں ہم ان کو نقل نہیں کرتے کیونکہ زبان زدعام وخاص ہیں۔ غالباً ان شعروں کی وجہ سے ہی ہمعصر علماءِ اسلام نے اقبال پر فتویٰ لگایا ہوگا۔ کیونکہ کوئی بہت ہی دل گردے والا انسان ان اشعار کو سننا گوارہ کر سکتا ہے۔ ورنہ عام مسلمان کا تو یہ شعر سن کر پِتّہ پھٹتا ہے۔ دل شق اور جگر زخمی ہوتا ہے۔ لیکن مجھ کو وہ فتوے نظر نہ آئے میں نے اس مضمون کی تیاری کے لیے بہت سی لائبریریاں کھنگال ڈالیں۔ مجھ کو تو صرف اقبال کے مداحوں کی کتب ہی میسر آئیں۔ یا اقبال کا اپنا کلام میں نے جو کچھ اس مضمون میں درج کیا ہے وہ سب تقریباً تیس۳۰ موافقانہ، کتابوں سے درج کیا ہے نہ کہ مخالفانہ یا معاندانہ کتب سے۔ یہی جذباتی طبیعت اقبال اپنے نصیحت آمیز شعروں میں بھی غالب رکھتے ہیں۔ چنانچہ بال جبرئیل ص ۱۶۱ پر بہت تند خوئی کے لہجہ میں رقم طراز ہیں: ؎

وہ خدایا یہ زمین تیری نہیں تیری نہیں　　تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

یہ زبان بالکل ویسی معلوم ہوتی ہے جیسے دو عورتیں لڑتے وقت ایک دوسرے کو مطعون کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ یہ تو تیرے باپ کی بھی نہیں۔ دوسری کہتی تو کیا تیرے باپ کی ہے۔ بالکل یہی لہجہ نسلِ مسلم کے خورد و جواں کی صلاح بندی کرتے ہوئے استعمال کیا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی　　کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ

یعنی موجودہ نسل انسانی نری بدکردار ہے۔ اور آباء سے نہ جانے کون مراد ہیں کیونکہ آباء تو نسل و اصل والے باپ دادا کو کہا جاتا ہے۔ خود کہتے ہیں ع

میرے آباء لاتی و مناتی!

یعنی بت پرست ہندو پنڈت۔ ایک جگہ ظاہراً خود کی نسبت رکھتے ہوئے قوم مسلم کو کہتے ہیں۔ ع

گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

یہاں بے عمل غلط کردار والا کہا گیا ہے۔ کہیں کہا گیا۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

ایک اور جگہ قوم مسلم کا اس طرح نقشہ کھینچا گیا ؎

دامنِ دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

یعنی قوم مسلم نہ دین کی رہی نہ ملت کی۔ ایک جگہ لکھا ہے ؎

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ

یعنی زمانے کی رسوا ترین قوم ترکی و ہندی مسلمان ہیں۔ کلاہِ لالہ رنگ سے مراد ترکی سرخ ٹوپی ہے جو اس زمانے میں مسلمانوں کا نشان تھا جب کہ ہیٹ نصاریٰ کا اور کپڑے کی ٹوپی ہندوستان کی نشانی تھا۔ گویا دنیا میں ذلیل صرف ترکی ٹوپی والی قوم ہوئی۔ آگے فرماتے ہیں ؎

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر!

یعنی اسلامی اتحاد میں نجات ہے مگر قوم مسلم اتنی بے نصیب ہے۔ کہ اس سے بے خبر ہے اور کوئی مسلمان اس سے باخبر نہیں۔ ایک جگہ مسلم قوم کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔ ؎

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا قبضے سے بیچاری امت کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

یہ اشعار بانگ درا میں ہیں۔ بال جبریل میں فرماتے ہیں ص ۵۶، ص

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے!

یعنی قوم مسلم کا دل برا اور نگاہ پلید ہے۔ اور ص ۶۹ پر ہے ع

تیری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ!

یعنی اے مسلم بدبخت تیری نگاہ کمینی اور تیرے ہاتھ بخیل کنجوس لفظِ فرومایہ کا ترجمہ ہے

کینہ دیکھو لغات فارسی اور کریما سعدی۔
ص ۷۶ پر کہتے ہیں۔ بتوں کو تجھ سے امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے اس شعر میں قوم مسلم کو ملحد و کافر کا خطاب دیا گیا۔ یہ تو وہ اشعار ہیں جن کا مطلب و معنیٰ صرف مندرجہ ہی ہو سکتا ہے لیکن بعض حضرات نے تو علامہ کے کئی تعتیبہ اشعار پر بھی اعتراض کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ　　سرمہ تھا میری آنکھ میں خاکِ مدینہ و نجف

اس شعر میں لفظِ خیرہ فارسی لغت کا ہے جس کے تقریباً چودہ معنیٰ ہیں جن میں ایک معنیٰ ہے مرعوب ہونا، آنکھیں چندھیا جانا، معترضین کا کہنا ہے کہ یہ شعر تو اپنی جگہ بالکل درست ہے مگر علامہ کی زندگی اور عملی نمونہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا پورا گھریلو معاشرہ چال ڈھال طرز لباس بودو باش پوری طرح فرنگیت اور اُن کی انگریزیت سے متاثر نظر آتا ہے۔ ؎ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے　　کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس شعر پر دو طرح سے اعتراض کیا گیا ہے۔ ۱؎ یہ کہ معراج جیسے خصوصی واقعے کی اہمیت گھٹائی گئی ہے اس لیے کہ معراجِ مصطفیٰ اتنا اہم اور خصوصی واقعہ کہ اللہ تعالیٰ نے بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عالم میں کسی کو یہ ہمت وجرأت والی نعمت عطا نہ فرمائی۔ ہم بشریت تو درکنار کسی اولوالعزم نبی و مرسل اور ملائکہ مقربین کو بھی حاصل نہ ہوا۔ جب کہ اقبال صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے کہ عالمِ بشریت کا ہر بشر یہ سفر و سیاحت کر سکتا ہے اور کسی کی خصوصیت نہیں یعنی مسلم غیر مسلم ہر انسان کو معراج کی مثل گردش کرنے والے آسمان کی سیاحت اور فلکیاتِ مکانی لامکانی تک عروج ورسائی ہوسکتی ہے۔ یہ نظریہ اور سبق معراج کی گستاخی کے علاوہ آیت قرآنیہ کی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ دوم یہ کہ فلکیات کو گردوں کہہ کر سیّارگان میں شامل کیا گیا حالانکہ یہ بھی قرآنی آیت کے خلاف ہے ایک جگہ فرماتے ہیں دمِ پیری رہِ طیبہ گرفتم، غزل خواں از سرودِ

رعاشقانہ، چو آں مرغے کہ از صحرا سر شام، کشاید پر بفکر آشیانہ۔

ترجمہ: بڑھاپے کے وقت مدینہ منورہ کا راستہ پکڑا عاشقانہ طرز پر غزلیں کہتے ہوئے جس طرح جنگل میں شام کے وقت پرندہ اپنے آشیانے کی فکر میں پر کھولتا ہے۔ یہ اشعار لفظی طور پر تو بہت ہی پیارے ہیں۔ مگر علمی طور پر یہاں بھی خالی شاعری ہی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر اقبال صاحب کبھی بھی حرمین شریفین حاضری نہ دے سکے۔ حالانکہ براستہ حجاز مقدس کئی دفعہ گزر کر لندن کا سفر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب نے نعت گو عاشقین شعراء کی طرح کوئی مستقل نعت ایک بھی نہ لکھی صرف چیدہ چیدہ کسی شاعرانہ موج میں آکر یہ چند اشعار لکھ ڈالے واللہ اعلم بالصواب۔

ص ۱۶۲ پر ہے ع ہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

یعنی مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ نکمے کام چور ہیں۔ ص ۱۶۸ پر مسلم کو نیا خطاب ملتا ہے۔ ع

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے!

ان کے علاوہ اور بھی بہت جگہ قوم مسلم کا نقشہ ایسی طرز سے بنایا جس سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل۔ کمینے بے ہنر۔ کام چور بدکردار۔ ضمیر فروش بے دین۔ راکھ کا ڈھیر۔ سست تن آسان۔ ملحد۔ خدا سے ناامید دور۔ گندی نگاہ والا۔ بخیل۔ اندھے دل والا۔ لالچی۔ بے دین وبے ملت رسوا زمانے بھر کا۔ بنجر۔ بے چارہ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ باعث رسوائی پیغمبر بت گر۔ قبر فروش۔ جاہل۔ ظالم۔ اور یہ نقشہ کس کو دکھایا۔ کس کے سامنے پھیلایا اغیار بد باطن کے سامنے کلام اقبال کو پڑھ کر غیر مسلم کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کا جو حلیہ ابھرتا ہے۔ اس کا خمیازہ سب اچھے برے مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اقبال نے یہ سب جلی کٹی بڑے ہی پیارے انداز میں سنا ڈالیں۔ اور بہت ہی اصلاحی طریقے سے قوم مسلم کو سمجھانے کے انداز اختیار کئے۔ مگر غیر مسلموں نے تو سب مسلمانوں کو ہی ان برائیوں کا حامل قرار دیتے ہوئے قابل نفرت سمجھا۔ اچھے برے کہاں نہیں ہوتے۔ مگر اقبال

نے تو کوئی چھانٹ نہیں کی اس نے تو پوری قوم ساری امت مسلمہ کو اغیار کی نگاہوں میں ذلیل بنا کر پیش کیا۔ تو کسی کو چھانٹ کی کیا مصیبت پڑی تھی۔ میں تو کہہ دوں گا کہ اقبال غمگسار قوم مصلح امت تھا۔ مگر حالات کیا بتاتے ہیں تجربہ کیا بتاتا ہے یہی کہ فرمودات اقبال کا نقصان تو یہ ہوا کہ دنیا قوم مسلم کو دھتکارنے لگی۔ اور بروں کی بھی کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔

دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ اقبال نے قوم کو برا تو خوب کہا۔ گندا ذلیل تو بتایا مگر سدھرنے کا طریقہ نہ سکھایا۔ بلکہ وہ علماء صوفیا۔ مدارس و مساجد وخانقاہ جن میں قرآن وحدیث کی دلیلِ دل نشین۔ جاں گداز۔ تہذیب وتمدن کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ جن کے سوا مسلمانوں کی ترقی کا اور منزل مقصود کا کوئی راستہ نہیں۔ ان سے اقبال نے دور کیا۔ کیا حضرتِ اقبال کو ساری دنیا میں کوئی بھی سچا مسلمان نظر نہ آیا۔ جس کی تھوڑی دیر کے لیے اقبال تعریفی لب کشائی کر دیتے۔ تاکہ ہم بھی کہہ سکتے کہ اقبال حق ہیں۔ یہ بات اقبال کے سارے کلام میں نمایاں ہے کہ اقبال نے کسی بھی مسلمان کی تعریف وثنا نہیں کی۔ نہ معلوم اس میں کیا راز تھا۔ یا کس کے اشارے پر یہ چال چلی گئی دوسری وجہ یہ کہ۔ یہ بات بھی نہایت مجرب ہے کہ کسی کو راہ راست پر لانے کے لیے محض زبانی گفتگو شعر بازی یا طعنہ زنی یا مثالیں دینے سے کام نہیں چلتا۔ شاعری سے دل خوشکن لذت اور وقتی واہ وا تو ہو جاتی ہے۔ مگر اصلاح ہوتے آج تک نہ دیکھی۔ اگر شعراء کے دم سے قومیں سدھر اکرتیں تو رب تعالیٰ انبیاء کرام کو شاعر بنا کر بھیجتا۔ اور کتب سماوی دیوانِ خداوندی بن کر اترتیں۔ اور مولانا رومی کو خود اپنی اصلاح کے لیے صوفی شمس تبریز کی ضرورت نہ پڑتی۔ قوم کی اصلاح تو عملی زندگی سے ہوتی ہے۔ جو اسلام اور اہلِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ سردارِ قوم اور میر کارواں کے لیے یہ رختِ سفر سب سے زیادہ ضروری واہم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ اقبال کو شاید اقبال میں نگاہ بلند۔ اور جان پرسوز تو نظر آتی ہو۔ مگر سخن دلنواز اور عملی زندگی کا تقدس ڈھونڈے نہیں ملتا۔ نہ گفتار میں نہ شکل وصورت میں پھول کی خوشبو تو تب ہی آئے گی۔ جب شکل بھی پھولوں جیسی ہو۔ حس چلیے۔

شکل وصورت۔ رہن سہن۔ تعلیم وتربیت۔ آمدورفت میں اقبال نظر آتے ہیں قوم نے اسی طرف ہی تو جاتا ہے۔ یورپ کی ریل میں بیٹھ کر خاکِ طیبہ کا راستہ تو نہیں دکھایا جاسکتا۔ نہ منوایا جاسکتا ہے۔ اس مذبذب دورخی پالیسی سے ہر شخص جان سکتا ہے۔ کہ اقبال پہلی نشانی میں کہاں تک حق ہیں۔ باطل سے نکلنے کے لیے کون سا راستہ ہے۔

دوسری نشانی، شجرِ اسلام بھی عجیب پُر بہار درخت ہے۔ اور اُس کے سایۂ عاطف میں چلنے والے قافلے بھی کمال سدا خرام ہیں کہ ہزاروں باطل آندھی وطوفان آئے مگر ان کی استقامت ورفتارِ منزل میں فرق نہ آیا۔ باطل کا شروع سے یہ طریقہ رہا کہ اولاً اہلِ قافلہ کو مانوس کیا اور وہی خوش کُن نغمہ سرائی کی جو ازل سے مسافرانِ قافلہ کے دل ودماغ میں سمائی ہوئی تھی۔ تاکہ کوئی بدظن نہ ہو۔ رواں دواں قافلہ خواہ جانوروں کا ریوڑ ہو یا مسافروں کا جتھہ ہر قافلے کو چلانے کے لیے دو راہنماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک قائد اور دوسرا راعی۔ قائد آگے ہوتا ہے جو راستہ بتاتا ہے اور راعی پیچھے۔ راعی قافلے کو چلاتا ہے اور قائد راعی کو۔ اسلام نے بھی امت مسلمہ کو دو رہبر عطا فرمائے۔ علماء اور اولیاء اللہ رسول نے قیامت تک قومِ مسلمہ کو ان ہی دونوں راہنماؤں کے سپرد فرمادیا۔ علماءِ شریعت قائدِ اسلام وشریعت ہیں۔ آگے شریعت کا راستہ بتانے والے۔ اور اولیاء اللہ قافلے کے پشت پناہ ہیں۔ چل دینے والی ساری امت اولیاء اللہ کے قبضے میں۔ اور اولیاء اللہ علماءِ شریعت کے قبضے میں۔ یہ قافلے جمالِ مصطفےٰ کے مدینے میں بن بن کر جلالِ کعبہ کی طرف لگاتار جارہے ہیں۔ اور تا قیامت جاتے رہیں گے۔ اور شریعت وطریقت والے آگے پیچھے رہ کر باطل سے بچنے بچاتے ان قافلوں کو لیے چلے جارہے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس نے قافلۂ اسلام میں شامل ہوتا ہے۔ وہ پہلے مدینۂ رحمت میں جائے۔ لیکن باطل اس قافلے کو بھٹکانا اور تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کا پہلا بھرپور وار مسافرانِ قافلہ پر یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کو مانوس نغمہ سرائی کے ضمن میں سناتا ہے کہ اے قافلے والو! تم غلط ہو۔ تباہ ہوگئے۔ تمہارا متاعِ کارواں لٹ گیا ہے۔ اور

تمہارے قلبوں سے احساسِ زیاں بھی جاتا رہا ہے۔ ارے کمزور و بزدلو میری مانو میری سنو! یہ راستہ اسلام کا نہیں ہے۔ جس پر تم چل رہے ہو۔ تم نکمّے ہو ذلیل ہوا اور خود اس طرح چل کر مزید ذلیل کر رہے ہو جب وہ مسافرانِ راہِ منزل جب وہ عوام کالانعام والے ریوڑ کے جانور اس دِل رُبا مانوس نغموں کے ساتھ ان طعنوں تشنوں کو سنتے ہیں۔ تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب کے کان کھڑے ہوتے ہیں۔ پوچھنے والے کچھ پوچھتے ہیں کہ ہمارا متاع کس نے لوٹا۔ ہم کو غلط راستے پر کس نے ڈالا اور ہم کیوں ہلاک ہو گئے تو باطل کا دوسرا حملہ یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ قوم قافلہ کو بکھیرتے توڑتے اور لائن سے ہٹاتے راہ منزل سے دور کرنے کے لیے۔ کہتا ہے۔ کہ یہ قائد و راعی ہی تمہارے متاع کو لوٹنے والے ہیں۔ یہ ہی دونوں تم کو تباہ کر دیں گے۔ اور ان ہر دو راہنماؤں کی اتنی برائی کی جاتی ہے کہ قوم اور اہل خانہ قافلہ کے نا سمجھ شرکاء اپنے محبوبوں سے متنفر ہو کر تباہی سے ہم کنار ہوتے لگتے ہیں اقبال کی تعلیم۔ اور کلامِ اقبال کا ہر پہلو بس اسی ڈگر پر عمل پیرا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ع

لے ڈوبے تجھے منطق مُلّا کے طلسمات

اقبال کی نظر میں اسلام کا ہر پہلو ہر عالم فقیہ محدث مدرسہ درس گاہ دینی۔ اور صوفی اولیاء اللہ خانقاہ نشین ﷺ جانشین سب ہی بری ہیں۔ یہاں تک کہ امام دہلوی سے لے کر محی الدین عربی حافظ شیراز۔ حضرت میاں میر خواجہ حسن نظامی سب بزرگانِ اسلام و اکابرِ دین قابل نفرت ہیں۔ ان سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے۔ دینی علم اور تصوّف سے تو اقبال کو بہت ہی چڑ ہے کوئی کتاب۔ کوئی نظم کوئی غزل کوئی رباعی کوئی منقبت اقبال کی ایسی نہیں جس میں اقبال نے اسلام کی ان پاک باز ہستیوں کو مطعون نہ بنایا ہو۔ اور جذباتی انداز میں برا بھلا نہ کہا ہو۔ ان سب کو برا کہنے کے لیے اقبال صاحب نے اولاً ایک سوچا سمجھا نشان قائم کیا۔ اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت۔ خودی کا مسئلہ وضع کیا۔ اور خودی بھی وہ جس کو اقبال خودی کہہ دیں۔ اور پھر اس خودی کے مسئلہ میں اقبال اتنے خود سر ہوئے۔ کہ جو ہستی پاک بھی اقبال

کے معیار میں خودی سے ہٹا ہوا نظر آیا۔ اقبال نے اس کو معاف نہ کیا اور طعناً و تشنیع سے نوازا علماء سے صوفیاء تک شریعت سے طریقت تک۔ یہاں تک کہ ولایت و نبوت کا بھی احترام باقی نہ چھوڑا حالانکہ یہ خودی نہ قرآن مجید میں موجود ہے نہ احادیثِ مطہرات میں بلکہ اس خودی کا موجد اقبال سے پہلے باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ یزیدیہ تاریکیہ ہے۔ جس کا بانی ابا یزید بن عبد اللہ۔ ایران سے چلا ہند میں بھی اس کے کچھ پیروکار موجود ہیں۔ چنانچہ مذاہب اسلام کتاب ص ۵۸۰ پر ہے۔ ان کے عقائد سے بنیادی عقیدہ۔ خودی اور خود شناسی ہے۔ اس فرقے کے نزدیک خود شناس ہندو نا خود شناس مسلمان سے اچھا ہے بعینہٖ یہی نظریات اقبال کے ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اقبال اسی فرقے سے متاثر ہوں۔ اقبال کی یہ سب باتیں اور جذباتی مخالفتیں ہم کو اقبال کی ہی کتب سے میسر آئیں۔ چنانچہ بانگ درا ص ۱۰۱ پر ہے ؂

عجب واعظ کی دینداری ہے یارب عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

ضرب کلیم ص ۲۲ پر ہے ؂

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

ضرب کلیم ص ۲۴ پر ہے۔ بعنوان مُلّائے حرم ؂

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو تری نگاہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

ضرب کلیم ص ۲۵ پر ہے ؂

آہ اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہ وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ان تمام اشعار میں کیسی سخت غصیلی جذباتی اور مردانگی سے ہٹی ہوئی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ جو غیر مسلم اغیار کی نظروں میں بھی امت مسلمہ کے رہنمایانِ قوم ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ شاعرِ مشرق کے اشعار ہیں۔ یا بھٹیاروں کی لڑائی۔ یہ تو خیر ہوئی جو دوسری طرف سے کوئی نہ اٹھ کھڑے ہوا اور نہ وہ جو تم پیٹل ہوتی اور جوتیوں میں دال بٹتی کہ تو یہ ہی بھلی۔ ضرب کلیم ص ۲۸ پر لکھتے ہیں ؂

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے		دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

یعنی اب جنگ نہ کرنی چاہیئے۔ اقبال نے شیخ سے مراد یا علماء یا صوفیاء لیے ہیں۔ مگر یہ ان کا اتہام ہے کسی دینی عالم نے جنگ بندی کا فتویٰ نہ دیا۔ ہاں مرزا غلام قادیانی نے فتویٰ دیا تھا۔ لہٰذا یہ تو اقبال کو مفید تھا کیونکہ قلم کی تلواریں تو مسلمانوں کے خلاف اقبال نے چلائیں۔ جس کے زخم ابھی تک ہرے ہیں۔ ضربِ کلیم ص ۳۸ پر ہے ؎

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں		بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست

ص ۳۹ پر ہے ؎

صوفی کی شریعت میں فقط مستیِ احوال		مُلّا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار

ص ۴۴ پر ہے ؎

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں		نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار

یعنی سب لوگ مذہبی برے ہیں کہ ان کا کردار گفتار رتیا نہیں وہی پرانا ہے۔

ص ۱۰۱ پر ہے ع

زجاج گر کی دکاں شاعری و مُلّائی

یعنی مُلّائی اور شاعری شیشہ کی دکان ہے۔ جو ایک دم ٹوٹ کر تباہ ہو جاتی ہے اس لیے اس کو توڑ پھوڑ دو۔ ص ۱۵۹ پر ہے ؎

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو		وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

یعنی نماز کے سجدے سب غلط ہیں۔ ظاہرًا دعا ہے۔ باطن میں طنز ہے۔ یہ شعر اُس وقت لکھا گیا جب ایک ترکی ملحد سوشلسٹ نے مسلمانانِ ہند کی نمازوں اور لمبے سجدوں پر اقبال کے سامنے اعتراض کیا تو اقبال نے چند اشعار میں اس مُلحد کو تو مردِ مجاہد اور مومنِ آزاد کا لقب دیا۔ لیکن مسلمان علماء اور نیک پاک متقیوں کو لمبے ساجدین کو غلام کی نماز قرار دیا اور علماء کے متعلق لکھا ہے کہ ان غریب بیہودہ مُلّاؤں کو سجدہ ریزی کے سوا کام کیا ہے۔ بانگ درا ص ۲۰۴ پر ؎

ابدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں بھولے بھالے سیدھے سادھے ہیں؟

بانگ دراص ۱۱۱ پر ہے۔ ؎

غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

اَرمغانِ حجاز ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں۔ بعنوان شیطان کی باتیں ؎

یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج صوفی و مُلّا

ملو کیت کے ہیں بندے تمام

ارمغان حجاز ص ۲۴۸ میں ہے۔ ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

یعنی علمائے اسلام صوفیائے عظام کے پاس بیٹھنے والا مردہ ضمیر ہو جاتا ہے جیسے کہ بادشاہوں کے پاس بیٹھنے والا صوفیوں، ملاؤں کے ڈنگ سے بچو۔ ص ۲۵۷ پر ہے ؎

مُلّا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب

یعنی علماءِ اسلام دل کے اندھے اور صوفیاءِ اسلام مردہ روح والے ص ۲۶۴ پر ہے ارمغانِ حجاز ؎

کھلا جب کُتب خانۂ گل چمن میں نہ کام آیا مُلّا کو علمِ کتابی!

یعنی دین دنیا کے کسی چمن میں علماء کو قرآن و حدیث کا علم کام نہ آسکا۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ اقبال کے نزدیک دینی علوم بیکار بے فائدہ ہیں۔ بال جبریل ص ۷۴ پر لکھتے ہیں۔ ؎

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

اس شعر میں اُن فقہاءِ ملت کی گستاخی ہے جن پر اسلام ناز کرتا ہے۔ اسلامی فقہاء علماء کے درخشندہ کارنامے روشن کردار سے تو غیر مسلم بھی متاثر اور حیرانی سے انگشت بدندان ہیں۔ بالِ جبریل ص ۵۲ پر ہے ؎

کیا صوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

ص ۸۷ پر ہے ؎

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے کردار بے سوز گفتار واہی

پیر حرم سے مراد قرب کعبہ میں رہنے والے اولیاءاللہ۔ یعنی ان کا عمل بے سوز

ریاکاری۔ اوران کی باتیں فقط واہی۔ کا ترجمہ اردو لغت میں ہے۔ بکواس اسی لیے فضولیات کو واہی تباہی بکنا کہا جاتا ہے۔ ص ۱۹۶ پر ہے ؎

وہ مذہب مردانِ خود آگاہ وخدامست ۔۔۔ یہ مذہب مُلّا و جمادات و نباتات

یعنی صحیح مذہب والے اور ذی عقل اور باعزت لوگ تو خودی کو جاننے والے ہیں۔ لیکن مُلّا کا مذہب گدھے گھوڑے اور کوڑے کرکٹ گھاس پھوس جیسا ہے۔ شاید آپ نے اقبال کے مردانِ خود آگاہ سے مراد کوئی مومن ہی سمجھا ہوگا۔ نہیں نہیں۔ اقبال کا مردِ خود آگاہ اور خدا مست مسلمان نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ جو آگے پانچویں عنوان میں بتایا جائے گا۔ بالِ جبریل ص ۲۰۸ پر ہے ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ۔۔۔ مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

حدیث پاک میں ہے کہ بروزِ محشر شہید کے خون سے زیادہ افضل علماءِ اسلام کے قلم کی سیاہی ہوگی۔ مگر اقبال کا دین کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔ کتاب باقیات اقبال ص ۱۰۱ پر ۵ شعروں کی ایک نظم میں اقبال نے علماء کو بہت گالیاں دیں۔ ان میں چار شعر درج کئے جاتے ہیں۔ ذرا تند مزاجی کا اندازہ لگایئے۔ ؎

دہلی دروازے کی جانب ایک دن جاتا تھا میں
شام کو گھر بیٹھے رہنا قابلِ الزام ہے

خضر صورت مولوی صاحب کھڑے تھے اک وہاں
ہم مسلمانوں میں ایسی مولویت عام ہے

وعظ کہتے تھے کوئی مسلم نہ انگریزی پڑھے
کفر ہے آغاز اس بولی کا کفر انجام ہے

میں نے یہ سن کر کیا ان کو مخاطب اس طرح
آپ کا ہونا بھی اپنی گردشِ ایام ہے

ان اشعار کے ہر نشتر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دینی علم اور علماء اقبال کے لیے ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ ابتدائی دور میں واقعی علماءِ اسلام نے انگریزی زبان سیکھنے سے روکا تھا کیونکہ یہ زبان صرف زبان بن کر نہ آئی تھی بلکہ پوری اسلام دشمنی کفر دوستی۔ بد اخلاقی اور مغربی گھنونی ننگی تہذیب کا پورا

لبادہ بے کر آئی تھی اقبال اور سر سید جیسے لوگ تو اس کے جھاڑ جھنکاڑ کے مالی بنے تھے۔ جب ان کے اشاروں پر نسل مسلم قرآن حدیث علماء صوفیاء سے ہٹ کر انگریزیت میں غرق ہونے لگی تب ڈوبتوں کو سہارا دینے کے لیے یہ بھی کہنا پڑا کہ تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو چاہے تو جہازوں پہ اڑو چرخ پہ جھولو۔ پر ایک سخن بندۂ مسکیں کی رکھو یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو۔ (اکبر الٰہ آبادی عاشقِ رسول) باقیات اقبال ص ۳۳۶ ہے

عجیب طرز ہے کچھ گفتگوئے واعظ کا — خدا بچائے یہ باتیں سنی نہ تھیں میں نے

(ص ۳۵۱ پر ہے۔ باقیات اقبال) ہے

زاہد شہر کہ ہے سوختہ طبعی میں مثال — خشک ہے اس کو غریق نم صہبا کر دیں

یعنی یہ صوفیاء لوگ کینہ پرور جلی طبیعت والے نرے خشک ہیں باقیات اقبال میں ۶۴ پر ہے ہے

ہے اندھیرے میں فقط مولوی صاحب کی نمود — بلکے شمس العلماء چمکے ہیں جگنو کی طرح

باقیات اقبال ص ۱۵۵ پر ہے ہے

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ — اپنی ہر بات کو آوازِ خدا کہتے ہیں

بال جبریل ص ۵۴ پر ہے ہے

میرے لیے تو ہے اقرارِ باللساں بھی بہت — ہزار شکر کہ مُلّا ہیں صاحبِ تصدیق

یعنی ایمان تو یہ ہے کہ تصدیق بالقلب بھی ہو۔ اقبال کہتا ہے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں صرف اقرار باللسان یعنی زبانی کلمہ گوئی بہت کافی ہے۔ حالانکہ یہ اقرار مسلمان نہیں بناتا۔ ص ۵۶ پر ہے ہے

سکھا دیئے ہیں اسے شیوہائے خانقہی — فقیہہِ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

بال جبریل ص ۸۷ پر ہے ہے

یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری — صلہ ان کی کدو کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

یعنی بت خانے اور کعبے والے دونوں کے اعمال کردار سے سینوں کے بے نوری ہے۔ اور صوفیاء کی محنتیں تلاوتیں چلے وظیفے سب کچھ بے نوری کا سبب ہیں۔ ص ۱۰۱ پر ہے نے فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو یہ دل کی موت وہ

اندیشۂ و فکر کا فساد۔ ص ۱۱۲ پر ہے۔
میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا مسائل نظری میں اُلجھ گیا ہے خطیب
بال جبریل ص ۱۵۹ پر بعنوان۔ مُلّا اور بہشت۔ پانچ اشعار کی نظم میں مُلّا کو کہا گیا ہے
کہ یہ جنت کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ ہندو۔ عیسائی۔ یہودی۔ سکھ سے جھگڑے کا عادی
ہے جنت میں گرجہ نہ مسجد نہ مندر نہ گر دوارہ نہ کلیسا۔ اس کا وہاں کیا کام یہ تو اقبال
کا اردو کلام ہے جو عام مشہور ہے۔ جس کو پڑھ کر قوم گمراہ ہو رہی ہے اور غیر مسلم
اسلام سے متنفر۔ ان اشعار میں اقبال نے علماء صوفیاء کو مندرجہ ذیل برے القابات
سے نوازا، بے توفیق، سب کا دشمن بے جلال۔ اندھا۔ بیکار گمی۔ نماز والا۔
بیکار۔ اذان۔ گھٹیا امامت گھٹیا نماز۔ بے عمل۔ فضول علم دین والا۔ بکواسی بہانے
باز۔ بزدل۔ سجدے غلط۔ غریب۔ بیہودہ۔ مفت خور۔ مکار۔ باطن خراب مغرور
متکبر۔ زبان دراز۔ دل کا اندھا۔ روح مردہ۔ ڈنگ مارنے والا۔ بیڑا غرق کرنے
والا۔ اب ذرا اقبال کا۔ فارسی کلام ملاحظہ فرمایئے۔ چنانچہ پیام مشرق ص ۶۷ پر
فرماتے ہیں ؎

بہ علم غرہ مشو کار مے کشی دگر است فقیہ شہر گریبان و آستین آلود!

ترجمہ۔ اے اسلام کے فقیہ شہر تو اپنے علم پر مغرور مت ہو شراب نوشی
دوسرا کام ہے تو نے گریبان اور آستین کو آلودہ کیوں کر لیا۔ ارمغان حجاز ۹ پر
ہے ؎

متاعِ شیخ اساطیر کہن بود حدیثِ او ہمہ تخمین و ظن بود!
ہنوز اسلام او زنار دار است حرم چوں دیر بود او برہمن بود

ترجمہ:۔ یہ مولوی اور صوفی اس کا سارا دینی سرمایہ پرانے قصہ کہانیاں ہیں (یعنی
صحابہ و تابعین۔ قرآن و حدیث کی) اس کی حدیث اور روایتیں سب اندازے
اور توہمات ہیں۔ اس کا اسلام کفر والا ہے اور اس کا حرم شریف تبخانہ کی طرح
اور یہ خود ہندو برہمن کی طرح ہے۔ ارمغان حجاز ۶۵ پر ہے ؎

دلِ مُلّا گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ او کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست

سرِ ممبر کلامش نیشدار است کہ او را صد کتاب اندر کنار است

ترجمہ:۔ مولوی کا دل بالکل غمِ آخرت سے خالی ہے۔ اس کی آنکھیں تو ہیں مگر اس میں حیا یا خوفِ خدا کے آنسو نہیں ہیں۔ میں دینی مدرسوں اور فقہ حدیث تفسیر کی تعلیم سے اسی لیے بھاگا ہوں۔ کہ اس کے عربی رہتے ہیں زمزم نہیں ہے۔ ممبر پر اس کی تقریر ڈنگ ہے۔ کیونکہ اس کو اپنی گود کی صد کتابوں پر غرور ہے۔ ارمغان حجاز ص ۹۰ پر ہے۔ ؎

حقیقت را بہ رِندے فاش کردند کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دیں را!

ترجمہ: اللہ نے اپنے سارے راز رِند کو بتا دیئے کیونکہ مولوی دین کی رمز اور بھید کو بہت کم پہچان سکتا ہے۔ یہ اقبال کی مغرورانہ خود ستائی و خود نمائی ہے۔ کہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ ولی اللہ سمجھتا ہے۔ ص ۱۰۰ پر ہے ؎

گرفتم حضرتِ مُلّا ترش رو ست نگاہش مغز را نشناسد ز پوست

ترجمہ۔ میں نے مانا کہ مولوی بڑے غصہ والا کھٹے چہرے والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ بیوقوف مغز اور کھال کو نہیں پہچان سکتا۔ ص ۱۰۱ پر ہے ؎

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری حیات از حکمتِ قرآں نہ گیری!

ص ۱۰۲ پر ہے۔

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں درحیرت انداخت خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را۔

ص ۱۰۳ پر ہے ؎

ز دوزخ واعظِ کافر گرے گفت ، حدیثِ خوشتر از وے کافرے گفت

ترجمہ، اے مسلمان تو صوفی اور مولوی کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لیے تو قرآن کی حکمت نہ لے سکے گا۔ میری طرف سے صوفی اور مُلّا کو دور سے سلام جو کہ خدا کا پیغام ہم سے کہتے ہیں۔ لیکن اس کی تاویل ایسی کرتے ہیں۔ کہ خدا جبریل اور مصطفےٰ حیرت میں ہیں۔ واعظ ہر ایک کو کافر بناتے والا جو دوزخ سے اس نے کہا۔ اس سے اچھی بات تو کافر کہہ لیتے ہیں۔ ص ۱۳۸ پر ہے ؎

بیک مسجد دو مُلّامی نگنجد ز افسونِ بتاں گنجد بیک دیر

ترجمہ: لڑا کے مولوی ایک مسجد میں دو نہیں ٹھہر سکتے۔ بت پرست ایک بت خانے میں بہت ٹھہر جاتے ہیں۔ ص ۱۴۴ پر ہے ؎

بباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی کہ از وے روحِ قومی میتواں کُشت

مت ہو مطمئن اس علم سے جو تو پڑھتا ہے کہ اس سے ایک قوم کی روح ہلاک کی جا سکتی ہے یعنی دینی علم ؎

کسے کو لاالٰہ را در گرہ بست زبندِ مکتب و مُلّا بروں جست

ترجمہ: جس نے لاالٰہ کو دل میں جمایا۔ وہ مدرسوں اور مولویوں سے دور بھاگا۔ ص ۱۴۳ پر ہے۔ ؎

باآں دین وباآں دانش مپرداز کہ ازمابرد چشم و دل دوست

اے مسلمان اس دین میں اور اس عقل میں مشغول مت ہو کیونکہ یہ دین ہم سے عقل کی آنکھیں۔ دل اور ہاتھ سے جائے گا۔ اور تو بھی دین میں آکر اندھا کوڑھی بن جائے گا۔ ص ۱۵۶ پر ہے ؎

مرا کافر کند اندیشۂ رزق ترا کافر کند علم کتابی

ترجمہ: مجھ کو کافر کیا رزق کی فکر نے اور اے مولوی تجھ کو کافر کیا تیرے کتابی علم نے ص ۱۵۷ پر ہے ؎

مرا یاد است از دانائے افرنگ بسا رازے کہ از بود و عدم گفت

ترا ویلاتِ مُلّایاں نکوتر نشستن با خود آگاہے دمی چند

ترجمہ: مجھ کو عقل کے بادشاہ انگریز محبوب کے بہت سے وہ اسرار جو اس نے مجھ کو ہستی کائنات یا لاالٰہ کے بارے سمجھائے تھے یاد ہیں۔ مُلّاؤں مولویوں کی تفسیر قرآن سننے سے تو کہیں زیادہ اچھا ہے اس بے جیسے انگریز خود آگاہ کے پاس چند منٹ بیٹھنا۔ یہ تھے اقبال کے فارسی زہریلے خنجر۔ جو انھوں نے قوم مسلم کے سینے میں گھونپے۔ ان اشعار میں جو کچھ مفکر اعظم حضرت شاعر مشرق نے فرمایا۔ اس کا خلاصہ اور منشا یہ ہے۔ کہ ہندو اچھا مولوی برا۔ انگریز عقل والا مولوی لئے دنوت مندر اچھا مدرسہ برا۔ دین کی تعلیم نقصان دہ اندھا کوڑھی کرنے والی۔ یہ سب اشعار تقریباً نہتر ہیں گویا کہ اقبال صاحب نے علماء صوفیاء کے خلاف اسلام اور

تعلیم اسلام کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے پورا ایک مستقل دیوان لکھ ڈالا ابھی مزید اشعار موجود ہیں۔ گویا کہ اقبال کا سارا تفکر اور محرم رازی اسی میں تھی کہ قوم مسلم کو علماء صوفیاء علم مدرسہ اور اسوہ حسنہ سے متنفر اور دور کیا جائے۔ اقبال کا زیادہ کلام اسی قسم کا ہے۔ اور یہی باطل کا حملۂ اوّل ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے دو محافظ عطا فرمائے صوفیاء اسلام جو مثلِ راعی کے ایک لڑی ... میں پروتے والے ہیں اور علماء دین جو قائدین بن کر دشمنی بھیڑیوں کو روکنے والے ہیں۔ چونکہ راعی اپنے ریوڑ سے کسی جانور کو نکلنے نہیں دیتا اور قائد کسی دشمن کو اندر آنے نہیں دیتا۔ اس لیے باطل سمجھتا ہے کہ میری رکاوٹ یہی علماء اور صوفیاء ہیں تبھی وہ ان دونوں گروہوں کے خلاف سبّ و شتم بلند کرتا ہے۔ رہا عوام کا دلدادگانِ اقبال بنا تو یہ بھولی بھیڑوں کا شروع سے کام ہے جس شکاری نے چاہا ان کو شکار کر لیا یہ تو بھیڑیے کو بھی ہم جنس سمجھ لیتے ہیں اب یہ دانشور فیصلہ کریں گے کہ کلامِ اقبال میں بُطلان کا دوسرا۔ اور تیسرا نشان پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ باطل کا تیسرا نشان ہے۔ ایک نظم میں اقبال صاحب لکھتے ہیں ؎

اس عہد میں مُلّاؤں نے دیں بیچا صد افسوس — یہ طوقِ غلامی یہ تیری فطرتِ آزاد
اک لقمۂ روٹی کے لیے قرآں کی آیات — لے ڈوبے تجھے منطقِ مُلّا کے طلسمات
للّٰہ گریبان میں منہ ڈال کے دیکھو — جینے کے یہ ساماں ہیں کہ مرنے کی علامات

ان اشعار میں قومِ مسلم اور علماءِ اسلام کو سخت جذباتی اور غصیلے انداز میں گالیاں دی گئی ہیں۔ اور پھر قارئین خود غور فرمائیں کہ اقبال نے برا تو سب کو کہا مگر کوئی منزل کوئی راستہ۔ کوئی سبق نہ دیا۔ گویا نشتر تو چبھویا مگر مرہم نہ رکھا اس لیے کہ مرہم اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ اقبال صاحب حافظ شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں۔ اسرار خودی پرانا نسخہ ص ۲۷۔ اب یہ تبدیل کر دیا گیا ہے کسی خوف سے ؎

بے نیاز از محفلِ حافظ گذر — الحذر از گوسفنداں الحذر!
ہوشیار از حافظِ صہبا گسار — جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار

ترجمہ:۔ اے مسلمان حافظ شیرازی کی محفل سے دور بے پرواہ ہو کر گزر جا۔ ان بدنصیب بھیڑوں سے پرہیز کر اور بچ کیونکہ یہ اوندھی اور حماقت کی چال میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا جام موت کے زہر سے بھرا ہوا ہے۔ حافظ شیرازی جو اسلام کے عظیم مصلحین میں سے ہیں ان کو اقبال غیروں کے سامنے اس طرح ذلیل کر رہا ہے اقبال صاحب نے پہلے اکبر الہ آبادی،، کا تعزیت نامہ پیام مشرق میں چھاپا تھا پھر اس لیے نکال دیا کہ حضرت اکبر الہ آبادی علماء کے ہم شکل اور صوفیاء کے ہمنوا اور مدح سرا تھے رباعیات اقبال ۳۳۹) اسرار خودی ص ۷۹ پر ہے۔ ؎

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست　　اعتبار ملت بیضا شکست
واعظ ما چشم بر بت خانہ دوخت　　مفتیِ دینِ مبین فتویٰ فروخت

ترجمہ:۔ واعظ اور صوفی سب کرسی اور نوکری کے اور عزت کے بچاری ہیں ملت بیضا کا اعتماد توڑ دیا۔ ہمارے واعظ نے بت خانے پر نگاہیں سی لیں دین مبین کے مفتی نے جھوٹے فتوے دے کر دولت خریدی۔ یہ اشعار حقیقت کے بالکل خلاف اس لیے کہ علماءِ ربانی کبھی نہ بکے نہ جھوٹے فتوے بیچے ہاں جھوٹوں نے لبادۂِ علماء بہت دفعہ پہنا مگر ذی عقل نے ایسے بہروپیوں سے کبھی دھوکا نہ کھایا مگر اقبال کی نظر میں تو سب ہی یکساں ہیں جاوید نامہ ص ۸۷ پر ہے ؎

دینِ حق از کافری رسوا تراست　　زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است!
بے نصیب از حکمت دین نبی　　آسمانش تیرہ از بے کوکبی!
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گو　　ملت از قال اَقُولُ فرو فرو!
مکتب و مُلّا کہ اسرارِ کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکرِ تدبیرِ جہاد　　دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد

ترجمہ:۔ اسلام کافری سے زیادہ ذلیل ہے۔ اس وجہ سے کہ مُلّا مولوی مومنوں کو کافر بنا رہا ہے۔ نبی کے دین کی حکمت سے بے نصیب ہے۔ اس کا آسمان تاریک ہے۔ کیونکہ وہاں ہدایت کا کوئی ستارہ نہیں۔ کم نگاہ اور اندھی طبیعت والا اور بکواسیں کرنے والا۔ ملت اسلامی اس کی شرح اور فقہ کے قَالَ اَقُوْلُ

سے ٹکڑے ٹکڑے ہے۔
دینی مدرسہ اور مولوی اور کتاب اللہ کے اسرار ایسے ہی ہیں جیسے پیدائشی اندھے کے سامنے نور آفتاب۔ دینِ کافر اچھا ہے جو اللہ کے لیے جہاد کرنے کی تدبیر کے فکر میں ہے لیکن مُلا کا دین اس طرح کا مقابلہ کر کے اللہ کے راستے میں فساد ہے۔ یہ تو اقبال کے اشعار تھے جن میں علماء صوفیاء مدارسِ دینی مسلم قوم۔ فقہ۔ اور دینی تعلیم کو اقبال نے سبّ وشتم کیا اب نثریات اقبال ملاحظہ ہوں۔ کتاب اقبال اور کشمیر مصنف جگن ناتھ آزاد ص ۱۱۱۔ اقبال کا خط بنام محمد الدین فوق از لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۶۵ء کچھ مضمون یہ ہے۔ کیا یہ وہ تصوف ہے۔ اور وحدۃ الوجود کا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جس پر خواجہ حسن نظامی اور میاں میر وغیرہ کو ناز ہے۔ یہی ان لوگوں کی گھٹیا طریقت ہے۔ میں آئندہ بتاؤں گا کہ تصوف کہاں سے آیا۔ ۴۶ پر دوسرا خط از لاہور آٹھ جون ۱۹۱۷ء کچھ مضمون یہ ہے۔ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے ص ۱۲۲ پر ہے ۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء ایک تیسرا خط۔ کچھ مضمون اس طرح ہے۔ مثنوی حصہ اول میں تصوف کی خرابیاں لکھ دی گئی ہیں۔ لیکن دوسرے حصہ میں بتاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا۔ یہ وہ اسلام نہیں جو نبی کریم کے منہ سے ظاہر اور شائع ہوا۔ کتاب فکر اقبال مصنف سردار احمد بیگ ص ۴۶۔ اقبال کے ایک اخباری مضمون کا کچھ حصہ۔ تصوف اور وحدتِ وجود خودی کی موت ہے۔ اس لیے کفر ہے۔ اس جگہ یہ شعر اقبال کا درج ہے ؎

منکرِ حق نزدِ مُلا کافر است　　منکرِ خود نزدِ من کافرتر است

ترجمہ:۔ مولوی کے نزدیک اللہ کا منکر کافر ہے۔ لیکن میرے نزدیک خودی کا منکر زیادہ کافر ہے۔ یعنی اقبال کے نزدیک اللہ کا منکر زیادہ کافر نہیں۔ کتاب روح اسلام اقبال کی نظر میں۔ مصنف ڈاکٹر غلام عمر خان۔ ناشر نیشنل بکڈپو حیدر آباد دکن ص ۱۲ پر اقبال کے اخباری مضمون کا کچھ حصہ عہد راشدین کے بعد مفکرین اسلام کی نظروں سے اسلام پوشیدہ رہا اسلام کو صحیح کسی نے نہ سمجھا۔ گویا کہ امام اعظم۔ غوث اعظم جیسی بزرگ ترین ہستیوں نے بھی اقبال کے

خیالات ہیں اسلام کو نہ سمجھا ص ۱۳ پر ہے۔ اسلام کی مروّجہ تعبیر و تفسیر میں اسلام کی حقیقی روح مفقود ہے۔ اسلام کی موجودہ حالت مسخ اور مسخ شدہ ہے۔ یہ تھے کچھ اقبال کے نثری مضامین۔ یہی آج کا پرویز کہتا ہے کہ صوفی و مُلّا کا اسلام صحیح نہیں پرویز نے بھی اپنی کتاب تصوّف کی حقیقت میں لکھا ہے کہ تصوّف نے روحِ اسلام کو مسخ کیا۔ جس خودی میں اقبال بھٹک رہا ہے وہی خودی زرتشت اور نطشے کی ہے۔ گویا کہ اقبال۔ زُرتشت۔ نطشے۔ پرویز۔ سب ایک ہی شکلیں ہیں ص ۱۲۸ پر ہے۔ اقبال لکھتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی کا تصوّف اور فصوص الحکم کے اسباق نقصان دِہ ہیں۔ اور کفر کی طرح نقصان دہ۔ اور اسلام کے خلاف ص ۱۲۹ پر ہے تمام صوفیاءِ اسلام کا تصوّف غیر اسلام ہے۔ اسلام میں تصوّف اجنبی ہے ص ۱۳۰ پر ہے اقبال تصوّف کے قائل ہیں مگر اسلام میں مروّجہ تصوّف کے خلاف ہیں ص ۱۳۱ پر ہے تصوّف بدقسمت نام ہے۔ اسلامی تصوّف اور خانقاہیت روباہیت (یعنی مکاری دغابازی) ہے ص ۱۳۲ پر ہے صوفیاءِ اسلام نے جس مسلک اسلام کی تلقین کی ہے۔ اور جس کے نمونے خود ان کی زندگیاں ہیں وہ بدھ مت سے زیادہ قریب ہیں (نعوذ باللہ) ص ۱۳۹ پر اقبال کا ایک دراز مضمون ہے۔ جس کے چیدہ چیدہ نکات نمبر ا مسلک تصوف نے اسلام کو نقصان پہنچایا ۲ گوش و چشم کو بند کرنا اور چشمِ باطن پر زور دینا ایک بیکار و لاحاصل فعل ہے۔ ۳ کرامتیں غلط ہیں۔ ۴ نطشے اور رومی کا ایک مسلک ہے۔ ۵ ص ۱۴۶ پر ہے۔ اسلام کی نمازیں بے جان۔ ورد و وظائف نے اسلام کی روح قبض کر لی۔ خانقاہیت مکر کا جال ہے۔ روباہیت ہے۔ مسلم قوم کی پسماندگی کا سبب سائنس علوم نہ سیکھنا اور تصوّف میں گھس جانا۔ (یعنی مسجدوں اور خانقاہوں میں جانا) یہ ہی قوم کی تباہی اور پسماندگی ہے۔ ۷ ص ۱۴۸ اقبال کی روح صوفی و مُلّا کے اسلام سے بغاوت کرتی ہے۔ ص ۱۵۲ پر ہے صوفی و مُلّا کا اسلام شیطانی اور ابلیسی ہے۔ ص ۱۵۴ پر بالِ جبریل کے شعر ہیں۔ کہ ابلیس اپنے شاگردوں سے کہتا ہے۔ ان مسلمانوں کو سے

مست رکھو ذکر و فکر و صبح گاہی میں اسے   پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی سے اسے

گویا کہ اقبال کے نزدیک اولیاء اللہ اور مسلمانوں کا صبح اور تہجد کا ذکر وفکر۔ اور خانقاہوں میں بیٹھ کر عبادت الٰہی کرنا شیطان کی تعلیم ہے۔ اور ابلیس کا حکم اور وسوسہ ہے واہ واہ کیا الٹی گنگا ہے۔ جو باتیں اقبال کے کلام سے ظاہر ہو رہی ہیں بالکل وہی باتیں اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے عقائد میں تھیں۔ اکبر بادشاہ بھی علماء حق اور اولیاء کا دشمن فقہ احادیث و تفسیر کا مخالف اور دنیوی علوم نجوم فلکیات وطب کا حامی بالکل اسی روپ میں اقبال ہے۔ آج کے دور کے لوگ دل کو تسلی دینے کی غرض سے کہہ دیتے ہیں کہ اقبال نے ہم کو برا نہیں کہا بلکہ علماء سوء۔ اور غلط صوفیوں کو برا کہا ہے سنی یہ کہہ کر خوشیاں منا لیتے ہیں کہ اقبال نے وہابیوں کو برا کہا ہے اور وہابی یہ سمجھ کر دل بہلا وا کر لیتے ہیں کہ بریلویوں کو برا کہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے سب کو برا کہا۔ اقبال کسی کا مخلص نہیں۔ اقبال کے نظریات کے مخالفت ہو کر کوئی عالم صوفی عام مسلمان وہابی سنی۔ دیوبندی۔ یہاں تک کہ نماز۔ سجدے۔ ورد۔ اور مدرسے خانقاہیں سب بری۔ لیکن اقبال کا ہمنوا وہابی بھی اقبال کا پیارا۔ چنانچہ کتاب اقبال اور کشمیر ص ۲۰۳ پر ہے۔ اقبال انور شاہ کشمیری کے بہت مداح تھے۔ انس کو مُلّا زادہ ضیغم لولابی (علاقۂ لولاب کا جوان شیر) کا لقب دیا۔ اسی کتاب کے ص ۶۹ پر ہے۔ اقبال نے ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء کو ایک خط بنام فوق از لاہور لکھا جس کا کچھ مضمون اس طرح ہے۔ مولوی عبداللہ غزنوی مرد مجاہد ہے۔ اسلام کا منفکرؒ ہے۔ توحید وسنت کا علمبردار ہے۔ ساری عمر بدعت کے خلاف جہاد کیا (یہ خط بحوالہ کتاب انوارِ اقبال سے درج ہے) حالانکہ عبداللہ غزنوی نبی کریم رؤف ورحیم صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن اور گستاخ وہابی تھا کشمیر میں سب سے پہلا گستاخ رسولِ پاک یہی گزرا ہے اگر اقبال صرف علماء سوء کے ہی مخالف ہوتے تو چاہیئے تھا کہ سچے اور حق پرست علماء کی شان بھی بیان کرتے۔ کیا اقبال کو دامن اسلام میں۔ امام اعظم۔ امام احمد بن حنبل۔ امام مالک۔ امام شافعی جیسے مجاہدین اور غیرت ایمانی والے یہ ائمہ بادشاہوں سے ٹکرا جانے والے یہ سنگلاخ قلعے۔ اور غوث اعظم۔ خواجہ نقش بند جیسے سدا بہار پھول نظر نہ آئے۔

یا کم از کم اپنے دَور کے مجاہدین۔ امام فضل حق خیرآبادی۔ امیرِ ملت حضرت اعلیٰ گولڑوی یا مجدد بریلوی جیسے غیرتِ ایمانے والے دکھائی نہ دیئے۔ مگر چونکہ یہ انگریز حکومت کے مخالف تھے اور نعرۂ حق کے بدلے کالے پانی جزائر انڈیمان کی جیلیں قیدیں برداشت کرنے والے امیرانِ با صفا تھے لہٰذا اقبال کی نظرِ تحسین میں کس طرح آتے اور اقبال صاحب کو "سر" کا خطاب انگریزوں سے کیسے ملتا۔

باطل کی چوتھی نشانی : حضرت اقبال کی نظریاتی تربیت اور ان کے ہی منظوم کلام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اقبال احادیث رسول کے خلاف محدثین کو برا سمجھنے والے ہیں چنانچہ اقبال کی کتاب اسرار خودی ص ۱۴۲ پر ہے ؎

واعظِ داستانِ زن افسانہ بند — معنیٔ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او — با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او
از تلاوت بر تو حق دارد کتاب — تو از و کامی کہ مے خواہی بیاب

ترجمہ :۔ یہ اسلام کے واعظین افسانہ بنانے والے اور عورتوں کی طرح جھوٹی سچی کہانیاں سنانے والے۔ کہ الفاظ تو بڑے دلچسپ ہیں مگر ان کے معنیٰ بڑے ہی پست اور جھوٹے ذلیل ہیں۔ محدث خطیب اور محدث دیلمی کی طرف سے اس کی باتیں ہیں۔ ضعیف اور شاذ اور مرسل حدیثوں میں ہی پھنسا ہوا اس کا کام ہے۔ حالانکہ تجھے حدیثوں سے کیا کام مسلمان کے لیے تو قرآن ہی کافی ہے تیرا جو بھی مقصود ہے وہ قرآن سے ہی پالے گا۔ ان حدیثوں کی کیا ضرورت یہ تھے اقبال کی نظریات احادیثِ رسول اللہ کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ؎

یہ امت روایات میں کھو گئی — حقیقت خرافات میں کھو گئی

(بال جبریل ص ۱۶۷) اس شعر میں روایتوں۔ حدیثوں کو خرافات کہا گیا۔ اور امت مسلمہ کو احادیث ماننے کا طعنہ دیا گیا ہے کیا اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر اپنے آقا رسول پاک کی احادیثِ مطہرات کو خرافات جیسے بیہودہ لفظ بولے اقبال مسلمان کی جنت کے بھی خلاف ہیں۔ چنانچہ جاوید نامہ ص ۱۳۹ پر ہے۔

جنتِ مُلّا مئے و حور و غلام　　جنت آزادگاں سیر دوام
جنت مُلّا خور و خواب و سرور　　جنتِ عاشق تماشاءِ وجود
حشرِ مُلّا شقِّ قبر و بانگِ صور　　عشق شور انگیز خود صبح نشور

ترجمہ: مولوی کی جنت شراب طہور و حور غلمان ہیں لیکن آزادوں کی جنت یہ نہیں ہے بلکہ دائمی سیر، مولوی کی جنت۔ جنتی کھانا، سونا۔ اور سرور ہے۔ عاشق کی جنت وجود کا تماشا۔ مولوی کا یوم حشر قبروں کا شق ہونا۔ اور صور اسرافیل کی آواز لیکن عشق کا حشر یہ نہیں اقبال نے یہاں ان عقائد اور حقائق کا انکار کر دیا۔ جن کا ذکر صاف صاف قرآن مجید میں ہے۔ کتنی آسان اور نرم بات ہے کہ مولوی کا نام لیتے جاؤ اور پورے اسلام قرآن کعبے، نماز، روزے حشر نشر کا انکار کرتے چلے جاؤ اور پھر بھی مسلمان کے مسلمان ہی رہو۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ اقبال تو نبوت کی شان کے بھی منکر ہیں۔ چنانچہ ضرب کلیم ص ۵۶ پر لکھتے ہیں ؎

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش　　جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

یہاں حضرت عیسٰی علیہ السّلام مراد ہیں۔ اور ان کی نبوت کو بے قوت یعنی کمزور لاغر بے رونق۔ منحوس نقصان دہ اور برگ حشیش افیم کے پتے کے کفریہ الفاظ کہے گئے ہیں اسی طرح کتاب روح اسلام ص ۱۳۸ پر اقبال کے ایک مضمون میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو بزدل اور عورت کہا۔ اور جرمنی شاعر نٹشے کافر کی عبارت اپنی تائید میں اس طرح لکھتا ہے اور اس کفریہ عبارت کو تلخ حقیقت کا لقب دیتا ہے۔ بحوالہ نٹشے کافر کی عبارت جو اٹے قل وزدم ص ۱۹۷ پر ہے یہ ضروری نہیں کہ ایک انسانِ اعظم مرد بھی ہو سکتا ہے۔ وہ صرف ایک عورت ہو مثلاً یسوع مسیح، یہ ہیں اقبال کے خیالات و عقائد اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اسکی بیہودہ خودی جہاں اس کو نظر نہیں آتی بس اسی کا منکر ہے چنانچہ لکھتا ہے۔ بال جبریل ص ۱۷ پر ؎

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی　　رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

ارمغانِ حجاز ص ۲۶۷ پر ہے۔

تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ　　کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ میخانہ

کتاب روح اسلام ص ۱۳۹ پر اقبال کے مضمون میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام

کی باتوں کو مکر اور فسوں کہتے ہوئے یہ مصرعہ درج ہے۔ رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی گستاخی اس طرح کی گئی ہے۔ باقیاتِ اقبال ص ۱۶۴ پر ہے۔

طور پر تو نے جو اے دیدۂ موسیٰ دیکھا وہی کچھ قیس نے دیکھا پسِ محمل ہوکر

شانِ کلیمی کی کتنی عظیم بے ادبی ہے کہ کس کو برابر کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ تھا اقبال ایک سو بارہ اشعار کا مجموعۂ کلام جس میں اقبال نے سب ایمانیات سے دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ یہ اقبال کا ایک رخ تھا۔ اب اقبال کا دوسرا رخ محبت، پیار، اُلفت دوستی تعظیم و تکریم والا ملاحظہ ہو تاکہ معلوم ہو کہ اقبال کو محبت پیار کس سے ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں یہ تو پتہ لگ گیا کہ اقبال کو دشمنی کس کس سے ہے۔

باطل کی پانچویں نشانی: اقبال خود اپنی نظر میں۔ اقبال صاحب بانگ دراص ۵۰ پر ایک پڑوسی کی باتیں اپنی ایک ۲۷ شعری نظم میں لکھتے ہیں۔ اس میں اس پڑوسی کو عالم دین اور پیرِ طریقت ظاہر فرماتے ہیں۔ صرف اس لیے تاکہ علماءِ شریعت اور بزرگانِ طریقت کے خلاف مزید خامہ فرسائی کا موقع مل سکے۔ حالانکہ بھاٹی گیٹ کے دائیں جانب دکانوں کے اوپر بالا خانوں میں کرائے دار پڑوسی نہ کوئی مولوی تھے۔ نہ پیر بلکہ ایک مسلمان باریش معزز پروفیسر تھے۔ عربی کے جیسا کہ کتاب نذر اقبال ص ۴۴ پر مصنف محمد حنیف شاہد نے اسی نظم کی شرح کرتے ہوئے فرمایا۔ اس نظم کے ابتدائی چار شعر اس طرح ہیں۔

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی تیزی نہیں منظور طبیعت کی بتانی

شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا کرتے تھے ادب ان کا اعالی و معالی

اس نظم میں اقبال صاحب اپنی زبان میں مولوی صاحب کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کی زبان میں اپنا کھینچتے ہیں۔ مولوی صاحب کی حالت کچھ اس طرح ہے اقبال کی نظر میں مولوی صاحب پڑوسی ہیں۔ بہت مشہور۔ لوگ ان کا ادب کرتے تھے۔ شریعت اور تصوف کو ساتھ سمجھتے تھے۔ بہت زاہد تھے اور بہت مغرور تھے۔ خود کو بہت بڑا عالم۔ ہمہ دانی یعنی سب کچھ جاننے کا گمان رکھتے تھے

اپنی کرامتیں بتاتے پھرتے تھے۔ تاکہ مریدوں کی تعداد بڑھے ہر ایک کو شریعت کی راہ بتاتے پھرتے تھے۔ اقبال کے بارے میں مولوی صاحب کے نظریات۔ اقبال شمشادِ معانی کے پھولوں کی بلبل ہے۔ اقبال کی جوانی سحر کی طرح بے داغ ہے۔ رندی بھی جانتا ہے تصوّف میں بھی مہارت ہے اور شریعتِ قرآن و حدیث بھی پوری جانتا ہے۔ لیکن شریعت کا پابند نظر نہیں آتا۔ اقبال ہندو کو کافر نہیں سمجھتا اقبال تفضیلی شیعہ بھی ہے۔ حسن فروشوں سے یعنی رنڈیوں طوائفوں سے شرم و عار نہیں رکھتا۔ رات بھر تلاوت۔ صبح کو گانا مجرا کراتا ہے۔ مذہب کی خاک اڑانا چاہتا ہے۔ اس کو فلسفہ نے بے راہ کیا ہے۔ ہم کو تو اقبال کی سمجھ نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ مولوی صاحب نے تو شاید اتنی باتیں کی ہوں۔ یا نہ مگر اقبال نے دنیا کو بتا دیا کہ مخالف بھی مجھے میرے علم سے مرعوب ہیں۔ حالانکہ علم شریعت و قرآنی سمجھ کا یہ حال ہے کہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ فرمایا۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ مگر اقبال اس آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ نے حضرت علی کے متعلق یہ فرمایا۔ چنانچہ اسرار رموز ص ۵۳ پر ہے ؎

مرشدِ حق کرد نامش بوتراب حق یَدُ اللّٰہ خواند در اُمّ الکتاب

ترجمہ: نبی کریم نے علی کا نام بوتراب رکھا اور اللہ نے علی کا نام قرآن مجید میں یَدُ اللّٰہ فرمایا۔ یہ کتنی بڑی ناسمجھی اور اتہام بر قرآں اور تشبیہِ رفض ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ زبورِ عجم ص ۷ پر ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ترجمہ:۔ مجھ کو دیکھ کر سارے ہندوستان میں مجھ جیسا کوئی دوسرا عالم فاضل پڑھا لکھا برہمن زادہ اور روم تبریز کی رمز پہچاننے والا نظر نہ آئے گا۔ یہاں اقبال خود کو سب سے بڑا عالم اور رمز آشنا سمجھ رہا ہے اور اپنے برہمن ہونے پر خوش ہو رہے ہیں۔ کتاب اقبال سب کے لیے ص ۸ پر ہے ؎

میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند جز برہمن پسرِ محرمِ اسرار کجا است

ترجمہ:۔ اس وقت دنیا میں صرف برہمن لڑکا یعنی اقبال ہی۔ اسرار الٰہیہ کا محرم یعنی جاننے والا ہے شارحینِ اقبال کہتے ہیں کہ اقبال نے اپنی ایک بیماری سے

مایوس ہو کر یہ شعر کہا جو باقیاتِ اقبال ص ۲۵۵ پر ہے ؎

دِہ مرا فرصتِ ہُو حق دو سہ روزے دگرے کہ دریں دیرِ کہن بندۂ بیدار کجاست

ترجمہ:۔ اے اللہ مجھ کو دو تین دن ہُو حق کرنے کی اور مہلتِ زندگی دے دے کیونکہ اس پرانے بت خانۂ دنیا میں بیدار بندہ میرے سوا کہاں ہے۔ ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اقبال خود کو دنیا کی اعلیٰ اور افضل ترین انسانیت سمجھتے تھے اور صرف مسلمانوں کے مقابل یعنی مسلمانوں میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے غلط اشعار اور برے رویہ اور جذباتی عادت پر کسی بزرگ نے جب بھی نصیحت آمیز سرزنش کی تو نصیحت کرنے والا اقبال کی نظر میں زاہدِ تنگ نظر ہو گیا۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی والی مفید ترین نصیحت اور اصلاح زہرِ ہلاہل بن گیا گیا اور بجائے اپنے عظیم محسنوں کی نصیحت پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے عمل کرتے کے اقبال نے غوغا شروع کر دیا کہ ؎

اپنے بھی ہیں بیگانے اور بیگانے بھی ناخوش میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

اور باقیات اقبال ص ۱۴۲ پر ہے ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ زاہدِ تنگ نظر کا قصور ہے اور نہ کافر کا بلکہ قصور اقبال کی اُس روش کا ہے جس سے دونوں جگہ اعتما د اٹھ گیا۔ ۲۔ اقبال کی انگریز فرنگی اور اُس کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے۔ چنانچہ یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ اقبال کے دل میں اسلام کی ہر چیز کی کتنی دشمنی ہے۔ اب ذرا فرنگی احترام ملاحظہ ہو۔ باقیاتِ اقبال ص ۹۱ پر ہے۔

وکٹوریہ ثمرِ کہ تمامِ تکو گزاشت ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے

یعنی اسلامی علماء صوفیاء اولیاء اللہ کی زندگی اقبال کے لیے گردشِ ایام اور نحوست ہے۔ لیکن ملکہ وکٹوریہ کی زندگی خاص عطیۂ الٰہیہ ہے۔ آگے لکھا ہے کہ اقبال نے ملکہ وکٹوریہ کے لیے فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا اور ملکہ وکٹوریہ کو مرحومہ کے لقب سے نوازا حالانکہ یہ کام قرآن کریم کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اور غیر مسلم کو مرحوم کہنا گناہِ عظیم ہے۔ باقیاتِ اقبال ص ۲۴۷۔ اقبال اپنے نثری مضمون میں بعنوان تسدیۂ تمہیدی

میں ایک فرنگی غیر مسلم انگریز مسٹر سر ولیم جونس کو مرحوم کا لقب دیتا ہے۔ باقیات اقبال ص ۴۰۲ پر ایک مسدس فرنگی برٹش حکومت کی تعریف میں ؎

اسی کے دم سے ہے عزت ہماری قوموں میں
اسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اسی سے عہدِ وفا ہندیوں نے باندھا ہے
اسی کے خاکِ قدم پر ہے دل نثار اپنا

مقام غور ہے کہ جو دل انگریز کی خاکِ قدم پر نثار ہوا اس میں اسلام کی کیا محبت ہو گی۔ باقیات اقبال ص ۳۹۳ پر ہے کہ سر اقبال نے ایک غیر مسلم عیسائی انگریز کے مرتے پر قرآن کی آیت سے تاریخ وفات نکالی لکھتا ہے ؎

تا بہ فردوسِ بریں ماویٰ گرفت
گفت ہاتف ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيم

اس انگریز کا نام۔ ڈاکٹر ای جی براؤن تھا۔ یہ تو انگریز کی وہ تعظیم تھی جو زبان اشعار میں ہوئی۔ لیکن انگریز اور انگریزی تہذیب انگریزی معاشرے کی جو اقبال کی تعلیم شکل وصورت سے ظاہر اس کا منکر کون ہو سکتا ہے۔ باقیات اقبال ص ۱۲۱ پر اور کشمیر اور اقبال مصنف جگن ناتھ آزاد ص ۷۵ پر اقبال کے ایک خط میں اس طرح لکھا ہے کہ لندن جاتے ہوئے سویز کے بندرگاہ پر سویزی مسلمانوں نے اس کی شکل اور لباس دیکھ کر اس کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ جب اقبال نے کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں تو مسلمان تسلیم کر لیا مگر لعن طعن خوب کی اور اقبال کو سمجھایا کہ کم از کم ترکی ٹوپی ہی مسلمانوں جیسی پہن لیتے۔ جس سے اقبال لا جواب ہو گئے اور ہنس کر چپ ہو رہے۔ اور یہ تو آپ پڑھ ہی چکے تھے کہ دہلی دروازہ لاہور کے ایک مولوی صاحب نے انگریزی زبان کے خلاف کچھ بات کی تو اقبال کا پارہ کتنا چڑھ گیا۔ اور عالم دین کو کتنا سخت سُست کہا۔

۳۔ اقبال کے دل میں ہندو غیر مسلم کی عظمت!

بانگ درا ص ۱۱۷ پر ہے ؎

شانِ کرم پہ ہے مدار عشق گرہ کشائے کا
دیر و حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز دے

مطلب بے نیاز جس کو چاہے اپنے قرب اور ولایت سے نواز دے خواہ وہ مندر کا ہندو ہو۔ غیر مسلم ہو۔ خواہ وہ کعبہ کا رہنے والا ہو۔ صرف کعبے کی خصوصیت

نہیں۔ یعنی مسلمان ہونا۔ اللہ کی محبت کے لیے ضروری نہیں۔ ہندوؤں سے بھی رب تعالیٰ اتنی ہی محبت کرتا ہے۔ جتنی مسلمان سے صرف اس کے کرم کی بات ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندو پہ کرم ہو جائے مسلمان پہ نہ ہو گویا اقبال مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ یہ شعر قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ عشق و معرفت اور تجلیات کے لیے کعبے میں جانے کی ضرورت نہیں نہ دامنِ مصطفےٰ کی حاجت۔ بانگِ دراص ۱۱۸ پر پنڈت سوامی رام تیرتھ کی ثنا خوانی چھ اشعار کی نظم کے دو شعر اس طرح ہیں ؎

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو!
آہ کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو

مطلب۔ اے پنڈت سوامی رام تو معرفتِ الٰہی کے دریا سے بیتاب قطرے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ پہلے تو قیمتی موتی تھا۔ مگر اب نایاب بے مثل موتی ہے۔ تو نے ہی دنیا و آخرت کے راز کو کھولا میں مسلمان تو ابھی تک فرق کو ہی نہ سمجھ سکے یہ وہی قلم ہے جو ابھی ابھی علماء صوفیاء کو جاہل بے نصیب کہہ چکا ہے۔ اور نبوت تک کی گستاخی کر چکا ہے۔ اور ان کے مقابل خود کو محرمِ راز بندۂ بیدار کہہ چکا ہے۔
بانگ دراص ۱۹۵ پر ہے ؎ رام چندر کی تعریف

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند
یہ ہندوؤں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر رفعت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بامِ ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں مَلک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں مرد تھا پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا۔

اقبال کا قلم جو حضرت عیسیٰؑ کی ذات پر حملہ کر چکا ہے اور آپ کے لیے لفظِ عورت کمزور دل کہہ چکا ہے۔ رام چندر کی کس طرح ثنا خوانی کر رہا ہے باقیات اقبال ص ۴۶۶ پر گاندھی جیسے مسلم کُش ہندو کی تعریف ہے پوری ایک نظم کا ایک

شعر ؎

مردِ میداں گاندھیِ درویش خو اور کونسل کے پیکر مالوی!

دوسری نظم کا ایک شعر ؎

بولا یہ سن کے بات کمالِ وقار سے وہ مردِ پختہ کار وحق اندیش وباصفا

مطلب یعنی گاندھی باوقار۔ پکے اور مضبوط کام والا۔ اللہ کی باتیں سوچنے والا۔ باصفا روشن دل والا۔ مرد میدان۔ درویشی کی عادت والا۔ جاوید نامہ ص ۱۹۷ پر ہے برتری ہری پنڈت کی تعریف اور ثنا خوانی ہوتی ہے ؎

زیرِ لب خندید پیرِ پاک زاد گفت اے جادوگرِ ہندی نژاد
آں نوا پرداز ہندی را نگر شبنم از فیضِ نگاہِ او گہر
نکتہ آرائے کہ نامش برتری ست فطرتِ او چوں سحابِ آذری ست
کارگاہِ زندگی را محرم است او جم است وشعر او جامِ جم است
مابہ تعظیم ہنر برخاستیم باز بادے صحبتے آراستیم!

مطلب اقبال پیر پاک زاد رومی کو عالمِ تصور میں عقیدت مندوں کی حیثیت سے پنڈت برتری ہری کے دربار میں لے جاتا ہے۔ برتری ہری کی شان ہے کہ ہندی نسل سے ہے۔ اس کی ہر ادا گویا جادو ہے۔ اس کی نگاہ فیض سے شبنم بھی موتی ہے۔ معرفت کے نکتے سجانے والا برتری اس کا نام ہے۔ اس کی فطرت شاندار آذری بادل کی طرح زمانے پر چھائی ہوئی۔ کارخانہ قدرت کا محرم راز ہے۔ وہ خود زمانے کا جمشید ہے۔ اور اس کا کلام معرفت کی شراب ہے۔ ہم دونوں (یعنی اقبال اور رومی) اس سراپا ہنر کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے اور پھر کچھ نوبر اس کے ساتھ محفل سجائی ہم نے۔ یہ تھا اقبال کا پیشوا پنڈت برتری ہری۔ یہ تھا اقبال کا اصل پیر۔ رومی کو پیر کہہ کر تو صرف مسلمانی کا بھرم رکھا ہے۔ اور معترضین کا منہ بند کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جاوید نامہ ص ۳۲ پر ایک عارف ہندی المعروف جہاں دوست کی بے حد مدح وثنا کی گئی ہے۔ اور مولائے رومی کو عارف ہندی کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ یہ عارف ہندی نژاد کون ہے! چنانچہ کتاب اقبال سب کے لیے ص ۴۹ مصنف لکھتے ہیں کہ عارف ہندی سے

شیو جی مہاراج مراد لیتے ہیں۔ ایک اور شارح اقبالیات جگن ناتھ آزاد ہندو اپنی کتاب اقبال اور اس کا عہد ص ۱۰۰ پر یہی لکھتا ہے۔ کتاب قرآن اور اقبال ص ۴۰ پر ہے۔ رام کرشنا ہندو بہت باعزت وعظمت صوفی ہے۔ یہ تو آپ نے پہلے سن ہی لیا کہ اقبال کوہ ہمالیہ کی ندی کی اس طرح تعریف کر رہے ہیں کہ حوض کوثر کی گستاخی ہو رہی ہے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس ندی کا نام گنگا ہے چنانچہ کتاب مطالعہ اقبال ص ۱۴۹ مصنف گوہر نوشاہی پر اس طرح لکھا ہے۔ کتاب اقبال اور کشمیر (جگن ناتھ) ص ۱۹۲ پر ہے۔ بحوالہ تقریر شیخ عبد اللہ۔ اقبال گیتا اور قرآن کو ایک جیسا سمجھتے تھے اور ہندو مسلم کو ایک نظر دیکھتے تھے۔ پیام مشرق ص ۷ پر ہے ؎

خدائے ما کہ خود صورت گری کرد بتے را سجدۂ از قدسیاں خاست

مطلب: یعنی ہندوؤں کی بت سازی اور بت پرستی بری نہیں ہے کیونکہ ہمارے اللہ نے خود بت بنا کر فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تو اگر پنڈت یا برہمن نے بت بنا کر ہندوؤں کو سجدے کا حکم دیا تو برا کیوں ہوگا۔ باقیات اقبال ص ۱۲۴ پر ہے اقبال کا شذرہ تمہیدی۔ نثر اقبال کا مضمون جس کا خلاصہ ہے۔ وید بہت اچھی کتاب ہے اے مسلمان اگر تو روحانی پاکیزگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وید کو پڑھ۔ کیونکہ انسان کے روحانی نمو کی ابتدائی مراحل کا اسی سے پتہ لگتا ہے۔ اس شذرے میں اقبال وید کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ اس کے الفاظ دل نشین اور قدرتی ترتیب سے ہیں۔ یعنی یہ بھی خدائی کلام ہے۔ معاذ اللہ وید کے لفظوں کا ترجمہ کر کے لکھتا ہے کہ دیوتا نوراتی مخلوق ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ ہند و مذہب کو مشرک نہیں کہنا چاہیئے باقیات اقبال ص ۲۲۱ پر اقبال وید منتر کا ایک سبق ترجمہ کر کے پڑھا رہے ہیں۔ اور وید و گیتا کی بہت عظمت کا ذکر ہے تاکہ مسلمان صرف قرآن مجید کا ہی احترام نہ کریں وید سے بھی محبت کریں باقیات اقبال ص ۳۳۹ پر اقبال مسلمانوں کو منزل دکھاتے ہیں۔ اور ہندو سے اتحاد کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ لکھتے ہیں اے مسلمان تیرا حلیہ یہ ہونا چاہیئے کہ ؎

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو یعنی صنم کدے میں شان حرم دکھا دیں

سندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کا آوازۂ اذاں کو ناقوس میں ملا دیں

ان باتوں کا جواب میں اقبال سے اس کی ہی زبان میں پوچھتا ہوں۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟ اب صاف ظاہر ہوگیا کہ اقبال کو علماء صوفیاء کے خلاف اتنی شدت سے دشمنی کیوں ہے ؟ اقبال مسلمان کا حلیہ اور تہذیب اسلامی بدل کر قوم مسلم کو دینی مسجدوں مدرسوں۔ خانقاہوں سے ہٹا کر مندروں میں لے جانا چاہتے ہیں اور حکم ہے کہ مسلم قوم پجاریوں کو مندر میں بلائیں۔ تو اذان کو ناقوس کے مشابہ کر دیں۔ ہندو قوم کو مسلمان کا حلیہ اور مسجد کا راستہ نہیں دکھایا۔ باقیات اقبال ص ۲۹۴ ہندوؤں پنڈتوں کی مدح و ثنا کے بعد گوتم بدھ کی ثنا کرتا ہے۔ ؎

ہاں سلام آخری اے مولدِ گوتم تجھے اب فضا تیری نظر آتی نہیں ہے ساز گار

لندن جاتے ہوئے ہندوستان کو سلام ہو رہا ہے۔ اور گوتم کے وطن ہونے کی بناء پر ہند کی یہ تعظیم ہے۔ بانگ درا ص ۲۷۰ پر آٹھ شعروں کی نظم میں گوتم بدھ اور گرونانک کی تعریف کرتا ہے۔ آخری شعر ہے ؎

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

یہ ہے اقبال کا مردِ کامل غیر مسلم نانک۔ اس نظم میں گرونانک کو نور ابراہیم کا لقب دیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ) باقیات اقبال ص ۲۷۵ پر گرونانک کی اس طرح ثنا خوانی ہے ؎

تیرے پیمانے میں اے ساقی شراب ناب تھی
تیری شخصیت نے کھینچا ہر دلِ آگاہ کو
ہند کے بت خانے میں کعبے کا تو معمار تھا کتنا باطل سوز تیرا شعلۂ گفتار تھا!

مطلب۔ یعنی گرونانک مثلِ ابراہیم کعبے کا معمار ہے اور سارے سکھ لوگ مرد آگاہ زندہ دل ہیں۔ بدنصیب تو صرف مسلمان ہی ہیں۔ بانگ درا ص ۲۸۲ پر سات شعروں میں شیکسپیر کی ثنا خوانی کی ہے۔ اس کے چار شعر اس طرح ہیں۔ ؎

تجھ کو جب دیدۂ دیدار طلب نے ڈھونڈا تابِ خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا
چشم عالم سے تو ہستی تری مستور رہی اور عالم کو تیری آنکھ سے عریاں دیکھا
حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا راز داں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

مطلب۔ شیکسپیر کے سینہ بے مثل اور تابندہ میں ایک سورج پوشیدہ ہے تو تے

ساری کائنات کو دیکھا مگر کسی میں تجھے دیکھنے کی مجال نہیں۔ اللہ کو اپنے بھید چھپانے کے لیے امانت شیکسپیر کے پاس رکھنی پڑی۔ ایسا راز دار الٰہی نہ پیدا ہوا نہ ہوگا پیام مشرق ص ۱۸۴ پر ہے۔ گوئٹے غیر مسلم اور اس کی شہر کی عظمت ؂

صبا بہ گلشنِ ویمر سلامِ ما برساں　　که چشمِ نکته وراں خاکِ آں دیار افروخت

ترجمہ:۔ اے باد صبا گوئٹے کے شہر ویمر کے چمنستان میں ہمارا اسلام پہنچا دے کیونکہ اس شہر کی خاک نے بڑے بڑے نکتہ دروں کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ اقبال کی دورنگی تو دیکھئے کہ کبھی خاکِ مدینہ و نجف کی تعریف کرتا ہے۔ کبھی اس کی دشمن خاکِ ویمر کی پیام مشرق ۲۴۰ پر ہے۔ حکیم آئن سٹائن یہودی غیر مسلم کی چھ شعری نظم میں مدحت سرائی ہے۔ آخری شعر اس طرح ہے ؂

من چہ گویم از مقامِ آں حکیم نکتہ سنج　　کردہ زردشتے ز نسلِ موسیٰ و ہاروں ظہور

ترجمہ:۔ میں کم عقل اور کم علم بھلا اس حکیم نکتہ ور کا مقام کیا بیان کر سکتا ہوں بس اتنا سمجھ لو کہ نسل موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے ایک شاندار نیا زردشت پیدا ہوگیا۔ زردشت ایک بڑا کافر گزرا ہے۔ بال جبریل ص ۱۴۴ پر لینن کی تعریف میں دس اشعار ہیں۔ جس میں لینن کو محسنِ انسانیت غریب مزدور کا ہمدرد، غمگسار۔ نجات دہندہ بنایا گیا ہے حالانکہ لینن یہودی نسل سے تھا۔ اسلام کا بڑا دشمن مزدوروں کو چور ڈاکو بنانے والا۔ سوشل ازم کا بانی۔ بال جبریل ص ۲۰۱ پر تپولین کی شان بیان ہوئی اور اس کی قبر کو مزار مقدس کا لقب دیا گیا ہے۔ بال جبریل ص ۲۰۲ پر سات شعری نظم میں ایک متعصب کافر مسولینی کی خوب شان بیان کی گئی اور اس کو قدرت کا نمونہ کہا گیا ہے۔ ایک عورت گزری ہے قرۃ العین طاہرہ مریدہ تھی۔ علی محمد باب کی پھر مریدہ بنی اس کے مرید بہاء اللہ کی یہ بانیِ بہائی مذہب ہے۔ بہاؤ اللہ نے نیا دین نیا قرآن بنایا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں صرف سات مرتی پیدا ہوئے نمبر ۱ آدم نمبر ۲ ابراہیم نمبر ۳ نوح نمبر ۴ موسیٰ نمبر ۵ عیسیٰ نمبر ۶ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۷ سب سے بڑا بہاؤ اللہ (معاذ اللہ) بہاؤ اللہ نے پہلے مہدیت پھر نبوت پھر خدائی کا دعویٰ کیا۔ جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو قرۃ العین طاہرہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ (بحوالہ نمبر ۱ مطالب ضرب کلیم ۲ ائمہ تلبیس نمبر ۳ مذاہب اسلام نمبر ۴

جاوید نامہ) اس غیر مسلمہ قرۃ العین کی اقبال بہت تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ جاوید نامہ ص ۱۳۳ تا ۱۳۵ پر ہے۔ ؎

پیشِ خود دیدم سہ روحِ پاک باز آتش اندر سینۂ شان گیتی گداز!
غالب و حلاج و خاتونِ عجم ! شورہا افگندہ در جانِ حرم!
این نواہا روح را بخشند ثبات گرمیٔ اُو از درونِ کائنات!

ترجمہ:۔ سیر ملکوتی میں میں نے آسمانوں پر تین روحیں دیکھیں جن کی سینے کی آتشِ معرفت یا آتشِ عشق نے ساری زمین کو پگھلایا ہوا ہے۔ وہ روحیں غالب شاعر ۲۔ منصور حلاج ۳۔ عجم کی خاتون۔ یعنی قرۃ العین طاہرہ ان کی رونقوں نے کعبۂ حرم کو خوب صورتی بخشی۔ ان کے ذکر کی آوازوں نے روح کو بقا عطا کی ان کی گرمیِ عشق کی آواز کائنات کے اندر ہے۔ یہ تھی اقبال صاحب کی باطل نوازی اور غیر مسلم دوستی محبت جس میں غور و فکر سے بُطلان کی پانچویں نشانی تجویں ظاہر ہوتی ہے اب دیکھئے باطل کی چھٹی نشانی موبلینی اقبال سے بہت محبت کرتا تھا جب اقبال دوبارہ لندن جانے لگے تو موسولینی نے استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ مگر سفر اقبال ملتوی ہو گیا۔ کتاب اقبال اور کشمیر، مؤلف جگن ناتھ آزاد ص اہم اقبال کے جگری دوست اور خاص مداح (۱) جگن ناتھ (۲) رام چندر دہلوی ہندو مناظر بحوالہ مشاہیر کشمیر ۳ تیسرا مدح خوان دوست مالک رام۔ اقبال اور کشمیر کے ص ۳۴ پر ہے۔ کہ ہندو اقبال سے اتنے خوش اور اتنے گہرے دوست تھے کہ جب اقبال نے ترانۂ ہند کے بعد ترانہ ملی لکھا تو ہندوؤں کو اقبال پر بہت غصہ آیا۔ اور ہندو شاعروں نے اقبال کے خلاف غصہ اور رنج ظاہر کرتے ہوئے بڑی بڑی نظمیں لکھیں جن کے کچھ شعر اس طرح ہیں ؎

ہندی ہونے پر ناز جسے کل تک تھا حجازی بن بیٹھا
اپنی محفل کا رند پرانا آج نمازی بن بیٹھا

(پنڈت آنند نرائن) اقبال اور کشمیر ص ۵۱ پر ہے۔ کہ ہندوؤں اور برہمنوں کو اقبال پر بڑا ناز تھا اور فخر تھا۔ کیونکہ اقبال برہمن اور مذہب کا خیر خواہ تھا چنانچہ روزنامہ احسان الٰہی کا اقبال نمبر ۲۷ جون ۱۹۳۸ء میں رام چندر دہلوی مناظر

ہند پنڈت لکھتا ہے کہ الیشوری گیان اور کلامِ ربّانی کو برہمن زادہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کیا راز پنہاں ہے۔ یہی کہ اقبال کشمیری کشمیری پنڈت تھے۔ ہزاروں برس تک ان کے آباواجداد نے روحانیت کی تربیت کے بعد اقبال کو پایا۔ یہ رام چندر جو اقبال کی اندرونی تصویر ہی پیش کر رہا ہے۔ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ قرآن مجید اور نبی پاک کا گستاخ سارے مسلمانوں کے خون کا پیاسا مگر اقبال اس کا اور وہ اقبال کا سچا گہرا دوست تھا۔ اقبال اور کشمیر ص ۱۲۱/ اقبال کی مسلم ہندو اتحاد کی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس کے اپنے وطن کشمیر کے مسلمان اقبال پر اعتماد نہ کرتے تھے خود اقبال بحیثیت وکیل کے ایک مقدمہ قتل کی بابت منشی سراج کو ایک خط لکھتے ہیں جس کی آخری سطور اس طرح ہیں ڈیر منشی صاحب (الخ) چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے۔ اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کر گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر (اقبال) بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اور مجھ پر اعتماد نہ کریں۔ (الخ) جب اقبال کے متعلق ہندو نوازی کا خیال زیادہ بڑھا تو ان باتوں کے پیش نظر اقبال نے اپنی صفائی کے طور پر کچھ نظمیں لکھ کر اخبار کشمیر گزٹ اور کشمیر میگزین میں شائع کرائے تھے جن میں سے کچھ یہ ہیں ؎

بت پرستی کو میرے پیش نظر لاتی ہے یادِ ایامِ گذشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

خلاصہ کلام یہ کہ یہ جتنا مضمون لکھا گیا ہے سب کا سب اقبال کی اپنی کتب اور خاص اقبال کے نظم و نثر اور خطوط سے لکھا گیا ہے یا اقبال کے مدّاحین شارحین کی کتب سے ہے۔ بحوالہ نام بنام درج ہیں سب کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں میں نے اپنے پاس سے کچھ زیادتی کمی نہ کی صرف مشکل الفاظ کے مطلب اور ترجمے کیے۔ دعوت غور و فکر صرف اس بات کی ہے کہ آیا اقبال کے کلام و نظریات میں باطل کی چھ نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ یا نہیں۔ اگر پائی جاتی ہیں تو بتقاضاءِ انصاف باطل کہنا چاہیئے۔ اور اگر نہیں تو حرف بحرف اصل مطلب اور ترجمہ بتا کر ہمارے مطالب کو با دلائل غلط کرنا چاہئے۔ ہم نے اتنے گہرے مطالعے کے بعد یہی سمجھا ہے کہ اقبال صاحب مسلمانوں کو برا اور ذلیل سمجھتے رہے۔ لیکن مندرجہ ذیل غیر مسلموں کی عظمت احترام عزت اور

شان دنیا کے سامنے بیان کرتے رہے۔ نمبر ا وید نمبر ۲ گیتا نمبر ۳ پنڈت نیگد شوامتر نمبر ۵ شیو جی مہاراج نمبر ۶ پنڈت بھرتری ہری نمبر ۷ گوتم بدھ نمبر ۸ گرو نانک نمبر ۹ لینن روسی دھریہ نمبر ۱۰ برگساں فرانسی دھریہ نمبر ۱۱ ہیگل دھریہ نمبر ۱۲ اگسٹس دشمنِ اسلام نمبر ۱۳ حکیم آئن سٹائن اسرائیلی دشمنِ مسلم ۱۴ نیٹشا منکرِ خدا ۱۵ کارل مارکس جرمنی غیر مسلم۔ ۱۶ شوپن ہار نمبر ۱۷ ٹاسٹا روسی دھریہ نمبر ۱۸ بائرن یورپی دشمنِ اسلام نمبر ۱۹ پٹوفی ہنگری کا دھریہ شاعر نمبر ۲۰ گوئٹے شاعر غیر مسلم نمبر ۲۱ لاک انگریز فلسفی نمبر ۲۲ کانٹ جرمنی فلسفی نمبر ۲۳ براوننگ یورپی شاعر۔ اقبال تمام عمر۔ ان سے متاثر اور ان کے مدح خوان رہے۔ اور اقبال نے قوم کو کیا تربیت دی کیا سکھایا کس راہ پر چلنے کا آمرانہ مشورہ دیا تو اس کا خلاصہ اس کے تربیتی کورس و عمل سے اسی طرح نمبر ۱ اقبال کا خود اقبال کیا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی رچال انگریزی ڈھال انگریزی دیسی سر ہیں دماغ انگریزی۔ دیسی بدن پر لباس انگریزی۔ ۲ اقبال کے شاہین بچے بستوں ہیں انگریزیت۔ دوڑ اور منزل کالج۔ دماغ میں لینن مارکس جسم پر فرنگیت بدن۔ لڑکوں کا چہرہ لڑکیوں جیسا۔ روح میں شیو جی اور گوتم بدھ۔ ہاتھ میں گیند بلا علماء سے متنفر۔ شریعت سے دور۔ کردار فاسقانہ۔ تعلیم اسلام سے بیگانہ مگر نام مسلمانہ نمبر ۳ اقبال کا مردِ کامل کون ہے؟ گرو نانگ اور گوتم بدھ نمبر ۴ اقبال کا مردِ صوفی با صفا رام کرشنا۔ اور سوامی رام تیرتھ نمبر ۵ اقبال کا مردِ عارف۔ شیو جی مہاراج اور پنڈت وشوامتر۔ نمبر ۶ اقبال کا مردِ مجاہد لینن کارل مارکس نمبر ۷ اقبال کا مرد آگاہ۔ سکھ اور ہند و قوم نمبر ۸ اقبال کا دانا ءِ راز پنڈت بھرتری ہری۔ نمبر ۹ اقبال کا نجات دہندہ۔ رام چندر۔ گوئٹے۔ برگساں۔ براوننگ۔ حکیم آئن سٹائن نیٹشے۔ شوپن ہار۔

گہرے مطالعۂ اقبالیات سے بطورِ خلاصہ اقبال کے دو رُخ سامنے آتے ہیں نمبر ۱ مخالفت کا دوسرا مجسٹ کا۔ اس کا مکمل زائچہ اس طرح ہے۔

پہلا رخ مخالفت اور عناد کا

			انداز مخالفت	
۱	پوری مسلم قوم سے	،	انداز مخالفت ←	مصلحانہ
۲	علماءِ اسلام سے	،	″	معاندانہ
۳	صوفیاءِ کرام سے	،	″	عَدُوَانہ
۴	احادیثِ نبوی سے	،	″	ناواقفانہ
۵	جنت اسلام سے	،	″	مسخرانہ
۶	حوض کوثر و تسنیم سے	،	″	عامیانہ
۷	نبوت سے	،	″	جاہلانہ

دوسرا رخ محبت اور دوستی کا

			انداز محبت	
۱	اپنی ذات سے	،	انداز محبت سے	خود نمایانہ
۲	انگریز قوم سے	،	″	سیاسیانہ
۳	ہندو قوم سے	،	″	رندانہ
۴	سکھ قوم سے	،	″	درمیانہ
۵	غیر مسلم شعرا سے	،	″	مخلصانہ
۶	وید اور گیتا سے	،	″	برادرانہ
۷	دریاءِ گنگا سے	،	″	خوش نمایانہ

اقبال کے بارے میں اس تمام تحریر کو پڑھ کر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مطالب اقبال کی معلومات میں نہیں اگر اقبال کو ان تشریح شدہ عبارات کا پتہ لگتا تو اقبال تردید کر دیتے۔ کیونکہ دلدادگانِ اقبال کا یہ کہہ کر پہلو بچانا تین طرح غلط ہے۔ نمبر ۱ اوّلاً اس لیے کہ ان میں بہت سی کتابیں مطالب اقبال۔ اقبال کے زمانے میں چھپ گئی تھیں۔ مگر اقبال صاحب سے کوئی تردید ثابت نہیں نمبر ۲ دوم اس لیے کہ جو کتب اقبال کے بعد شائع ہوئیں اس کو یقیناً ان کے اہلِ خانہ نے پڑھا ہوگا۔ مگر ان منکرین نے بھی کسی بات کا انکار یا تردید نہ کی

نمبر ۳ اس لیے کہ ہماری اس تحریر میں زیادہ حصہ خود اقبال کا اپنا کلام ہے۔ جس کا طبع ہونا ان کی زندگی میں جمہور سے ثابت ہے۔ اور اگر فرضاً نہ بھی چھپا ہو تب بھی کلام اقبال ہونے سے تو کسی کو انکار نہیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سچی ہدایت نصیب ہو اور اپنے بزرگوں اولیاء علماء کے قافلہ محمدی میں شامل اور قائم دائم فرما۔ ہمارے مسلمانوں کی ناسمجھی کو کیا جائے کہ یو رکے۔ اسلامک مشن برطانیہ میں یوم اقبال کے سلسلہ میں جلسے کی صدارت کے لیے غالباً جموں سے مسٹر جگن ناتھ آزاد کو بلایا گیا۔ اور اختتام کے وقت جگن ناتھ آزاد ہندو مذہب والے کو بغیر غلاف قرآن مجید کا تحفہ دیا گیا (خیال رہے کہ یو۔ کے اسلامک دیوبندی علما کی جماعت ہے)

حالانکہ تعلیم قرآنی اور بحکم خداوندی غیر مسلم کے ہاتھ میں قرآن مجید پکڑانا سخت گناہ اور توہین و بے ادبی ہے۔ جب کہ بغیر غلاف قرآن مجید کو ناپاک اور بے وضو مسلمان بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ (بحوالہ جنگ لندن ٹوٹو ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء ۱۵ محرم ۱۴۰۴ھ ص ۷) میں انتہائی افسوس سے پوچھتا ہوں کہ یو کے اسلامک مشن برطانیہ میں کوئی بھی ایسا پڑھا لکھا مسلمان نہیں جو اس مسئلہ کو جانتا ہو اور جس کو اس آیت کی عبارت اور اس کا ترجمہ و حکم آتا ہے۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے اور مسٹر جگن ناتھ صاحب کو اسی قرآن مجید کی برکت سے دولت اسلام سے نواز دے۔

غم تو یہ ہے کہ آج کل ہی مسلم قتل عام اسی ہند میں ہو رہا ہے۔ اور یہاں تعظیم ہو رہی ہے۔ اور پھر کبھی کسی مسلمان لیڈر کی ہندو قوم نے یہ عزت افزائی نہ کی۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

مفتئ دار العلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان) صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری نعیمی بدایونی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ۔ ۔ ۔

یہ تو اقبال اور رفقاءِ اقبال کی کتابوں کے حوالے تھے اب اخبارات و رسائل کو ملاحظہ فرمایئے چنانچہ۔

نمبر ا روزنامہ جنگ لندن ۱۶ نومبر ۱۹۸۳ء صف ۲ مضمون نگار لیکچرار پروفیسر عبدالحفیظ خان آف گورنمنٹ فرید کالج رحیم یار خان پاکستان عنوان ہے۔ اقبال کا تصور تعلیم آخری سطور اس طرح ہیں۔ اقبال مُلّاؤں کی رسمی نماز۔ روزے سے متنفر اور فقہی مباحث و مسائل سے بیزار ہو کر لکھتا ہے شعر۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک   نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

نمبر ۲۔ ہفت روزہ مشرق انٹرنیشنل ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء ص ۵۔
اقبال ڈے شہر لاہور (پاکستان میں منایا گیا) زیر صدارت جسٹس جاوید اقبال۔ مہمان خصوصی جگن ناتھ آزاد نے کہا۔ اقبال کو گیتا سے محبت تھی اور انتہائی عقیدت تھی۔ اقبال نے گیتا کی اشاعت میں بہت کام کیا۔ پھر جاوید اقبال نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات کی تائید کی۔ (صاحب مضمون انتظار حسین لاہور نامہ) خیال رہے کہ گیتا ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے۔

نمبر ۳۔ روزنامہ جنگ لندن ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء عنوان اقبال پاکستان کے خلاف تھے صاحب مضمون پروفیسر حامد حسن علی گڑھ یونیورسٹی۔ اقبال کے تین چار خط مکمل مضمون کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں جن کا خلاصہ ہے مسلمانوں کا علیحدہ سلطنت کا مطالبہ بیہودہ ہے اور محمد علی جناح کی مسلم لیگ غلطی پر ہے۔ اس کا جواب پاکستانی مفکرین نے صرف یہ دیا کہ اقبال اس وقت جوانی کے دور میں تھے بعد میں جب ذرا ذمے داری کی عمر میں پہنچے تو علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا تھا اور پاکستانی صاحب نے اقبال کی جوانی کی فوٹو بھی شائع کی۔ یہ سب عذر داریاں تو پیش کیں مگر خطوط کو جھٹلا بھی نہیں سکے۔ اور مزید کتب سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اقبال نے اپنی مسلم لیگ بھی اور بنا لی تھی جو شفیع گروپ سے موسوم تھی اور انگریز کی حمایتی تھی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اقبال کا مصورِ پاکستان ہونا کہاں تک یقینی ہے۔ یا یہ بھی فقط عقیدت کا ہی نعرۂ تشہیری ہے۔

نمبر ۴۔ ماہنامہ ضیاء حرم لاہور اپریل ۱۹۸۰ء ص ۹۲
مضمون نگار نظیر لدھیانوی۔ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۶
جب اقبال مرحوم کا جنازہ اٹھایا گیا تو جنازہ اٹھانے والے میں آگے جن جن

مردوں نے کندھا دیا۔ وہ دو ہندو تھے ایک لالہ منوہر لال جو اس وقت وزیر مالیات تھا دوسرا مسٹر سر چھوٹو رام جو اس وقت وزیر تجارت تھا پیچھے کندھا دینے والے (۳) سر سکندر حیات خان اور (۴) میاں عبدالحی تھے۔

غور طلب بات صرف یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں آج تک کسی اور جنازے کی یہ مثال ملتی ہے کہ مسلمان کی میت کو ہندو کافر اٹھائیں۔ جبکہ شریعت اسلام تو میت کی ڈولی کے قریب آنا بھی پسند نہیں فرماتی۔ چہ جائیکہ کوئی کافر مشرک ہاتھ لگائے کیا یہ مسلمان میت کی توہین نہیں ہے؟ کیا اقبال صاحب مرحوم کے خاندان میں کوئی اس وقت ایسا موجود نہیں تھا جو شریعت کے اس قانون کی عزت بحال رکھتا۔ بادی النظر میں تو یہی سوچا جائے گا کہ یہ بھی ہندو نوازی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کیا اقبال منکرینِ حدیث یعنی چکڑالوی مذہب رکھتے تھے؟

ہم نے اسی کتاب کے ص ۳۶ پر اقبال کے شعروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال سخت قسم کے منکرِ حدیث تھے اب ذرا ادھر اُدھر سے پوچھتے ہیں نمبر ا زمانہ جانتا ہے کہ لاہور کے علامہ احمد پرویز مشہور منکر حدیث تھے ان کے فرقے کا پہلا نام چکڑالوی تھا پھر مشہور ہو کر ان ہی کے نام پر پرویزی فرقہ کہلایا۔ یہ صاحب اپنے ماہنامے طلوع اسلام اقبال نمبر ۱۹۸۲ء کے ص ۱۳۶ پر لکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کی صحبت نے قرآن حکیم کو صحیح سمجھنے کا طریقہ سکھا دیا۔ اور اقبال نے ان کو سمجھایا کہ قرآن خود روشنی ہے اس کو کسی خارجی ذریعے سے نہ سمجھو۔ (اقبال کی نظر میں خارجی ذریعہ یہی قدامت پرستانہ روایت کی بھرمار تھی) نیز یہی مضمون ۱۷ اپریل جمعرات ۱۹۸۶ء ۸ شعبان ۱۴۰۶ھ جنگ اخبار ص ۳ پر ہے۔ یہ دونوں حوالے میرے پاس محفوظ ہیں نمبر ۲ رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی عرشی نمبر ماہ نومبر، دسمبر ۱۹۸۵ء اور فیض الاسلام فروری ۱۹۸۶ء نیز فیض الاسلام جون ۱۹۸۶ء کے مختلف موضوعات اور مضامین سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے خصوصی دوست، مشیر کار، واہل مجلس میں مندرجہ ذیل حضرات خاص اہمیت کے حامل تھے نمبر ا خواجہ احمد الدین امرتسری یہ سخت منکر حدیث بلکہ گستاخ حدیث تھے۔ اہل قرآن کہلاتے تھے

(اقبال ان سے بہت متاثر تھے) نمبر ۲ حکیم محمد حسین عرشی اہل قرآن نمبر ۳ مشہور چکڑالوی غلام احمد پرویز اسی رسالے فیض الاسلام جون ۱۹۸۶ء کے ص ۲۶ پر ہے کہ اقبال حکیم عرشی پر زور دیتے تھے کہ ایسی کتاب لکھو جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو یہ کتاب ہندوستان میں تو (روایتی ملاؤں کی وجہ سے) مقبول نہ ہوگی۔ ہاں البتہ دیگر ممالک میں ضرورت ہے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال منکر حدیث تھے اور احادیث مبارکہ سے جان چھڑانا چاہتے تھے اور احادیث مبارکہ کو (معاذاللہ) بیکار یا غلط سمجھتے تھے۔ نمبر ۳ ہم نے اپنی اسی کتاب کے ص ۴ پر بحوالہ حیات اقبال ص ۲۲۷ یہ بتایا ہے کہ اقبال صاحب مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ لیکن کتنی پڑھتے تھے تو ان کے مداحین کے مضامین سے صرف صبح شام یا تہجد کی نمازوں کا ذکر ملتا ہے۔ (بحوالہ کتاب اقبال کی دنیا ص ۱۰۱) اہل قرآن بھی صرف دو فرض نمازیں ہی مانتے اور پڑھتے ہیں (بحوالہ رسالہ فیض الاسلام عرشی مضامین فروری ۱۹۸۶ء (ص ۳۹) اور دیگر چکڑالوی لٹریچر) نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ اس کے باوجود جس طرح کوئی وہابی خود کو وہابی کہلانا پسند نہیں کرتا اسی طرح منکر حدیث خود کو منکر حدیث کہلانا پسند نہیں کرتے۔

اقبال کی مختصر گھریلو کہانی خود ان کے بیٹے جاوید اقبال کی زبانی

بحوالہ اخبار جنگ لندن صفحہ ۵۔ ۲۵۔ ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ ہفتہ اتوار

ابا جان کی بڑی تمنا تھی کہ میں کشتی لڑنا سیکھوں۔ کبوتر بازی کا بھی بہت شوق تھا۔ چمچہ اور کانٹے سے کھانا پسند کرتے تھے ہم کو چمچہ اور کانٹے سے کھانا سکھایا کرتے کرکٹ بھی کھیلا کرتے تھے اور پتنگ بھی اڑا لیتے تھے۔ صبح کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے گرمیوں میں باہر رکھے ہوئے تخت پر ہی نیت باندھ لیتے دھوتی اور بنیان زیب تن ہوتی اور سر پر تولیہ رکھ لیتے ان کے کمرے کی حالت پریشان سی رہتی دیواریں گرد و غبار سے اٹی رہتیں بستر ان کی اپنی دھوتی اور بنیان کی طرح میلا ہو جاتا مگر انہیں بدلوانے کا خیال

نہ آنا ۔ منہ دھوتے اور نہانے سے گھبرانے اور اگر کبھی مجبورًا باہر جانا پڑتا تو کپڑے بدلتے وقت سرد آہیں بھرتے وہ فطرتاً سست تھے ۔ ہم ان باتوں پر اس لیے تو تبصرہ نہیں کر سکتے کہ یہ ہر شخص کی گھریلو زندگی اور نجی معاملات کہلاتے ہیں تذکرے کا منشا محض یہ ہے کہ جو شخص حکیم الامت اور مفکرِ اسلام اور نباضِ مسلمین کے القاب سے نوازا جاتا ہو اس کی زندگی کے یہ ہمہ وقتی پہلو حیرت انگیز اور افسوسناک ہیں خاص کر نماز کے ساتھ یہ عامیانہ اور غیر شرعی سلوک یقینًا اہمیتِ نماز و معراجِ مومن سے ناواقفی و لاعلمی کی بنا پر ہے یہ فقرہ کہ فجر کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے بتا رہا ہے کہ باقی نمازیں اکثر چھوڑ دیتے تھے حالانکہ ترکِ نماز مشابہ کفر ہے اور پھر گندی میلی دھوتی اور بنیان میں نماز اور بدن پوچھنے والا تولیہ سر پر ڈال کر نماز پڑھ لینا شرعًا اس طرح نماز ہوتی ہی نہیں نیز منہ دھونے اور نہانے سے گھبرانا یہ بھی شرعًا گناہ کبیرہ ہے ہر مومن مسلمان نمازی کو پانچ وقت وضو میں منہ دھونا پڑتا ہے کیا اقبال صاحب بے وضو نماز پڑھتے تھے؟ نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضورِ مقدس میں حاضری مقصود ہوتی ہے وہاں بحکمِ قرآن خوب زینت سے حاضری دینا چاہیئے گندی میلی دھوتی بنیان اور تولئے میں نماز پڑھنا اور باہر دوستوں میں جانے کے لیے عمدہ لباس عزت دار ٹوپی پہننا کیا یہ شرعًا درست ہے کیا بارگاہِ الٰہیہ کی اس میں توہین نہیں ہے نیز اہلِ قرآن فرقے والے بھی صرف فجر کی زیادہ اہمیت سمجھتے ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب

ملنے کا پتہ : ۳۲ گرینج پارک روڈ لیٹن لندن ای ۱۰ ۔ ای پی

ایک مطبوعہ کتاب علامہ اقبال اور دو ہزار سوالات سے کچھ اقتباسات اور ان پر مختصر تبصرہ

مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۲

محمد کلیم آرائیں ایم اے کی اس کتاب کے صـ۵۵ـ اور صـ۱۶۵ـ پر یہ شعر لکھا ہے

چناں بزی کہ اگر مرگِ تُست مرگِ دوام

خدا از کردۂ خود شرمسار تر گردو

تبصرہ :۔ اس شعر کا ترجمہ ہے کہ اے انسان اس طرح زندگی گزار کہ اگر تجھ کو خدا تعالیٰ دائمی فنا کی موت دیے دے۔ تو اللہ اپنے اس کام پر سخت شرمندہ ہو جائے۔ اور اسے بعد میں محسوس ہو کہ مجھ سے کتنی غلطی ہو گئی کہ میں نے اتنی عظیم چیز کو ابدیت کے بجائے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اب کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا مسلمان بتائے کہ کیا یہ کفریہ شعر نہیں ہے بالکل یہی عقیدہ ہندؤں کا اللہ یعنی بھگوان کے متعلق ہے کہ بھگوان دنیا بنا کر پچھتا رہا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ بھگوان ہمارے خوشی سے ڈر گیا۔ (معاذ اللہ) اس شعر سے صاف ظاہر ہے کہ اقبال کا بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ اسی قسم کے اشعار دیگر ہندو شعرا نے بھی بنائے ہیں جو فلموں اور ان کی قوالیوں میں عام گائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔ زندگی دینے والے سن۔ وغیرہ وغیرہ۔

صفحہ ۱۷۰ پر لکھا ہے اقبال نے سرکشن پرشاد مہاراجہ کی تعریف میں بہت شاندار قصیدہ لکھا تھا۔

تبصرہ :۔ یہ وہی اقبال صاحب ہیں جن کے شاعرانہ قلم نے کبھی کسی مسلمان کی تعریف تو درکنار اپنی کسی کتاب کو بھی حمد و نعت سے شروع نہ کیا۔ حالانکہ چھوٹے سے چھوٹا مسلمان شاعر بھی اپنی نظمیات کو حمد و نعت سے شروع کرتا ہے اور یہی اللہ رسول کا حکم بھی ہے حدیث پاک میں ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ بِحَمْدِ اللّٰہِ

فَھُوَ اَبْتَرُ۔ (ترمذی) (اسی صفحہ نمبر ۱۷۱ پر مسولینی دہریہ کو مرد آہن کہا گیا ہے۔

صفحہ ۱۷۹ پر ہے کہ علما اور صوفیاء کے متعلق (مذمت کرتے ہوئے) اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک شخص بھی آگاہ نہیں صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔

تبصرہ۔ یہ وہی زبان ہے جو ابھی مہاراجہ سرکشن پرشاد کا قصیدہ گا چکی ہے۔

صفحہ ۲۰۵ پر ہے کہ اقبال نے کہا کہ تم لوگ اب کمال اتاترک کی درازیِ زندگی کی دعا کرو۔ انہیں اپنا مشن پورا کرنا ہے (نیروبی کی تقریر)

تبصرہ۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اتاترک جیسے دشمنِ اسلام اور اُس کے اسلام دشمنی والے مشن سے اقبال صاحب کو بہت محبت اور عقیدت تھی اور یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اتاترک کا مشن کیا تھا جس کی تکمیل کے لیے اقبال صاحب دعا مانگ رہے ہیں اور سب سے دعائیں منگوا رہے ہیں چنانچہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا مصنفہ سید قاسم محمود۔ طبع شاہکار بک فاؤنڈیشن شمالی کراچی کے صفحہ ۱۰۲ پر ہے کہ کمال پاشا نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین اسلام کو اپنی سلطنت سے خارج کیا پھر ملک کے تمام دینی مدارس کو بند کر دیا مذہبی تعلیم کی جبرًا ممانعت کر دی گئی عورتوں کا پردہ ختم کرا دیا گیا بلکہ مردوں کے ساتھ مشترکہ شانہ بشانہ اجتماع پر زور دیا گیا۔ اور اس فحاشی کو فروغ دیا گیا۔ ترکی کے اسلامی لباس تہذیب پہناوے کو ممنوع قرار دیا گیا ترقی ترکی کا قدیم قومی لباس بھی ممنوع قرار دیا گیا اور عیسائیت کی انگریزی تہذیب کو جاری کیا ترکی ٹوپی اسلامی عمامہ ممنوع کیا اس کی جگہ یورپی ٹوپی پہننے پر مجبور کیا گیا۔ اور عورتوں کو انگریزی ننگا لباس پہننے پر جبر کیا گیا۔ درویشوں فقیروں مجذوبوں کا قلع قمع کیا گیا (قتل عام کیا گیا) پیری مریدی یعنی اسلامی بیعت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ صوفیا اولیاء کی خانقاہوں تکیوں ڈیروں کو توڑ پھوڑ کر ختم کیا گیا اسلامی تاریخ کو رد کیا گیا۔ مصطفٰی کمال نے جو دو کام سب سے زیادہ اہم (شدت اور سختی سے) کیے وہ یہ تھے کہ نہ صرف یہ کہ

عربی زبان کی ممانعت کر دی گئی اور عربی قرآن اور عربی نماز کا کلام تلاوت کو بھی ملک سے نکالا گیا اور اُس کی جگہ ترکی زبان میں قرآن اور نماز بنائی گئی (اس کام کے لیے عربی قرآنوں کو پھاڑا بکھیرا جلایا اور ڈبویا گیا) علماء کو مساجد میں قتل کیا گیا مساجد کی بے حرمتی کی گئی بعد ازاں مسجدوں کو تالے لگا دیے گئے) ترکی کا رسم الخط بھی عربی سے ختم کر کے رومن یعنی انگریزی میں کیا گیا (اُس دور میں نیک والدین اپنے بچوں کو غاروں اور جنگلوں میں چھپ کر اسلامی تعلیم اور عربی نماز سکھاتے تھے اگر کوئی پکڑا جاتا تو مع اولاد والدین کو قتل کر دیا جاتا) جمعہ کی اسلامی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کی عیسائی چھٹی مقرر کی گئی۔ سن ہجری کو ختم کر کے اُس کی جگہ عیسائی نظام الاوقات مقرر کیا۔ استنبول اور انقرہ میں کمال پاشا کے بت بنا کر لگائے گئے حالانکہ اسلام میں ہر طرح کی بُت سازی حرام ہے (پاشا کو صرف اسلام سے نفرت تھی عیسائیت سے اور یورپی تہذیب سے محبت تھی۔ اسی لیے جب کسی کو داڑھی والا دکھائی دیتا تو اس سے پوچھا جاتا کہ تیرا مذہب کیا ہے اگر وہ کہتا کہ میں مسلمان ہوں تو اُس کی داڑھی مونڈ دی جاتی اگر کہتا کہ یہودی یا سکھ ہوں وغیرہ وغیرہ تو چھوڑ دیا جاتا) اُدھر ترکیہ میں ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء کو اس کی اپنی پارٹی بیوک ملت مجلسی نے کمال پاشا کو اتاترک کا خطاب (لقب) دیا تو اِدھر ہندوستان میں اقبال صاحب اور ان کی پارٹی شفیع گروپ نے کمال پاشا کو غازی کا لقب دیا۔ حالانکہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی بھی شخص کو غازی کہنا، سراسر جہالت اور کذب بیانی ہے۔ اس لیے کہ غازی بنا ہے غزوے سے اور غزوہ وہ جہاد ہے جس میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو۔ یہ غزوات کل ستائیس ہوئے جو صحابہ ان میں سے کسی میں شریک ہوئے صرف ان کو ہی غازی کہا جاتا ہے۔ بعض جہلا اب بھی اپنے آپ کو یا اپنے کسی بڑے کو غازی کہہ دیتے ہیں یہ ان کی حماقت اور لاعلمی ہے جو گناہ ہے کیونکہ جھوٹ ہے، غرضیکہ اقبال صاحب نے اسی اسلام دشمنی پر پاشا کو غازی کا لقب دیا جب کہ اس وقت ترکیہ کے علما اور صوفیا نے پاشا کو دجالِ اوّل کا لقب دیا تھا۔ یہ تھا پاشا صاحب کا وہ مشن جس کی تکمیل اور کامیابی کے لیے ڈاکٹر اقبال صاحب دعائیں کرا رہے ہیں۔ کمال پاشا کی پوری

حکومت کی طاقت اور طاقت کی سیاست کا مشن قوم کو اسلام کے دامن سے نکال کر یورپ کی غلامی میں دینا جس سے قوم ذلت کی موت مرتی چلی گئی مگر ڈاکٹر اقبال صاحب کا اس مشن کی تائید اور دعائیں کرنے کرانے کا نامعلوم کیا مقصد تھا۔

ص۱۴۵ پر ہے کہ اقبال کے مشیر خاص مولوی احمد دین تھے۔

تبصرہ۔ حالانکہ مولوی احمد دین منکر حدیث تھے اور تین نماز کو مانتے تھے۔ پانچ نمازوں کے منکر تھے۔ چنانچہ ماہنامہ فیض الاسلام فروری ۱۹۸۶ء میں وضاحت سے یہی لکھا ہے۔

ص۱۶۳ پر لکھا ہے کہ ڈاکٹر اقبال میسولینی اور نپولین کی بہت تعریفیں کرتے تھے اور ان کو کلیم بے تجلّی کا خطاب دیتے تھے۔ اور سربلندی کا نشانِ اوّل کہتے تھے۔

ص۲۱۹ پر ہے کہ اقبال روزہ رکھنے سے گھبراتے تھے۔

تبصرہ: حالانکہ روزہ وہ عظیم عبادت ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کو بارگاہ الہیہ میں قبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔

ص۲۱۱ پر لکھا ہے کہ اقبال کے نزدیک ہندوستان کا کوئی مسلمان بھی درست نہیں سب بیکار و ناکارہ ہیں خصوصًا ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمان۔

تبصرہ۔ اقبال کی مسلمانوں سے یہ نفرت غالبًا اس لیے تھی کہ ہندوستان کے مسلمان علما، اولیا، مساجد و عبادت کے بہت شیدائی تھے دین کی محبت سے بھرپور تھے مگر اقبال چاہتے تھے کہ ترکیہ کی طرح یہاں کے مسلمان بھی مساجد و مدارس سے بیزار ہوجائیں اور تلاوت و عبادت سے دور۔ ترکیہ میں تو فوجی طاقت سے دینی محبت کو کچلا گیا۔ یہ طاقت اقبال صاحب کو نہ مل سکی اس لیے اشعار کی طاقت استعمال کی جس کا اثر کچھ زیادہ نہ ہوا لہٰذا متنفر ہو گئے۔

ص۱۵۴ پر لکھا ہے کہ انگریزوں کی طرف سے اقبال کو سَر کا خطاب ملا تو مسلمانوں کو برا لگا۔ (اس لیے کہ یہ چاپلوسی اور ضمیر فروشی تھی) اُس وقت لوگوں نے یہ کہنا مشہور کر دیا تھا کہ ؎

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

تبصرہ:۔ یعنی ڈاکٹر اقبال حکومت کی چوکھٹ پر اتنے جھکے کہ سجدہ ریز ہو گئے اندازہ لگائیے کہ صرف ایک سر کا خطاب حاصل کرنے کے لیے اقبال کو انگریز کی اتنی کاسہ لیسی اور قصیدہ خوانی کرنی پڑی کہ خود فروش بن گئے۔ علما صوفیا۔ مساجد و مدارس اور خانقاہ کی برائی صرف انگریز کو خوش کرنے کے لیے ہی کی گئی یہ سر کا خطاب انہی خدمات کا انعام تھا۔ یہی اقبال۔ کارل مارکس کو کلیم و مسیح کا لقب دے رہے ہیں۔ یعنی مثل موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام۔

ص ۱۵۶۔ پر لکھا ہے کہ عطیہ بیگم کے درست کدہ ایوانِ رفعت بمبئی میں رقص کے دوران علامہ نے مس عطیہ کو یہ ایک پرائیوٹ قسم کا مزاحیہ شعر کاغذ پر لکھ کر دیا تھا۔

عالَم جوشِ جنون میں ہے روا کیا کیا کچھ
کہیئے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

تبصرہ:۔ اقبال عورتوں کے ساتھ رقص کیا کرتے تھے۔؟
بتایئے کیا قوم مسلم کے مفکر و رہنما اور مردِ قلندر کی یہی تہذیب ہوتی ہے۔ کیا ان ہی اخلاقیات و عادات کی بنا پر ان کو حکیم الامت کہا جاتا ہے۔

ص ۱۴۹۔ پر لکھا ہے کہ گاندھی جی کو اقبال کی یہ نظم کہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا بہت ہی پسند تھی۔

تبصرہ:۔ اس لیے کہ اس میں گنگا جمنا والے ملک کی شان کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بیت المقدس سے اچھا کہا گیا ہے۔ کیونکہ سارے جہان میں تو یہ شہر بھی داخل وشامل ہیں۔

ص ۱۰۸ پر ہے کہ اقبال حیات بعد الموت یعنی قبر و حشر کی زندگی کے مسئلے کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے (مانو یا نہ مانو)

تبصرہ: قرآنِ مجید میں اس کو بہت اہم فرمایا گیا ہے مگر ہندو اور دیگر مشرکین اس کے منکر ہیں۔ غالباً اقبال صاحب اپنے ان ہی آبائی ہندوؤں مشرکوں کو خوش کرنے کے لیے۔ قبر و حشر کی زندگی کو غیر اہم یعنی بیکار کہہ رہے ہیں۔

ص ۱۰۸ پر لکھا ہے کہ۔ اقبال اس لیل و نہار کی دنیا کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور دنیا

بنانے والے کو طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

این چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

تبصرہ۔ اس مصرعے کا ترجمہ ہے۔ اے اللہ تو نے یہ آج کل کی دنیا والا گھر کیوں بیکار پیدا کر دیا۔ مگر اسلام و قرآن کا فرمان ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

صـ۱۹۲ اور صـ۲۰۱ اور صـ۲۰۳ اور صـ۲۱۰ پر صـ۱۳۲ پر لکھا ہے کہ پہلے اقبال مذہبی امتیاز اور دو قومی نظریے کے مخالف تھے اور تین سال تک ڈاکٹر اقبال کا قائداعظم سے سیاسی تصادم ہوا اور اقبال قائداعظم کے مخالف رہے۔ اقبال نے قائداعظم کو چیف ایکٹر یعنی بڑا ڈرامہ باز کا لقب دیا تھا۔ ابتداً ڈاکٹر اقبال قومیت کی بنیاد وطن کو سمجھتے تھے نہ کہ دین کو اور اسی کی حمایت میں یہ نظم لکھی تھی سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔

تبصرہ۔ ان ہی نظریات اور قائد کی مخالفت کی وجہ سے مشہور تھا کہ اقبال مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کے مخالف تھے اور گاندھی کی چال بازی احراریوں دیوبندیوں کی حمایتی تحریک اور انگریزوں کی خواہش کے ساتھ ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہے بہت عرصہ بعد جب قائداعظم کی جاں سوز محنت علیحدہ اسلامی ریاست کے لیے اور مسلمانوں کا عملی رجحان قائد اعظم کی حمایت میں بڑھتا ہوا دیکھا تو صرف ایک بار الٰہ آباد میں تقریر کے دوران قائداعظم سے متاثر ہو کر ان کی حمایت میں علیحدہ مسلم ریاست کو تسلیم کرتے ہوئے مطالبے اور خواہش کے طور پر چند جملے ارشاد فرمائے۔ جس کو بعد میں خطبہ الٰہ آباد کے نام سے مشہور کیا گیا۔

صـ۱۲۱ پر لکھا ہے کہ اقبال صاحب نے سر محمد شفیع کے ساتھ مل کر ۱۹۲۷ء میں علیحدہ مسلم لیگ بنائی جس کا نام پنجاب پروانشل مسلم لیگ رکھا۔

تبصرہ۔ اسی کا نام شفیع گروپ بھی تھا اقبال اس کے جنرل سیکرٹری اور صدر سر محمد شفیع تھے۔ یہ مسلم لیگ قائداعظم کی مسلم لیگ کے خلاف تھی۔

صـ۱۸۲ پر ہے کہ اقبال سلیمان ندوی کو ہندوستان کی آبرو مشرق کی عزت اور فخر اسلام کہا کرتے تھے۔

تبصرہ۔ ندوۃ العلماء گروپ کے عقائد بالکل وہابیانہ تھے۔

ص۱۸۸ اور ص۲۱۰ پر لکھا ہے کہ اقبال کو پیرس دیکھنے کا بہت شوق تھا چنانچہ تیسری گول میز کانفرنس کے موقعہ پر آپ نے اپنی خواہش کو پورا کرلیا۔

ص۲۱۶ اور ص۲۲۸ پر لکھا ہے کہ علامہ اقبال کو سب سے زبردست خواہش تھی کہ مدینے میں حضور کی بارگاہ میں حاضری دیں۔ ۱۹۳۲ء میں موتمرِ عالم اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے بیت المقدس گئے لیکن خواہش کے ہوتے ہوئے بھی دربارِ نبوی پر حاضری نہ دی اور قریب سے گزر گئے آپ نے ایک خط میں حج بیت اللہ کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ دمگر کبھی تیاری نہ کی لندن جاتے ہوئے کئی دفعہ قریب سے گزر گئے بیت المقدس میں قیام کے دوران ساتھیوں نے کہا بھی تھا کہ مدینہ منورہ اور حجاز مقدس قریب ہی ہے وہاں کی بھی حاضری ہو جانی چاہیئے مگر اقبال نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس طرح کی حاضری پر دل گوارہ نہیں کرتا)

ص۲۱۷ پر ہے کہ اقبال نے کبھی بھی بارگاہِ رسالت کی حاضری نہ دی ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی رہی۔

تبصرہ۔ مگر لندن پیرس، جرمنی، اٹلی، میسور، افغانستان، اسپین، مصر، ہسپانیہ، اطالیہ، اُندلس، قرطبہ، فلسطین کے بیسیوں سفر کئے مگر کبھی کوئی رکاوٹ نہ ہی بلکہ سفر انگلستان کا عشق تو اس حد تک تھا کہ ہر رکاوٹ کو توڑنے پر کمر بستہ رہتے خود کہتے ہیں کہ۔ توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو (از نظم نالۂ فراق) اور یہ صرف زبانی کلامی ہی نہ تھا بلکہ عملی طور پر ہر رکاوٹ کو چھوڑ کر ہر زنجیر کو توڑ کر انگلستان جانے کا جذبہ پورا کر دکھایا۔

پھر ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ یہ خواہش پوری کی مگر مکہ مکرمہ مدینہ منورہ جانے کی خواہش ایسی کمزور تھی کہ ذرا سی رکاوٹ کا بہانہ بھی اس خواہش کو سرد کر کے رکھ دیتا اور باوجود دوستوں کے کہنے بلکہ پیش کش کرنے کے بعد بھی سفر حجاز مقدس میں ٹال مٹول کر دی جاتی چنانچہ اسی کتاب کے ص۱۷۶ پر ہے کہ ایک دفعہ مسولینی نے پرزور پیش کش کی تھی کہ ہم سارا خرچ دیتے ہیں تم حج کر آؤ مگر اقبال صاحب ٹال گئے اور حج وعمرہ وزیارت بارگاہ کے لیے کبھی نہ گئے، اور

خود بھی غریب نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے لکھ پتی رئیس تھے چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھا ہے کہ وکالت میں اقبال کی ماہانہ آمدنی تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی یعنی آج کل کے تقریباً ایک لاکھ روپیہ تھی اتنے بڑے رئیس اعظم ایک پیر صاحب کے گھر بجلی کا بلب برداشت نہ کر سکے۔ اور دیکھ کر طعنہ دیتے ہوئے غصے میں پوری نظم کے تیر چلا ڈالے کہ مرید کی زبانی کہتے ہیں۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی		گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اقبال صاحب کے دل میں ایک بجلی کا بلب تو کھٹک گیا اور مٹی کے دیے کا طعنہ مار دیا اور مرید کی غربت کا خیال آگیا۔ مگر اپنی کوٹھیاں۔ کاریں، روشنیاں، کیوں نظر نہ آئیں۔ ان فضول خرچیوں اور عیش کی زندگی میں کسی غریب کے دیے کا خیال کیوں نہ آیا جب کہ اقبال صاحب کی یہ ماہانہ آمدنی بھی غریب مؤکلوں کی خون پسینے کی کمائی اور غربا کی جیب سے تھی۔

صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے۔ اقبال نے اپنی زندگی میں جن لوگوں کے لیے کتابیں لکھیں ۱۔ دسویں جماعت کے لیے ۲۔ پانچویں ۳۔ چھٹی ۴۔ ساتویں ۵۔ آٹھویں جماعت کے لیے ۶۔ تاریخ ہند برائے مڈل کلاس ۷۔ اقبال ہند، اور اس کے علاوہ سترہ عدد کتب۔

تبصرہ۔ بتایا جائے کہ ان کتب میں اقبال نے اسلام کی کیا خدمت کی؟

صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ اقبال قرآن کو مظلوم کہتے تھے اس لیے کہ اسلام و قرآن کے کتنے ہی ایسے پہلو اسرار و رموز ہیں جن پر مسلمانوں نے بہت کم غور کیا ہے۔

صفحہ ۲۹ پر ہے کہ اقبال صرف خود کو دانائے راز کہتے تھے۔

تبصرہ۔ یعنی صحابہ کرام تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ فقہا علما میں سے کسی نے بھی قرآن مجید پر غور نہ کیا۔ اور نہ کوئی مسلمانوں میں رازدان یا دانائے راز ہوا بس یہی وہ خودی ہے جس کا دوسرا نام تکبر ہے۔

صفحہ ۴۱: پر لکھا ہے کہ خودی تکبر نہیں بلکہ غیرت ہے۔

تبصرہ: اور غیرت یہ ہے کہ انسان اپنی شکل صورت لباس کلام میں اپنی تہذیب اپنا طریقہ اختیار کرے۔ اگر اپنی قومی ایمانی مذہبی تشخص و تہذیب کو چھوڑ کر غیروں

کی شکل صورت لباس کلام اور معاشرہ اختیار کرے تو غیرت کا جنازہ نکالنا ہے۔ کیا اقبال صاحب نے اپنی زندگی پر اسلام کا نقشہ قائم فرمایا تھا ع

صـ۱۱۱ پر ہے کہ اقبال ملٹن کی تقلید کے خواہش مند تھے۔

صـ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اقبال کو سمجھایا کرتے تھے کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم پر ہی اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے (یعنی نبی کریم کا واسطہ بیچ میں نہ سمجھو۔

تبصرہ: تاکہ نبی کریم اور احادیثِ پاک کا کھل کر انکار کرسکو یہی بات منکرِ حدیث کہتے ہیں کہ نبی تو محض ایک قاصد (ڈاکیہ) ہے معاذ اللہ۔ اقبال نے اس نصیحت کو تاعمر دل وجان سے قبول کیا یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ منکرینِ حدیث کی صحبت ومحبت میں رہے۔

صـ۶۳ پر ہے کہ اقبال کے نزدیک حصولِ علم کے صرف چار ذریعے ہیں۔

(۱) وحی (قرآن مجید) جو ختم ہو چکا (۲) آثارِ قدما (تاریخ) (۳) ذہن کا سیر (۴) علم نفس۔

تبصرہ۔ یعنی اقبال کے نزدیک آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات جن کو احادیثِ مقدسہ کہا جاتا ہے، علم کا سرچشمہ اور ذریعہ نہیں صـ۲۸، صـ۶۹ اور صـ۲۱۸ پر لکھا ہے کہ اقبال صاحب کو شطرنج اور انگریزی فلمیں اور کبوتر بازی بہت پسند تھی۔

تبصرہ: ایک مسلمان کے لیے یہ تینوں چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔

صـ۱۵ پر لکھا ہے کہ اقبال مسئلہ جبر وقدر میں معتزلہ کا رجحان وعقیدہ رکھتے تھے۔

تبصرہ۔ حالانکہ معتزلہ کے تمام عقیدے کفریہ تھے، اور چار اماموں کے خلاف جب کہ اسی کتاب کے صـ۲۲۲ پر لکھا ہے اقبال خود کو حنفی کہتے تھے کوئی بتائے کہ یہ کیسی حنفیت ہے؟

صـ۹۶ پر ہے کہ اقبال کو جرمن قوم بہت پسند تھی۔

تبصرہ: مگر نفرت مسلمان قوم سے تھی۔

ص۵۲ پر لکھا ہے کہ اقبال اکبر الٰہ آبادی کے مخالف تھے۔
تبصرہ :۔ اس لیے کہ اکبر الٰہ آبادی اسلامی نظریات اور تہذیب کے حامی تھے اس کو مغرب کی چیزیں بری لگتی تھیں اور اقبال کو مغرب کی چیزیں انگریزی قلبیں عریانی بے پردگی) اور مغربی لباس۔ صلیب والی ٹائی کوٹ پینٹ ھیٹ وصورت رہن سہن انگریزی پسند تھا۔
ص۸۰ پر لکھا ہے کہ جاویدنامہ میں معراج کو آسمانی ڈرامہ کا نام دیا گیا ہے۔
تبصرہ۔ (معاذ اللہ) یہ معراج شریف کی گستاخی ہے۔
ص۸۲ :۔ پر لکھا ہے کہ اقبال رامائن۔ یعنی رام سنیا کی کہانی لکھنا چاہتے تھے۔
تبصرہ :۔ یہ ہندؤں کی بہت متبرک اور مذہبی دشرکیہ کفریہ) کہانی ہے ہندو رام کو بھگوان اور دیوتا (اوتار) کا درجہ دیتے ہیں اقبال اس کو اُردو میں لکھ کر مسلمان کو گمراہ بدمذہب بدعقیدہ اور ہندؤں کو خوش کر کے اُن کے کفریات کی اشاعت کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنے آبائی دین کا حقِ نمک ادا کرنا چاہتے تھے۔ اور ثابت کرنا چاہتے تھے کہ :۔
میں جنم کا سومناتی۔ میرے آبا لاتی ومناتی۔ اور سب کو بتانا چاہتے تھے کہ میرے ماتھے اسلام کا ٹیکہ تو ہے مگر اصلاً تو میں پنڈت ہوں۔
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے
یعنی بقول اقبال۔ اسلام صرف ظاہری پیشانی تک ہے دل وجگر میں کچھ اور۔ پنڈت اگر کوئی کہے تو صرف شرم آتی۔ غصہ نہیں آتا۔
ص۷۲ اور ص۸۲ پر لکھا ہے کہ اقبال فقہ اسلامی کو نئے سرے سے تدوین کرنا چاہتے۔
تبصرہ : گویا کہ اقبال آئمہ اربعہ کی مدوّن ومرتب شدہ فقہ اسلامی سے بھی متنفر غیر مطمئن تھے۔ یہ موجودہ فقہ پوری اُمّتِ مسلمہ از تابعین تا ایندم تمام اور علماء فقہا کا پسندیدہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ غیر مسلم سکالر نے بھی مجتہدین کی اس محنت شاقہ کو سراہا ہے ہاں البتہ منکرین حدیث ہمیشہ اس کے مخالف رہے پتہ نہیں اقبال صاحب کو موجودہ فقہ کی تدوین میں کیا برائی نظر آئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے

کہ اقبال کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی ورنہ نجانے اقبال صاحب کس ادارے کے سپرد یہ کام کر دیتے اور کن جُہلا کی تخریب کاری ہو جاتی جس سے سینکڑوں مسلمان گمراہ ہو جاتے۔ غرضیکہ اقبال صاحب نے قوم کے دل میں اکابر اسلام کی طرف سے ہمیشہ نفرت کے بیج بوئے کبھی کسی اسلامی محنت کی تعریف نہ کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی فقہ کے چمنِ سرسبز کو سدا بہار بنائے اور مخالفوں کی خورد برد سے بچائے۔

ص۲۲ پر لکھا ہے کہ اقبال اُردو زبان پنجابی لہجے میں بولتے تھے۔
تبصرہ:۔ یعنی قاف کو کاف اور ح کو ھ حُقّہ کو ھُکّہ کہتے تھے۔
تب تو پھر یقیناً قرآن کو بھی کُرآن کہتے ہوں گے اور تلاوت میں بھی یہ غلطیاں کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ معافی دے قرآن مجید غلط پڑھنا تو سخت باعثِ عذاب ہے۔

ص۲۱۵ پر لکھا ہے کہ شرقپور کے بزرگ حضرت میاں شیر محمد نے علامہ اقبال کو کہا تھا کہ میں عام لوگوں کو داڑھی رکھنے کی تاکید کرتا رہتا ہوں لیکن میرے نزدیک آپ جیسے شخص پر جس نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے قلوب میں ایمان اور عقل کے چراغ روشن کر دئے ہیں ڈاڑھی کے معاملے میں سختی کرنا مناسب نہیں۔
تبصرہ:۔ یہ بالکل قطعًا غلط ہے اور مصنف کی غلط بیانی ہے۔ ہم نے قریبی ذرائع سے پتہ کرایا ہے کہ اقبال صاحب جب شرقپور شریف حاضر ہوئے تو حضرت میاں صاحب نے اقبال سے صرف اس لیے ملنے سے انکار کر دیا کہ سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں۔ یعنی داڑھی منڈاتے ہیں۔ اقبال افسوس کرتے ہوئے یہ کہہ کر واپس آئے تھے کہ گناہ سے نفرت چاہیئے نہ کہ گناہگار سے اور پھر مصنفِ کتاب ہذا کی یہ بات ویسے بھی غلط معلوم ہوتی ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ میاں صاحب علیہ الرحمۃ جیسا عاشق رسول سنتِ پاک کا شیدائی جو اپنی نماز باجماعت کی پہلی صف میں بھی کسی داڑھی منڈے کو کھڑا نہ ہوتے دیے وہ بھلا ایک رہبر قوم کا داڑھی منڈا ہونا کیسے پسند

فرماتے جب کہ رہبر قوم کا گناہ تو زیادہ خطرناک ہے کہ اس کی دیکھا دیکھی ہزاروں گمراہ وگناہگار بن جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ داڑھی مبارک کسی کا ذاتی فعل نہیں بلکہ یہ فرضی سنت اور شعائر اسلامی تعارفِ مومن ہے اور داڑھی منڈانے مونچھیں بڑھانے کو مجوسیوں کا نشان اور تعارف قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند امام ابن ابی شیبہ جلد ہشتم ص۳۷۹ پر ہے عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجُوْسِ إِلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلَقَ لِحْيَتَهُ وَأَطَالَ شَارِبَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا فِيْ دِيْنِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَجُزَّ الشَّارِبَ وَاَنْ نُعْفِيَ اللِّحْيَةَ شَعَائِرُ دِيْنِنَا۔

ترجمہ:۔ ایک مجوسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑی بڑی رکھی تھی نبی پاک نے پوچھا یہ کیا ہے اس نے کہا یہ ہمارے دین کی نشانی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے دین کی نشانی یہ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں گھٹاؤ۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مورخہ ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ ۲۰/ جنوری ۱۹۹۶ء بروز سوموار

سولھواں فتویٰ

لفظِ کُل کا بیان اکثر اور کُل کا فرق اور اعلیحضرت کے چند اشعار پر مخالفین کے جاہلانہ اعتراضات اور ان کے جواب۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ۔

۱۔ قرآن پاک کی اس آیتِ کریمہ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ۔ النحل۔ ۸۹) (اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے) اسے عند العلماء اہل سنت یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر شئے دینی ہو یا دنیاوی تمام کا بیان ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتدریج قرآن پاک کے مکمل نزول کے ساتھ ہر شئی دینی و دنیوی کے تمام علوم مفصل طور پر بعطاءِ الٰہی حاصل ہو گئے ہیں کسی شئی کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہ رہا۔ تو ایک مخالف کا اس پر اعتراض ہے کہ اگر کسی کو کُل (ما) ایسے الفاظ سے تعبیر واقع ہو مثلاً وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ اور مشکوٰۃ میں دارمی کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک مذکور ہے فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یا مثل اس کے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں عموم و استغراق حقیقی مراد نہیں بلکہ عموم و استغراق اضافی میں ہی مراد ہے یعنی باعتبار بعض علوم کے کہ وہ علوم ضروریہ متعلق بہ نبوت ہیں عموم فرمایا گیا پس اس کا مقتضا صرف اس قدر ہے کہ نبوت کے لیے جو علوم لازم و ضروری ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتمامہا حاصل ہو گئے تھے۔ الفاظِ عموم کا عموم اضافی میں مستعمل ہونا محاورات جمیع السنہ میں بلا نکیر جاری ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور حضرت

سلیمان علیہ السلام کی نسبت فرمایا گیا ہے ، وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (النمل ۱۶)
اور بلقیس کی نسبت فرمایا گیا ہے وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (النمل ۲۳)
یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے پاس تمام چیزیں تھیں یہ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اِس زمانہ کی ریل گاڑی ۔ ہوائی جہاز ۔ تار برقی رلمپ وگیاس اور فوٹو وغیرہ ہرگز نہ تھے ۔ وہاں بھی اشیائے ضروریہ لازمہ سلطنت کا عموم مراد ہے ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ جس طرح ، کُلُّ شَیْءٍ کا لفظ مذکور سب آیات میں موجود ہے تو سب جگہ ایک ہی مفہوم مراد نہ لیا جائے تو کیا معقول وجہ ہے ۔ جب کہ قرآن پاک سے یہ بھی ثابت ہے کہ لفظ "کُل" بغیر کسی قرینہ کے بھی مقیّد ہو کر مستعمل ہے ۔ مثلاً ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ، (پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے) (البقرۃ ۲۶۰) اس آیت میں "کُلِّ جَبَلٍ" سے (بہ اتفاق مفسرین کرام چار یا سات یا دس پہاڑ مراد ہیں) حالانکہ آیت کے الفاظ عموم سے دنیا کے تمام پہاڑ مراد ہونا چاہئیں ۔ خلاصہ یہ کہ الفاظ عموم سے ضروری نہیں کہ عموم و استغراق حقیقی مراد ہو جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات بطور دلیل مذکور ہو چکیں ۔ اگر عموماً قطعی مراد لیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام و بلقیس کے لیے بھی عموم قطعی مراد لیا جائے ورنہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں بدلائل حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے لیے ثابت کیا جائے کہ ان کے لیے اِن ہی الفاظِ عموم سے عموم قطعی مراد نہیں "۔

ب:۔ یہ مسئلہ نداءِ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے متعلق ہے ۔ ہمارے مسلک بریلوی اہل سنت والجماعت کے نزدیک مقاماتِ بعیدہ سے بھی اولیائے عظام کو استعانت کے لیے ندا کرنا جائز ہے سوال یہ ہے کہ اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کی اَرواحِ مقدسہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو مستثنیٰ جانتے ہوئے اس لیے کہ ہمارے مسلک اہل سنت کے نزدیک حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی وَبِاِعْلَامِ خداوندی ہر شے کا تفصیلی علم حاصل ہے (ملخصاً الدولۃ المکیہ۔

انباء المصطفےٰ۔ خالص الاعتقاد وغیرہم از افاضات امام اہل سنت اعلحضرت احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز) کیا دنیا کی ہر زبان سے واقف ہیں کہ فریاد کرنے والا کسی بھی زبان میں عرض معروض و استغاثہ کرے تو سماعت فرماسکیں کہ بیک وقت ہزاروں فریادیوں کی اسی لمحہ پکار و فریاد سن کر فریاد رسی فرماسکیں یہ کیونکر ممکن ہے! یعنی شرعی دلائل کی روشنی میں صراحتاً ایسی دلیل جو اس موقف کے اثبات پر دال ہو کہ ارواح مقدسہ ہر زبان سمجھتی ہیں تحریر فرما دیں۔

ج:۔ امام اہل سنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نعتیہ کلام دفی حدائق بخشش حصہ دوم ص۱۱ ناشر شبیر برادرز لاہور) میں فرماتے ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ؛ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

ندیم یہ کہتا ہے کہ مذکور شعر درست ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل غیب جانتے ہیں اور وسیم کہتا ہے کہ مذکور شعر درست نہیں ہے کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کا علم مساوی ہے قرآن وسنت سے فیصلہ فرما دیں (آسان فہم توضیح کے ساتھ) کس کا قول صحیح ہے کس کا قول باطل ہے؟

د:۔ امام اہل سنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نعتیہ کلام فی الحدائق بخشش حصہ دوم ص۱۱ (ناشر شبیر برادرز لاہور) میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفوّ و غفور ؛ بخشش دو جرم وخطا تم پہ کروڑوں درود

اور صوفی اللہ دتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کتاب الولایت (کیا خدا کے سوا کوئی مشکل کشا ہے)، ص۲۳ (ناشر ادارہ اشاعت العلوم لاہور) میں تحریر فرماتے ہیں۔ مشکل کشائی، فریاد رسی۔ حاجت روائی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس میں نیابت جاری ہے جیسا کہ صدر کتاب میں ہم قرآن وحدیث پیش کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بالاصالت مشکل کشا فریاد رس اور حاجت روا ہے اور اولیاء اللہ بالتبع ہیں لیکن شانِ غفاری تو خاصۂ خداوندی ہے جس میں نیابت نہیں

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے مَن یَّغفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللہ ۔ یعنی کون ہے گناہ بخشنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے جس کام میں نیابت نہیں اُس میں ایماندار اصل کو ہی پکارے گا اور جس میں نیابت جاری ہے وہاں نائب کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔ انتہٰی بلفظہٖ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ شعر کی تشریح فرمادیں۔

۵۔ غیر مقلدین حضرات و دیوبندی حضرات سے سلام دعا اور ان کے نمازِ جنازہ میں شرکت جب کہ نماز پڑھانے والا سنّی عالم ہو، جائز ہے یا نہیں؛ نیز کسی سنی العقیدہ مرد کی شادی وہابی یا دیوبندی عورت سے جائز ہے یا نہیں جب کہ مرد کی یہ نیت ہو کہ سمجھا کر قائل کر کے عورت کو سنی العقیدہ بنا لوں گا۔

امید ہے تمام سوالوں کے جوابات تحقیقِ عمیق کے ساتھ کافی وشافی عنایت فرمائیں گے۔

وَالسّلام مع الاکرام

المستفتی

احقر العباد جاوید گولڈسمتھ

بلاک ۷ صرافہ مارکیٹ۔ ڈیرہ غازیخان (پاکستان)

بِعَونِ العَلَّامِ الوَھَّابِ

الجواب

۱۔ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں جو مخالف نے مسلکِ اہلِ سنّت وعقیدۂ حقّہ مطلبِ قرآنی پر اعتراض کیا ہے وہ انتہا کی جہالت ہے۔ چار وجہ سے اوّلاً اس لیے کہ معترض علم نحو علمِ صرف اور علمِ اصول سے بالکل ناواقف معلوم ہوتا ہے ثانیاً اس لیے کہ فہمِ قرآنی صرف ترجمہ جان لینے کا نام نہیں بلکہ علماءِ محققین فرماتے ہیں فہمِ قرآنی کے لیے چالیس علوم حاصل کرنے کے علاوہ تقویٰ طہارت عبادت خوفِ الٰہی عشقِ مصطفائی شعورِ ذہنی فراستِ قلبی کی دولتِ کثیرہ کی ضرورت ہے

معترض مذکور کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ ثالثاً یہ کہ فہم قرآنی نام ہے منشاءِ باری تعالیٰ کے جاننے کا کہ رب تعالیٰ اِس آیت میں کیا بتا رہا ہے۔ رابعاً یہ کہ معترض نے ان تمام آیات کے سیاق وسباق پر بھی غور نہ کیا اگر سیاق وسباق پر تھوڑا تدبر کر لیتا تو ایسے احمقانہ اعتراض نہ کرتا۔ خیال رہے کہ عربی زبان بہت ہی بااصول وضوابط کی زبان ہے۔ ہر معانی مطالب کے لیے ضابطے اور قانون وقرینے مقرر ہیں۔ اگر کوئی لفظ چند معانی میں مشترک یا چند اقسام میں منقسم ہے تو اُن کے تقرر وتعین کے لیے عبارت کے سیاق وسباق میں ایسے قرائن، علامات ونشانات موجود ہوتے ہیں جن سے اُس مطلوبہ ومرادِ معنیٰ کا تعیّن ہو جاتا ہے۔ اس لغتِ اُمُّ اللسان میں کسی کو اجازت نہیں کہ جہالت کا قلم اٹھا کر اندھے کی لاٹھی چلاتا پھرے۔ معترض نے کچھ اسی طرح کی کور چشمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ معترض لفظِ کُل کو چار قسموں میں تقسیم کرتا ہے ۱۔ عمومی حقیقی ۲۔ استغراقی حقیقی ۳۔ عمومی اضافی ۴۔ استغراقی اضافی حالانکہ لفظ کُل کی یہ تقسیم غلط ہے۔ کہیں ثابت نہیں یہ تقسیم لفظِ کثرت اور اکثر وکثیر کی ہے کہ کثرت حقیقی بھی ہوتی ہے اور اضافی بھی مگر لفظ کُل اِس تقسیم سے مبرّا اس لیے کہ ہر کُل اپنی جزئیات میں محدود ہے۔ جس کُل کی جتنی زیادہ جزئیات ہوں گی وہ کُل اتنا ہی زیادہ وسیع وعظیم ہوتا چلا جائے گا۔ اور جزئیات کے بڑھنے سے کُل بڑا ہوتا رہے گا۔ اجزا کے کم ہونے سے کُل اتنا ہی محدود ہوتا چلا جائے گا کسی کی ذاتی رائے یا جہالت سے نہ کُل میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اور یہ اجزاءِ کُل کی زیادتی کمی متکلم کی عبارت کے سیاق وسباق وروشِ کلام سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ ترجمہ ہر ایک اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ یہاں بھی لفظِ کُل ہے مگر اُس کے اجزا صرف چار ہیں۔ چنانچہ سباقِ آیت میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (سورۃ الانبیاء آیت ۳۳) اِس کُل کے چار اجزا ہم کو کلام کے سباق نے بتائے ہم اپنی طرف سے نہ کم کر سکتے ہیں نہ زیادہ۔ اور یہ بات عام فہم ہے کچھ مشکل نہیں ہم دن رات اپنی

اپنی گفتگو میں بھی اس طرح کا کُل استعمال کرتے رہتے ہیں مثلاً اُردو میں لفظ کُل کا ترجمہ ہے سب یا تمام، اگر ایک شخص کہے کہ میرے پاس چھ آدمی آئے تھے اور سب یہ کہہ رہے تھے، تو اس سب سے صرف چھ مراد ہوں گے نہ زیادہ نہ کم۔ غرضکہ ہر کُل میں چھ باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ اِس کا سباق کیا بتاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا سیاق کیا بتاتا ہے سوم یہ کہ اِسس کلام کی اپنی رَوِش کیا بتاتی ہے چہارم یہ کہ یہ کُل کتنی بڑی شخصیت کا کلام ہے۔ پنجم یہ کہ کُل کتنی بڑی چیز کے لیے ہے۔ ششم یہ کہ کُل کس شخصیت کی کس چیز سے متعلق ہے۔ کیونکہ کُل کا گھٹنا بڑھنا ان ہی چھ باتوں میں سے کُل کی حدود میں متکلم اور شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ جس کی طرف نسبت ہو گی اُسی کے حساب سے کُل میں کمی زیادتی ہوتی رہے گی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہماری معلومات میں دونوں کُل لا محدود و بے انتہا ہیں۔ مگر حقیقتاً۔ پہلا کُل زیادہ وسیع و عظیم ہے دوسرے کُل سے کیونکہ پہلے کُل کا تعلق مشیّتِ الٰہی وارادۂ باری تعالیٰ سے ہے اور دوسرے کُل کا تعلق صرف مخلوق سے ہے، مشیّت میں صفات باری تعالیٰ ہیں، جو مخلوقات سے کہیں زیادہ بلکہ بے انتہا و لا محدود ہے۔ اب اگر کوئی جاہل یہ کہدے کہ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں۔ کُل حقیقی نہیں۔ بلکہ اضافی ہے تو یہ اُس کی اپنی حماقت و جہالت ہے۔ جب آپ نے یہ تمہید سمجھ لی تو اب اُن آیت پر غور کیجئے جن کو معترض نے اپنے گستاخانہ ذہن اور متعصّبانہ جہالت سے ایک ہی زمرے میں شمار کر لیا۔ حالانکہ آیت میں بہت ہی فرق ہے۔ جو سباق وسیاق کے علاوہ خود رَوِشِ کلام سے بھی ظاہر ہے۔ پہلا فرق یہ کہ معترض کی پیش کردہ پہلی آیت وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ یہ خود باری تعالیٰ کا اپنا خبریہ فرمان ہے معترض کی دوسری پیش کردہ آیت وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی اپنی بات ہے۔ معترض کی پیش کردہ تیسری آیت۔ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ۔ یہ ایک

جانور ھُدھُد کی بات ہے اب کوئی بد بخت کہہ سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اور جانور کی بات اور اللہ تعالیٰ کا فرمان کلیت میں برابر ہے (معاذ اللہ) دوسرا فرق پہلی آیت میں قرآن مجید کی کلیت کا ذکر ہے اور قرآن مجید صفتِ باری تعالیٰ اور کلامِ الٰہی ہے۔ دوسری آیت میں دنیوی نبوی وشاہی نعمتیں دولتیں مراد ہیں اِس کل میں حیاتِ دنیوی کی وہ اشیا مراد ہیں جو صرف سلیمان علیہ السلام کی نبوت وسلطنت سے متعلق۔ اِس کل کے اجزا حیاتِ دنیوی کی حد تک محدود ہیں تیسری آیت میں صرف دنیوی سازوسامان مراد ہے۔ اس کل کی جزئیات اور بھی کم ہیں۔ تیسرا فرق۔ پہلی آیت میں تبیان ہے دوسری دو آیتوں میں عطا ہے۔ پھر دوسری اور تیسری آیت میں فرق یہ کہ دوسری آیت میں نبوت کی زبان نے اپنی عطا کا ذکر فرمایا کہ ہم یہ دئے گئے۔ اور ہر صورت اپنی عطا کی معلومات زیادہ مضبوط ہوتی ہیں یعنی اپنی چیز کا زیادہ علم ہوتا ہے دوسرے کی چیزوں سے اور بہر کیف نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ اشیا عطا ہوتی ہیں دوسری سے دین ہو یا دنیا اگرچہ انبیا اس کا اظہار نہ فرمائیں اس قانون سے دوسری آیت کا کل زیادہ وسیع ہوا تیسری آیت کے کل سے کیونکہ تیسری آیت میں ایک پرندہ جانور کہہ رہا ہے اور غیر کی خبر دیر ہا ہے جس کو اس نے پہلی بار دیکھا ہے۔ اس لیے یہ کل بہت ہی محدود ہے اپنی جزئیات میں چوتھا فرق۔ پہلی آیت میں لِکُلِّ شَیْءٍ ہے لام بیانیہ کے ساتھ جس نے کل کی کثرت بیان کی دوسری اور تیسری آیتوں میں مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ہے۔ مِنْ تبعیضیہ کے ساتھ جس نے کل کی قلت اور بعضیت بیان کی یعنی یہ دونوں کل اپنی موجودہ جزئیات میں بھی تمام اور پورے نہیں دئے گئے۔ غور فرمائیے کہ خود روشِ کلام میں اتنے فرق ہونے کے باوجود کوئی جاہل احمق اندھا قلم یا بھونڈی زبان چلاکر پہلے بناوٹی تقسیم سے لفظ کل میں حقیقی واضافی کی بحث لگادے اور پھر تینوں کل کو ایک درجہ میں لاکر ہر کل کو محدود وقلیل مان لے یہ ابلیسیانہ حرکت صرف اس لیے کی جارہی ہے کہ کہیں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کثیر ثابت نہ ہو جائے۔ بھلے سے علم

قرآن کی وسعت کا انکار ہوتا رہے یا فرمانِ الٰہی کی شانِ عظمت کی توہین۔ یہ تو دہ فرق تھے جو خود روشِ کلام و عباراتِ آیت سے ظاہر ہیں۔ آیئے اب ان آیت کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت کے سباق میں ہے۔ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ترجمہ ۱ اے رسولِ کریم بروزِ قیامت ہم تم کو ان تمام کا گواہ بنائیں گے۔ یعنی قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا گواہ بنایا جائے گا۔ یہاں تک جب کفار تبلیغ انبیا علیہم السّلام کا انکار کریں گے تو انبیا علیہم السّلام کی تائیدی گواہی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیں گے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ایک گواہ کے لیے کتنے علم۔ ذہن، عقل، خرد شعور، فراست، قوّتِ یاد داشت فراستِ قلبی کی ضرورت اور پھر جو ذات پوری کائناتِ انسانیت کی گواہ ہو اس کو کتنے وسیع و کثیر عظیم و قوی علم کی ضرورت ہے۔ اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے رب نے فرمایا کہ چونکہ ہم نے تم کو تمام اشخاص کا گواہ بنایا ہے اس لیے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔ ہم نے تم پر ایسی ہی کتاب نازل فرمائی جو کائنات کی ہر چیز کو بیان کرنے والی اور اس کتاب کے ذریعے پوری کائناتِ آسمانی و زمینی کے سارے علوم عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ تم کو سکھا دئے جو تم نہ جانتے تھے۔ چونکہ انبیا مختلف آسمانوں میں ہیں اس لیے تمام آسمانوں کے علوم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ضروری کیونکہ آپ تمام انبیا کے بھی گواہ ہیں اسی لیے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔ تاکہ آپ کی گواہی مکمل و مضبوط ہو جائے۔ اب آیت کے سباق وسیاق و روشِ کلام سے اندازہ لگایئے کہ اس کُل کے کتنے اجزا و جزئیات ہیں اور تبیانِ قرآنی و ذخیرۂ علومِ مصطفائی کتنا عظیم لامحدود بحر بیکراں ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ گواہی کے لیے یہ سب علوم لازم و متعلق یہ گواہی جس کا عقلِ انسانی تو درکنار سیرِ ملائکہ بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہ تو اس آیت کے سیاق وسباق اور روش نے بتایا اب کوئی جہالت کی ترازو لے کر تبیانِ قرآن اور علومِ حبیبِ رحمٰن اور ان کی معلوماتِ عرفان کو تولنا شروع کر دے۔

تو اس کی حماقت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔ غرضکہ اُس کُل کی جزئیات عقلِ انسانی کے نزدیک لا محدود ہیں جو شعورِ آدمیت میں نہیں سما سکتیں، دوسری آیت کا سباق اس طرح ہے کہ پہلے فرمایا گیا وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔ ترجمہ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السّلام کے، حضرت داؤد کی وراثتیں دو قسم کی ہیں ۱۔ دینی نبوّت ۲۔ دنیوی بادشاہت ان دونوں کا تذکرہ اور ذخیرۂ وراثت کے خزانوں کا اس طرح بیان ہوا کہ شانِ نبوّت و معجزاتِ رسالت کا اظہار پہلے اس طرح فرمایا وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ اور فرمایا سلیمان نے کہ اے لوگو ہم گروہِ انبیا کا علم اتنا وسیع و عظیم ہے کہ پرندوں تک کی بولیاں بھی سکھا دی گئیں اس سے ثابت ہوا کہ ضرورتِ نبوّت پوری کرنے کے لیے انبیا علیہم السّلام کو دیگر مخلوق کے علوم و لسانیات سکھنے اشد ضروری۔ پھر وراثتِ شاہی کا اس طرح بیان ہوا کہ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ترجمہ: اور دیئے گئے ہم بادشاہِ دنیوی ہر چیز میں سے کچھ یعنی سب نہیں بلکہ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ہر شی میں سے بعض بعض۔ یہاں لفظِ کُل کو مِنْ تبعیضیہ نے بہت چھوٹا کر دیا۔ اور پہلے کُل کے مقابل یہ بہت ہی محدود ہو گیا اس کے اجزا پہلے بِكُلِّ شَیْءٍ سے بہت کم ہو گئے۔ تیسری آیت کا سباق اس طرح ہے کہ ھُدھُد پرندے نے اپنی بولی میں سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ترجمہ: بے شک میں نے ایک ایسی عورت دیکھی جو اُس علاقے کے لوگوں کی ملکہ بنی ہوئی ہے اور اپنے مختصر علاقہ کی سلطنت چلانے کے لیے وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ ہر چیز میں سے کچھ دولت دی گئی۔ اور ہاں البتہ اُس کا تخت اُس کی حیثیتِ شاہی سے بڑا ہے۔ یعنی چھوٹے سے علاقہ کی ملکہ ہونے کے باوجود تخت بڑا شاندار بنایا ہے۔ اس میں اشارہ ہے عورتوں کی فیشن پرستی کی فطرت کا۔ اس آیت کے سباق و سیاق نے بتا دیا کہ یہ کُل اپنے اجزا میں صرف اُمورِ مملکت چلانے والی ہر ضرورت کی چیزوں میں سے بھی بعض چیزوں تک محدود ہے اس لیے یہ کُل دوسری

آیت کے کُل سے بھی چھوٹا ہے کیونکہ سلیمان علیہ السّلام کی سلطنت بڑی تو اُن کے اُدنیٰ کے خزانے بھی بڑے اس اعتبار سے اُس کی جزئیات بھی کثیر ملکہ بلقیس کی سلطنت مختصر تو یہاں کلُ کے اجزا بھی مختصر۔ ثابت ہوا کہ کوئی بھی کل اضافی نہیں ہوتا سب ہی اپنے حقیقی معنوں میں ہوتے ہیں مگر اپنے اپنے اجزا و جزئیات کی وجہ سے چھوٹے بڑے، کثیر و قلیل ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو کسی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا یہ قرآنِ مجید میں تقریباً تین سو پچیس ۳۲۵ بار مختلف آیات میں ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ ہی اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے کہیں بھی حقیقی کے علاوہ اضافی وغیرہ نہیں نہ ہی کسی کُل کو اضافت کی ضرورت نامعلوم معترض نے یہ تخریب کاری کہاں سے سوچ لی کس اصولی وقانونی کتاب میں لفظِ کُل کی یہ تقسیم مذکور نہیں۔ نیز یہ کہنا کہ نبوت سے متعلقہ ضرور یہ علوم ہی صرف نبی کو آتے ہیں باقی علوم سے نبی ناواقف ہوتا ہے یہ بات بھی کسی شیطان کی اڑائی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ انبیا علیہم السّلام کو دنیا و آخرت کے کروڑ ہا علوم سکھائے گئے دیکھو سلیمان علیہ السّلام کا فرمانا کہ ہم یعنی گروہِ انبیاء علیہم السّلام پرندوں کی بولی سکھائے گئے اور آپ کا چیونٹی کی گفتگو سمجھ لینا سن لینا۔ اس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ علوم بھی نبوت سے متعلقہ ضروریہ ہیں اور یا اس بناوٹی شیطانی بات کو غلط قرار دے کر انبیاء علیہم السّلام کے لیے تمام علوم تسلیم کیے جائیں اور گستاخی انبیا علیہم السّلام سے باز آکر جہنم سے خود کو بچایا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ میں بھی کُل اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے۔ مگر اس آیت کے سیاق و سباق کے اشارات و کنایات سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہاں اس کُل کے جزئیات صرف چار پہاڑ ہیں۔ اور یہ کُل اپنے چار جزئیات میں محدود ہے اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ اے ابراہیم چار پرندے پکڑو اور ان کو اپنے ساتھ ایسے مانوس کر لو کہ جب بلاؤ تو بھاگتے چلے آئیں پھر ان کو ذبح کر کے ان کے اجزا پہاڑوں پر رکھ دو۔ آپ نے چار اڑنے والے جانور لیے یعنی کوّا، کبوتر، مور، مرغابی آپ نے ان کو چالیس دن تک اپنے

ساتھ مانوس کئے رکھا ان کے نام رکھے جب آپ نام لے کر پکارتے وہ دوڑتے بھاگتے اڑتے چلے آتے یہ چار پرندے ارد گرد کے پہاڑوں پر رہنے والے تھے شام کو اپنے گھروں گھونسلوں میں چلے جاتے صبح کو حضرت ابراہیم کے بلانے پر آپ کے پاس اُڑ آتے آپ انہیں خوب کھلاتے پلاتے پھر جابہ پورا ہونے پر آپنے ایک دن ان تینوں کو ذبح کیا اور چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک جگہ سب کے پر۔ ایک جگہ سب کے پیر اور ایک جگہ سب کے دھڑ۔ بعض نے فرمایا قیمہ کر کے اور ایک جگہ سب کے سر جمع۔ لازمی بات ہے کہ چار پرندے چار ہی پہاڑوں پر رہتے ہوں گے۔ پھر حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ ان کو ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو لازمی بات ہے اس علیٰ کُلِّ جَبَلٍ سے وہ ہی چار پہاڑ مراد ہوں گے اور اُن پر ہی رکھنے کا حکم ملا ہوگا نہ یہ کہ حضرت ابراہیم اس کام کے لیے دنیا کا سفر کریں آپ نے ایک پہاڑ پر ان سب کے پیر رکھ دئیے دوسرے پر سب کے پر رکھ دئے تیسرے پر سب قیمہ شدہ دھڑ رکھ دئے۔ چوتھے پہاڑ پر سب کے سر رکھ دئے اور وہیں آپ بھی موجود رہے۔ پھر وہیں سے نام بنام سب کو پکارا۔ تو پہلے تین پہاڑوں پر اعضا اُڑ اڑ کر جڑتے گئے پھر باری باری چوتھے پہاڑ پر آکر اپنے اپنے سروں سے جڑ گئے اور زندہ ہو کر قریب کھڑے ابراہیم علیہ السلام کے پاس اُڑتے دوڑتے آگئے۔ روایتوں سے یہی کچھ ثابت ہے اس واقعہ کی دلالۃ النص، اقتضاء النص اور اشارۃ النص یہی بتا رہی ہے کہ یہاں صرف چار پہاڑ ہی مراد ہیں کیونکہ ایک پہاڑ پر ایک جزء رکھنے کا حکم تھا اور پرندوں کے چار ہی جزء بنے تھے۔ سر۔ پیر۔ پر۔ دھڑ۔ تو پہاڑ زیادہ کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان چار کو ہی کُلِّ جَبَلٍ فرمایا گیا۔ اس کُل کے چار ہی جُز تھے اور یہی اس کے حقیقی معنیٰ۔ اضافی کر نیکی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ لفظ اکثر میں حقیقی و اضافی کی تقسیم ہوتی ہے۔ حقیقی اکثر کا معنیٰ بہت، بہت زیادہ بہت ہی زیادہ۔ یعنی کثرت۔ اکثر، کثیر اور اضافی کثرت کا معنیٰ ہوتا ہے۔ کچھ۔ یا چند۔ مگر کسی قرینے سے ہی یہ معنیٰ حقیقی یا اضافی متعین ہوں گے یہاں بھی کسی اندھے کی لاٹھی نہ چلے گی کہ جس کو چاہا حقیقی بنا دیا جس کو چاہا اضافی بنا دیا۔ قرینہ تلاش کرتے

کے لیے یہاں بھی روشِ کلام اور سیاق سباق میں تفکر کرنا پڑے گا یہ کام بھی علما کا ہے۔ جہلا کا نہیں۔ جہلا کو تو قرآنِ مجید میں تفکر و قلم زنی کی اجازت ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ انبیا علیہم السلام کو رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کے بے شمار علوم سکھائے پڑھائے بتائے اور عطا فرمائے ہیں اور یہ سب علوم نبوت کے لیے لازم وضروری ہیں کسی بد بخت جاہل گستاخ کو تفہیم اور خود ساختہ بٹوارے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب: اس سوالِ دوم میں معترض یا سائل کو صرف اس لیے اُلجھن واقع ہوئی کہ اس نے سمجھ رکھا ہے شاید دنیا میں فقط الفاظ و لغت کی ہی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ دنیا میں تیرہ۱۳ قسم زبانیں ہیں ۱ زبانِ قال ۲ زبانِ حال ۳ زبانِ زار ۴ زبانِ کیفیت ۵ زبانِ عقل ۶ زبانِ فکر ۷ زبانِ شعور ۸ زبانِ فراست ۹ زبانِ اشارت ۱۰ زبانِ اُلفت ۱۱ زبانِ نسبت ۱۲ زبانِ تصور ۱۳ زبانِ مامتا۔ شیر خوار بچے کے پاس کون سی زبان ہے۔ گونگا کس زبان میں بولتا ہے ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہزار میل دور پڑے ہوئے بیٹے پر کوئی مصیبت آئی تو اُدھر ہزار میل کے فاصلے پر ماں کا دل تڑپ اٹھا چین ختم ہو گیا۔ یہ بزرگانِ دین کی بیعت کیوں کی جاتی ہے فنا فی الشیخ کے مراقبے کیوں کرائے جاتے ہیں۔ تصوّر و تجلّی کے چلے کیوں نبھائے جاتے ہیں خلوتوں کی یکسوئی کیوں سکھائی جاتی ہے صرف زبانِ نسبت کو بولنے سننے سمجھنے سمجھانے کے لیے ہی تو ہے۔ فریاد کے لیے کسی لغت کے الفاظ اور ڈکشنری کے حروف کی ضرورت نہیں۔ بس ایک آہِ سحر گاہی کی ضرب ہی کافی ہے جب ایک دردمند اپنے درد سے چیختا چلاتا آہیں بھرتا ہے تو ہر زبان کا دردمند دل والا اس کی مدد کو دوڑتا چلا آتا ہے۔ وہاں کسی لغت و الفاظ کی ڈکشنری نہیں کھولی جاتی۔ اس کی آہیں۔ چیخیں ہی مدد کرنے والوں کو سب کچھ سمجھا دیتی ہیں۔ ہزاروں میل سے اولیاء اللہ کا اپنے فریادی کی مدد کرنا اور ثوآز منارہ آمدی دشمن از بخارا آمدم کا نعرہ بلند فرمانا۔ یہ زبانِ قال سے نہیں ہوتا۔ زبانِ نسبت سے ہوتا ہے۔ مرید کو پیر سے جتنی نسبت و عقیدت زیادہ ہو گی اتنا

ہی قریب زیادہ ہوگا۔ اور قریب ہیں زبانِ لغت و الفاظ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر بارگاہ کا یہی حال ہے۔ آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے۔ بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے۔ عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی فریاد امتی جو کرے حالِ زار سے ٭ ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو۔ سب سے زیادہ پُر تاثیر زبانِ زار یعنی آنسوؤں کی زبان ہے۔ جو ہزاروں میل پر بھی والدہ کا دل تڑپا دیتی ہے اور شیخ کامل کی توجہ لگا دیتی ہے ہمت گرما دیتی ہے قلب ہلا دیتی ہے۔ سائل کو چاہیئے کہ لغت والفاظ سے پیچھے نہ بھاگے صراحتاً دلیل کے پیچھے نہ پڑے۔ خدا تعالیٰ سے زبانِ زار کی طلب کرے اس زبان کے بغیر تو اللہ تعالیٰ بھی کسی کی نہیں سنتا۔ مشاہدہ ہے کہ لغت الفاظ کے چرب زبانی والے محروم رہ جاتے ہیں۔ آنسوؤں کی زبان والے سب کچھ لے جاتے ہیں۔ انہیں بولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ طفلِ یک روزہ ہمیں داند طریق کہ بگرید تا شود دایہ شفیق۔ تو نمی دانی کہ دایۂ دائگاں اگئے دھد بے گریہ شیر اندر دہاں

خلاصہ یہ کہ اولیاءِ کاملین کی فریادرسی حاجت روائی ہر مرید کے لیے ہر دور و نزدیک جگہ سے ثابت و برحق ہے مگر اس کے لیے مرید کے پاس زبانِ نسبت زبانِ عقیدت، زبانِ حال و زبانِ زار چاہیئے۔ اس کے بغیر تو ماں بھی بچے کی نہیں سنتی۔

ج:۔ ندیم کا قول درست ہے کیونکہ حدیث و قرآن کے مطابق ہے۔ لیکن وسیم کا قول غلط ہے کیونکہ وہابیانہ ہے۔ وہابیت بھی عجیب مذہب ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی فکر پڑ جاتی ہے کہ ہائے ہمارے خدا کے پاس کیا بچا۔ خدا کے برابر کر دیا۔ اور اولیاء اللہ کی تعریف کی جائے تو ان کو نبی کی فکر پڑ جاتی ہے کہ ایک ولی اللہ کو بڑی سرکار کہہ دیا اور ایک ولی اللہ کو چھوٹی سرکار کہہ دیا، تو نبی کے پاس کیا بچا۔ عجیب احمقانہ دماغ لیے پھرتے ہیں۔ بھلا اس شعر میں مساوات کس طرح ظاہر ہوئی۔ اگر کوئی کسی کارخانے کا مالک اپنے کسی محبوب دوست کو اپنا پورا کارخانہ دکھا دے اس کے اندرونی خفیہ گودام بھی دکھا دے۔ غرضکہ کارخانے کا کونہ کونہ دکھا دے۔ اور خود اپنا

بھی دیدار کرا دے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مالک اور وہ دوست برابر ہو جائے اگر اب بھی وسیم کو سمجھ نہ آئے اور حماقت ہی دکھائے تو پھر قرآن کریم میں رب تعالیٰ کے کلام پر اعتراض کرے۔ اور کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ درست نہیں ہے کیونکہ دونوں جگہ عالمین ہے۔ جس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ برابر ہو گئے (معاذ اللہ) بہر کیف یہ سوچ احمقانہ ہے۔

د۔ سائل کے چوتھے سوال میں اعلحضرت مجدد بریلوی کے اس شعر پر کہ۔

گرچہ ہیں بیحد قصور تم ہو عفوّ و غفور ؛ بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود

اعتراض ہے سائل اس سوال میں پانچ الفاظ بیان کر کے اپنی الجھن ظاہر کرتا ہے۔ ۱۔ عفو۔ ۲۔ غفور ۳۔ جرم ۴۔ خطا ۵۔ ذنوب۔ یہ پانچوں الفاظ عربی لغت کے ہیں مگر شعر میں جرم و خطا ہے اور آیت میں ذنوب ہے شعر میں ذنوب نہیں اور آیت میں جرم و خطا نہیں۔ اس لیے ان پانچوں لفظوں کی تشریح ضروری ہے شارحین اور مفسرین کے نزدیک منقول شرعی کی اصطلاح میں۔ لفظ جرم کا معنیٰ دانستہ نافرمانی۔ خطا کا معنیٰ نا دانستہ نافرمانی ذنوب۔ جمع ہے ذنب کی ذنب کا معنیٰ فسق و فجور۔ جس کو اردو میں گناہ کہا جاتا ہے۔ جرم و خطا عام ہے حق العبد۔ حق النفس اور حق اللہ کو۔ ذنب خاص ہے حق اللہ کے لیے۔ عَفُوّ کا معنیٰ ہے معاف کرنے والا۔ غفور غفر سے بنا ہے اس کے دو معنیٰ ہیں ۱۔ چھپانا ۲۔ بخشنا مٹانا۔ اس لغت سے غفور کے دو معنیٰ کئے جا سکتے ہیں ۱۔ رحمت کی چادر میں چھپانے والے ۲۔ اپنی خطائیں اور جرم معاف فرما دیتے بخش دینے والے۔ یہاں جرم و خطا سے مراد ذنب نہیں بلکہ حق العبد کی خطائیں اور جرم مراد ہیں اور شعر کا معنیٰ یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کے لیے حد قصور کئے اتباع میں کوتاہی اطاعت میں سستی مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن میں نے قرآن مجید میں پڑھا ہے کہ آپ معاف فرمانے والے بھی ہیں رؤف بھی۔ رحیم و رحمت کی چادر میں چھپانے والے بھی لہٰذا اس بھروسے اور سہارے پر عرض کرتا ہوں کہ بخش دو میرے

وہ تمام جرم وخطا جو میں نے دانستہ یا نادانستہ آپ کی بارگاہ میں کئے۔ خیال رہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق حق العبد کے جرائم اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ وہ تو حق دار بندوں نے ہی معاف کرنے ہیں۔ ہم دن رات ایک دوسرے سے معافی مانگتے بخشتے بخشواتے ہیں۔ عربی زبان میں ہر بخشنے والے کو غفور کہہ سکتے ہیں، ہاں غفّار کسی بندے کو نہیں کہہ سکتے۔ غرضیکہ عفوٌ غفورٌ۔ رؤفٌ۔ رحیمٌ وغیرہ یہ رب تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات ہیں اور غفّار۔ رحمٰنٌ رزاق وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ دیکھو کتبِ فقہ۔ اعلیٰحضرت کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم وعقل چاہیئے۔ کلامُ الامامِ امامُ الکلامِ۔

۵۔ سائل نے اپنے اس پانچویں سوال میں پانچ شخصیتوں کا ذکر کیا ہے ۱؎ غیر مقلدین ۲؎ دیوبندی ۳؎ سنی عالم ۴؎ سنی العقیدہ مرد ۵؎ وہابی یا دیوبندی عورت اس پر تبصرہ اور شرعی جواب دینے سے پہلے خیال رہے کہ جن دیوبندیوں وہابیوں غیر مقلدین پران کی کفریہ گستاخیوں کی بنا پر اتمامِ حجت کے بعد فتوئے کفر لگایا گیا صرف وہ دیوبندی وہابی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں جوان گستاخوں کی گستاخی بالکل صحیح قرار دیں اور قانونِ شریعت کے مطابق جو شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا سب گناہِ عظیم بلکہ اگر جانتے بوجھتے اور میت کے سب عقائد ونظریات سے واقف ہونے کے باوجود اُس خارج از اسلام کا جنازہ پڑھا یا پڑھایا تو خود پڑھنے پڑھانے والے کفر میں ملوث ہوجائیں گے اُن کے سارے اسلامی بندھن ٹوٹ جائیں گے یہاں تک کہ نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔ چونکہ ہر دیوبندی جن کو اپنے بڑوں کی کفریہ گستاخیوں کا پتہ نہیں ہے اور اگر ان کو بتایا جائے تو وہ یا تو حیران ہوکر توبہ توبہ کرتے ہیں اور گستاخیوں کو برا کہتے ہیں یا شرمندہ ہوجاتے ہیں اپنے بڑوں کی ان حرکتوں پر یا اپنے بڑوں کی عزت رکھتے ہوئے ان کی طرف منسوب گستاخیوں کو اتہام تراشی قرار دیتے ہیں بہرکیف، وہ ان گستاخیوں کو کفریہ ہی سمجھتے ہیں وہ دیوبندی عورت ومرد شرعاً مسلمان ہی ہیں ان سے شادی نکاح جائز ہے ان کی میت کا نمازِ جنازہ بھی جائز

ہے اور درست رہا یہ تصور کہ میں کسی وہابیہ عورت کو درست کرنے کے ارادے سے اس سے نکاح کر لوں تو یہ کمزور تصور ہے۔ کیونکہ اولاً تو مذہبی عورت اپنے دین میں بڑی پختہ ہوتی ہے اگرچہ دین باطل ہی ہو۔ دوم یہ کہ ہوسکتا ہے کہ بیوی بھی اسی ارادے سے بنی ہو کہ میں خاوند کو درست کر لوں گی تو اس کے دو خراب نتیجے نکل سکتے ہیں ۱۔ یہ کہ دونوں اپنی اپنی بات پر جمے رہیں تب گھر کا سکون تباہ ہوگا۔ روز مذہبی بحث مناظرہ ہوگا ۲۔ یہ کہ خاوند محبت میں گرفتار ہو کر یا ہتھیار ڈال کر تھک ہار کر آہستہ آہستہ بجائے درست کرنے کے خود بگڑتا چلا جائے اس لیے ان تمام خدشات سے بچتے ہوئے بہتر یہی ہے کہ ایسی شادی ہی نہ کی جائے نہ ہو بانس نہ بجے بانسری۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

کتبہ

فتویٰ ۱۷

بیع مضاربت کا بیان اور اشتراکی کاروبار کی قسمیں، یعنی مشترکہ تجارت کا شرعی حکم و اقسام

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ ہم چند لوگوں نے مل کر ایک کمپنی بنائی ہے جس کا نام التقامن کمپنی لمیٹڈ رکھا ہے ہم اس کو اسلامی بینک کی طرز پر بلا سود بنیکاری سے چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اس بینک میں رقم جمع کروانے والے ہمارے شریک کار ہوں اس طرح کہ مال اُن کا ہو اور کام ہماری کمپنی کا ہو اور نفع نقصان کی صورت میں اس طرح تقسیم ہو کہ اسی۸۰ فیصد نفع حصہ داروں کا اور بیس۲۰ فیصد کاروبار کرنے والی کمپنی کا ہم اس میں اپنی کمپنی کو باسہولت چلانے کے لیے چند طریقے اپنانا چاہتے ہیں ہم یہ آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اور اجازت میں بتایا جائے کہ ہمارے وہ طریقۂ کار جائز ہیں یا ناجائز ہیں اس ضمن میں ہم چند سوالات آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ کیا محدود ذمہ داری والی کمپنی کے لیے تجارت کی ہدایات اور کنٹرول کے مطابق کام کرنے کی صورت میں یہ تجارتی بینک چلانا اور کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ کیا کمپنی میں دو قسم کے حصے ہم رکھ سکتے ہیں یا نہیں (یعنی بنیادی حصے اور عام حصے) اور یہ سب کچھ باہمی رضامندی سے ہوگا۔

۳۔ کیا منافع کی تقسیم بقدر حصہ کے نفع دینے والا اصول بنانا جائز ہوگا یا نہیں۔

۴۔ کیا کمپنی کاروبار چلانے کے لیے ایک علیحدہ کمپنی سے معاہدے کی بنیاد پر کوئی معاملہ کرسکتی ہے یا نہیں۔

۵۔ اس تجارت میں لگائے ہوئے تمام فنڈ پر ایک ٹرسٹی کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے ایک علیحدہ کمپنی کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۶۔ کیا اس کاروبار کی جانب سے کمپنی کے فنڈ اور چلانے کے لیے ایک بینک کی تقرری جائز ہے یا نہیں۔

۷۔ اس تجارت اور کاروبار میں شرکت کرنے والوں کو کسی بھی وقت کمپنی میں نئے حصے انہی پہلی شرطوں کے مطابق داخل کرسکتے ہیں۔

۸۔ کیا یہ جائز ہے کہ اس کاروبار میں کسی بھی وقت کمپنی حصہ داروں سے کہے کہ اپنے حصے واپس خرید لو۔

۹۔ کیا ادائیگی اور وصول یابی پر مامور ایجنٹ کو یہ جائز ہے کہ وہ بینک کے ایڈمنسٹریٹر کو کاغذات بھیجنے جانچ پڑتال کرنے پر اپنی تنخواہ کا بینک سے مطالبہ کرے۔

۱۰۔ اگر حصے دار اپنا سرمایہ واپس لینا چاہے تو کیا یہ جائز ہے کہ سرمایہ تو اسی وقت دے دیا جائے اور اس پر کمایا ہوا نفع جو بھی اس کا بنتا ہے وہ حساب کتاب کے بعد مقررہ وقت پر دیا جائے۔

۱۱۔ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ باقاعدگی کے ساتھ نفع تقسیم کیا جاتا رہے اور فنڈ میں کوئی نفع باقی نہ رکھا جائے۔

۱۲۔ کیا تھوڑے منافع کو حساب کتاب کرنے کی ایک مدت سے دوسری مدت تک کے لیے بھی روک کے رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

۱۳:۔ کیا تجارت کرنے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان تمام رقوم کو جو کمپنی کی ملکیت ہیں باہمی تجارت کی بنیاد پر اپنے نام سے تجارت میں لگا سکے جبکہ باہمی رضامندی بھی ہو۔

۱۴:۔ کیا یہ جائز ہے کہ سامانِ تجارت تو ایک تجارت کرنے والے کے نام پر لیا جائے لیکن سودے کی قیمت کمپنی کو دی جائے۔

۱۵:۔ کیا تجارت کرنے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بحیثیت پرنسپل خود کام کرے یا ایسے ایجنٹ مقرر کرے جو اس کی جانب سے خرید و فروخت کے تمام معاملات طے کر سکے۔

۱۶:۔ کیا اس تاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ کمپنی کی شرطوں کی بنیادوں پر خرید و فروخت کے معاہدے کر سکے۔

۱۷:۔ کیا تاجر کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ محدود ایجنسی کی بنیاد پر کسی ایجنٹ کو مقرر کرے جو تجارت کے لیے خرید و فروخت کے معاہدے کر سکے

۱۸:۔ کیا یہ جائز ہے کہ سامان تجارت کی خرید و فروخت اور اُن کی قیمت طے کرنے کی ذمہ داری ایک ایجنٹ کو دے دی جائے۔

۱۹:۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تمام کاغذات اور وثیقہ کے حاصل کرنے کی ذمہ داری ایک ہی ایجنٹ کو دے دی جائے۔

۲۰:۔ کیا تاجر کے لیے مندرجہ بالا ذمہ داریوں کا ادا کرنا جائز ہوگا جبکہ وہ خود کام کر رہا ہو۔

۲۱:۔ کیا تاجر اپنے ماتحت کوئی اور تاجر مقرر کر سکتا ہے جو مندرجہ بالا طریقوں پر مختلف کاموں کو ادا کرے کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔

۲۲:۔ کیا یہ جائز ہے کہ تاجر سامانِ تجارت خریدنے سے پہلے ہی کسی خریدار سے کوئی وعدہ کرلے یا۔ اس کی خرید کو قبول کرلے۔ یا کسی خریدار سے مضارب خود یا ادارہ ضرور خریدنے کا وعدہ لے لے اور خریدار مضارب سے اس کا سامان خرید لینے کا وعدہ کرے حالانکہ مضارب نے بھی وہ مال ابھی نہ خریدا ہو۔

۲۳۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ کمپنی اپنا قانون یہ بھی مقرر کرے کہ ہمیشہ خریداری عام بازار کے موقع سے اور اسی دن خریدی جائیں۔

۲۴۔ کیا اس تجارت کی بنیاد پر سامان تجارت کی قیمت کی ادائیگی موخر کی جاسکتی ہے۔

۲۵۔ کیا یہ بات بھی اس تجارت میں جائز ہے کہ تجارۃ والا بل کی ادائیگی میں خریدار کو ذمہ داری قبول کرنے کا اصرار کرے۔

۲۶۔ کیا تاجر اور خریدار میں یہ معاہدہ بھی جائز ہے کہ خریدار اپنی خرید شدہ چیز کی قیمت ایک خاص مقرر شدہ بینک کو ادا کرے۔

۲۷۔ کیا کمپنی کے معین شدہ تیسری چھوٹی پارٹی سے کفیل کو بل رکھنے کی اجازت ہے

۲۸۔ کیا یہ بات بھی جائز ہے کہ تمام بلوں کے جانچ پڑتال قابل ادا ہونے تک اپنے پاس رکھا جائے اور وہ کفیل یا تیسری پارٹی جلدی ادا نہ کرے بلکہ اچھی طرح بل کی تصدیق کر کے کرے۔

۲۹۔ کیا ضرورت پڑنے پر کمپنی کا ذمہ دار، تاجر قرضہ حسنہ کے طریقے سے کچھ فنڈ مہیا کر کے دے سکتا ہے۔

۳۰۔ کیا ایسا کوئی فارمولا معین حسب ضرورت مقرر کرنا جائز ہے جس کی رو سے تاجر اور مال والے کے درمیان منافع کی نسبت میں کچھ تبدیلی آجائے۔

۳۱۔ کیا تاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے حصے کے منافع میں سے کچھ حصہ اپنی مرضی کے مطابق مال تجارۃ میں رہنے دے۔

۳۲۔ کیا یہ جائز ہے کہ دستور العمل کی درخواست والے فارم کو تجارت کے معاہدے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ بھی سمجھ لیا گیا ہو کہ اس فارم میں تجارت کی شرکت سے متعلق تمام پہلو بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۳۳۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تجارت کی پوری رپورٹ نفع نقصان سے متعلق نو سال میں صرف دو دفعہ شائع کی جائے جب کہ تجارت کے تمام حسابات ہر تین ماہ بعد کئے جاتے ہوں۔

۳۴:۔ کیا یہ بھی جائز ہے کہ تجارت میں متوقع منافع کا اندازہ روزانہ کرلیا جائے۔
۳۵:۔ کیا یہ جائز ہے کہ فقہی باتوں میں مشورہ کرنے کے لیے مشیروں کو ایک خاص مذہب تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ہر اسلامی فرقے کے مشیروں کو شامل کیا جائے۔
۳۶:۔ چونکہ یہ تجارت پہلی علانیہ تجارت ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق چلائی جائے گی تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فنڈ اور تجارتی بینک بذات خود دعوت اسلامی کی ایک شکل ہے اور کیا اس قدر فنڈ میں اور تجارت میں شمولیت مدد اور تائید دعوت اسلامی کا ہی ایک عمل شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام معاملات پر غور وفکر کرنے پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ کی رائے کے منتظر ہیں ہم نے تقریبًا ہر مذہب کا ایک ایک عالم اپنے مشیروں میں شامل کیا ہے جس کی موجودہ تعداد تقریبًا نو ۹ ہے ان کو اس مشورے کے لیے ہم نے اپنا مشیر بنایا ہے تاکہ کوئی مسلمان حصہ دار اس پر اعتراض اور بے اطمینانی ظاہر نہ کر سکے۔

دستخط سائل

11/5/97

بعون العلام الوھاب

الجواب:

صورۃ مسئولہ کی تمام عبارت اور سائل کے پیش کردہ چھتیس ۳۶ مختلف نوعیت کے سوالات کا بغور مطالعہ کیا گیا، قانون شرعی کے اعتبار سے اس تجارتی کاروبار کا نام، شرکت بیع مضاربت ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس کی مکمل اجازت دی ہے مگر کسی حادثاتی ظلم وزیادتی سے بچنے کے لیے شریعت نے اس میں دس شرطیں قائم کی ہیں اگر ان تمام مندرجہ ذیل دس ۱۰ شرائط کا لحاظ وخیال رکھا جائے تو یہ تجارت اور شرکت ہر طرح ہر وقت ہر شخص کے ساتھ جائز ہے۔ اس تجارت کی تعریف اور معرفت یہ ہے کہ ایک

شخص کا پیسہ روپیہ ہوتا ہے اور دوسرے شخص ساتھی شریک کا کام، مال دیتے والے کو رَبُّ المال کہتے ہیں، کام کرتے والے کو مضارب کہتے ہیں۔ اس معاہدے کا نام بیع مضاربت اور دی ہوئی رقم کو راس المال کہتے ہیں۔ اس تجارت سے حاصل کردہ آمدنی کا نام نفع مضاربت ہے شریعتِ اسلامیہ نے اِس کے جواز کے لیے دس شرطیں لگائی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ خرید وفروخت صرف ان چیزوں کی ہو جن کو شریعت نے تمام مسلمانوں کے لیے حلال کیا ہے۔ حرام کردہ اشیا کی تجارت بھی حرام ہے حرام سے مراد وہ چیز ہیں جو مسلمان مرد عورت بچہ جوان سب کے لیے حرام ہے دوسری شرط یہ کہ رائس المال کرنسی رائج ہو۔ سامان یا کھوٹی یا غیر ملکی نہ چلنے والی کرنسی نہ ہو۔ تیسری شرط یہ کہ راس المال بالکل نقد ہو اور معین ہو کہ رب المال اور مضارب دستی نقد اتنا مال دیں اور جتنا مال مضاربت میں لگانا ہے اس پر دونوں کا بارضا معاہدہ ہو۔ وہ پورا ایک دم دیا جائے ادھار یا قسطوں میں یا سابقہ مضارب کے ذمہ قرض کو راسُ المال نہ شمار کر لیا جائے بلکہ قرض وصول کر کے پھر دستی دیا جائے۔ چوتھی شرط یہ کہ جس طرح بھی مضاربت کا معاہدہ ہونے کے بعد راس المال پورا مقررشدہ کام کرنے والے کو دیدیا جائے۔ رَبُّ المال اپنے پاس کچھ روک کر نہ رکھے۔ بعد میں اگر مال بڑھانا مقصود ہو تو دونوں شریکین کی باہمی رضا مندی سے یا معاہدہ کر کے بڑھایا جا سکتا ہے۔ پانچویں شرط یہ کہ نفع کے حساب وکتاب کے لیے پہلے ہی مدت مقرر کر لی جائے یعنی یہ کہ اس کا حساب وکتاب اور نفع کی تقسیم کتنے عرصہ بعد ہوا کرے گی۔ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہوار یا سہ ماہی شش ماہی۔ یا سالانہ۔ چھٹی شرط یہ کہ نفع کی تقسیم گنتی سے نہ ہو بلکہ حصوں سے ہو۔ مثلاً کوئی شریک یہ نہیں کہہ سکتا کہ حساب وکتاب کے تقسیم نفع کے وقت میں سو روپیہ یا اتنا روپیہ لیا کروں گا۔ بلکہ معاہدہ اس طرح کیا جائے کہ نفع کی تقسیم نصف نصف یا ایک کو دو تہائی یا ایک کو ایک تہائی یا بہت سے ربُّ المال شرکا ہونے کی صورت میں نفع کا دسواں حصہ یا بارھواں۔ یا اس طرح کیا جائے کہ اتنے رب المال کو کُل نفع کا پانچواں اتنے مال والے کو کُل نفع کا چھٹا

حصہ وغیرہ وغیرہ ساتویں شرط یہ کہ راس المال معلوم اور ظاہر ہو۔ یعنی بتا دیا جائے یا دکھا دیا جائے کہ راس المال کیا ہے کس ملک کی کرنسی سے ہے کیسی ہے بس وہی کرنسی راس المال بن سکتی جو معاہدے کے وقت متفقہ طے پائی تبدیلی جائز نہیں۔ مثلاً پونڈ انگلینڈ کا یا سکاٹ لینڈ کا۔ روپیہ پاکستانی یا ہندوستانی کا یا اشرفی یا سونا چاندی وغیرہ یہ سب کچھ معاہدے کے وقت ہی طے کر لیا جائے۔ آٹھویں شرط یہ کہ معاہدے کے وقت ہی ہر شریک کو بتا دیا جائے کہ یہ تجارت ہو گی اور ہر اتنے دنوں کے بعد حساب وکتاب کر کے نفع تقسیم کیا جایا کرے گا اور ہر شریک کو کل نفع فلاں حساب سے دیا جائے گا۔ یا یہ کہ تم کو تمہارے راس المال کے حساب سے اتنا حصہ ملے گا مثلاً نفع کا پانچواں حصہ چھٹا وغیرہ وغیرہ یا نصف نصف یا دو تہائی، یا ایک تہائی کسی بھی شریک کو تردیدی بیان سے نہ بتایا جائے۔ مثلا یہ نہ کہا جائے گا کہ تمکو یا یہ ملے گا یا یہ ملے گا۔ یا یا کر کے مشکوک بات نہ کی جائے بلکہ ٹھوس یقینی معین بات کی جائے۔ نویں شرط یہ کہ معاہدہ کرتے وقت رب المال تقسیم نفع کے ساتھ کچھ حصہ راس المال واپس لینے کی شرط نہیں لگا سکتا۔ راس المال اس وقت واپس لے سکتا ہے جب معاہدہ اپنی مدت مقررہ پر ختم ہو گا یا باہمی رضامندی سے پہلے ختم کر دیا جا سکتا ہے۔ معاہدہ چلنے اور قائم رہنے کی صورت میں ہر بار مقرر کردہ مدتِ تقسیم نفع کے وقت صرف نفع تقسیم ہو گا۔ نہ کہ راس المال یہ مال سب مضارب کے قبضے میں رہ کر ہی تجارت میں لگا رہے گا۔ دسویں شرط یہ کہ بیع مضاربت کا معاہدہ کرتے وقت جتنے بھی ضابطہ اصول اور وعدہ کئے گئے ہوں تا مدت مضاربت دو طرفہ سے کوئی بھی وعدہ شکنی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ شرائط اور پابندیاں ہیں جو حدیث قرآن کی روشنی میں فقہاءِ اسلام نے بیع مضاربت میں ہر دو فریقین شریکین یا شرکا پر لازم اور واجب فرمائیں۔ اگر سوال مذکورہ میں بینکاری کے طریقے پر چلائی جانے والی اِس بیع مضاربت میں بھی اُن مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کی جائے تو یہ بینکاری کاروبار بالکل جائز اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ہے ہر مسلمان مرد وعورت اِس بینکاری تجارت میں شرکت کر سکتا ہے۔ ان

شرائط و پابندیوں کی اسلامی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ زمین کی عالم انسانیت میں فساد فی الارض پسند نہیں فرماتا، فساد فی الارض معاشرے کی خرابی سے واقع ہوتا ہے اور معاشرے کی خرابی دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے ۱ ظلم ۲ بے غیرتی، حیاتِ دنیوی کے بہت سے شعبے ہیں مگر معاشرے کا سب سے بڑا شعبہ اور ضروریات تجارت ہے۔ پوری مخلوقِ کائنات میں یہ شعبہ صرف انسانوں کو دیا گیا۔ انسانوں کی ذہنی عقلی، اور مصروفیاتی اعتبار سے بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً ذہین۔ غبی، امیر غریب، تجربہ کار ناتجربہ کار۔ مصروف غیر مصروف۔ بیمار تندرست وغیرہ۔ انسانوں کی ان قسموں کے پیشِ نظر تجارت کی دو قسمیں ہو گئیں ایک قسم انفرادی تجارت، دوسری قسم اشتراکی تجارت شریعتِ اسلامیہ نے ضرورتِ انسانی کے تحت دونوں قسم کی تجارت کو کچھ شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لیے جائز رکھا ہے۔ تجارتِ انفرادی کی باؤن قسمیں ہیں اور تجارتِ اشتراکی اٹھارہ قسمیں ہیں چونکہ تجارتِ انفرادی میں صرف دو بندوں کا تعلق ہوتا ہے ۱ بیچنے والا ۲ خریدنے والا تجارتِ اشتراکی میں تین بندوں کا تعلق ہوتا ہے ۱ رب المال ۲ مضارب ۳ خریدار انسانی عقل و فکر حرص و ہوس کے اعتبار سے دونوں قسم کی تجارتوں میں ظلم، و بے غیرتی کا اندیشہ شامل ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ انسانوں میں ظلم یا بے غیرتی پھیلے اس لیے شریعت اسلام نے سامانوں کی دونوں قسم کی تجارت میں کچھ شرائط اور پابندیاں لگا دی ہیں، تو جس تجارت میں وہ شرائط اور پابندیاں جب تک موجود رہیں گی وہ تجارت جائز رہے گی انفرادی تجارت ہو یا اشتراکی اور اگر وہ اسلامی شرائط کسی تجارت میں ابتداءً یا اوسطاً نہ رہیں تو وہ تجارت ہر مسلمان کو ناجائز اور حرام نہ اُس کی بیوپاری جائز نہ خریداری نہ اس میں اشتراک جائز نہ انفراد، تجارتی ظلم کی تقریباً دس قسمیں ہیں ۱ خیانت ۲ فراڈ ۳ لاعلمی ۴ وعدہ خلافی ۵ بے ایمانی ۶ نفع سے محروم کر دینا ۷ ملاوٹ ۸ ذخیرہ اندوزی ۹ چور بازاری ۱۰ جھوٹ، اسی طرح بے غیرتی بے حیائی پھیلانے میں تجارت کا بھی بڑا دخل ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل تقریباً پانچ چیزوں سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے ان کی تجارت میں خرید و

فروخت حرام کردی گئی ۱۔ حرام ۲۔ پلید چیزیں ۳۔ ناجائز ۴۔ مکروہ چیزیں کھانا ۵۔ یا استعمال کرنا۔ قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہر وہ چیز جو مسلمان مرد اور عورت دونوں کو استعمال کرنا حرام ہے اس کی تجارت بھی مسلمان کو حرام ہے سودی کاروبار بینکاری ہو یا انفرادی۔ صرف اس لیے حرام ہے کہ اس میں سراسر ظلم ہوتا ہے اور حرام اشیا کی تجارت اس لیے حرام ہے کہ اس سے بے غیرتی پھیلتی ہے اور دونوں سے معاشرہ تباہ اور فساد فی الارض ہے۔ اشتراکی تجارت کی اٹھارہ قسمیں ہیں جن میں ایک شرکت۔ بیع مضاربت ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے ایک آدمی کا مال ہو دوسرے آدمی کا کام ہو۔ منافع کی تقسیم طے شدہ معاہدے کے مطابق حصوں سے سائل کا سوال و استفسار اسی شراکت کے بارے میں ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس طرح کی شرکتِ تجارت کی مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کے ساتھ مطلقاً اور مکمل ہر قسم ہر مذہب کے مرد و عورت کو اجازت دی ہے مسلم غیر مسلم بھی شریک بن سکتے ہیں۔ بیع مضاربت میں ربُّ المال شُرکا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر مضارِب ایک ہی رہے گا ہاں اَلبتہ مضارِب کو شریعت نے آٹھ اختیار دئیے ہیں جن کو وہ اپنی صوابدید پر تجارت کی کامیابی اور ترقی کے لیے استعمال کرسکتا ہے پہلا یہ کہ مضارب اپنے کام کے لیے مختلف قسم کے مزدور نوکر رکھ سکتا ہے دوم یہ کہ سامانِ تجارت کے لیے دکان اور گودام کرائے پر لے سکتا ہے سوم یہ کہ سفر کرا بھی سکتا ہے اور خود بھی کرسکتا ہے چہارم یہ کہ اپنی ذمہ داری کسی اور کو بھی کچھ حصّہ مضاربت پر دے سکتا ہے پنجم یہ کہ جائز نفع زیادہ کرنے کی نیت سے موسم اور زمانے اور ملک و مقام کے اعتبار سے تجارتی سامان بدل بھی سکتا ہے۔ ششم یہ کہ سامانِ تجارت بیچنے کے لیے ایجنٹ دلال اور پھیری لگا کر بیچنے والوں کو ماہانہ کرائے یا تنخواہ پر لے بھی سکتا ہے۔ یہ تمام اُجرت کرائے تنخواہیں اور سفری اخراجات نفع سے حاصل کیے جائیں گے۔ ان اخراجات کو نکال کر بقیہ نفع شرکا اور مضارِب میں معاہدے کے مطابق تقسیم ہوگا۔ ساتواں یہ کہ مضارب تجارت کے مال یا سامانِ تجارت کو بوقتِ ضرورت رہناً یا امانتاً

کسی ایمان دار شخص کے پاس رکھ سکتا ہے۔ ہشتم یہ کہ بوقتِ ضرورت بلا معاوضہ کسی سے اس تجارت کے لیے قرضہ بھی لے سکتا ہے معاوضہ پر قرضہ نہیں لے سکتا کیونکہ یہ معاوضہ سود ہوگا۔ اور ربّ المال کا مال قرضہ پر دے نہیں سکتا نہ معاوضے سے نہ بلا معاوضہ۔ یہ وہ اختیارات ہیں جو کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے ہیں اس کے علاوہ بھی زمانے علاقے اور نئے تجارتی ترقی کے اصول اور تجربے مشاہدے کے مطابق مضارب کو دئے جا سکتے ہیں لہٰذا اس ضمن میں سائل کے پیش کردہ سوالات میں سے بجز ایک بائیس ۲۲ نمبر کے سوال کے باقی تمام سوالیہ امور اور اُس کے مطابق کارکردگی جائز ہے شریعت اُن اختیارات میں سے کسی کو منع نہیں کرتی، سوال ۲۲ بھی اس لیے ناجائز ہے کہ دو طرفہ تاجر یا خریدار کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ یا جھگڑا فساد کی اندیشہ، اور شریعت اسلام کسی شخص کو نہ نقصان کرنے کی اجازت دیتی ہے نہ نقصان برداشت کرنے کی نہ جھگڑا فساد کی۔ مثلاً جو مال موقع پر موجود نہ ہو اس کی خریداری کا وعدہ کرنا یا وعدہ لینا اس لیے نقصان دہ ہے کہ مال دیکھنے پر وہ مال ناقص اور گھٹیا سستا اور کم منافع والا ہو سکتا ہے جو خسارہ بھی کر سکتا ہے۔ اب یا تو مضارب نقصان خود برداشت کرے گا یا اگلے کسی خریدار سے دھوکے میں وعدہ لے کر اس کا نقصان کرے گا۔ پھر مال دیکھ کر خود مضارب کو یا مضارب سے خریدنے کا وعدہ کرنے والے کو وعدۂ خریداری توڑنا پڑے گا جس سے جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑے سے فساد۔ اس قسم کے پیشگی وعدے کو بیع مجہول کہتے ہیں۔ بیع مجہول کی چند اور صورتیں بھی ہیں اور سب ہی ناجائز ہیں مثلاً ۱ خرید کردہ چیز معدوم ہو یعنی ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ۲ وہ چیز نامعلوم ہو اور مکمل خرید لی جائے۔ یا خریدنے کا پکا وعدہ کر لیا جائے جیسے کہ ۲۲ کی صورت ۳ ادھار لی اور ادائیگی کی مدت معلوم نہیں جیساکہ سوال ۲۴ میں خرید کردہ اشیا کی قیمت میں تاخیر کرنے کا جواز پوچھا گیا ہے تو وہاں تاخیر کی مدت مقرر کرنا اور تاجر کو اس مدت تاخیر سے آگاہ کرنا ضروری ہے اگر تاخیر کی مدت مقرر نہ کی گئی یا اس کو نہ بتائی گئی جس سے

اشیاء خریدی ہیں تو بیع مجہول ہو کر نا جائز ہو جائے گی غرضکہ ان چھتیس سوالات میں دو سوالوں کی صورتوں کے علاوہ باقی سب صورتیں جائز ہیں ۲۲ بالکل ناجائز اور ۱۲ ایسے مجہولیت ختم کی جائے۔ دراصل اسلام دنیا سے ظلم، جبر، جھگڑا فساد، جنسی بے غیرتی، عملی بے حیائی مٹانا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ انفرادی اشتراکی تجارت کی کل انہتر اقسام ہیں جس سے تیس ۳۰ اقسام ناجائز کر دی گئیں۔ کیونکہ ان میں خریدار یا تاجر پر ظلم اور نقصان ہوتا ہے اور انتالیس قسمیں جائز رکھی گئیں۔ اور ان کو بھی کچھ شرطوں کچھ پابندیوں کے ذریعے ظلم و زیادتی سے بچایا گیا ہے۔ اشتراکی تجارت کی کل بیس ۲۰ قسمیں ہیں۔

نمبر شمار	نام	تعریف	حکم
۱	شرکت مضاربت	ایک کا مال (کرنسی) دوسرے کا کام نفع حصوں سے معاہدے کے مطابق	شرعاً جائز
۲	شرکتِ معاوضہ	دو شریک دونوں کا نقد مال بھی کام بھی، مال نفع تصرف کا اختیار برابر نقصان بھی برابر دونوں ایک دوسرے کے کفیل بن سکیں وکیل بھی۔	، جائز
۳	شرکتِ عنان	مال و کام دونوں کا مال کام نفع نقصان میں برابری جو معاہدہ ہو جائے دونوں ایک دوسرے کے صرف وکیل بنیں کفیل نہ بنیں، ہر قسم کی تجارت کر سکیں عام یا خاص۔	شرعاً جائز
۴	شرکتِ ملک	ایک چیز کے دو یا چند آدمی مالک ہو جائیں بغیر کسی معاہدے کو منعقد کئے مثلاً میراث تحفہ، وقف۔	جائز ہے
۵	شرکت عقد	ایک چیز کے چند یا دو آدمی مالک بن جائیں کوئی معاہدہ منعقد کر کے	جائز ہے
٦	شرکت ملک جبری	دو آدمیوں کی چیزیں ایسی مخلوط ہو جائیں کہ جدا نہ	جائز ہے

نمبر شمار	نام	تعریف	شرعی حکم
		ہوسکیں یا مشقت سے جدا ہوں وہ دونوں اس کے مالک ہوں گے۔ جیسے شربت، یا میراث بلا تقسیم یا گندم میں جَو۔	جائز ہے
۷	شرکتِ ملکِ اختیاری	دونوں نے خود اپنی چیز دوسرے کی چیز میں ملا دی دونوں مالک، مثلاً شربت یا گندم۔	جائز ہے
۸	شرکتِ عقد بالمال	دو یا چند لوگ کسی کاروبار میں اپنی دولت روپیہ لگائیں۔	جائز ہے
۹	شرکتِ عقد بالعمل	کسی مزدوری میں دو یا چند آدمی شریک ہوں۔	جائز ہے
۱۰	شرکتِ عقد بالوجاہت	اپنے اعتماد پر ادھار چیزیں لے کر مشترکہ کاروبار کریں۔	جائز ہے
۱۱	شرکتِ عقد بالمال مفاوضہ	شریکوں میں مال کام نفع نقصان تصرف برابر کا معاہدہ ہو دونوں آپس میں کفیل بھی ہوں۔ وکیل بھی۔	جائز ہے
۱۲	شرکتِ عقد بالمال عنان	دو شریکوں میں مال کام نفع نقصان و تصرّف کی برابری شرط نہ ہو اور صرف آپس میں وکیل ہوں	جائز ہے
۱۳	شرکتِ عقد بالعمل مفاوضہ	دو شریک لوگوں سے کام لائیں مل کر کریں نفع برابر ہو۔ آپس میں کفیل بھی ہوں وکیل بھی	جائز ہے
۱۴	شرکتِ عقد بالعمل عنان	دو شریک لوگوں سے کام لائیں مل کر کریں نفع برابر کی شرط نہیں آپس میں صرف وکیل ہوں۔	جائز ہے
۱۵	شرکتِ عقد بالوجاہت معاوضہ	بازار سے اپنے اعتماد پر اُدھار سامان لا کر مشترکہ تجارت کریں نفع نقصان برابر ایک دوسرے کے کفیل بھی وکیل بھی بنیں۔	جائز ہے
۱۶	شرکتِ عقد بالوجاہت عنان	بازار سے اعتماد پر چیزیں خرید کر مشترکہ بیچیں نفع نقصان برابر شرط نہ ہو ایک دوسرے کے صرف وکیل بنیں۔	جائز ہے

نمبر شمار	نام	تعریف	شرعی حکم
۱۷	شرکتِ الصنائع	ایک کا مال ایک کا کام نفع سب مال والے کا تنخواہ مقررہ کام والے کو۔	جائز ہے
۱۸	شرکت بالقرض	ایک کا مال دوسرے کا کام نفع سب کام والے کا مال والے کو صرف پورا مال واپس مدتِ معاہدہ کے بعد۔	جائز ہے
۱۹	شرکتِ فاسدہ بالمال	جو چیزیں ہر شخص کو بلا وضہ حلال ہیں اس کی مشترکہ تجارت کرنا۔ مثلاً بری بحری، شکار، جنگل کی لکڑی مٹی، گھاس پھل، پہاڑی خودرو پھل	ناجائز ہے
۲۰	شرکتِ فاسدہ بالعمل	حرام کام اور مزدوری میں شرکت کرنا۔ مثلاً گداگری سودی جوا چوری شراب فروشی	ناجائز ہے

کفیل وہ شخص ہے جو اپنے مکفل کی طرف سے باختیار ضامن یعنی دینے کا ذمہ دار۔ اگر مکفل نہ دے یا نہ دے سکے۔ اور وکیل وہ شخص ہے جو اپنے مؤکل کے لیے وصول کرنے خریدنے، بیچنے کا باختیار ذمہ دار ہو شرکت مفاوضہ میں چونکہ دو طرفہ ہر ایک دوسرے کے لیے وکیل ہوتے ہیں اور کفیل بھی اس لیے اُن دو شخصوں کے درمیان شرکتِ مفاوضہ منع ہے جو آپس میں کفیل نہ بن سکیں مثلاً۔ بالغ نابالغ۔ مسلمان غیر مسلم۔ عاقل مجنون۔ دونوں نابالغ، دونوں بیوقوف وغیرہ ان میں شرکت مفاوضہ منع ہے کیونکہ غیر مسلم مسلمان کا کفیل نہیں بن سکتا اور نابالغ یا بیوقوف نہ تصرف کر سکتا ہے نہ کفیل بن سکے۔ شرکتِ عنان میں صرف مجنون کی شرکت جائز نہیں کیونکہ وہ وکیل نہیں بن سکتا۔ لیکن عورت مرد، مسلم غیر مسلم، نابالغ اور بالغ کی شرکتِ عنان جائز ہے بشرطیکہ اُس کا ولی اُس کو اجازت دے دے شرکت بالعمل کے تین نام ہیں ۱ شرکت بالابدان ۲ شرکتِ صنائع ۳ شرکتِ تقبل۔ اس کی صرف ایک شرط ہے کہ مزدوری حلال ہو۔ کام کاریگری خواہ ایک ہو یا چند اُڈا ایک ہو یا مختلف اِس

شرکت میں دونوں شریک آپس میں وکیل بنتے ہیں اس لیے حلال کام شرط ہے حرام میں کوئی کسی کا وکیل یا کفیل نہیں اس کو شرکت مفاوضہ بھی بنایا جا سکتا ہے شرکت عنان بھی۔ شرکت وجاہت یہ کہ بازار سے چیزیں اُدھار خرید کر بیچیں آمدنی سے پہلے چیزوں کی قیمت مالک کو دیں نفع آپس میں تقسیم کریں مفاوضہ بنا کر یا عنان بنا کر۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

اٹھارواں فتویٰ

ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز و مکروہ تحریمی ہے!

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ننگے سر کوئی نماز فرض واجب یا سنت نفل پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ جو شخص ننگے سر نماز پڑھے اس کو گناہ ہوتا ہے! بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل محمد نواز (لندن)

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ننگے سر نماز پڑھنا سخت گناہ مکروہ تحریمی یعنی حرام ظنی اور بدعتِ سیئہ ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

پہلی دلیل۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اے مسلمانوں مسجد کے پاس پوری زینت کر کے آؤ اور ہر ذی عقل جانتا ہے کہ اصل زینت لباس سے ہے اور لباس میں سر بھی شامل ہے۔ دنیا کی کسی بھی قوم مسلم غیر مسلم میں کوئی بھی ایسی وردی نہیں جس میں ٹوپی شامل نہ ہو۔ ہر قوم نے اپنی وردی میں ٹوپی کو شامل کیا ہے اور ٹوپی سے لباس کی زینت ہے اسی طرح اسلامی لباس میں بھی ٹوپی کے بغیر نامکمل ہے اور نامکمل لباس سے نماز پڑھنا گناہ ہے۔ دوسری دلیل کتاب کشف الغمہ جلد اول ص ۸۵ پر ہے۔ قَالَ الْاِمَامُ عَبْدُ الْوَھَّابِ شَعْرَانِیْ عَنْ قَتَادَۃَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُ بِسَتْرِ الرَّاْسِ بِالْعِمَامَۃِ اَوِ الْقَلَنْسُوَۃِ وَیَنْھٰی عَنْ کَشْفِ الرَّاْسِ فِی الصَّلٰوۃِ! حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمایا کرتے تھے سر کو ڈھکنے کا پگڑی سے یا ٹوپی سے

اور نماز میں ننگا سر کرنے سے منع فرماتے تھے۔ تیسری دلیل انبیاء کرام علیہم السلام بھی کبھی ننگے سر نہ ہوتے تھے چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ ص ۱۶۹ پر علامہ آلوسی ترمذی شریف کی ایک حدیث روایت فرماتے ہیں۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَوْمَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کِسَاءُ صُوْفٍ وَکُمَّۃُ صُوْفٍ وَجُبَّۃُ صُوْفٍ وَکُمَّۃٌ صُوْفٌ اَیْ قَلَنْسُوَۃٌ صَغِیْرَۃٌ وَسَرَاوِیْلُ صُوْفٍ۔ جس دن موسیٰ علیہ السلام سے آپکے رب تعالیٰ نے مقام طور پر پہلا کلام کیا اس دن آپ کا لباس اون کا تھا کمبل اونی ٹوپی اونی اور جُبّہ اونی شلوار اونی یہاں کُمّہ سے مراد چھوٹی ٹوپی ہے۔ چوتھی دلیل تمام صحابہ کرام ہمیشہ نماز میں یا پگڑی باندھتے تھے یا ٹوپی پہنتے تھے۔ کسی صحابی نے کبھی بھی کوئی نماز فرض واجب نفلی ننگے سر نہ پڑھی چنانچہ بخاری شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۵۶ پر ہے قَالَ الْحَسَنُ یَسْجُدُوْنَ عَلَی الْعِمَامَۃِ اَوِ الْقَلَنْسُوَۃِ وَیَدَاہُ فِیْ کُمِّہٖ۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ہمیشہ صحابہ کرام کو اسی طرح دیکھا گیا کہ وہ پگڑی یا ٹوپی میں ہی سجدے نمازیں ادا فرماتے تھے۔ یعنی ننگے سر کسی صحابی کو نماز پڑھتے کبھی نہ دیکھا گیا۔ پانچویں دلیل، اوپر کے دلائل سے ثابت ہوا کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا سنت مؤکدہ سنت عملی بھی ہے قولی بھی اور سنت صحابہ اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی اور سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے۔ تمام آئمہ مجتہدین بھی منع فرماتے ہیں ننگے سر نماز پڑھنے سے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۰۷ پر ہے۔ قَالَ یُکْرَہُ الصَّلٰوۃُ عَنْ کَشْفِ الرَّأْسِ فِی الصَّلٰوۃِ۔ حنفی علماء کرام کے نزدیک ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ چنانچہ بلغۃ السالک فقہ امام مالک جلد اول ص ۱۹۰ پر ہے۔ قَالَ مَالِکٌ لَا یَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّأْسِ۔ امام مالک نے فرمایا کہ ننگے سر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مؤطا امام مالک جلد اول میں ہے کہ بکھرے بال ننگے سر رہنا شیطان کی مشابہت ہے۔ ساتویں دلیل۔ فقہ شافعی کی کتاب فتاوی بیجوری جلد اول ص ۱۲۱ پر ہے لَا یَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّأْسِ۔ ننگے سر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ آٹھویں دلیل فتاوی مغنی میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ مَکْشُوْفَ الرَّأْسِ بِدْعَۃٌ کھلے سر نماز پڑھنا بدعت ہے۔ یعنی کبھی کسی صحابی نے یا خود آقاء کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگے سر نماز نہ پڑھی۔ بعض جہلاء آج کل ننگے سر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے ننگے سر نماز پڑھنے کا اسی طرح صاف صاف اور واضح ثبوت ملے جس طرح ممانعت کی دلیلوں میں وضاحت سے ننگے سر کا ذکر

ہے۔ آج تک اس طرح کوئی روایت قول فرمان نہیں دکھایا جاسکتا جس میں صاف ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز یا ذکر ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُہٗ

اُنیسواں فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید بن خالد نے اپنی ناراض اور میکے میں بیٹھی ہوئی بیوی زینب بنت بکر کو ایک اسٹام پر ایک خط لکھا جس میں ابتداءً کچھ گھریلو ناچاقی کی الزام تراشی کے بعد اپنی بیوی کو اسی خط میں لکھتا ہے جس خط کا عنوان پہلی سطر میں اس طرح لکھا ہے۔ نوٹس طلاق۔ دوسری سطر میں لکھا ہے، بنام زینب بنت بکر زوجہ زید بن خالد۔ آخری سطور میں طلاق کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں کہ اگر تم یکم رمضان ۱۳۹۵ھ تک اپنے سسرالی گھر میں واپس نہ آئیں تو میری طرف سے تم کو تین مرتبہ طلاق، طلاق طلاق۔ ازطرف تمہارا خاوند زید۔ یہ خط زید نے ستائیس شعبان یعنی ماہ رمضان شروع ہونے سے تین دن پہلے لکھا اور اٹھائیس شعبان کو یہ خط اُس کی بیوی زینب کو وصول ہوا۔ بیوی مذکورہ غالباً طلاق سے بچنے کے لیے یکم رمضان روزہ رکھ کر تقریباً عصر کے وقت اپنے سُسرال زید کے گھر چلی گئی بغیر کسی سامان اور بغیر کسی بچے کے اکیلی اور صرف بیس منٹ بیٹھ کر واپس میکے چلی آئی۔ اس کے بعد پھر اب تک نہ گئی۔ اب بیوی والے کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی ہے۔ خاوند اور اُس کے لواحقین کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی، خاوند مذکور نے تین چار مدرسوں کے علما اور مفتیوں سے فتوے حاصل کئے ہیں پہلا فتویٰ لاہور کے ایک مفتی سے دوسرا فتویٰ مضافاتِ گجرات پاکستان کے ایک مفتی سے پھر ہم نے لندن کی ایک علما کونسل سے فتویٰ حاصل کیا۔ ان تینوں فتووں میں لکھا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی کیونکہ یکم رمضان تک کہنے میں یکم رمضان اس میں شامل ہوگا اور چونکہ بیوی یکم رمضان بوقتِ عصر سسرال چلی گئی اس لیے اُس نے شرط پوری کردی لہٰذا طلاق واقع نہ ہوئیں، لاہوری فتوے میں دلیل یہ لکھی ہے کہ ہمارے محاورے اور عرف میں زمانے کی تحریر میں جس دن کا ذکر ہو وہ دن اُس تحریر میں شامل ہوتا ہے۔ دیکھو قانونی نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ کارروائی فلاں تاریخ تک یا فلاں دن تک ہوگی تو یہ مذکورہ تاریخ اور دن اس کارروائی میں شامل مانا جاتا ہے۔ یہی بات یہاں کی علما کونسل نے کہی۔ ہم نے اُن علماءِ کرام سے پوچھا کہ اِس محاورے اور عرف کا کوئی رواجی یا تحریری ثبوت ہے؟ تو سب نے سر جھکا لئے اور

کہنے لگے کہ تحریری ثبوت تو کوئی نہیں، جس سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بات اُن کے اپنے ذہن کی بناوٹ ہے پھر یہ تینوں فتوے ایک دیو بندی خطیب صاحب کو جو عرب سے تعلق رکھتے ہیں دیکھائے تو وہ اُن کو پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ سب فتوے غلط ہیں اور یہ علما کونسل نہیں جہلا کونسل ہے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ اہلِ عرب کے نزدیک ایسے موقعوں پر تک بمعنیٰ پہلے ہوتا ہے تو یکم رمضان تک کا معنیٰ ہوا یکم رمضان سے پہلے، ہم نے اُن سے تحریری فتوے کا مطالبہ کیا تو کہنے لگے کہ میں نے کبھی فتویٰ نہیں لکھا۔ آپ کسی بڑے عالم سے لکھواؤ یا دار العلوم دیو بند سے منگوالو، پھر ایک اور شخص نے آپ کا پتہ بتایا۔ اس لیے آپ کی خدمت میں تینوں فتوے لے کر حاضر ہوئے ہیں، ہمیں مضبوط اور مدلّل فتویٰ عطا فرمایا جائے تاکہ ہم اس پر عمل بھی کریں اور مخالف فریق اور اُس کے ان تمام اہلِ فتویٰ علما کو بھی دکھائیں تاکہ یا وہ اپنے فتووں سے رجوع کریں یا آپ کے فتوے کا مدلّل جواب دیں، چونکہ تین طلاقوں کا معاملہ نہایت نازک ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ حق نکھر کر سامنے آجائے بَیِّنُوا تُوجَرُوا
دستخط سائلان، عبد اللطیف زرگر و عبد العلی، منہاس، برمنگھم انگلینڈ، ۱۳/۴/۱۹۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بہت تحقیق و تفتیش کی گئی سائل کا بیانِ حلفی اور تینوں فتاویٰ بغور دیکھے بار بار پڑھے واقعی وہ تینوں فتوے غلط اور جلد بازی و بے غور و فکر بلا تدبّر لکھے گئے، خود ساختہ عرف اور جھوٹے بنائے محاوروں کا سہارا لیا گیا۔ ایسے کم علم لوگوں کی فتویٰ نویسی پر قابض و جامد ہونا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے حالانکہ نہ کوئی ایسا محاورہ ہے نہ کوئی اِس قسم کی عُرف کسی رواج میں قائم کی گئی حقیقت یہ ہے کہ قانونِ شریعت کے مطابق صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں، کیونکہ بیوی مذکورہ دیر سے سسرال گئی اُس کو چاہیئے تھا کہ ہلال رمضان سے پہلے پہلے اپنے سُسرال چلی جاتی۔ ہمارے اِس فتوے کے دلائل حسبِ ذیل ہیں
دلیلِ اوّل۔ کسی بھی محاورے یا عرف میں یہ بات مروّج نہیں کہ اُردو زبان میں لفظ تک کے بعد والی تاریخ لفظِ تک سے پہلے والی شرط یا کسی فعل میں شامل ہو، یہ محاورہ یا عرف کہیں ثابت نہیں نہ اُردو لغت میں نہ اُردو ادب میں نہ اُردو شعرا کے کلام میں نہ

اُردو فقہ میں نہ رواجًا نہ قانونًا۔ اِن تینوں فتووں میں بھی کسی کتاب کا حوالہ نہ دیا گیا نہ کسی ملک و قوم کا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ ان کا خود ساختہ محاورہ ہے گھر بیٹھے جیسے چاہے محاورے بنانے پھریں۔ لاھوری فتوے میں یہ کہنا کہ قانونی نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ کاروائی فلاں تاریخ تک یا فلاں دن تک ہوگی۔ یہ بالکل غلط ہے کسی بھی نوٹس میں اس طرح نہیں لکھا ہوتا۔ بلکہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ یا فلاں دن میں یا فلاں دن کو یہ کاروائی ہوگی۔ تک کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس طرح لکھے گا تو یہ اُس کی خصوصی حماقت ہوگی۔ بہر حال کسی نوٹس میں ایسا لکھا دیکھا نہ گیا نہ سنا۔ **دلیلِ دوم** ہاں البتہ اس طرح کا محاورہ اور اصطلاح دنیوی بات چیت کاروبار اور عدالتوں میں عام مروج و مشہور ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ہم نے یہ زمین اُس دیوار تک بیچی یا خریدی یا اُس درخت تک تو وہ دیوار یا درخت اور درخت کے ساتھ والی زمین کی پٹی اس تجارت خرید و فروخت میں شامل نہ ہوگی اگر کوئی شخص اُس دیوار یا درخت یا اتنی زمین لینے یا دینے کی ضد کرے تو دنیوی یا شرعی قانون اُس کے خلاف فیصلہ کرے گا اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ میں ماہ رمضان تک گھر آجاؤں گا۔ یا کہے کہ میں رات تک یا شام تک گھر آجاؤں گا، تو یہ رمضان کا مہینہ اور شام یا رات اِس آنے میں شامل نہ ہوگی یہ عام فہم بات ہے ہر شخص جانتا سمجھتا ہے ہاں البتہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں صبح تک گھر آجاؤں گا۔ تو صبح کا پورا وقت آنے میں شامل ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ کہ لفظ تک عربی کے لفظ اِلیٰ کی مثل ہے اور علمِ اصول کی اصطلاح میں اِلیٰ کے مَاقبل کو غایت کہا جاتا ہے اور مابعد کو مُغیًّا ہم اُردو میں کہیں گے کہ تک کا ماقبل مقصد ہے اور لفظ تک کا بعد والا مقصد کی انتہائی حد۔ اب یہ سوال کہ انتہائی حد مقصد میں داخل مانی جائے گی یا خارج تو اس کے لیے شریعت نے یہ قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا ہے کہ اگر غایت و مغیّا کی جنس ایک ہے اور ایک چیز تصوّر کئے جاتے ہیں تو مغیّا یعنی انتہائی حد غایت میں داخل ہوگی، اگر جنس دونوں کی جدا ہے تو مغیّا اپنے غایت میں داخل نہ ہوگی یا اس طرح کہلو کہ اگر لفظ تک یا لفظ اِلیٰ کے ذریعے روکنا مقصود ہے تو مغیّا غایت میں داخل ہوگی اور اگر اِلیٰ کے ذریعے کھینچنا مقصود ہے تو مغیّا غایت میں داخل نہ ہوگی یہ قاعدہ قانون اٹل اور کلیہ ہے ہر عدالت میں شرعی ہو یا دنیوی اسی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جاسکتا ہے معاملہ خرید و فروخت کا ہو یا طلاق نکاح کا ہو یا نماز روزے کا یا وضو غسل کا، تو زمین خریدنے بیچنے میں دیوار اور درخت مغیّا ہے زمین غایت ہے، دونوں کی جنس علیحدہ لہٰذا جب کسی نے

کہا کہ میں نے اُس دیوار یا درخت تک خریدی تو دیوار یا درخت اُس خریداری میں شامل نہیں ہو گا۔ اگرچہ وہ خریدار کہے کہ میری نیت دیوار یا درخت شامل کرنیکی تھی وہ نیت مردود ہو گی کھینچنے اور روکنے کی مثال۔ جیسے کوئی کہے کہ ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔ تو چونکہ ہاتھ کندھوں تک ہوتا ہے اس لیے اُس نے کہنیوں تک کہہ کر روکا ہے۔ لہٰذا کہنیاں دھونے میں شامل ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اپنی ٹانگیں پیٹ تک دھولو تو پیٹ دھونے میں داخل نہ ہو گا کیونکہ حکم دینے والے نے دھونے کو کھینچ کر پیٹ تک پہنچایا ہے۔ جب یہ قانون علیحدہ سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ قمری تاریخ میں رات پہلے دن بعد میں اور رات نام ہے غروب آفتاب کا سورج ڈوبتے ہی رات شروع اور تاریخ بدل گئی، ہر تاریخ علیحدہ جنس ہے پوری تاریخ رات اور دن کا نام ہے۔ جب زید خاوند نے کہا کہ یکم رمضان تک تو چونکہ یکم رمضان سے پہلی والی تاریخ اور یکم رمضان کی جنس جدا ہے۔ خاوند نے بیوی کے آنے کو غایت بنایا اور یکم رمضان کو مغیا۔ جنس کے جدا ہونے کی وجہ سے آنے میں یکم رمضان شامل نہیں ہو سکتا جب رمضان کا چاند نکل آیا اور بیوی نہ آئی تو گویا یکم رمضان تک نہ آئی۔ چاند دیکھتے ہی یکم رمضان شروع۔ شرط پوری نہ ہوئی لہٰذا معلق کردہ طلاقیں پڑ گئیں۔ **دلیل سوم**۔ ہمارے محاورے رواج، منقولات، تلفظات، لغات، عرفیات اصطلاحات، صرف ہمارے دنیوی معاملات میں تو اثر انداز اور قابلِ اعتماد ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں مگر کسی شرعی قانون کے مقابل نہیں آ سکتے نہ کسی قرآنی، حدیثی، فقہی قاعدے وضابطے کو توڑ سکیں اس لیے کہ قواعد شرعیہ واصولِ فقہیہ کلماتِ الٰہیہ ہیں جن کی شان ہے لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون وکلمات میں تا قیامت نہ کبھی تبدیلی ہو سکتی ہے نہ کوئی شخص اس میں ہیرا پھیری کی جرأت دکھا سکتا ہے۔ (سورۂ یونس آیت ۶۴) **دلیل چہارم** لفظِ الیٰ اور اس کے ہم معنیٰ ہر زبان کا لفظ انتہائیہ کا مندرجہ بالا حکم قاعدہ کلیہ ابدیہ ہے۔ کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا، اوّلاً تو اُس کے خلاف کوئی عُرف اور محاورہ یا اصطلاح کسی ملک و قوم میں موجود ہی نہیں، اِن مفتیانِ عظام نے بالکل جانتے بوجھتے خود ساختگی کا ارتکاب کیا ہے اگر فرضاً کہیں کسی علاقہ میں ہو بھی تو وہ صرف علاقائی رسم ورواج تک محدود رہے گا، اسلامی قواعد وقوانین پر اثر انداز نہیں ہو سکتا خواہ کوئی اُردو زبان استعمال کرے یا فارسی، پنجابی، انگریزی، سندھی، پشتو، خاوند مذکور کے یہ الفاظ کہ آپ اپنے

گھر واپس آجاؤ، یہ الفاظ شرعًا نحوی قانون اور قواعدِ اصول کے مطابق۔ تک کا ماقبل اور غایت ہے اور یکم رمضان کی حد یندی مغیّا ہے کیونکہ وہ لفظِ انتہائیہ کے بعد میں ہے اب یہ مسئلہ کہ یہاں مغیّا غایت میں داخل ہے۔ یا نہیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ما و شما یا کسی مفتی مولوی کا ذاتی بناوٹی یا رواجی عرف نہ چلے گا یا محاورے کی بات نہ چلے گی بلکہ قطعی یقینی طور پر قرآن وحدیث اور فقہ واُصولِ فقہ کا قانون نافذ ہوگا اس لیے کہ طلاق کا واقع ہونا یا نا واقع ہونا خالصتًا شرعی حق ہے، غایت مغیّا کے لیے قانون وقاعدہ معین ہے چنانچہ اصولِ فقہ کی کتاب نورالانوار صـ۱۳۵ اور نحو کی کتاب شرح مائۃ عامل صـ۱۵ اور علم نحو کی ھدایۃ النحو صـ۱۰۲ اور کافیہ صـ۱۱۳ اور شرح جامی صـ۲۰۲ پر ہے وَاِلٰی لِانْتِھَاءِ الْغَایَۃِ (الخ) وَقَدْ یَکُوْنُ مَا بَعْدَھَا دَاخِلًا فِیْ مَا قَبْلَھَا اِنْ کَانَ مَا بَعْدَھَا مِنْ جِنْسِ مَا قَبْلَھَا نَحْوُ قَوْلِہٖ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ وَقَدْ لَا یَکُوْنُ مَا بَعْدَھَا دَاخِلًا فِیْمَا قَبْلَھَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ مَا بَعْدَھَا مِنْ جِنْسِ مَا قَبْلَھَا نَحْوُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ ترجمہ لفظِ الٰی یعنی لفظِ تک مقصد کے انتہا کے لیے آتا ہے تو اگر الٰی اور تک کا مابعد یعنی مغیّا مقصد کی انتہا ماقبل غایت ومقصد کی جنس سے ہو تو مغیّا غایت میں داخل وشامل ہوگا، لیکن اگر مغیّا غایت کی جنس سے نہ ہو تو مغیّا غایت میں شامل نہ ہوگا، علماءِ نحو اور علماءِ اصول نے اپنے اس قاعدۂ کلیہ ابدیہ پر قرآنِ مجید کی آیات سے استدلال اور استنباط پیش کیا ہے، چنانچہ ایک جنس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ وضو میں ہاتھ دھویا کرو کہنیوں تک۔ اور غایت مغیّا کی ایک جنس نہ ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ پورا کرو کہ تم روزوں کو رات تک، پہلی آیت میں کہنی مغیّا ہے اور ہاتھ کی جنس سے ہے لہٰذا دھونے میں داخل وشامل دوسری آیت میں رات مغیّا ہے روزے کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا روزے میں داخل نہیں۔ بالکل اسی طرح یکم رمضان مغیّا ہے گھر آنے کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا یکم رمضان گھر واپس آنے کی شرط میں داخل نہ ہوگا۔ دلیل پنجم قرآن مجید میں ہے کہ وضو میں ہاتھ کہنیوں تک دھویا کرو۔ اور ہر روزے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ روزوں کو پورا کرو تم رات تک دونوں آیتوں میں لفظِ الٰی ہے مگر حکم میں فرق ہے کہ کہنیاں دھونے میں داخل لیکن رات روزے میں داخل نہیں اگر کوئی روزے دار

دیر سے روزہ افطار کرے تو گناہگار ہوگا اور اُس کا روزہ مکروہ کیونکہ اُس نے رات کا کچھ حصّہ اپنے روزے میں داخل وشامل کرلیا یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کہنی ہاتھ کی جنس ہے اور لیل روزے کی اور اُس سے پہلے دن کی جس میں روزہ رکھا ہوا ہے جنس نہیں، ہر تاریخ دوسری تاریخ کی غیر ہوتی ہے قیامت تک ہر معاشرے میں یہ قانون نافذ ہے کسی کا کوئی محاورہ اِس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ اسلامی قمری تاریخ سورج ڈوبتے ہی بدل جاتی ہے۔ تو اگر لاہوری فتوے کے مطابق محاورے یا عرف کا اعتبار کیا جاتا تو چاہیئے تھا کہ پاکستان میں رات ۱۲ بجے تک روزہ رکھا جاتا اس لیے کہ پاکستانی محاورے اور عرف میں اور کورٹ کچہری پر انگریزی محاورے اور عرف کی حکومت ہے اس انگریزی محاورے اور عرف میں رات بارہ بجے تاریخ اور جنسِ زمانی بدلتی ہے، مگر شریعتِ اسلام آیتِ قرآن نے اس محاورے کو روزے کے لیے قبول نہ فرمایا، کیونکہ روزے کے ہونے نہ ہونے کے تمام قوانین واحکام خالصتاً شرعی ہیں۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ طلاق کا مسئلہ بھی خالص شرعی مسئلہ ہے تو جس طرح شریعت نے روزے میں رات کے کسی حصّے کو ذرّہ بھر روزے میں شامل نہ ہونے دیا کہ دوسری تاریخ کی رات سے جنس بدل گئی اسی طرح مذکورہ طلاق کے نوٹس میں یکم رمضان شامل نہ ہوگا۔ کیونکہ دوسری اگلی رات تاریخاً دوسری جنس ہے۔ نوٹس شعبان کے آخر تک مؤثر ہوگا شعبان کا ہر حصّہ داخل کیونکہ باعتبار مہینہ سب ایک جنس ہے ماہِ رمضان دوسری جنس، جب جنس بدل گئی اور شرط پوری نہ ہوئی تو طلاقیں پڑ گئیں۔ **دلیل ششم** مضافاتِ گجرات کے غلط فتوے اور غیر ذمّہ دارانہ تحریر میں اس چیز کو دلیل بنایا گیا کہ خاوند مذکور نے اُن کے سامنے جو بیان دیا اس میں کہتا ہے کہ میری نیّت یکم رمضان شامل کرنے کی تھی، اوّلاً تو اُس کا اب یہ کہنا ہی کذب بیانی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ پہلے لاہوری فتوے میں اس نیت کا ذکر نہیں۔ لیکن اگر نیت شروع سے ہی ہو بھی تب بھی شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ شرعاً صرف طلاقِ کنایہ اور طلاقِ بتّہ میں خاوند کی نیت معتبر مانی جاتی اور اُس سے نیت پوچھ کر اُس کی نیت کے مطابق شرعی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ سوال میں طلاقِ صریح ہے اس میں نیت پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ طلاقِ کنایہ اور طلاقِ بتّہ میں اس لیے نیت پوچھی اور مانی جاتی ہے کہ کنایہ میں الفاظِ ہم معنی نے اُلجھن ڈال دی اور

نیتہ میں ادائیگی طلاق نے اُلجھن ڈالدی، یعنی پتہ نہیں لگتا کہ خاوند نے الفاظِ کنایہ سے کیا مراد لیا طلاق یا دھمکی، اور نیتہ سے کیا مراد لیا۔ طلاقِ تاکیدی یا طلاقِ مغلّظہ۔ مگر مذکورہ سوال اور طلاقی نوٹس میں طلاق معلّقہ ہے جو صریحی مغلّظہ ہے نہ کوئی اُلجھن نہ پریشانی اب بھلا کیوں نیت پوچھی اور نیّت کی کیا ضرورت، خاوند تو حیران علمی شرعی مسائل سے ناواقف ہے وہ جو چاہے سہارے پکڑتا ہاتھ مارتا پھرے، حیرانگی تو اِن مفتیان صاحبان کی کور چشمی پر ہے جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی فتوی نویسی کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ دلیلِ ہاشتم اِلیٰ اور تک کے متعلق اصولِ فقہ اور علماءِ نحو کا یہ بیان کردہ قاعدہ وقانون صرف معقولات ومنقولات سے ہی نہیں بلکہ احادیثِ مقدسات بھی ثابت ہے چنانچہ نبی کریم آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے شروع دنوں سے ہی اِلیٰ کے متعلق یہی ضابطہ قائم فرمایا وضو میں آپ نے ہمیشہ کہنیوں کو دھویا، اور کبھی بھی رات کو روزے کا حصہ نہ بنایا گیا نہ کلّی نہ جزوی طور پر جس سے ثابت ہوا کہ اِلیٰ کے بیلے یہ قانونِ مندرجہ بالا فقہا علما کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کردہ اور منشاءِ الٰہی کا فرمودہ ہے، تو کسی محاورے اور عرف کا بہانہ بنا کر اِس قانونِ ربّانی کی مخالفت اور اِس کے مخالف فتوی جاری کرنا سراسر سرکشی وگمراہی ہے اور پھر طلاقِ مغلّظہ جیسے حرام وحلال کے نازک مسئلے میں بدفکری جلد بازی دکھانا تو نری جہنم کمانا ہے۔ اور دین کو کھیل بنانا ہے۔ کیونکہ اگر دین وشریعت کے ضابطوں کو محاوروں کے جنگل میں پھنسا دیا جائے تو ہر شخص اپنی من مانی کرے گا، پاکستان، ھندوستان اور تمام یورپی علاقوں میں رہنے والے مسلمان اپنے انگریزی محاوروں کے مطابق بارہ بجے رات روزہ ختم کیا کرتے اور عرب ممالک افغانستان ایران وغیرہ اسلامی ممالک میں بعد مغرب افطار کیا کرتے اور وہاں کے محاورے پر چلتے وہ اپنے پر اس طرح دین تو کھیل بن جاتا اور صرف روزہ نماز ہی نہیں بلکہ اسلام کی ہر چیز ہی قومی رسم ورواج کے ماتحت ہو جاتی کیونکہ عرف محاورے تو ہر قوم کے اپنے اپنے ہیں، تبنر اگر ذاتی نیّت سے اسلامی ضابطوں کو توڑنے کی اجازت دیدی جائے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے ہر شخص اپنی نیت پر بدعملی کرتا پھیلاتا پھرے۔ میں اِن مفتیانِ مکذّبین سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی زمین کا خریدار یہ کہے کہ میں یہ زمین خریدتا ہوں، اُس دیوار تک بائع کہے مجھے منظور ہے

بیع منعقد ہوگئی جب نشاندہی کرنے لگے تو خریدار کہے کہ میری نیت ہیں وہ دیوار خریداری میں شامل تھی تو یہ مفتیانِ کرام کیا فتویٰ دیں گے۔ اگر ایسا ہی فتویٰ جیسا یہاں خلافِ اسلام فتویٰ دیا تو فساد کا نیا دروازہ ہی کھولنا ہے۔ **دلیل ہشتم** علمِ اصولِ فقہ کی مشہور و مختصر کتاب نور الانوار ص۱۳۵ اور ص۱۳۶ پر ہے۔ وَاِلٰی لِاِنْتِهَاءِ الْغَايَةِ فَاِنْ كَانَتِ الْغَايَةُ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا لَا تَدْخُلُ الْغَايَةُ فِي الْاِقْرَارِ وَالْاِنْعِقَادِ (الخ) وَاحْتَرَزْنَا بِقَوْلِنَا مَوْجُوْدَةً قَبْلَ التَّكَلُّمِ عَنِ الْاٰجَالِ الْمَفْرُوْضَةِ لِلدُّيُوْنِ وَالثَّمَنِ فِي قَوْلِهٖ بِعْتُ هٰذَا وَاَجَّلْتُ الثَّمَنَ اِلٰى شَهْرٍ اَوْ اَجَّرْتُهٗ اِلٰى رَمَضَانَ اَوْ اِلٰى غَدٍ وَنَحْوِهٖ فَاِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ وَاِنْ كَانَتْ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا ظَاهِرًا لٰكِنَّهَا وُجِدَتْ بَعْدَ التَّكَلُّمِ۔ اس کے حاشیے قمر الاقمار ص۲۸ میں ہے قَوْلُهٗ عَنِ الْاٰجَالِ (الخ) اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَيْسَ اِخْتِلَافُ الرِّوَايَةِ فِي اٰجَالِ الدُّيُوْنِ وَالثَّمَنِ وَالْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ بَلِ الْغَايَةُ لَا تَدْخُلُ فِيْهَا بِالْاِتِّفَاقِ (الخ) نور الانوار میں آگے ارشاد ہے۔ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ قَائِمَةً بِنَفْسِهَا فَاِنْ كَانَ صَدْرُ الْكَلَامِ مُتَنَاوِلًا لِلْغَايَةِ كَانَ ذِكْرُهَا لِاِخْرَاجِ مَا وَرَاءَهَا فَتَدْخُلُ كَمَا فِي الْمَرَافِقِ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى (الخ) وَاِنْ لَمْ يَتَنَاوَلْهَا اَوْ كَانَ فِيْهِ شَكٌّ فَذِكْرُهَا لِمَدِّ الْحُكْمِ اِلَيْهَا فَلَا تَدْخُلُ كَاللَّيْلِ فِي الصَّوْمِ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔ مِثَالٌ لِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهَا الصَّدْرُ۔ ترجمہ۔ اور لفظ اِلٰی غایت (مقصد) کی انتہا کے لیے آتا ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں (۱) ایک یہ غایت پہلے سے خود قائم و موجود ہو تب غایت ابتداءً و انتہاءً کلام و اقرار میں داخل نہ ہوگی۔ بذاتِ خود قائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ گفتگو کے وقت غایت موجود ہے جیسے زمین کی خریداری کے وقت دیوار کا وجود۔ یہ قید لگا کر ہم مدتوں اور تاریخوں وقتوں سے بچ گئے جو بذاتِ خود قائم تو ہوتے ہیں مگر گفتگو کے وقت موجود نہیں ہوتے۔ اور گفتگو کے وقت موجود ہونے کی مثال وہ دیوار ہے جس کو خریداری کی حد بنایا۔ ان دونوں غایتوں میں اُن کے مغیا داخل نہ ہوں گے۔ نہ وہ دیوار زمین کے پلاٹ میں نہ تاریخ مدت اور وقت جیسے یہ کہنا کہ ایک مہینے تک یا رمضان تک یا کل تک

اگر یہ کام نہ ہوا تو ایسا ہو جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ، محشی حاشیہ ص۲۸ میں فرماتے ہیں کہ جان لو
اِس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء فقہا مجتہدین اس بات میں متفق ہیں کہ ہر
قسم کا مغیّا اپنے غایت میں داخل نہیں ہوتا، مغیّا اور غایت کی مدت خواہ قرض میں بیان کی
جائے یا ثمن میں یا بیع میں یا بیع کی مثل کسی بھی عقد یا انعقاد میں جیسے (طلاق عتاق نکاح)
یا اجارے میں ۲ اور اگر مغیّا و غایت قائم بنفس نہیں یعنی تکلم کے وقت موجود نہیں تو اُس
کی دو صورتیں ۱ باطنی غیر موجودگی کہ صدرِ کلام یعنی غایت مغیّا کا ایک حصّہ ہے شامل ہے
تب مغیّا غایت میں داخل ہوگی، جیسے کہنیاں وضو کے دھونے میں شامل و داخل ہوں گی کیونکہ
کہنیاں ہاتھوں میں شامل ہیں ۳ اور اگر صدرِ کلام غایت اپنے مغیّا کا حصّہ نہیں یا تو یقیناً
یا شک ہو تب یہ دیکھنا ہے کہ اِس مغیّا کا ذکر مدِّ حکم کے لیے ہے یا سدِّ حکم کے لیے
اگر مدِّ حکم کے لیے ہے تو مغیّا یعنی الیٰ کا ما بعد غایت یعنی ماقبل میں داخل نہیں ہوگا۔
جیسے رات روزے میں داخل نہیں۔ یہی حال تمام وقتوں، زمانوں، مدتوں اور تاریخوں
کا ہے۔ خاوند مذکور نے بھی اپنے نوٹس میں ایک تاریخ یعنی یکم رمضان کو مغیّا بنایا جو
اپنے غایت کا جز ہے نہ جنس نہ معیار نہ ظرف نہ متناول نہ سدِّ حکم نہ گفتگو بولتے اور لکھتے
کے وقت یہ یکم رمضان ظاہراً باطناً موجود۔ لہٰذا اس قاعدہ کلیہ کے تحت یکم رمضان آنے
میں داخل نہ ہوگا اگرچہ خاوند اپنی حماقت سے اُس کو اپنی نیت میں شامل مانتے۔ اگر ہلال
رمضان سے پہلے بیوی آجاتی تو طلاق نہ پڑتی لیکن چونکہ بیوی رمضان کے چاند سے پہلے
نہ آئی اس لیے تینوں طلاقیں پڑگئیں۔ بعد مغرب بیوی مطلّقہ تھی اور مطلّقہ اپنی عدت کی حالت
میں خاوند کے گھر گئی وہ بھی خانہ آبادی کے لیے نہیں صرف عارضی طور پر پندرہ منٹ کے
لیے بغیر اپنے سامان و اولاد کے۔ اصولِ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب تلویح توضیح جلد اوّل
کے ص۲۷۴ پر ہے کہ غایت اور مغیّا کی آٹھ صورتیں ہیں جن میں پانچ صورتیں یہ کہ
مغیّا غایت میں داخل ہوگا ۱ اگر غایت اور مغیّا کی جنس ایک ہو تو داخل ہوگا ۲
مغیّا اور غایت قائم بالغیر ہو تب بھی مغیّا۔ غایت میں داخل ہوگا ۳ غایت مغیّا قائم
بالنفس ہو موجود بھی ہو تب بھی مغیّا غایت میں داخل و شامل ۴ اِلیٰ سے حد بندی سدِّ حکم
یعنی حکم کو روکنے کے لیے ہو تب بھی مغیّا غایت میں داخل ۵ مغیّا صدرِ کلام میں شامل
تھا۔ تب حکم میں بھی مغیّا اپنے غایت میں داخل ہوگا ۶ اگر غایت مغیّا قائم بالنفس ہو مگر

تکلّم کے وقت موجود نہ ہو تو منغیا غایت میں داخل نہ ہوگا ۷ اگر الیٰ کی حد بندی سدّ حکم کے لیے یعنی کھینچنے بڑھانے کے لیے ہو تو بھی منغیا اپنے غایت میں داخل نہ ہوگا ۸ اگر صدرِ کلام منغیا میں پہلے شامل نہ تھا تو بھی منغیا غایت میں شامل نہ ہوگا۔ **دلیل نہم**۔ اِن فتووں میں تو آنکھیں بند کر کے لکھدیا گیا کہ محاوروں اور عرف سے اسلام کا یہ قانون توڑا جاسکتا ہے اور صورتِ مسئولہ میں عرف پر عمل کرتے ہوئے طلاقیں نہ ہونے کا بیہودہ بے علمی کا فتویٰ دیدیا مگر حقیقت یہ ہے کہ قانونِ شرعی کے مطابق غایت ومنغیا کے باب میں عرفِ عام کا قطعًا اعتبار نہیں ہوتا۔ چنانچہ نور الانوار ص ۱۳۶ پر ہے۔ وَيَنْتَقِضُ هٰذَا بِقَوْلِهٖ قَرَأْتُ هٰذَا الْكِتَابَ إِلٰى بَابِ الْقِيَاسِ۔ فَإِنَّ بَابَ الْقِيَاسِ خَارِجٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ وَإِنْ كَانَ الْكِتَابُ مُتَنَاوِلًا لَهٗ عَمَلًا بِالْعُرْفِ ترجمہ: اور یہ مندرجہ بالا قاعدہ ایسی صورت میں ختم ہوجاتا ہے جب کہ کسی شخص نے کہا کہ میں نے یہ کتاب پڑھی ہے قیاس کے باب تک تو بے شک قیاس کا باب پڑھنے میں داخل وشامل نہ ہوگا بلکہ پڑھنے سے خارج ہوگا۔ اگرچہ عرف عام اور محاورے کے اعتبار سے کتاب بابِ قیاس کو بھی شامل ہے عرف کے لحاظ سے تو یہاں اِلیٰ اور تک کا منغیا باب اپنے غایت قرأت میں شامل ہونا چاہیئے تھا مگر شریعت کے اُس قاعدے نے اِس عرف اور محاورے کو رد کر دیا۔ اب اگر کوئی مفتی مولوی شامل مانیں تو یہ اُن کی ذاتی غلطی ہے شرعی اصول کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا یہ فتویٰ قرآنِ مجید، حدیث مقدسہ، علم فقہ، قواعدِ اصولِ فقہ، قوانینِ نحویہ غرضکہ شرعًا، عقلًا، نقلًا دلائل پر مشتمل ہے، جس میں ثابت کر دیا گیا کہ مندرجہ بالا سوال کی صورت میں خاوند کی طرف سے اُس کی بیوی مذکورہ کو طلاقِ مغلّظہ پڑگئی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔

کتبــــــــــــــــــــہ

(نوٹ) یہ فتویٰ میری ذاتی تحقیق تفتیش سوچ فکر کا نتیجہ ہے۔ اِس میں غلطی یا کمزوری کا بھی امکان ہے اس لیے علماءِ محققین ومفکرین اور اہلِ تدبّر مشائخ کو دعوتِ غور وفکر ہے کیونکہ یہ طلاق کا نازک معاملہ ہے۔ دوطرفہ حرام وحلال کی دلدل ہے إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ مفتی کو جہنم بھی مل سکتی ہے جنت

بھی۔ لہٰذا اگر کسی کے تدبّر۔ تفکّر، تعقل، تفہم میں شریعت کی رُو سے میرا یہ فتویٰ غلط ثابت ہو تو میرے اِن تمام دلائل کو توڑ کر یا دلائل با حوالہ مطلع فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ رجوع میں تعصّب اور ضد یا عار محسوس نہ ہوگی اور اگر یہ فتویٰ ہر طرح درست ہی نظر آئے تو غلط فتویٰ لکھنے والوں کو اپنے فتاویٰ سے رجوع کر کے بارگاہِ الٰہیہ میں سچی توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ فتویٰ لکھنے میں جلد بازی چھوڑ کر احتیاط کرنی چاہیئے۔ کیونکہ روایت میں ہے۔ مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ فَھُوَ مَلْعُوْنٌ۔ وَالسَّلَام مَعَ الْاِکْرَام۔

اقتدار احمد خان ۱۱/۵/۸۸

بیسواں فتویٰ
ایک شیعہ اعتراض کا مدلّل و محقق جواب۔ اور غُسلِ شرعی کا طریقۂ تقویٰ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے مسئلے میں کہ بخاری شریف جلد اوّل ص۳۹ طبع کراچی بابُ الغسل میں ایک حدیث شریف اس طرح منقول ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مُحَمَّدٍ (الخ) قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَۃَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَۃَ فَسَاَلَھَا اَخُوْھَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰی رَاْسِھَا وَبَیْنَنَا وَبَیْنَھَا حِجَابٌ اس حدیث کو لے کر کراچی کے چند جاہل شیعہ مولوی حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْہَا کی شان میں ایسی ناپاک گستاخیاں کرتے ہیں کہ قلم ان کے لکھنے سے قاصر ہے۔ ان گستاخیوں کی بنا پر یہاں سُنّی شیعہ لوگوں میں بہت فساد اور سنّی شیعہ جھگڑا مچا ہوا ہے یہاں تک کہ کافی مار کٹائی بھی ہوئی اور لانڈھی کراچی کے علاقہ میں ایک سب سے زیادہ علانیہ گستاخ شیعہ ذاکر کا قتل بھی ایک سنّی مسلمان نے کر دیا۔ جس کا مقدمہ کچہری کراچی میں زیر سماعت ہے۔ اس حدیث کو لے کر شیعہ گستاخ حضرتِ صدیقہ کو فاحشہ اور بے شرم بھی کہنے سے نہیں چوکتے، کچہری کے جج نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنے سُنّی علما سے اس حدیث پاک کا صحیح معنیٰ پوچھو ہم نے

یہاں کراچی میں بہت سے علما سے اس کا معنیٰ پوچھا ہے مگر سب خاموش ہیں۔ لاہور جامعہ نعیمیہ جامعہ نظامیہ میں بھی سوال بھیجا گیا مگر دو ماہ تک ان کا جواب نہیں آیا اب کسی نے ہم سے کہا کہ گجرات مدرسہ غوثیہ نعیمیہ میں سوال لکھ کر بھیجو جوابی لفافہ ساتھ ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ مدلل اور جلدی تسلی بخش جواب آئے گا۔ وہاں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک بیٹا بہت محنت اور دلچسپی سے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ یہاں ایک چکڑالوی پرویزی فرقے کا شخص ہے وہ کہتا ہے کہ یہ حدیث سرے سے ہی غلط اور بناوٹی بلکہ اکثر حدیثوں کا وہ انکار کرتا ہے۔ اس لیے اب ہم سب آپ کی طرف یہ سوال مع جوابی لفافہ بھیج رہے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ جلد از جلد مدلل و مکمل جواب ارسال فرمائیں گے۔ ہم یہ فتویٰ عدالت میں پیش کریں گے تاکہ اس کے مطابق عدالت فیصلہ کرے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا - 2/1/1998

دستخط سائل۔ عبد الغفور ساکن لانڈھی کراچی پاکستان و اہالیانِ لانڈھی۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

سائلِ محترم کا یہ سوالنامہ آج ہی وصول ہوا واقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے آج ہی اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا اس لیے کہ اس قسم کا اگر جواب نہ دیا جائے یا جواب میں دیر لگائی جائے تو جہلا سمجھتے ہیں کہ وہی حق ہے جو ہم نے سمجھا ہے اور ان کی جہالت و گستاخی کا فساد بڑھتا جاتا ہے اور اس سستی کوتاہی سے جاہلوں کی ضد اور عوام کا شک اور اپنوں کی مایوسی و غمگینی بڑھتی جاتی ہے جس سے حق مسلک کو اور اہل حق کو شدید نقصان پہنچتا ہے باطل فائدہ اٹھاتا ہے۔ آج کل ہمارے مدارس میں اس چیز کا خیال نہیں رکھا جاتا اور فتویٰ نویسی کو کچھ اہتمام نہیں دیا جاتا اولاً تو بہت سے مدارس میں فتویٰ نویسی کا شعبہ اور دار الافتا ہی نہیں ہے اور اگر کسی میں ہے بھی تو فتویٰ لکھنے پر ان طالب علم شاگردوں کو لگا دیا گیا جن کو قلم پکڑنے کا سلیقہ نہیں حالانکہ فتویٰ نویسی عدالت اسلامیہ کا بہت بڑا اور نازک شعبہ ہے یہی وجہ ہے درسِ نظامی میں پورا نصاب پڑھنے اور پاس کر لینے کے بعد پھر مفتی بننے کے لیے ڈھائی سالہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے اور مفتیٔ اعظم بننے کے لیے مزید تین سال کا کورس کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح تقریباً اکیس ۲۱ سال تک پڑھ کر دار الافتا کی ذمے داریاں سنبھالنے کی اجازت ملتی ہے یہی وہ نصاب ہے جس کو بعض ذہین طلبا جلدی

بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ فتاویٰ نویسی کا اچھا اور سچا اہتمام و احترام اوّلاً بریلی شریف پھر مراد آباد شریف اور پھر حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ غوثیہ نعیمیہ میں دیکھی گئی۔ میری فتویٰ نویسی بھی ان ہی اکابر بزرگوں اُستادوں کی کفش برداری اور اتباع و تعلیم و تربیت کی وجہ سے ہے، حضرت حکیم الامّت فرمایا کرتے تھے کہ مدارس اور علما کی دینی اور مسلکی خدمات میں سب سے بڑی خدمت سچی پکی اور مضبوط فتویٰ نویسی اور مدلّل و مکمل فتویٰ لکھنا ہے اس سے پانچ فائدے ہیں ۱ احقاقِ حق ۲ ابطالِ باطل ۳ عوام کی سچی رہنمائی ۴ عدالت اسلامیہ کا وقار ۵ قرآن و حدیث کی تحریری تبلیغ، اور تحریر ہی دیرپا چیز ہے یہی علم و علما کی شناختِ ابدی، آج اگر رازیؒ و غزالیؒ کی تصنیفات ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو ہم اپنے ان اکابر کی علمیت و خدمتِ دینی کو کس طرح پہچانتے اور ہمارا علم کس طرح وسیع ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی سمجھ عطا فرمائے آپ کے اس **استفتا** میں پیش کردہ حدیث مقدسہ بالکل اور اتنی آسان معنی والی ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی شرح بخاری غیر مطبوعہ میں بین السطور ایک لفظ لکھ کر تمام اُلجھنوں کو دور فرما دیا اور پوری حدیث پاک کا تمام مطلب و مقصد سمجھا دیا۔ میں نے آپ کو جواب لکھنے سے پہلے بہت سی کتبِ شروح و حواشی کا مطالعہ کیا مگر کسی نے بھی اس موجودہ دور کی اُلجھن کی طرف توجہ نہ فرمائی نہ کچھ حل پیش کیا غالباً اُن شارحین سابقین اکابر کے ذہن و خیال میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ کبھی کسی زمانے میں کچھ گستاخ جُہلا اس حدیثِ مقدس میں یہ اُلجھاؤ پیدا کر کے حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی کا راستہ نکالیں گے اور کچھ منکرین اصلی معنیٰ سمجھ نہ آنے کی صورت میں حدیثِ پاک کا ہی انکار کر دیں گے اس لیے اُن بزرگوں نے اُس کے حل کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی حضرت حکیم الامّت سے شاید کسی نے یہ اُلجھن بیان کی ہو گی یا از خود آپ کے شرح صدر میں یہ بات آئی ہو گی کہ کہیں کوئی گستاخ یہ اُلجھن اور اپنی جہالت سے اس قسم کی گستاخی نہ کرے آپ نے ایک لفظ میں اُلجھن دور فرما کر گستاخوں کا منہ توڑ دیا اور منکروں کا منہ بند کر دیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث و قرآن کی سچی سمجھ بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا کریمانہ ہے، چنانچہ سورۃ انعام کی آیت ۱۲۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔ (الخ) پس وہ شخص کہ ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ یہ کہ ہدایت دے اس کو کھول دیتا ہے اُس کا

سینہ اسلام کے لیے اور وہ شخص کہ ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ یہ کہ گمراہ رہنے دے اُس کو بنا دیتا ہے اُس کا سینہ سخت تنگ بدعقلیوں گناہوں والا۔ اور جس کے سینہ میں تنگی بھری ہو اُس کو آسان بات بھی سمجھ نہیں آتی، قرآن وحدیث کی سمجھ تو اُس سے بہت دور ہوتی ہے۔ مذکورہ فی السوال حدیثِ پاک کو نہ شیعوں نے سمجھا نہ چکڑالویوں پرویزیوں منکرین حدیث نے اور سُنی علما خطبانے خود تدبر نہ فرمایا بلکہ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل فرمایا کہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اے لوگو اگر تم خود کسی بات کا معنیٰ نہیں سمجھ پاتے تو بڑے علم والوں سے پوچھ لو۔ شیعہ لوگوں نے اپنی نادانی اور اندھی عقل سے یہ سمجھا کہ شاید حضرتِ صدیقہ نے کپڑے اتار کر نہانا شروع کر دیا اور بیچ میں ایک چادر تان لی جو درمیان میں حجاب بن گیا۔ اور پوچھنے والے اُن کے غسل کو دیکھتے سمجھتے رہے۔ (معاذ اللہ) عقل کے اندھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ایسا تو کوئی عام جاہل اَن پڑھ عورت بھی نہیں کرتی تو بھلا اُمّ المؤمنین سَیِّدَۃُ النِّسَاء علم النبی کی امانت دار ہستی ایسا کر سکتی ہے۔ ان دشمنانِ صحابہ نے اپنی اسی بدعقلی سے گستاخی کا راستہ تلاش کر لیا۔ اور کافر بن کر جہنم خرید لی لیکن منکرین حدیث نے جلد بازی سے کام لیا نہ خود غور وتدبر کیا نہ اہل علم سے اور جُہلا کے مطلب کو صحیح سمجھتے ہوئے انکارِ حدیث کا بہانہ بنا لیا اور منکرین حدیث کا ہر جگہ یہی احمقانہ حال ہے محض اِس بنا پر حدیثِ پاک کا انکار کر دیتے ہیں کہ اُن کی سمجھ میں حدیثِ مقدسہ کا صحیح معنیٰ مراد نہیں آتا حضرت حکیم الامّت بدایونی نے اپنی شرح بخاری کے بَيْنَنَا السِّتْرُ فَاغْتَسَلَتْ کے نیچے تحریر فرمایا، اَیْ مَعَ اللِّبَاسِ۔ یعنی اُمّ المؤمنین حضرتِ صدیقہ نے اپنے لباس کے ساتھ ہی غسل فرمایا۔ یعنی لباس اتار کر غسل نہ فرمایا تھا۔ اور یہ صرف اس دفعہ کی ہی بات نہیں تھی بلکہ ہمیشہ ہی ایسا طریقہ رہا کہ تمام صحابہ وصحابیات بلکہ تابعین تبع تابعین اور اکابرِ دین اولیا علما کبھی خلوت اور علیحدگی تنہائی میں بھی ننگے ہو کر نہ نہائے بلکہ مرد حضرات ناف سے گھٹنوں تک تہبند باندھ کر اور عورتیں کندھوں سے گھٹنوں تک لباسِ غسل کا ایک لمبا کرتہ پہن کر غسل فرمایا کرتی تھیں۔ اس پردہ نشینی اور تنہائی کی شرم وحجاب کی وجہ بخاری شریف جلد اول باب الغسل ص۴۲ کی وہ حدیث پاک ہے جس میں تنہائی کے غسل کا طریقہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ منقول ہے۔ بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ وَحْدَهٗ عُرْيَانًا فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ وَالتَّسَتُّرُ اَفْضَلُ۔ وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ

ترجمہ: کچھ وہ مسلمان ہیں جو تنہائی میں بالکل ننگے ہو کر نہاتے ہیں اور کچھ وہ مسلمان ہیں جو تنہائی میں بھی ستر ڈھانک کر نہاتے ہیں۔ اور بہر حال ستر ڈھانک کر نہانا ہی افضل ہے اور فرمایا حضرت بہز نے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے وہ روایت کرتے ہیں اُن کے دادا سے۔ وہ آقائے کائنات نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے راوی کہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے بمقابلے لوگوں کے۔ اسی حدیث پاک کے حکم فرمودہ سے تمام فقہاءِ کرام فرماتے کہ خلوت کے بند غسل خانے میں بھی ستر ڈھانپ کر تہبند یا لباسِ غسل سے نہانا افضل ہے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے مذکورہ فی السّوال حدیثِ پاک کا پورا بیان اس طرح ہے کہ عبداللہ ابن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو ابو سلمہ نے سنایا، وہ فرماتے تھے میں حضرتِ صدیقہ کے رضاعی بھائی کے ساتھ ایک بار حاضر بارگاہ اہل بیت ہوا جب اہل بیتِ نبوی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی بارگاہ اقدس میں ہم دونوں حاضر ہوئے تو حضرتِ صدیقہ کے رضاعی بھائی نے اُمّ المومنین سے آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا۔ حضرتِ صدیقہ سمجھ گئیں کہ یہ صرف نہانے کا سوال نہیں بلکہ غسل کرنے کا اسلامی طریقہ اور شرعی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیاءِ اسلام میں عورتوں مردوں کی آئندہ اسلامی نسل کو نہانے کا شرعی طریقہ مشہور کر دیا جائے، اور چونکہ طریقۂ نبوی ہی شریعتِ اسلام ہے اس لیے انہوں نے عَنْ غُسْلِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا سوال عرض کیا اور چونکہ یہ چیز اندرونِ خانہ کی تھی اس لیے اس کو اُمّ المومنین ہی جانتی تھیں اور وہی بتا سکتی تھیں کیونکہ اصلِ اہلِ بیت تو بیوی ہی ہوتی ہے پھر اولاد پھر داماد پھر اولاد کی اولاد۔ قرآن مجید تو صرف بیوی کو ہی اہل بیت فرماتا ہے۔ اولاد و داماد کو صرف حدیثِ پاک نے خصوصی طور پر ایک بار اہل بیت فرما دیا۔ ان وجوہ سے غسل اسلامی کی مکمل و سچی تعلیم لینے کے لیے درِ صدیقہ پر سوال کیا۔ آپ نے بھی اصل مدّعا سمجھ کر زبانی کلامی جواب نہ دیا۔ بلکہ غُسلِ نبوی کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ تاکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو تاقیامت نہانے کا باحیا مہذّب اور افضل طریقہ معلوم ہو جائے، یہ حدیثِ مبارکہ کہ جس کو بعض بدبخت جاہل شیعوں نے گستاخی کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اور منکرین حدیث نے جلد بازی سے اس کا انکار کر دیا۔ وہ درحقیقت تعلیم اسلام کی بہترین جامع مانع حدیث ہے۔ مگر حدیثِ مقدّس کو سمجھنے کے لیے ایمان کی روشنی چاہیئے

بھی روشنی نہ شیعوں کے پاس ہے نہ منکرین حدیث کے پاس نہ نیچپائی وہابیوں کے پاس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں چار چیزیں بیان فرمائیں، پہلی یہ کہ اگرچہ رضاعی بھائی ہو مگر غیرت تقویٰ یہ ہے کہ اس سے بھی حجاب کیا جائے، اسی لیے حضرت ابو سلمہ نے واضح فرما دیا کہ بَیْنَنَا وَبَیْنَھَا حِجَابٌ۔ یعنی ہمارے درمیان اور اُمّ المومنین کے درمیان مکمل پردہ تھا، یہ پردہ صرف غسل کے وقت ہی نہ تھا بلکہ اس پوری ملاقات میں بَیْنَنَا وَبَیْنَھَا حِجَابٌ ہمارے اور اُن کے درمیان چادر وغیرہ کا بڑا پردہ تھا، یہاں حِجَابٌ میں تنوین تعظیمی ہے یا پردہ دونوں مردوں سے یا ابوسلمہ کی وجہ سے کیا تب یہ شرعی فتویٰ ہے یا یہ پردہ دونوں کی وجہ سے کیا تب یہ تقویٰ ہے، دوسری بات یہ کہ آپ نے اپنا لباس نہ اُتارا اور مع لباس ہی غسل فرمایا، قیامت تک غسل نبی اور غسل اہل تقویٰ کی تعلیم دیدی کہ اے مسلمان مرد و عورت تو اگرچہ پردے کی چار دیواری میں تنہا غسل کیا جائے تب بھی اپنا ستر ڈھکنا افضل ہے جس کا جتنا ستر ہو وہ اتنا ہی ڈھکے مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ان کے لیے تہبند کافی، عورتوں کا ستر کندھوں سے گھٹنوں تک اُن کے لیے لباس غسل ایک لمبا ڈھیلا کرتہ، تمام بزرگان دین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آپ بھی ایسا ہی لباس غسل پہن کر نہایا کرتی تھیں جب جبرئیل امین علیہ السلام بشکل بشری آپ کے پاس آئے تو آپ اس قسم کے لباس غسل میں تھیں اور جس گریبان میں جبرئیل علیہ السلام نے ولادت مسیح علیہ السلام کی پھونک ماری وہ اُسی لمبے کرتے کا تھا جو آپ نے ہر غسل کے لیے مخصوص کیا اور اُس وقت پہنا ہوا تھا یہ واقعہ بعد غسل پیش آیا تھا (وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ) تیسری بات یہ کہ آپ نے ایک برتن منگوایا، یا خود اُٹھا کر لائیں جس میں ایک صاع یعنی دو گیلن آٹھ کلو پانی تھا۔ یعنی تعلیماتِ اسلامی کے مطابق ہر غسل کرنے والے پر پانی کی مقدار کی بھی پابندی ضروری ہے تاکہ کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت اندھادھند کثرتِ بلا ضرورت سے پانی استعمال نہ کرے اور فضول خرچی و اسراف کا گناہگار نہ بنے، اُمّ المومنین نے یہ ایک صاع بھرا پانی کا برتن لا کر بتا دیا کہ نہر میں پانی کی فراوانی کے باوجود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ ایک صاع پانی سے مکمل غسل فرمایا کرتے تھے اور یہ کہ اتنے پانی سے غسل کے تمام فرائض و واجبات ادا ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ فضول خرچی ہوگی۔ چوتھی بات یہ کہ آپ نے اولاً سر پر پانی ڈالا۔ اور بتا دیا کہ غسل کی ابتدا سر پر پانی ڈالنے سے ہو پھر بائیں

کندھے پر پھر داہنے کندھے پر پھر سارے جسم پر، اور ایک صاع پانی صرف اسی غسل کے لیے استنجا اور پورا وضو اس کے علاوہ پانی سے کیا جائے اور یہ کہ استنجا و وضو غسل کا حصہ نہیں وہ پہلے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر غسل کرنے والے کے سر کے بال یا اُٹھا ہوا پانی ڈالتا ہاتھ کسی دیکھنے والے کو نظر آجائے تو وہ بے حجابی نہ ہوگی، کیونکہ اصل پردہ چہرے کا ہے نہ کہ بالوں کا۔ بعض جاہل پروفیسر نما خطیبوں نے لکھنا اور کہنا شروع کر دیا کہ اصل پردہ سر کے بالوں کا ہے نہ کہ چہرے کا یہ اُن کی شیطانی جہالت، قرآنِ مجید کی متعدد آیت و احادیث کے خلاف ہے یہاں بھی اُن دونوں غسلِ نبوی کو دیکھنے والوں نے یہ دیکھ لیا کہ غسل کی ابتدا سر پر پانی ڈالنا ہے اور باقی سارے غسل کا خود بخود پتہ لگ گیا۔ انہوں نے حضرت صدیقہ کے سر کے بال بھی دیکھے اور اُٹھتا ہوا ہاتھ بھی دیکھا اس کے باوجود بَیْنَنَا وَبَیْنَہَا حِجَابٌ ہی رہا۔ اس کو بے حجابی نہ فرمایا گیا۔ یہ حجاب صرف اسی دفعہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ ہر غسل میں ہی مکمل ستر ہوتا تھا۔ چنانچہ۔ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ رَدُّ المحتار شامی جلد اوّل صـ۱۴۵ باب الغسل میں ایک حدیث سے استنباط فرما کر ثابت فرماتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی بھی بغیر لباس غسل نہ فرمایا مستور غسل خانے میں بھی آپ لباسِ غسل پہنکر نہاتی تھیں، وہ حدیث پاک اس طرح مشکوٰۃ شریف کے صـ۴۳ پر بحوالہ مسند احمد، ابو داؤد، اور ابن ماجہ، منقول ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْرُجِ الرَّجُلَانِ۔ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِہِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَمْقُتُ عَلٰی ذَالِکَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَہ، اسی صفحہ کے حاشیے ۱۲ پر ہے۔ قَوْلُہٗ مُحْتَضَرَۃٌ اَیْ یَحْضُرُہَا الْجِنُّ وَالشَّیَاطِیْنُ یَتَرَصَّدُوْنَ بَنِیْ آدَمَ بِالْاَذٰی وَالْفَسَادِ لِاَنَّہٗ مَوْضِعٌ یُکْشَفُ الْعَوْرَۃُ فِیْہِ وَلَا یُذْکَرُ اسْمُ اللّٰہِ فِیْہِ۔ ترجمہ: حضرت ابو سعید رضؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی **بھی اکٹھے** نہ نکلیں دو مرد گھر سے کہ آئیں بیت الخلا یا جنگل میں پیشاب وغیرہ کرنے کے لیے۔ اپنے ننگے شرمگاہ کو کھولیں اور باتیں کرتے رہیں، تو بے شک اللہ تعالیٰ بیزاری فرماتا ہے اس کردار اور ایسی حرکت پر یَمْقُتُ مَقْتٌ سے بنا ہے اس کا معنیٰ بیزاری ناپسندیدگی بھی

ہے اور غضب ڈالنا بھی، ثابت ہوا کہ جب بھی انسان مسلمان مرد یا عورت ننگا ہو تو بات نہیں کرنا بہت ہی برا ہے باعث غضب الٰہی ہے۔ حاشیے میں فرمایا کہ مُحْتَضَرَۃٌ کا ترجمہ ہے کہ جب انسان ننگا ہو تو جن شیاطین اُس کے پاس آجاتے ہیں اور اُس سے چھیڑ خانی کرتے ہیں اذیت روحانی سے بھی فسادِ اعمالی سے بھی، اس لیے کہ وہ ایسی جگہ ہے جس میں شرمگاہ کھولی جاتی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ننگی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے نہ ایسی جگہ میں جہاں مسلمان ننگا ہوتا ہے اس حدیث مقدسہ سے علامہ شامی استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَآدَابُہٗ کَآدَابِہٖ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ لَّا یَتَکَلَّمَ بِکَلَامٍ مُطْلَقًا اَمَّا کَلَامُ النَّاسِ فَلِکَرَاھَۃِ حَالِ الْکَشْفِ وَاَمَّا الدُّعَاءُ فَلِاَنَّہٗ فِیْ مَصَبِّ الْمُسْتَعْمَلِ وَمَحَلِّ الْاَقْذَارِ وَالْاَوْحَالِ۔ ترجمہ: اور غسل کے آداب شرعی بھی وضو کے آداب شرعی کی طرح ہیں صرف ایک یہ فرق ہے کہ بحالت غسل کوئی بھی مسلمان مطلقاً کوئی دینی دنیوی کلام نہ کرے۔ انسانی بات چیت اس لیے مکروہ ہے کہ وہ شرمگاہ کھلنے کی حالت ہے اور دعائیں وذکر اللہ اس لیے بھی منع ہیں کہ غسل خانہ گندگیوں اور میل کچیل کی جگہ ہے۔ اس قانون کو بیان کرنے کے بعد علامہ شامی ص۱۴۶ پر ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں جس کو مشکوٰۃ شریف نے ص۴۸ پر بحوالہ مسلم بخاری اس طرح نقل فرمایا۔ وَعَنْ مُعَاذَۃَ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰہِ الْعَدْوِیَّۃِ قَالَتْ۔ قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ فَیُبَادِرُنِیْ حَتّٰی اَقُوْلَ دَعْ لِیْ دَعْ لِیْ۔ قَالَتْ وَھُمَا جُنُبَانِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ فتاویٰ شامی کی عبارت اس طرح ہے۔ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ وَاحِدٌ فَیُبَادِرُنِیْ حَتّٰی اَقُوْلَ اَنَا دَعْ لِیْ وَفِیْ رِوَایَۃِ النَّسَائِیْ یُبَادِرُنِیْ وَاُبَادِرُہٗ حَتّٰی یَقُوْلَ دَعِیْ لِیْ وَاَقُوْلُ اَنَا دَعْ لِیْ۔ اس کے بعد علامہ شامی استنباط فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَقُوْلُ اَوِالْمُرَادُ اَلْکَرَاھَۃُ حَالَ الْکَشْفِ فَقَطْ کَمَا اَفَادَہُ التَّعْلِیْلُ السَّابِقُ وَالظَّاھِرُ مِنْ حَالِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنَّہٗ لَا یَغْتَسِلُ بِلَا سَاتِرٍ (الخ) فَلَوْ کَانَ مُتَّزِرًا فَلَا بَاْسَ بِہٖ۔ ترجمہ: اور حضرت معاذہ بنت عبداللہ عدوی سے روایت ہے انہوں

نے فرمایا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ میں اور آقا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کئی مرتبہ ایک ہی ایسے برتن کے پانی سے غسل کر لیتے تھے جو میرے اور اُن کے درمیان رکھا ہوتا تھا۔ تو آقا صَلَّیٰ اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی پانی لیتے تھے تب میں کہتی تھی کہ میرے لیے بھی کچھ پانی چھوڑئے میرے لیے بھی چھوڑئے۔ معاذہ نے بتایا کہ یہ اُن دونوں کا غسلِ جنابت ہوتا تھا۔ اس حدیث کو مسلم بخاری دونوں نے روایت کیا، فتاویٰ شامی کی روایت کا بھی یہی ترجمہ ہے شامی نے صرف مسلم کی روایت کی نقل کی۔ بعد میں نسائی کی روایت نقل کی جس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں بھی جلدی جلدی پانی لیتی تھی اور آقا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تو وہ مجھے کہتے تھے کہ کچھ پانی میرے لیے چھوڑو اور میں اُن سے کہتی تھی کہ میرے لیے بھی کچھ چھوڑئے یہ تکلم کبھی تو ایک ہی غسل میں دو طرفہ ہوتا تھا۔ بامعنیٰ یہ ہے کہ کبھی کسی غسل میں وہ جلدی فرماتے تو میں کہتی تھی دَعْ لِیْ دَعْ لِی۔ اور اگر کبھی میں جلدی جلدی پانی لیتی تو آپ فرماتے تھے دَعِیْ لِیْ دَعِیْ لِیْ۔ استنباطی عبارت کا ترجمہ۔ میں کہتا ہوں کہ احادیثِ مقدسات کا بحالتِ غسل باتیں کرنے کو مکروہ تحریمی فرمانا یہ تب ہے جب کہ نہانے والا بالکل برہنہ ہوکر غسل خانے میں ہو تو اندر سے باتیں نہ کرتا جائے بالکل خاموشی سے نہائے نہ دنیوی بات کرے نہ دینی دعائیں کلمہ کلام وغیرہ۔ یہ بات سابقہ تعلیل سے سمجھ آئی لیکن نبی کریم و عائشہ صدیقہ کی اُس مندرجہ بالا حدیثِ پاک کے ظاہر حال سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کبھی بھی بغیر ستر ڈھانکے غسل نہ فرماتے تھے۔ لہٰذا اُن دونوں مندرجہ بالا حدیثوں سے تا قیامت ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یہ شرعی قانون بن گیا کہ اگر نہانے والا اپنے ستر پر تہبند و ازار باندھ کر نہا رہا ہے تو نہاتے ہوئے دینی دنیوی بات کرنے میں لَا بَأْسَ بِہٖ۔ کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حدیثِ پاک میں بحالتِ غسل باتیں کرنے میں غضب و ناراضگی الٰہی کی وعید ہو اور دوسری حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باتیں کرنا مذکور ہو۔ فرق ظاہر ہے کہ وعید برہنہ نہانے والوں کے لیے ہے اور باتیں کرنے کی اجازت تب ہے، جب عورت اپنا پورا ستر ڈھانپ کر نہاتی ہو اور مرد اپنا ستر ڈھانپ کر ثابت ہوا کہ اُمّ المومنین اور آقاءِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لیے دَغ رِلی کہتے تھے کہ دونوں کا ستر اپنے اپنے لباسِ غسل کے اندر ہوتا تھا۔ خیال رہے کہ آدابِ غسل میں علامہ شامی کا یُسْتَحَبُّ اَنْ لَّا یَتَکَلَّمَ فرمانا اور باتیں کرنے کو مکروہ تحریمہ فرمانا اِس سے کوئی شخص تضاد بیانی کا دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ مستحب کی تین قسمیں ہیں ۱۔ مستحب اختیاری کہ وہ عمل کرنا بھی جائز اور کرنے سے زیادہ ثواب اور نہ کرنا بھی جائز۔ جیسے نفلی نماز کو تندرست بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا مگر صرف نفل کا ثواب ملے گا کھڑے ہوکر پڑھنا مستحب اس میں ثواب زیادہ ہے یعنی نفل کا بھی ثواب اور استحباب کا بھی ثواب ۲۔ مستحب لزومی کہ وہ عمل کرنا مستحب بہتر ہے نہ کرنا بھی جائز مگر اس کا الٹ کرنا مکروہ تحریمی جیسے سیدھے ہاتھ سے کھانا مستحب اور اس کا ثواب ہے لیکن اگر کوئی سیدھے ہاتھ سے نہ کھائے بلکہ چمچے سے کھائے یا منہ لگا کر کھائے تب بھی گناہ نہ ہو۔ مگر الٹے ہاتھ سے کھانا مکروہ تحریمی ہے کھانیوالا سخت گناہگار ہے ۳۔ مستحب مسنون، وہ عمل کرنا مستحب اور بہتر ہو اور بلا وجہ چھوڑنا مکروہ تحریمی ہو۔ جیسے یہاں ہے کہ ننگے ہوکر باتیں نہ کرنا مستحب اور کرنا گناہ و مکروہ تحریمی ایسے مستحب کو سنت بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ فتاوی رَدُّ المحتار جلد اوّل ص۷۶ پر ہے۔ یُطْلَقُ الْمُسْتَحَبُّ عَلَی السُّنَّۃِ۔ وَاِنَّمَا سَمَّاہُ مُسْتَحَبًّا لِاِشْتِمَالِ السُّنَّۃِ عَلَی الْمُسْتَحَبِّ قَالَ نُوحٌ آفَنْدِی وَحَاصِلُہٗ تَجْوِیْزُ اِطْلَاقِ اِسْمِ الْمُسْتَحَبِّ عَلَی السُّنَّۃِ وَعَکْسِہٖ۔ ترجمہ: کبھی سنت پر بھی مستحب کا نام بولا جاتا ہے اور اس کا عکس بھی یعنی سنت کو مستحب اور مستحب کو سنت کہدیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ سنت سے ثابت ہونا مستحب کو شامل ہے یہی کچھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا، ہمارے ایک دوست خطیب مرحوم نے اسی لفظ مستحب سے دھوکہ کھاکر ایک غلط مسئلہ لکھ دیا۔ نیز اصطلاحِ فقہا میں جب مطلقًا مکروہ فرمایا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے چنانچہ فتاوی شامی جلد اوّل ص۲۰۷ پر ہے۔ وَاعْلَمْ اَنَّ الْمَکْرُوْہَ اِذَا اُطْلِقَ فِی کَلَامِھِمْ، فَالْمُرَادُ مِنْہُ التَّحْرِیْمُ (الخ) قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ قُلْتُ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ اِذَا قُلْتَ فِیْ شَیْءٍ اَکْرَھُہٗ فَمَا رَایُکَ فِیْہِ۔ قَالَ اَلتَّحْرِیْمُ۔ ترجمہ: جان تو کہ بے شک جب فقہاء کرام کے کلام میں صرف مکروہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے

امام یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اعظمؒ امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا کہ جب آپ کسی چیز کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اُکْرِہُہٗ میں اُس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو آپ کی کیا مراد ہوتی ہے اس مکروہ سے (تحریمی یا تنزیہی)، تو امام اعظم نے جواباً فرمایا۔ اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بزرگانِ دین اور اہلِ تقویٰ حضرات کبھی بھی خلوت و جلوت میں برہنہ جسم نہیں نہاتے۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین تو تقوائے الٰہی کے عظیم مخزن ہیں ہم نے تو اپنے بزرگوں عورتوں مردوں کو دیکھا کہ کبھی خلوت میں ننگے بدن غسل نہ کیا۔ مرد متقی تہبند باندھ کر اور مستوراتِ متقیہ ہلکے کپڑے کا کھلا کُرتہ کندھوں سے گھٹنوں تک جو لباسِ غسل کے لیے بنایا جاتا، ہمیشہ خلوت میں اُس کو پہن کر غسل فرماتیں۔ یہ تو نہانے کی بات ہے صحابیات و صحابہ تو خاوند بیوی ہو کر شرعی اجازت پا کر بھی کسی ساتھی رفیقہ و رفیق کی شرمگاہ نہ دیکھتے تھے۔ حضرت صدیقہ خود ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی اپنے خاوند رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہ دیکھی، صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ جب سے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی ہے اُس وقت سے آج تک کبھی اپنی شرمگاہ بھی نہ دیکھی ایسی پاکیزہ ہستیوں کے متعلق شیعوں کی خرافات کفر نہیں تو اور کیا ہے اپنے بزرگوں کی ان باتوں اور پاکیزہ افعال سے وہ مسلمان مرد و عورت خاوند بیوی سبق حاصل کریں جو جوانی کی خرمستیوں میں صحبت کرتے وقت کافروں اور جانوروں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العلمین

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

اکتیسواں فتویٰ

جان بوجھ کر غلط اذان دینے والوں کے دنیوی اُخروی عذاب ذلّت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں۔ ہمارے علاقہ کی مسجد بلکہ اکثر مساجد میں ہم نے دیکھا ہے کہ مسجد بھی بڑی خوب صورت ہے امام بھی بہتر۔ بن حافظ و قاری ہے منتخب شدہ ہے مگر مؤذن کوئی منتخب نہیں کیا جاتا۔ اور ہر جاہل سے جاہل عام بے علم بلکہ فاسق و فاجر

شخص اذان دینی شروع کر دیتا ہے، اور جس وقت جس کا جی چاہتا ہے نماز کی اذان دینے لگ جاتا ہے، ہمارے علاقہ کی جامع مسجد کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ہر نماز کے وقت ایک نیا مؤذن ہوتا ہے۔ اور پھر اتنی غلط اذان دیتے ہیں کہ توبہ توبہ۔ ہم لوگ تو اتنی سمجھ نہیں رکھتے مگر چند دن پیشتر ہمارے علاقہ میں ایک عالم کسی کے گھر مہمان آئے جب وہ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے اور انہوں نے مؤذن کی اذان سنی تو بہت ناخوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اس شخص نے بہت غلط اذان دی ہے۔ بجائے ثواب کے گناہ کمایا، پھر عصر کی اذان دوسرے شخص نے دی تو انہوں نے فرمایا یہ بھی غلط اذان ہے پھر مغرب میں تیسرے شخص نے اذان دی تو انہوں نے اُس کو بھی غلط اذان کہا، پھر چوتھے شخص نے عشا کی اذان دی تو انہوں نے اُس مؤذن کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس شخص کی اذان اول سے آخر تک بالکل صحیح ہے اِسی کو ہر نماز کی اذان کہنی چاہیئے۔ فجر کی اذان بھی اس شخص نے کہی تو وہ عالم بزرگ بہت خوش ہوئے مگر دوسرے مؤذن لوگ ناراض ہو گئے کہ اِن عالم صاحب نے ہماری اذانیں بند کرا دیں ہم کو بھی اذان دینے کا شوق ہے۔ اُن عالم صاحب نے فرمایا اگر شوق ہے تو پہلے اپنی اذانیں درست کراؤ۔ آؤ میں تمہاری غلطیاں درست کراؤں تو سوائے ایک کے اور کوئی شخص اُن کے پاس اذان سیکھنے نہیں آیا، کسی نے کہہ دیا میرے پاس ٹائم نہیں ہے، کسی نے کہہ دیا کہ یہ ہم سے چھوٹی عمر کا عالم اب ہمارا استاد بنے گا اور منہ پھرا کر چلے گئے۔ ہم نے اُن سب لوگوں کو اذان دینے سے منع کر دیا ہے انہوں نے مسجد میں آنا باجماعت نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں تم لوگوں نے ٹوک بازی کر کے پرانے نمازی کم کر دیئے اور مسجد کی ویرانی بے آبادی کا باعث بنے ہو۔ وہ عالم صاحب تو چلے گئے ہیں لیکن ہم نے اُن کی نصیحت پر عمل کیا ہوا ہے اور ہم کو خیال آیا ہے کہ واقعی اذان مکمل صحیح ہونی چاہیئے۔ اس لیے آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے ہم کو مکمل مدلل فتویٰ شرعی عطا فرمائیں اور بتائیں کہ غلط اذان دینے کا عذاب کیا ہے گناہ کیا ہے۔ کون سی اذان بالکل صحیح ہوتی ہے اور کونسی غلط۔ اور اذان میں کل کتنی غلطیاں ہو سکتی ہیں، کیا کیا غلطیاں ہیں اور صحیح الفاظ کس طرح ادا کرنے چاہئیں۔ اُن عالم صاحب نے سب اذانیں سنی تھیں اور فرمایا تھا کسی کی ایک غلطی ہے کسی کی اذان میں

دو غلطیاں، کسی میں تین یا چار کسی کے اول میں غلطی کسی کے آخری الفاظ کی ادائیگی غلط ہے۔ مگر ہم اُن سے تفصیل پوچھ نہ سکے لہذا آپ ہم کو پوری تفصیل لکھ کر بھیجیں تاکہ آپ کی تحریر کے مطابق ہم صحیح مؤذن بھی تیار کریں اور مسجدوں کی انجمنوں کمیٹیوں کو اسلامی شوق دلائیں تاکہ ائمۂ مساجد کی طرح مسجدوں میں مؤذن بھی مقرر کئے جائیں۔ اگرچہ تنخواہ دینی پڑے غلط اذان سے بچ جائیں گے۔ اور غلط اذان سُن کر گناہگار تو نہ ہیں گے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا
دستخط فخر الدین مرید کے منڈی ۱۵/۴/۱۹۶۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق پنجوقتہ نماز اور نماز جمعہ کے لیے اذان و اقامت اتنی اہم عبادت ہے کہ اگرچہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے مگر اس کو مثلِ واجب درجہ حاصل ہے چنانچہ فتاوی دُرِّ مختار مع شامی جلد اول صـ۲۵۶ پر بابُ الْاَذان میں ہے، وَهُوَ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ فِي مَكَانٍ عَالٍ مُؤَكَّدَةٌ هِيَ كَالْوَاجِبِ فِي لُحُوقِ الْاِثْمِ۔ اور اس کی شرح فتاوی شامی جلد اول صـ۲۵۷ پر ہے۔ بَلْ اَطْلَقَ بَعْضُهُمْ اِسْمَ الْوَاجِبِ عَلَيْهِ۔ ترجمہ۔ ہر نماز کی اذان پنجوقتہ صرف مردوں کے لیے کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر کہنی اتنی عظیم و شدید و اہم سُنّتِ مؤکدہ ہے کہ مثلِ واجب عبادت ہے اگر کسی نماز باجماعت کے لیے اذان نہ دی جائے تو اتنا سخت گناہ پڑتا ہے جتنا واجب عبادت چھوڑنے سے پڑتا ہے۔ بلکہ بعض فقہاء کرام نے تو فرمایا ہے کہ اذان بھی واجب عبادت ہی ہے اس کی وجہ علما فقہا نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پنجوقتہ باجماعت نماز کے لیے اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے، چنانچہ فتاوی قاضی خان جلد اول صـ۶۹ بابُ الاذان میں ہے۔ وَاِنَّهُ مِنْ شَعَائِرِ الْاِسْلَامِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک وہ اذانِ پنجوقتہ اسلام کے اعلیٰ نشانات میں سے ہے۔ اور شعائر اسلام کا معنی ہے شَعَائِرُ اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم مسلمانوں پر واجب و لازم ہے کیونکہ اس تعظیم و آداب احترام سے دل کا تقویٰ ہے اور اذان کی تعظیم اور ادب احترام یہ ہے اذان دینے والا عالم عاقل بالغ اور نیک متقی صحیح تلفظ، اچھے طریقہ سے ادا کرتا جانتا ہو، لہذا جس طرح امامت خطابت اور

تمام دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح اذان دینے کے لیے بھی اوّلاً اذان کی پوری تعلیم اور طریقہ حاصل کرنا واجب لازم ہے احادیث مبارکہ اور عبارات فقہا میں اس پر بہت تاکید فرمائی گئی۔ بلکہ احادیث مقدسہ سے ثابت ہے کہ ہر مسجد میں جس طرح امام مقرر کرنا لازم ہے ہر شخص جس کا دل چاہے مصلٰی امامت پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور قوم کا امام نہیں بن سکتا اسی طرح مؤذن بھی ہر شخص نہیں بن سکتا بلکہ مؤذن کو مقرر کیا جائے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضل الاذان فصل ثانی ص۶۵ پر ہے۔ وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ۔ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ۔ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِهٖ اَجْرًا۔ رَوَاهُ احمد، ابو داؤد، نسائی،

ترجمہ: حضرت عثمان ابن ابی العاص سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ٹھیک ہے آج سے تم ان کے امام بنا دئے گئے ہو لہٰذا دو کام کرنا ۱۔ ایک یہ کہ اپنی اقتدا میں آنے والے بوڑھوں ضعیفوں کا خیال رکھنا اور ۲۔ اپنی مسجد میں تم خود کوئی مؤذن مقرر کرنا، ایسا مؤذن ہو جو اذان پر تنخواہ نہ مانگے فی سبیل اذان کہا کرے اس حدیث کو مسند احمد، ابو داؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا۔ اس حدیث مقدسہ سے تین باتیں ثابت ہوئیں ۱۔ ایک یہ کہ بندہ خواہ کتنا ہی نیک متقی بلکہ ولی اللہ ہو خود اپنی مرضی سے کسی قوم کا امام مقرر نہیں ہو سکتا بلکہ امام بنانے کے لیے بڑے علما فقہا اور اساتذہ کی اجازت شرط ہے وہ اچھی تعلیم دے کر یا امتحان لے کر امام کی علمیت عقلیت کو سمجھ سمجھا کر تب اس کو امام مقرر کریں۔ مدارس میں فارغ التحصیل طلبا کو جو سند دی جاتی ہے وہ دراصل اسی چیز کی اجازت ہوتی ہے کہ یہ طالب علم اب اتنا علم پڑھ چکا ہے کہ اب قوم کی امامت خطابت مسئلے مسائل بتانے کی صحیح اور سچی پکی ذمہ داری نبھا سکتا ہے۔ اسی لیے سند دینا بھی بہت اہم ذمہ داری ہے غلط آدمی یا غیر معروف آدمی کو سند دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ سند دینے والا سند پانے والے کے عقائد، علم، عقل، شعور کا ذمہ دار بن گیا۔ اب سند یافتہ شخص کی ہر علمی فکری اور امامت خطابت مسند، مصلّے، منبر کی غلطی کا گناہ سند دینے والے پر گناہ ہوگا

اور یہ سلسلہ غلط سند یافتہ کے گناہوں غلطیوں بے علمیوں جہالتوں کا تا عمر چلے گا سند دینے والا کسی لالچ یا مروت میں آکر اگر جاہل یا بد عقیدہ کو سند دیدے اور قوم سند کو دیکھ کر اُس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے اُسی کو اپنا امام و مقتدا بنالے تو اُس جاہل و بدعقیدہ امام خطیب وسجادہ نشین کی غلطیوں کے جتنے گناہ ہوں گے ان میں سند دینے والا برابر کا شریک ہوگا اگرچہ فوت ہوگیا ہو۔ ہاں البتہ اگر سند دیتے وقت اس کو اچھا اور عالم صحیح العقیدہ شرعاً لائق سند پایا تب سند دی بعد میں وہ سند یافتہ گمراہ یا جاہل پاگل ہوگیا تو دینے والا بری ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس طرح امام مقرر کرنے میں بڑی احتیاط اور کسی بڑے صاحب سند مستند عالم کی اجازت لازم و واجب ہے اس طرح موذن بھی ہر مسجد میں مقرر کیا جائے اور اُس کو بھی عالم دین امام وقت ہی مقرر کرے تاکہ ہر وقت اذان بھی صحیح پڑھی جائے۔ ہر ایرے غیرے فاسق جاہل کو اذان کہنے کی بھی اجازت نہیں کہ جس کا دل چاہے جب چاہے منہ سر اُٹھا کر اذان دینے کے لیے دوڑا چلا آئے تیسری بات اِس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوئی کہ اذان دینا ایک عظیم عبادت ہے اس لیے مؤذن ایسا مقرر کیا جائے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوف خشیت رکھ کر اذان کی ذمہ داری نبھانے کا وعدہ کرے نہ دنیا کی لالچ میں ہو اور نہ دنیا کی خوشنودی میں ہو، جب مؤذن میں یہ وصف ہوگا اور محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اذان دے گا تو صحیح بھی دے گا اور وقت پر بھی دے گا دیکھو حضرت عثمان بن ابو العاص صحابی بھی ہیں متقی نیک بھی ولیوں سے بلند مرتبے والے بھی مگر اس کے باوجود خود اپنی قوم کے امام نہ بن گئے بلکہ سردار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی تاکہ اُن کی امامت میں شرعی قباحت نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اُن کے علم عقل فہم وفراست اور لیاقت وقابلیتِ امامت کو اس لیے آپنے اپنی اجازت سے اُن کو امام مقرر فرما دیا۔ اور ساتھ ہی اذان کی اہمیت سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنی مسجد میں اپنے علم وفہم سے اچھی جانچ پڑتال پرکھ کر کسی عالم و متقی سمجھدار شخص کو مؤذن مقرر کر لینا۔ نہ تو بغیر تقرر کوئی جاہل اذان کہے اور نہ کوئی جاہل بے علم آدمی کسی کو مؤذن مقرر کرے۔ غرضکہ حدیث پاک نے یہ فرمایا کہ نمازوں کا امام بھی کسی بڑے عالم کا مقرر کردہ عالم امام ہو۔ مؤذن مقرر کرنے والا بھی عالم ہو اور مؤذن کی پوری تعلیم کا عالم ہو۔ یہی وجہ ہے آج بھی عرب ممالک خاص کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تمام مساجد میں بڑے شاندار علم والے مؤذن مقرر ہیں۔

وہ خود تو تنخواہ نہیں مانگتے مگر عوام یا حکومت کی طرف سے اُن کی اچھی خدمت کی جاتی ہے۔ اہل عرب میں کبھی کسی نے غلط اذان دینے والا نہ دیکھا نہ سنا، یہ بدنصیبی ہمارے مُلک پاکستان اور پاکستانیوں میں ہے کہ مسجد اچھی خوبصورت اچھی۔ امام بھی اچھا مگر اذان کے لیے شریعت پاک نے جو دو حکم دئے ہیں ان کا قطعاً کوئی شخص بھی کسی مسجد میں بھی خیال نہیں رکھتا، ایک اذان کے لیے مخصوص جگہ جو بیرونِ مسجد ہونا لازمی ہے کیونکہ مسجد کے اندر کوئی بھی اذان دینا جائز نہیں نہ پنجوقتہ نہ جمعہ کی اوّل و دوم بعض عُلماء نے جمعہ کی اذانِ ثانی کو داخلِ مسجد پہلی صف میں محراب کے پاس کہنا جائز مانا ہے مگر یہ اُن کی کم فہمی اور تنخواہ کی ضد ہے اذان کے متعلق شریعت کا دوسرا حکم یہ کہ مؤذن وہ مقرر ہو جو عالم متقی عاقل بالغ سمجھدار اذان کے الفاظ بالکل صحیح اور صاف آواز میں ادا کر سکنے والا مرد مسلمان ہو۔ جاہل فاسق بچے اور عورت کی اذان منع ہے اگر کسی نماز کے لیے بے سمجھ بچے یا جاہل غلط الفاظ بولنے والے آدمی، یا فاسق معلن نے یا عورت یا غیر مسلم نے اذان کہدی تو اذان دوبارہ کہی جائیگی۔ چنانچہ فتاوٰی دُرّ مختار جلد اول صفحہ ۳۶۵ پر ہے۔ وَيُعَادُ نَدْبًا وَقِيْلَ وُجُوْبًا اَذَانُ جُنُبٍ وَكَذَا اَذَانُ اِمْرَئَةٍ وَمَجْنُوْنٍ وَسُكْرَانٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ لِعَدَمِ قُبُوْلِ قَوْلِهٖ فِي الدَّعْوَةِ اور اس کی شرح میں فتاوٰی شامی اوّل ص ۳۶۵ پر ہے۔ وَالرَّاكِبُ وَالْقَاعِدُ وَالْمَاشِيْ وَالْمُنْحَرِفُ عَنِ الْقِبْلَةِ (الخ) ثُمَّ قَالَ وَيَنْبَغِيْ اَلَّا يَصِحَّ اَذَانُ الْفَاسِقِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى قُبُوْلِ خَبَرِهٖ وَالْاِعْتِمَادِ اِلَيْهِ اَيْ لِاَنَّهٗ لَا يُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْاُمُوْرِ الدِّيْنِيَّةِ فَلَمْ يُوْجَدِ الْاِعْلَامُ وَحَاصِلُهٗ اَنَّهٗ يَصِحُّ اَذَانُ الْفَاسِقِ وَاِنْ لَمْ يَحْصُلْ بِهِ الْاِعْلَامُ اَيِ الْاِعْتِمَادُ۔ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَاَنَّهٗ يُكْرَهُ اَذَانُ الْمَرْئَةِ وَالصَّبِيِّ الْعَاقِلِ (الخ) ثُمَّ اَعْلَمُ اَنَّهٗ ذُكِرَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ مِنْ سُنَنِ الْمُؤَذِّنِ كَوْنُهٗ رَجُلًا عَاقِلًا صَالِحًا عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْاَوْقَاتِ

ترجمہ۔ گیارہ شخصوں کی اذان شرعاً مکروہ ہے اور اُس کا لوٹانا مستحب ہے اور بعض علماء نے فرمایا لوٹانا واجب ہے ۱ ناپاک مرد کی ۲ عورت کی ۳ مجنون پاگل کی ۴ نشے والے کی ۵ بے سمجھ بچے کی ۶ کافر کی ۷ فاسق کی کیونکہ ان لوگوں کا بُلاوہ اور اطلاع شرعاً قبول نہیں ۸ چلتے پھرتے ہوئے اذان دینا ۹ کعبے سے منہ موڑ کر اذان دی ہوئی، پھر فرمایا کہ لائق

ہے یہ کہ فاسق فاجر بدمعاش گناہگار کی اذان اس لیے قبول اور معتبر نہیں کہ دینی کاموں میں ایسے بدکار کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا اُس کی اذان میں نماز کے لیے بُلاوا بھی قبول اور پسندیدہ نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ فاسق بدمعاش آدمی اگرچہ بالکل صحیح تلفظ سے اذان دے تب بھی منع ہے اور لوٹائی جائیں گی کیونکہ شریعت میں اُس کی اذان کا اِعلامُ یعنی بُلاوا معتبر نہیں ظاہر روایت میں بھی ہے کہ عورت اور سمجھ دار عاقل بچے کی اذان معتبر اور جائز نہیں اگر دیدی تو لوٹائی جائیں گی یعنی بڑا عالِم عاقل متقی آدمی پھر اذان کہے تب نماز جائز ہو گی پھر یاد رکھو کہ بے شک فتاویٰ حاوی قدسی میں ہے کہ مؤذِن کے لیے سنّتِ پاک کا حکم یہ ہے کہ اذان دینے والا مرد ہو عاقل بالغ ہو نیک متقی ہو اور سنّتِ اذان اور نماز کے وقتوں کا عالم ہو، فتاویٰ قہستانی میں ہے کہ فاسق اور سوار اور بیٹھ کر ۱۲ اذان دی گئی تو وہ بھی لوٹائی جائیں گی۔ فتاویٰ ردّ المحتار جلد اول کے صـ۳۶۲ پر ہے۔ وَاِنَّمَا يَسْتَحِقُّ ثَوَابَ الْمُؤَذِّنِيْنَ اِذَا كَانَ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْاَوْقَاتِ بِاَنَّ فِيْ اَذَانِ الْجَاهِلِ جَهَالَةٌ مُوْقِعَةٌ وَيُكْرَهُ اَذَانُ جُنُبٍ وَاِمْرَأَةٍ وَخُنْثٰى وَفَاسِقٍ وَلَوْ عَالِمًا لٰكِنَّهٗ اَوْلٰى بِاِمَامَةٍ وَاَذَانٍ مِنْ جَاهِلٍ تَقِيٍّ وَظَاهِرُهٗ اَنَّ الْكَرَاهَةَ تَحْرِيْمِيَّةٌ۔ ترجمہ: اور اذان دینے والا مؤذنوں کے ثواب جیسے ثواب کا مستحق فقط اُس وقت ہوگا جب کہ اذان دینے والا اذان کے سنّت طریقے کو بھی جانتے والا ہو یعنی اچھی طرح صحیح صحیح الفاظ اذان ادا کر سکے اور نماز کے وقتوں کا بھی عالِم ہو تاکہ اذان وقت سے پہلے نہ کہدے اس وجہ سے کہ جاہل شخص کی اذان میں جہالت کا اندیشہ ہے اور مکروہ ہے جنبی، اور عورت اور خُسرے اور فاسق کی اذان اگرچہ یہ لوگ اذان کے عالِم ہوں۔ لیکن پھر بھی عالِم کی امامت اور اذانِ جاہل متقی سے بہتر ہے، اور مکروہ سے مراد کراھہ تحریمی ہی ظاہر ہے۔ فتاویٰ شرح عنایہ جلد اوّل صـ۱۷۱ اور صـ۱۷۲ پر ہے۔ وَالثَّانِيْ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ ذَكَرًا عَاقِلًا صَالِحًا عَالِمًا بِالسُّنَّةِ۔ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَخِيَارُهُمْ مَنْ كَانَ عَالِمًا بِاَحْكَامِ الشَّرْعِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ اور فتاویٰ فتح القدیر جلد اوّل صـ۱۷۳ پر ہے۔ ثُمَّ اسْتَدَلَّ بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلّم وَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ فَعُلِمَ اَنَّ الْمُرَادَ اَنَّ

اَلْمُسْتَحَبُّ کَوْنُهٗ عَالِمًا عَامِلًا لِاَنَّ الْعَالِمَ الْفَاسِقَ لَیْسَ مِنَ الْاَخْیَارِ (الخ) وَصَرَّحُوْا بِکَرَاهَةِ اَذَانِ الْفَاسِقِ مِنْ غَیْرِ تَقْیِیْدٍ بِکَوْنِهٖ عَالِمًا اَوْ غَیْرَهٗ ترجمہ۔ اور اذان کی دوسری شرط یہ ہے کہ مؤذن مذکر عاقل نیک متقی سنّتِ اذان کا عالم ہو۔ کیونکہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ اقدس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے وہ شخص اذان دیا کرے جو تم سب سے اعلیٰ افضل بہتر ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو عالم ہے شریعت کے احکام کا۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت فرمایا ہے فتاویٰ فتح القدیر نے اس حدیثِ مقدسہ سے دلیل یہ نکالی کہ مؤذن عالم بھی ہو عامل متقی بھی، ہو کیونکہ خِیَارُکُمْ یعنی سب سے بہتر تو وہی ہوگا جو باعمل عالم ہو۔ فاسق عالم خِیَارُکُمْ نہیں ہو سکتا، مؤذن کا عالم باعمل ہونا مستحب ہے، پھر آگے وضاحت فرمائی کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے عالم ہو یا غیر عالم یعنی جاہل ہو۔ پس حدیثِ رسول اللہ سے ثابت ہوا کہ مؤذن کا عالم متقی ہونا لازم ہے اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل باب الثانی فی الاذان ص۵۳ پر ہے۔ وَیَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ الْمُؤَذِّنُ رَجُلًا عَاقِلًا صَالِحًا تَقِیًّا عَالِمًا بِالسُّنَّةِ (الخ) وَالْاَحْسَنُ اَنْ یَکُوْنَ اِمَامًا فِی الصَّلٰوةِ۔ ترجمہ، اور لائق واجب ہے یہ کہ ہو اذان دینے والا مرد عاقل بالغ، سمجھ دار نیک متقی اذان کی سنت اور طریقے کو بہت اچھی طرح جاننے والا، اور سب سے بہتر مؤذن وہ شخص ہے جو اتنا بڑا عالم ہو کہ نمازوں کا امام بھی بن سکے لیکن مقرر شدہ امام کو خود اذان نہ دینی چاہیے کیونکہ حدیثِ پاک میں منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ جامع صغیر جلد دوم ص۱۹۴ پر بحوالہ بیہقی شریف بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے۔ نَهٰی اَنْ یَکُوْنَ الْاِمَامُ مُؤَذِّنًا ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ مسجد کا مقرر شدہ امام ہی مؤذن مقرر ہو اور امام ہی کی ذمہ داری بنا دی جائے کہ وہی اذان بھی دیا کرے یہ شرعًا ممنوع ہے۔ ان تمام احادیث وعبارات سے ثابت ہوا کہ اذان بہت اہم عبادت ہے اور اس کے لیے بہت عمدہ آدمی پڑھا لکھا قرأت و تجوید کا ماہر شخص ہونا ضروری ہے تاکہ اذان میں کسی قسم کی لفظی اوقاتی ادب واحترام

کی شرعی غلطی نہ ہو سکے کیونکہ غلط اذان پڑھنا بھی گناہ سننا بھی گناہ اور اس اذان سے نماز ادا کرنا جماعت کرانا بھی گناہ ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ مؤذن قوم کا امین ہے اگر وہ غلط اذان کہے یا وقت سے پہلے یا جہالت سے تو گویا اُس نے امانت میں خیانت کی اور اُس کی خیانت سے قوم کی عبادتیں برباد ہوں گی۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ مؤذن امین ہوتا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضل الاذان فصل ثانی ص۶۵ پر۔ بحوالہ مسند احمد ابو داؤد، ترمذی و مسند امام شافعی حدیث اس طرح منقول ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه علیہ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَد۔ اَبُو دَاؤُد، تِرْمِذِی، وَالشَّافِعِیْ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نمازوں کا امام مسلمانوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہے اور مؤذن مسلمانوں کا امانت دار ہے اے اللہ اماموں کو سچی ہدایت عطا فرما اور مؤذنوں کے گناہ بخش دے اور مجموعہ احادیث کی مشہور و معتبر کتاب کنوز الحقائق جلد دوم ص۱۲۴ پر ہے۔ اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اُمَنَاءُ النَّاسِ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ وَسُحُوْرِهِمْ وَعَلٰی فِطْرِهِمْ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیْ وَطِبْرَانِیْ۔ ترجمہ: بیہقی اور طبرانی نے حدیث پاک روایت فرمائی کہ مؤذن حضرات مسلمانوں کی نمازوں، سحریوں۔ اور افطاریوں کے امانت دار ہیں۔ اسی صفحہ ۱۲۴ پر دوسری حدیث مقدسہ اس طرح ہے کہ اَلْمُؤَذِّنُ اَمْلَكُ بِالْاَذَانِ وَالْاِمَامُ اَمْلَكُ بِالْاِمَامَةِ رَوَاهُ الدَّیْلَمِیْ۔ ترجمہ مسند دیلمی نے حدیث پاک بیان فرمائی کہ فرمانِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے مؤذن مالک بن گیا اذان کے ذریعہ اور امام نماز مالک بن گیا امامت کے ذریعہ۔ یعنی مسلمانوں کی عبادتوں کا یا معنیٰ ہے کہ مؤذن اذان کا اور امام امامت کا مالک بن گیا۔ کل قیامت انہی سے پوچھ ہوگی۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مؤذن تین چیزوں کا امانت دار ہے۔ (۱) نمازوں (۲) روزوں کی سحریوں (۳) افطاریوں کا۔ لہٰذا اگر اوقات میں ذرا غلطی کرے گا تو لوگوں کی نمازیں سحریں، افطاریں برباد عبادت غلط روزے تباہ یہ بہت بڑی خیانت ہے اور ایک دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ اذان بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں مسلمانوں کے لیے اگر اس میں بھی غلطی کرے گا تو خیانت کا گناہگار ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ

شریف بابُ فضل الاذان فصل اوّل ص۶۴ پر ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ
قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ
فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ (الخ) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ
بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہ تعالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ فرمایا آقا صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ اے مسلمانوں جب تم مؤذن کی اذان سنو تو بالکل اُسی کی مثل تم
بھی وہ الفاظ ادا کرو۔ اور پھر مجھ پر درود شریف پڑھو۔ اس حدیثِ مقدسہ سے ثابت ہوا
کہ مؤذن لوگ الفاظِ اذان کے بھی امانت دار ہیں۔ اس لیے کہ مؤذن سے سن کر ہر مسلمان نے
وہی کی مثل ادا کرنے ہیں تو اگر مؤذن نے صحیح کلمات ادا کئے سننے والا بھی صحیح ادا کرے گا اور مؤذن نے
امانت صحیح پہنچا دی لیکن اگر مؤذن نے غلط اذان کہی تو سننے والا بھی غلط الفاظ ادا کرے گا اور سب کا گناہ اس کو بھی پڑے گا، تو اس
طرح غلط اذان پڑھنے والے مؤذن پر تین طرح گناہ پڑے گا پہلا گناہ اُس کی اپنی
غلطی کا دوسرا گناہ، خیانت کا تیسرا گناہ سننے والے کی غلط ادائیگی کا۔ اِن ہی وجہ سے ایک
بزرگ نے فرمایا کہ میرا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر غلط اذان پڑھتا
ہو اس کو زندگی میں غربت ذلت ملتی ہے اور مرتے وقت چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے
یہ ظاہری سزا ہے، قبر و حشر میں نہ جانے کیا سزا ملے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ جان بوجھ کر غلط
اذان کہنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اذان دینے کا شوق ہو مگر [illegible] نہ درست کرنے نہ سیکھنے
کی طرف توجہ کرے اگر کوئی غلطی نکالے تو غصہ کرے۔ اور ضد کر کے غلط اذان دے
یہ بیماری آجکل عام ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ چنانچہ، کتاب کنوز الحقائق
جلد اوّل ص۱۴۵ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وسلّم سَیَاْتِیْ زَمَانٌ سُفْلَتُهُمْ
مُؤَذِّنُوْهُمْ۔ رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ وَمُسْنَدُ الْفِرْدَوْسِ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ قوم کے کمینے جاہل بیوقوف
مسلمانوں کے مؤذن بن جائیں گے۔ خیال رہے جس طرح غلط اذان پڑھنے والے کو عذاب
وگناہ بہت سخت ہے اسی طرح صحیح اذان پڑھنے والے کو ثواب بھی بہت عظیم الشان
ہے جس کی بشارت بہت سی احادیثِ مقدسہ میں ارشاد ہوئی۔ چنانچہ کنوز الحقائق جلد
دوم ص۱۰۳ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ حَافَظَ عَلَى الْاَذَانِ
سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ۔ ترجمہ، آقاءِ دوعالم حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس موذن شخص نے اپنی اذان پر ایک سال تک حفاظت فرمالی اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ کتنا عظیم الشان اجر وثواب ہے اللہ تعالیٰ ہر مؤذن کو یہ اجر حاصل کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے، اور جُہلا حمقا مؤذنوں سے مسجد کو بچائے اذان کی حفاظت کی سات صورتیں ہیں ۱ عقیدے کی حفاظت ۲ اوقات کی حفاظت ۳ پاکیزگی کی حفاظت بے غسل تو بالکل ہی ناجائز ہے بے وضو بھی بلا وجہ ومجبوری منع ہے ہاں البتہ سخت مجبوری میں بغیر وضو اذان جائز ہے تکبیر منع ہے ۴ مؤذن اپنی نیت کی بھی حفاظت کرے یعنی خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے بنیتِ ثواب اذان کہا کرے تنخواہ وغیرہ نہ لے ۵ اذان کے لفظوں کی بھی حفاظت کرے کوئی لفظ غلط ادا نہ ہو۔ یعنی پہلے اذان کسی عالم دین سے سیکھے پھر مؤذن بنے ۶ مؤذن اپنی اذان میں کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اذان لوٹانی پڑے ۷ مؤذن بھی وہ شخص ہو جس کی اذان شریعت میں جائز ہوتی ہے یعنی مرد عاقل بالغ عالم نیک متقی سمجھ دار ہو۔ ۱ عورت، ۲ بچہ، خنثیٰ، ۳ جاہل، شرابی، بدمعاش نہ ہو، ایک جگہ کھڑے ہوکر قبلہ رُخ ہوکر اذان دے یہ ہے سچی پکی حفاظتِ اذان ہوتب اُس کے لیے وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ کی بشارت ہوگی، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اذان پڑھنے میں تین قسم کی غلطیاں ہوسکتی ہیں ان سے بچنا ہر مؤذن کو لازم واجب ہے ۱ ترجیع ۲ تلحین ۳ تنحنح،

ترجیع یہ ہے کہ مؤذن اذان کے کلمات کسی وجہ سے تعدادِ معینہ سے زیادہ کہدے مثلاً اذانِ چار وقتہ میں پندرہ۱۵ کلمات ہیں اور اذانِ فجر میں سترہ ۱۷ کلمات ہیں، ہر تکبیر واقامت میں سترہ۱۷ کلمات ہیں تو کوئی مؤذن لوٹ لوٹ کر زیادہ کلمات ادا کرے اللہ اکبر کو پہلے پانچ بار کہدے یا تشہادتین کو بجائے دو۲ دو بار کہنے کے چار چار بار کہدے یہ کام جان کر کرے یا بھول کر کرے بہرحال شرعاً منع اور اذان غلط ہوجائے گی، تلحین یہ ہے کہ اذان یا تکبیر واقامت میں ایسی طرزیں، تُرز نکال کر نغمہ سرائی کرے جس سے اذان واقامت کے الفاظ بگڑ جائیں۔ عام مؤذنوں میں اسی قسم کی غلطیاں ان کی جہالت کی وجہ ہوتی ہیں۔ سائل نے بھی اسی قسم کی لحنی غلطیوں کا ذکر سوال میں کیا ہے تنحنح یہ ہے کہ مؤذن یا مکبر اپنی اذان یا تکبیر میں بلا عذر کھانسے، کھنکارے، یا کھنکھارے، فقہاء کرام نے ان تینوں غلطیوں سے مؤذن ومکبر کو منع کیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۳۵۹ پر ہے وَلَا تَرْجِيْعَ فَاِنَّهٗ مَكْرُوْهٌ وَلَا لَحْنَ فِيْهِ اَيْ تَغَنِّيْ بِغَيْرِ كَلِمَاتِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ فِعْلُهٗ

أَيْ بِزِيَادَةِ حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ أَوْ مَدٍّ وَغَيْرِهَا فِي الْأَوَائِلِ وَالْأَوَاخِرِ ترجمہ
اور ناجائز ہے اذان میں ترجیع کیونکہ وہ ترجیع مکروہ تحریمی ہے۔ اور اذان میں لحن۔ یعنی
نغمہ سرائی بھی ناجائز ہے۔ یعنی اذان کے کلمات اور لفظوں کو بگاڑ کر ادا کرنا، کیونکہ حرام
ہے یہ کام اذان میں کہ زیر زبر کی زیادتی ہو جائے یا حرفوں کی یا مدّ وغیرہ کی زیادتی کی ہو
جائے لفظوں کے شروع میں یا آخر میں۔ اور فتاوٰی عالمگیری جلد اول ص۵۶ بابُ الاذان میں
ہے وَالْمَدُّ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ كُفْرٌ وَفِي آخِرِهِ خَطَاءٌ فَاحِشٌ۔ وَيُكْرَهُ التَّلْحِيْنُ وَ
هُوَ التَّغَنِّي بِحَيْثُ يُؤَدِّي إِلَى تَغْيِيرِ كَلِمَاتِهِ كَذَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِابْنِ
الْمَالِكِ وَتَحْسِينُ الصَّوْتِ لِلْأَذَانِ حَسَنٌ مَا لَمْ يَكُنْ لَحْنًا۔ ترجمہ۔ اور تکبیر
یعنی۔ اللہ اکبر، کے اوّل میں مد لگانا کفر ہے۔ اگر جان بوجھ کر لگائے گا تو مؤذن کافر ہو جائے
گا۔ اس لیے کہ اوّل میں مدّ لگانے سے یہ فقرہ سوال انکاری کا بن جائے گا اور ترجمہ ہو گا
کیا اللہ سب سے بڑا ہے اور یہ کہنا کفر ہے اور آخر میں مدد لگایا تو بہت فاحش غلطی کی
اگر جہالت سے ناسمجھی میں آگے یا پیچھے مد لگایا تو اگرچہ کافر نہ ہوگا مگر بدترین گناہ کبیرہ کیا
اور اذان غلط ہو گئی دوبارہ کہی جائے گی۔ اور مکروہ تحریمی ہے اذان میں تلحین کرنا اور
تلحین کا معنٰی ہے اس طرح نغمہ سرائی کرنا کہ اذان کے الفاظ متغیر ہو جائیں یعنی بگڑ جائیں ابن مالک
کی شرح مجمع میں بھی یہ مسئلہ ایسا ہی لکھا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ اذان میں اچھی آواز بنانا
اچھا ہے مگر لحن نہیں بنانا چاہیئے لحن سے الفاظ بگڑ جاتے ہیں اذان غلط ہو جاتی ہے
اسی طرح فتاوٰی فتح القدیر جلد اوّل ص۱۷۳ پر ہے۔ وَيَدْخُلُ فِي الْجَبَايَرِ أَيْضًا مِنْ
لَا يَلْحَنُ الْأَذَانَ لِأَنَّهُ لَا يَحِلُّ وَتَحْسِينُ الصَّوْتِ مَطْلُوبٌ (الخ) فَظَهَرَ مِنْ
هٰذَا أَنَّ التَّلْحِيْنَ هُوَ إِخْرَاجُ الْحَرْفِ عَمَّا لَا يَجُوزُ فِي الْأَذَانِ وَهُوَ
صَرِيحٌ فِي كَلَامِ الْإِمَامِ الْأَحْمَدِ فَإِنَّهُ سُئِلَ عَنْهُ فِي الْقِرَاءَةِ فَمَنَعَهُ،
فَقِيلَ لَهُ لِمَ. قَالَ مَا اسْمُكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ. قَالَ لَهُ أَيُعْجِبُكَ
أَنْ يُقَالَ لَكَ. يَا مُوحَامِدُ. قَالُوا وَإِذَا كَانَ لَمْ يَحِلَّ فِي الْأَذَانِ
فَفِي الْقِرَاءَةِ أَوْلَى **عينيه** لَا يَحِلُّ سَمَاعُهَا أَيْضًا۔ وَيُكْرَهُ التَّنَحْنُحُ
عِنْدَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لِأَنَّهُ بِدْعَةٌ۔ ترجمہ، حدیث مقدسہ
کا ارشاد کہ تمہارے مؤذن تم میں سب سے بہتر لوگ ہوں تو اُن بہتر میں وہ لوگ بھی

شامل ہیں جو اپنی اذان میں لحن یعنی نغمہ سازی سُر بازی نہ کریں کیونکہ اذان میں لحن بنانا حرام ہے حلال نہیں، خوب صورت آواز مطلوب ہے نہ کہ لحن اِس حکم سے ظاہر ہوا کہ لحن کا معنی ہی یہ ہے کہ اس طرح سے الفاظ نکالنا جو اذان میں جائز نہیں ہیں اور یہی وضاحت ہے امام احمد بن حنبل رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عنہ کے کلام میں کہ پس بے شک پوچھا گیا ایک بار اُن سے قرئت میں لحن کرنے کے متعلق تو آپ نے لحن سے منع فرمایا، تو عرض کیا گیا اُن سے کہ لحن کیوں منع ہے۔ آپ نے سائل سے فرمایا تیرا نام کیا ہے۔ اُس نے کہا میرا نام محمد ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تجھ کو یہ بات پسند ہے کہ کوئی شخص تجھ کو مُوحَامِد کہہ کر بلائے۔ مقصد کلام یہ کہ جب کسی بھی شخص کو یہ پسند نہیں کہ اُس کا نام بگاڑ کر لیا جائے تو اللہ رسول کو یہ بات کب پسند ہوگی کہ کوئی شخص اذان کے الفاظ وکلمات بگاڑ کر ادا کرے اور لحن کرنے سے الفاظ بگڑ تے ہیں۔ فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ جب اذان میں لحن ناجائز ہے تو تلاوت میں لحن بنانا الفاظ بگاڑنا اِس سے بھی زیادہ گناہ ہے۔ پس جس وقت غلط اذان یا تلاوت کی جائے تو اُس کو سننا بھی حلال وجائز نہیں۔ اسی طرح اذان اور اقامت میں تیسری قسم کی مثل یعنی کھانسنا کھنکارنا منھ مارنا بھی مکروہ ہے تحریمًا۔ اس لیے کہ بلاوجہ کھانسنا اذان یا تکبیر میں بدعت ہے شرعیہ۔ خلاصہ کلام یہ کہ کسی قسم کی غلطی کرنا اذان یا اقامت میں اذان واقامت کو بالکل خراب کر دیتی ہے نحوی کی غلطی ہو یا لحنی یا ترجیعی یا اوقاتی یا اخلاقی یا شرعی قانونی اذان میں ہو یا مؤذن میں تکبیر میں ہو یا مکبر میں۔ فی زمانہ عام طور پر اذان میں مختلف مؤذنوں سے تقریبًا تیرہ۱۳ قسم کی غلطیاں سرزد اور ظاہر ہوتی ہیں جن حضرات کو اذان دینے کا شوق ہو وہ پہلے علماءِ کرام یا قاری حضرات سے اپنی اذان بالکل درست کرائیں تاکہ ایک بھی لفظی غلطی باقی نہ رہے۔ بلکہ ہر مسجد میں علماءِ کرام از خود اِسی چیز کا خیال رکھیں کہ جو شخص اذان دینا چاہے پہلے علیحدگی میں اُس سے اذان سنیں اگر کوئی غلطی ہو تو اُس کو اچھی طرح دوست کرائیں پھر اُس کو اذان اور تکبیر پڑھنے کی اجازت دیں۔ اگر کسی نے اذان یا تکبیر غلط پڑھی دی تو دوبارہ کسی دوسرے اُس شخص سے اذان پڑھائی جائے جس کی اذان واقامت بالکل صحیح و درست ہو۔ غلطی ۱ آ اللّٰہُ اَکبَر اس طرح کی غلطی کرنا کفر ہے ۲ اَللّٰہُ اَکبَار اس طرح کی غلطی کرنا حرام منیۃ المصلی میں ہے کہ اکبار شیطان کا نام ہے۔ لہٰذا

ایسا کہنا بھی کفر ہے ۳ اَیلاہُ اکبَرَ۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ۴ اَلاہُ اکبر یہ بھی گناہ ۵ اَشھادُ اَلَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۶ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہ اِلَّو لاَّ۔ ۷ اَشْھَدُ اَنَّا مُحَمَّدَ رَسُوْلُ اللہ ۸ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدُ رَسُوْلِ اللہ ۹ حَیَّا عَلَی الصَّلٰوۃ ۱۰ حَیَّ عَلَی الْفَلاَہ ۱۱ حَیَّ عَلَی الْفَلاَ۔ ۱۲ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّو ۱۳ لاَ اِیْلاَہَ اِلَّا اللہ یہ غلطیاں ہیں جو جاہل مؤذنوں سے ظاہر ہوتی ہیں کسی سے ایک کسی سے دو، وغیرہ وغیرہ

یعنی ۱ اَللہ کو آللہ ۲ اَکْبَرُ کو اکبار ۳ یا اَللہُ کو اِیْلاَہ کہنا ۴ یا اَللہُ کو اَلاہُ پڑھنا ۵ اَشْھَدُ کو اَشھادُ پڑھنا ۶ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کو اِلَّو لاَّ۔ پڑھنا ۷ اَشْھَدُ اَنَّ کو اَشْھَدُ اَنَّا۔ پڑھنا ۸ اَنَّ مُحَمَّدَ رَسُوْلُ اللہ کو اَنَّ مُحَمَّدُ رَسُوْلُ اللہ پڑھنا ۹ حَیَّ کو حَیَّا پڑھنا

۱۰ حَیَّ عَلَی الْفَلاَحِ کو حَیَّ عَلَی الْفَلاَہ پڑھنا ۱۲ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کو مِنَ النَّوْ پڑھنا ۱۳ لَا اِلٰہَ کو لَا اِیْلاَہ کہنا۔ صحیح اذان اس طرح ہے۔ ۱ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۲ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۳ اَللہُ اَکْبَرُ ۴ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۵ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۶ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۷ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ ۸ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ ۹ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ۱۰ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ ۱۱ حَیَّ عَلَی الْفَلاَح ۱۲ حَیَّ عَلَی الْفَلاَح ۱۳ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم۔ ۱۴ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم ۱۵ اَللہُ اَکْبَرُ ۱۶ اَللہُ اَکْبَرُ۔ ۱۷ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح تلاوت، اذان اقامت کی توفیق عطا فرمائے اور لفظی غلطیوں سے بچائے، زیادہ تر غلطیاں اذان میں ہوتی ہیں اقامۃ میں نہیں ہوتیں اس لیے کہ لمبی گلے بازی اور مختلف لحن کی طرزیں نکالی جاتی ہیں لہٰذا ہر مؤذن کو چاہیئے کہ اذان کی طرف سیکھنے سکھانے میں زیادہ توجہ دے اور استاد کے سامنے علیحدگی میں خوب دل لگا کر پریکٹس کرے جب ہر طرح مکمل درست ادائیگی ہو جائے استاد عالم کہدے کہ اب تیری اذان بالکل درست ہے تب نماز کا مؤذن بنے تاکہ عند اللہ ثواب واجر پائے۔ اور دنیا کی ذلت وقت موت کی عبرت، قبر وحشر کی نفرت سے بچے کیونکہ تلاوت کی غلطیوں سے غربی آتی ہے اذان کی غلطیوں سے چہرے پر سیاہی آتی ہے خاص کر مرنے کے وقت اور دونوں بے پرواہیوں سے قبر وحشر کی نفرت ملتی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دینار آخرت کی ہر نفرت ذلت غربت سے بچائے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب۔

کتبہ

بائیسواں ۲۲ فتویٰ

اقامۃ پنجوقتہ کے کلمات بھی مثل اذان ہیں تعداد میں یعنی ستر۱۷ہ عدد شرعی قانون سے سعودیہ نمازوں کی اقامت غلط ہے احادیث کے خلاف ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں عرصۂ دراز سے تکبیر اقامۃ کے الفاظ بھی اذان کے الفاظ کی تعداد کے مطابق ہی ادا کیے جاتے تھے یعنی اوّلاً چار مرتبہ اللہ اکبر، پھر دو بار شہادۃ توحید پھر دو بار شہادت رسالت پھر دو بار حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ پھر دو بار حَیَّ عَلَی الفَلَاح، پھر دو بار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ پھر آخر میں دو بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پھر ایک بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ صرف ہماری مسجد میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگال، عراق، یعنی تقریباً آدھی دنیا کی مساجد میں ہر نماز کی اقامۃ اسی طرح تعداد اذان کی مثل ہر دن پانچ وقت کہی جاتی ہے ہندوستان پاکستان کی مسجد میں تو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ افغانستان عراق سے وہاں کے باشندوں نے ہم کو بتایا ہے۔ بنگال کے بہت سے لوگ ہمارے پڑوسی ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھی اسی طرح مثل اذان اقامۃ اور تکبیر کے کلمات ہوتے ہیں۔ لیکن پچھلے سال ہمارے محلے کے چند لوگ حج کرنے گئے واپس آکر انھوں نے شور مچا دیا کہ تمہاری اقامت غلط ہے ہم نے سعودی عرب کی مسجد حرام اور مسجد نبوی میں تکبیر سنی ہے ہر نماز پنجوقتہ بھی اور نماز جمعہ میں بھی کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ شروع میں دو بار کہتے ہیں پھر اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک بار پھر اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ ایک بار حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ ایک بار

پھر حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔ ایک بار، پھر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو بار، پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ دو بار، پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ایک بار۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اُن کی مسجد میں بھی تکبیر پنجوقتہ اسی طرح کہی جائے۔ یعنی اذان سے چھوٹی کرکے کہ اذانِ ظہر، عصر، مغرب، عشا، جمعہ کے پندرہ کلمات، اذانِ فجر کے سترہ کلمات ادا کئے جائیں مگر ہر تکبیر واقامت کے گیارہ کلمات ادا کئے جائیں اس بات پر ہر نماز کے وقت جھگڑا ہوتا ہے اگرچہ ابھی تک ہم نے ان کی نہیں مانی اور حسبِ سابق ہی مکمل سترہ کلمات سے اِقامۃ ہو رہی ہے مگر ان کے جھگڑے سے اہلِ محلہ نمازی مسلمان پریشان ہیں۔ ہم نے اُن چند نمازی جھگڑالوؤں کو بہت سمجھایا کہ دیکھو سعودی عرب کے لوگ حکومت سے ڈر کر ایسا کر رہے ہیں وہاں نجدی وہابیوں کی حکومت ہے وہ تو ہر سال رمضان، عید الفطر اور حج بھی غلط کرا رہے ہیں۔ لہذا اُن کی تکبیر غلط ہے ہندوستان، پاکستان اور افغانستان وغیرہ دنیا کے اکثر حصے ہیں صدیوں سے اِس طرح مثلِ اذان سترہ کلمات سے ہر نماز پنجوقتہ کی اِقامت کہی جاتی ہے اور ان ملکوں کے جید بڑے بڑے علما بذاتِ خود تکبیر پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں سعودی عرب میں بھی اس نجدی وہابی حکومت سے پہلے ترکی حکومت کے وقت اسی طرح سترہ کلمات کی تکبیر ہوتی تھی۔ مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں پہلی حکومتوں پہلے زمانوں کا پتہ نہیں اور اب دنیا میں مرکزِ اسلام ہندوستان، پاکستان، افغانستان یا عراق نہیں بلکہ حرمین شریفین مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ ہے اس لیے ہر مسلمان کو مرکزِ اسلام کی بات ماننی چاہیئے۔ وہ لوگ سچے اور صحیح ہیں تب ہی تو وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو قبضہ وحکومت دی ہے۔ آخر فیصلہ اس بات پر ہوا ہے کہ علماءِ اسلام سے شرعی فتویٰ منگایا جائے۔ اور ہم سب دونوں گروہوں کا آپ کے فتویٰ پر اتفاق ہوا ہے لہذا ہم کو قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں مکمل و مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا کہ نمازوں کے لیے کونسی اِقامت درست ہے سترہ کلمات والی یا سعودی تکبیر کلمات والی سب لوگ آپ کے فتوے کے منتظر ہیں۔ فقط والسلام۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائلان۔ ساؤتھ ناظم آباد کراچی، اقبال، ایاز، عمران خان گردیزی، وغیرہ وغیرہ بقلم خود۔ ۱۹۹۲/۴/۲

الجواب بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّاب

الجواب

بحمدہ تعالیٰ امام اعظم سراج امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہر نمازِ روزمرہ با جماعت کی اقامۃ وتکبیر بھی اپنے کلمات ہیں اور کلمات کی ادائیگی تعدادی ہیں بالکل پنجوقتہ اذان کی مثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ اذان مسجد کے باہر کانوں میں انگلیاں لگا بلند آواز سے الفاظ کھینچ کر کہی جائے گی مگر اقامۃ مسجد کے اندر پہلی صف میں ہاتھ کھلے چھوڑ کر جلدی جلدی اتنی آواز سے کہی جائے گی جو مسجد کی حدود میں مسجد میں موجود بکھرے نمازیوں تک پہنچ جائے لیکن اقامت کے الفاظ وکلمات کی ترتیب، تعداد وتکرار میں اذان واقامت کا کوئی فرق نہیں، چنانچہ جتنے کلمات اور جس طرح تکرارِ کلمات اذان کے ہیں اتنے ہی اقامت کے ہیں صرف اتنی زیادتی ہے کہ ہر تکبیر میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد دو۲ مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ہے اور فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد دو۲ مرتبہ۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم۔ ہے اس طرح چہار وقت کی اذان میں پندرہ۱۵ کلماتِ طیبات اور فجر کی اذان میں سترہ۱۷ کلمات اور پنجوقتہ تکبیر میں سترہ۱۷ کلمات ہیں، احادیثِ مقدسہ وعملِ صحابہ سے یہی ثابت ہے لہذا حنفی مسلک بھی یہی ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ امام مالک امام شافعی امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہ مسلک یہ ہے کہ ہر اقامت میں شہادتین یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ اور حیعلتین یعنی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔ یہ چاروں کلمات ایک ایک بار کہے جائیں۔ مگر تکبیر یعنی اللہ اکبر پہلے ابتدا میں بھی دو۲ بار اور بعد میں بھی دو۲ بار اور آخر میں ایک بار تہلیل یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے دوبار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ اسی طرح اِقَامَۃ کے الفاظ وکلمات گیارہ عدد بنتے ہیں۔ یہ تینوں ائمہ کا مسلک ہے چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد اوّل ص۳۶۰ ہے۔ وَالْاِقَامَۃُ کَالْاَذَانِ فِیْمَا مَرَّ وَعِنْدَ الثَّلَاثَۃِ ھِیَ فُرَادٰی اَیْ اَلْاِقَامَۃُ وَالْاَوْلٰی ذِکْرُہٗ عِنْدَ قَوْلِہٖ وَھِیَ کَالْاَذَانِ۔ ترجمہ: اور نمازوں کی اقامۃ تکبیر بالکل اذان کی طرح ہے ان دلائل سے جو گزرے اور وہ اقامتُ تینوں اماموں کے نزدیک ایک ایک بار ہے مصنف درمختار اور صاحب تنویر الابصار کو چاہیے تھا کہ تینوں اماموں کا مسلک ھِیَ فُرَادٰی والا وہیں ساتھ ہی ذکر فرما دیتے جہاں امام اعظم کا مسلک ھِیَ کَالْاَذَانِ ذکر کیا تھا بہتر تھا۔ فاصلہ کر کے علیحدہ نہ لکھتے، حاشیہ مشکوٰۃ بحوالہ مرقات حاشیہ نمبر۹

ص۶۳ پر ہے۔ اَنَّ اْلاِقَامَۃَ فُرَادٰی وَاِلَیْہِ ذَھَبَ الزُّھْرِی وَمَالِکٌ وَالشَّافِعِی وَالْاَوْزَاعِیُّ وَاَحْمَد۔ وَسَیَاتِی، دَلِیْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمَنْ وَّافَقَہٗ مِنَ الْعُلَمَاءِ

توجمہ، ایک دلیل سے ثابت ہے کہ بے شک اِقامۃ ایک ایک مرتبہ ہے اور اسی طرف گئے ہیں یعنی یہی مسلک بنالیا ہے علامہ زُہری نے اور امام مالک نے اور امام شافعی نے اور علامہ اَوزاعی نے اور امام احمد بن حنبل نے اور امام اعظم امام ابوحنیفہ اور آپ کے ہم مذہب علماء کرام کی دلیل عنقریب آگے احادیث مبارکہ مقدسہ میں آرہی ہے۔ ان عبارات سے ثابت اور واضح ہوا کہ حنفی مسلک میں اقامت اپنی ترتیب ترکیب میں مثلِ اذان ہے اور کلمات کی تعداد سترہ ہے۔ اور باقی اَئمہ کے مسلک میں اَقامۃ فُرادٰی یعنی ایک ایک بار ہر لفظ ہے۔ اگر تمام کلمات کو فُرادٰی یعنی ایک ایک بار کہا جائے تو کُل کلمات آٹھ عدد بنتے ہیں اَئمۃ ثلاثہ کے ذاتی اور زمانی عمل کا تو پتہ نہیں چلتا نہ کہیں وضاحت ملتی ہے کہ یہ حضرات خود یا اُن کی موجودگی میں اِن کے مقلدین کس طرح اِقامت کہتے تھے مکمل فرادٰی آٹھ کلمات کہتے تھے یا کم وبیش مگر موجودہ دَور میں اِن کے مقلدین اور اُن کی دیکھا دیکھی غیر مقلدین بھی اور سعودی لوگ بھی تکبیر واقامت میں گیارہ کلمات اَدا کرتے ہیں جو فرادٰی کے بھی خلاف ہے اور حنبلی شافعی، مالکی مسلک کے بھی اور سعودی لوگ تو اپنی ضد وجہالت میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اپنی حکومت کے زور پر ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا حج، رمضان اور عیدُالفطر غلط کرارہے ہیں، کئی بار غلطی سے آگاہ کیا گیا اَخباروں میں چھاپا گیا غلطی تسلیم بھی کرلی مگر ضد کے پکے باز نہیں آتے، جن کو نماز روزوں اور حج کے غلط ہونے کی پرواہ نہیں ان کو ایک اِقامت کے غلط اور اپنے ہی مسلک کے خلاف چلنے کی کیا پرواہ ہوگی جب خوفِ الٰہی اور شرم نہ رہے تو جو چاہے کرتا پھرے اسی لیے میں نے کبھی اُن کو امام کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی جب بھی حاضری نصیب ہوئی ہمیشہ بعد از جماعت حاضر مسجد ہوکر اپنی جماعت کراکر نماز پڑھی ایک بار مسجد نبوی میں منتظم بلدیہ نے مجھ سے پوچھا بھی تھا کہ تم روزانہ اپنی نماز با جماعت علیحدہ کیوں پڑھتے ہو ہمارے امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے کیا تمہیں ہم سے نفرت ہے۔ تو تقریباً ایک گھنٹہ سوالاً جواباً گفتگو کرکے اُس کی تسلی کرادی اور وہ خاموش ہوگیا۔ پوری تفصیلی گفتگو پھر کبھی سناؤں گا میں تو اپنے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ اگر نمازیں بچانی ہیں تو بے شک مسجد میں جاکر بغیر جماعت پڑھو مگر سعودی امام کے پیچھے کوئی فرض

وغیرہ نماز نہ پڑھو۔ بہر کیف اقامت کے کلمات آٹھ عدد ادا کئے جائیں یا گیارہ عدد ائمہ ثلاثہ کا یہ مسلک بھی اُن کے دیگر مسلکوں مسئلوں کی طرح دلائل و استدلال کے اعتبار سے انتہائی اور حیران کن حد تک کمزور ہے۔ ائمہ ثلاثہ اپنے اس مسلک کے دلائل میں بخاری و مسلم کی ایک حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری حدیث پاک، ابو داؤد، نسائی، اور دارمی میں مذکور ہے اُن کے مذاہب کی کتب میں فقط یہ دو حدیثیں ہی منقول ہیں جن سے استدلال کر کے اپنے کمزور مسلک کی دلیلیں بنا ڈالیں، اِن دو روایتوں کے علاوہ کوئی دلیل مذکور نہیں جیسا کہ کتاب فقہ مذاہب اربعہ جلد اوّل ص۱۲۰ پر تفصیل موجود ہے یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف نے مندرجہ بالا کتب احادیث کے حوالے سے ہی نقل فرمائی ہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب الاذان فصل اوّل ص۶۳ پر ہے۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ وَذَکَرُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمٰعِیْلُ فَذَکَرْتُهٗ لِاَیُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ اور اصل بخاری جلد اوّل باب الاذان مثنٰی ص۲۲۵ پر الفاظ اس طرح ہیں، عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔ اگلی عبارت۔ قَالَ اِسْمٰعِیْلُ۔ والی وہاں نہیں ہے ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک بار محفلِ صحابہ میں اذان کے مسئلے پر مشاورت ہو رہی تھی تو کسی نے آگ جلانے کا ذکر کیا اور کسی نے بگل بجانے کا مشورہ دیا اور یہود و نصارٰی کا ذکر کیا کہ یہودی لوگوں کو کنیسے میں بلانے کے لیے آگ جلاتے ہیں اور عیسائی ناقوس بجاتے ہیں (آج کل تو گرجہ میں گھنٹہ۔ بجاتے ہیں) تب اس مشورے کے بعد حکم دئیے گئے حضرت بلال رض (غالباً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہی بلال کو حکم دیا ہو گا) کہ اے بلال تم ہر نماز کے لیے گھر گھر دروازے دروازے پر ہر مسلمان کو مسجد میں آنے کی دو دو بار اطلاع دیا کرو۔ اور مسجد میں اقامت کے لیے ایک بار آواز دیا کرو۔ اسماعیل راوی نے فرمایا کہ میں نے اس روایت کا ذکر ایوب راوی سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مگر اب اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ تو ایک بار نہیں کہا جاتا تو وہ دوبارہ ہوتا ہے یہ ترجمہ تشریح وہ ہے جو مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل میں حضرت حکیم الامّت نے بیان فرمائی وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں مسجد نبوی یا مدینہ منورہ کے کسی گھر میں اُس پہلی محفل

مشاورت کا ذکر ہے جو اذان و اقامت کے بارے میں منعقد ہوئی تھی اس میں آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تھا کہ ہر نماز کے وقت نمازوں کے لیے مسلمانوں کو کس طرح بلایا جائے، کسی نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے یہودی طریقے کا ذکر عرض کیا اور کسی نے عیسائیوں کی طرح ناقوس یعنی بگل بجانے کا ذکر کیا لیکن نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں بلال کو حکم فرمایا کہ فی الحال تم ہر نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع مسلمانوں کے گھروں میں پہنچا دیا کرو اور دو دو بار آواز لگایا کرو۔ اور جماعت کھڑی ہونے کی اطلاع ایک بار ہی کافی ہے۔ یہاں لغوی معنیٰ مراد ہے اذان بمعنیٰ اطلاع دینا اور اِقَامَتُ بمعنیٰ جماعت کھڑا ہونا اور حاضر موجود نمازیوں سے کہنا کہ صفیں بنالو جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ یہ لغوی معنیٰ کرنا اس لیے ہے کہ یہ پہلی میٹنگ ہے ابھی تو اذان کے الفاظ مسلمانوں کو ملے ہی نہیں وہ تو چند دن بعد دوسری یا تیسری محفلِ مشاورت کے دوران رات کو چند صحابہ کرام کی خوابوں میں ملیں گے اس لیے اُن خوابوں سے قبل اُمرِ بلال کا تذکرہ عام اِطلاع دینے کا بیان ہے نہ کہ اصطلاحی مشہورہ مروجہ اذان، یہ تشریح مضبوط ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث پاک سے بھی ہو رہی ہے چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل باب بَدْءِ الْاَذَانِ صفحہ ۲۲۴ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عمر رضی اللہ عنہ کَانَ یَقُوْلُ کَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِیْنَ قَدِمُوا الْمَدِیْنَةَ یَجْتَمِعُوْنَ فَیَتَحَیَّنُوْنَ الصَّلٰوةَ لَیْسَ یُنَادِیْ لَهَا فَتَکَلَّمُوْا یَوْمًا فِیْ ذَالِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰی وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْیَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا یُنَادِیْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ یعنی جب مسلمان مدینہ منورہ میں آئے اور ان کو نمازوں کے لیے بلاوے کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے جو پہلی میٹنگ ہوئی اس میں بعض نے کہا منادی کے لیے ناقوس بجایا کرو بعض نے کہا قرن کا بگل (بوقا) بجایا کرو تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پہلے تو تم کسی آدمی کو بھیجو جو ابھی تو جا کر منادی کرے نماز کی تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بلال اُٹھو اور نماز کی منادی کرو۔ مگر فقہاءِ متقدمین نے۔ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ کا معنیٰ کیا ہے کہ اذان لمبی آواز سے دی جائے تاکہ کلمات اپنی درازی کی بنا پر ڈبل ہوتے جائیں اور ایک کلمے کی ادا میں اتنا

وقت لگے جتنا دوٓ بار کہنے میں لگتا ہے اور اذان سے یہ مشہورہ مروجہ اذان ہی مراد ہے۔
اور اَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَۃَ۔ کا معنی یہ ہے کہ اَقَامَۃِ وتکبیر جماعت، جلدی جلدی کہی جائے
تاکہ الفاظ دراز نہ ہوں اور کوئی لفظ ڈبل محسوس نہ ہو۔ چنانچہ، فتاوی بحرُ الرَّائِق جلد اوّل ص۲۵۷
پر ہے۔ وَاَمَّا مَا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ
فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی اِیْتَارِ صَوْتِھَا بِاَنْ یَّحْدُرَ فِیْھَا (الخ) لَا اِیْتَارَ اَلْفَاظِھَا۔ اور
فتاوی رَدُّ المحتار شامی جلد اوّل ص۳۶۱ پر ہے۔ وَدَلِیْلُ الْاَئِمَّۃِ الثَّلَاثَۃِ مَا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ
اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ وَھُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰی اِیْتَارِ
صَوْتِھَا بِاَنْ یَّحْدُرَ فِیْھَا تَوْفِیْقًا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النُّصُوْصِ الْغَیْرِ الْمُحْتَمَلَۃِ۔
ترجمہ، دونوں عبارتوں کا۔ بحرُ الرَّائِق۔ اور لیکن وہ حدیثِ پاک جو روایت فرمائی بخاری
شریف نے کہ اُمِرَ بِلَالٌ۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کو شفع
کریں اور تکبیر کو وِتر کریں تو یہ محمول ہے اس معنی پر کہ اقامت کی آواز میں وَتر کریں اس
طرح کہ اقامت میں حدر کریں یعنی جلدی جلدی تکبیر پڑھیں، یہ معنی نہیں ہے کہ الفاظ میں وتر
کریں یعنی تکبیر واقامۃ کے لفظوں کو ایک ایک بار کہنا مراد نہیں ہے ۲ شامی کا ترجمہ اور
تینوں اماموں کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جو بخاری نے روایت فرمائی کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا
گیا وہ اذان کو شفع کریں اور اقامتْ کو وتر کریں تو وہ حدیث محمول ہے آواز کے
ایتار پر نہ کہ الفاظ کے ایتار پر۔ یعنی اقامت میں حدر کریں۔ (جلدی جلدی پڑھیں)
اذان میں آواز کھینچیں لمبی طرز میں لگائیں۔ یہ معنیٰ اس لیے مراد لینا ضروری ہے تاکہ یہ
حدیثِ اُن احادیث کے مطابق وموافق ہو جائے جن احادیث میں کوئی احتمال واندیشہ
نہیں اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ اقامت اپنی تعداد میں مثلِ اذان ہے یہ
حنفی فقہا کی طرف سے اس حدیثِ پاک کا معنیٰ واحتمال ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ، اَنْ یَّشْفَعَ
الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَۃَ کا معنیٰ کرتے ہیں کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا، وہ اذان کو
دوٓ، دوٓ بار کہا کریں، شَفْعٌ کا معنیٰ ہے ایک لفظ کو دو بار کہنا اور اقامت وتکبیر کو ایک
ایک بار کو کہیں، وتر اور اس کے مصدر ایتار کا معنیٰ ہے ایک لفظ کو ایک بار کہنا۔ اس
حدیث مقدسہ سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا یعنی اپنے مسلک پر دلیل حاصل کی یا اپنے اس
مندرجہ معنیٰ سے اپنا یہ مسلک ومذہب بنا لیا کہ اذان کے تمام کلمات دو دو بار اور تکبیر

کے سب کلمات ایک ایک بار، حالانکہ یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے اس لیے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور اس میں اتنے اجمال ہیں کہ ان کی وجہ سے اس میں بہت سے احتمال پیدا ہوگئے اور قانونِ فقہ ہے کہ جس حدیث میں اجمالات و احتمالات ہوں اُس سے استدلال کرنا غیر مدبّرانہ اور کمزور فعل ہے۔ اس روایت کے اجمالات ۱؎ پہلا اجمال، اس حدیثِ پاک میں اُمِرَ بلالٌ ہے یعنی حضرت بلال رض حکم دئے گئے یہ معلوم نہیں کہ کس نے حکم دیا، اس اجمال سے دو احتمال پیدا ہوئے ایک یہ کہ کسی صحابی نے حکم دیا، دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا، دوسرا اجمال، اس پوری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں، پتہ نہیں کہ اس محفل میں نبی کریم شامل بھی تھے یا نہیں اس اجمال سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ محفل صرف صحابہ کرام کا ذاتی تبادلہ خیالات ہو یہاں تک کہ کسی نماز کا وقت ہوگیا ہو تو خود صحابہ نے بلال سے کہا ہو کہ جاؤ گھر گھر نماز کی اطلاع دے آؤ اور دوبارہ اطلاع دینا۔ مگر جماعت کے وقت بکھرے حاضرین مسجد کو ایک بار اطلاع دینا کافی ہے ۳ تیسرا اجمال یہ معلوم نہ ہوا کہ اُمِرَ بلالٌ کا واقعہ کب ہوا۔ الفاظِ اذان کے نزول سے پہلے یا بعد میں اس اجمال کی وجہ سے ہی اس حدیثِ پاک کے معنیٰ و مطلب میں کسی نے کوئی احتمال نکال لیا کسی نے کوئی اور دوسرا کسی نے لغوی اذان واقامت مرادلی یعنی اطلاع دینا، کسی نے شفع کا معنیٰ ترسیل (لمبی آواز کرنا) کیا اور ایتار کا معنیٰ ایتار صوت یعنی تحدیر کرنا (جلدی جلدی کہنا) چوتھا اجمال یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اذان شفع اور اقامت کو وتر کیوں کیا گیا، عقل وفہم تو چاہتی ہے کہ دونوں کہ دونوں ترتیب وتعداد میں ایک جیسی ہوں، بلا وجہ تکبیر کو کم کرنا کیوں، پانچواں اجمال متنِ حدیث کے بعد ہے قَالَ اسماعیل معلوم نہیں اسماعیل سے امام بخاری مراد ہیں یا کوئی اور یہ تذکرہ تعجب ہے یا خبر دینا یا کوئی سوالیہ استفسار، پھر اس کے جواب میں ایوب راوی کا کہنا کہ اِلَّا الْاِقَامَۃَ نہ معلوم اعتراض ہے یا جواب یا وضاحت، اگر اعتراض ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ یُوْتِرُ اِلَّا قَامَۃَ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ میں ایتار نہیں، اور اگر یہ خبر ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ ساری اقامت میں وتر نہیں کیونکہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ میں شفع (دو بار کہنا) ہے اگر یہ وضاحت ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ یہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے کیونکہ روایت کہتی ہے کہ سب اقامت وتر ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کا کلمہ وتر نہیں بلکہ شروع سے سنتے

آئے ہیں کہ وہ دو بار یعنی شفع ہے، حنفی علما فقہا ایوب راوی سے بھی بڑا اعتراض کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اس روایت میں مطلقاً یُوتِرُ الاقامۃ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اقامۃ کا ہر کلمہ ہر لفظ ایک بار کیا جائے۔ اس طرح اقامۃ کے صرف آٹھ لفظ بنتے ہیں یعنی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ ان ثابت شدہ آٹھ کلمات کی تکبیر و اقامۃ پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا، نہ تینوں امام، نہ ان کے مقلدین۔ یعنی نہ مالک نہ مالکی نہ احمد حنبل نہ حنبلی نہ شافعی نہ شوافع بلکہ ان لوگوں نے اس حدیث پاک کے خلاف عمل کرتے ہوئے پہلے بھی اللہ اکبر دو بار کہا، اور بعد میں بھی دو بار کہا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو دو بار کہا۔ اس طرح بجائے آٹھ کلمات کے گیارہ کلمات اپنی مرضی سے خود اپنی ہی پیش کردہ دلیل کے خلاف بنالئے اور اپنی مرضی و رائے سے بنا لیے کیا یہ بدعت اور دین میں ذاتی عقلی رائے کی مداخلت نہیں؟ اس اعتراض کا تسلی بخش مدلل با حوالہ جواب نہ ائمہ ثلاثہ کے پاس اُس وقت تھا نہ اُن کے مقلدین کے پاس اب ہے، اگر کسی کے پاس ہے تو لاؤ، یہ تھی اقامۃ نماز کو کم کرنے کی ائمہ ثلاثہ کے پاس ایک دلیل جس کی کمزوریاں آپ نے دیکھیں، ائمہ کی **دوسری دلیل**، مشکوٰۃ شریف بابُ الاذان، فصل ثانی ص۶۳ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔ ترجمہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اذان دو۲ دو۲ مرتبہ تھی اور اقامۃ تکبیر ایک ایک مرتبہ علاوہ اس کے کہ بے شک وہ کہتا تھا۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ اس حدیث پاک کو روایت کیا ابوداؤد شریف نسائی شریف، دارمی شریف نے بھی۔ اس روایت میں اتنی الجھنیں اور غلطیاں کمزوریاں ہیں لگتا ہے جس نے بھی یہ روایت وضع کی ہے وہ بہت جلد بازی میں بنا گیا۔ پہلی الجھن تو یہ کہ یہ روایت ابن عمر کی طرف منسوب کی گئی ہے ابن عمر کا نام عبد اللہ تھا وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان دو۲ دو۲ بار تھی اور تکبیر (اقامۃ) ایک ایک بار، جس سے ثابت ہوا کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، مولیٰ علی شیر خدا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانوں میں تکبیر ایک ایک بار نہ تھی، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ زمانے نہ ملے، کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی ولادت تبلیغ نبوت سے ایک سال پہلے ہوئی اور آپ کی عمر چھیاسی سال ہوئی، آپ کا وصال ۷۳ھ تہتر ھجری میں ہوا حجاج بن یوسف کے زمانے میں آپ نے خلفاء راشدین کے تمام زمانے دیکھے اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صرف آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اقدس کا ذکر کرتے ہیں یعنی اس کے بعد صحابہ نے تکبیر بھی مثل اذان کر دی تھی، آخر اس تبدیلی کی وجہ؟ صاحب مشکوٰۃ کی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال ص۲۱ پر ہے۔ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ وَلِدَ قَبْلَ الْوَحْیِ بِسَنَۃٍ وَمَاتَ سَنَۃَ ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ بَعْدَ قَتْلِ ابْنِ الزُّبَیْرِ بِثَلٰثَۃِ اَشْھُرٍ وَّ قِیْلَ بِسِتَّۃِ اَشْھُرٍ فِیْ زَمَنِ الْحَجَّاجِ وَلَہٗ اَرْبَعٌ وَّ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً وَّ قِیْلَ سِتٌّ وَّ ثَمَانُوْنَ۔ ترجمہ عبد اللہ ابن عمر وحی سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اور ۷۳ھ ھجری میں فوت ہوئے حضرت عبد اللہ رضی ابن زبیر رضی کے قتل شہادت کے تین ماہ یا چھ ماہ بعد، ظالم حجاج بن یوسف کے زمانے میں اور ابن عمر رضی کی کل عمر چوراسی یا چھیاسی سال ہوئی ہے، دوسری الجھن، اس روایت میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ پاک میں اذان مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ تھی، یہ عبارت لفظاً بھی غلط ہے معنیً بھی چاہیئے تھا کہا جاتا کلماتُ الْاَذَانِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ کیونکہ کلمات دو مرتبہ ہو سکتے ہیں نہ کہ اذان، اس کا معنیٰ تو یہ ہوا کہ زمانۂ نبوی میں ہر نماز کے لیے دو۲ مرتبہ اذان ہوتی تھی حالانکہ نہ یہ درست ہے نہ اس کا کوئی قائل، تیسری الجھن اذان کے تمام کلمات بھی دو۲ دو۲ مرتبہ نہیں کیونکہ اذن اَوَّلاً اللہ اکبر، چار مرتبہ ہے اور آخر میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ ایک بار ہے۔ لہٰذا مطلقاً تمام اذان کو مَرَّتَیْنِ کہنا جائز و صحیح نہ ہوا بلکہ جھوٹ ہوا، چوتھی الجھن، غَیْرَ اَنَّہٗ کے بعد کَانَ یَقُوْلُ کے فاعل متکلم کا پتہ نہیں لگا یعنی علاوہ اس کے بے شک وہ کون کہتا تھا۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ آیا۔ ابن عمرؓ یہ کہتے تھے یا ہر اقامۃ کا مکبر تکبیر میں یہ کہتا تھا۔ پانچویں الجھن، یہاں بھی یہ سوال اُبھرتا ہے جو پہلی دلیل والی حدیث میں ہوا تھا کہ مطلقاً پوری اِقَامَۃ مَرَّۃً مَرَّۃً نہیں ہے۔ اقامۃ میں بھی پہلے اللہ اکبر، دو۲ بار، پھر آخر میں اللہ اکبر دو بار ہے غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ (الخ) کہدینا کافی نہیں نہ اس پر کسی کا عمل، اب غور فرماؤ کہ اتنی

اُلجھنوں کے ہوتے ہوئے اِس بناوٹی موضوع روایت سے استدلال اور اِن اعتراضات سے آنکھیں بند کر لینا کہاں تک مناسب ہے، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اِن دونوں روایتوں میں راویان کا نام تو موجود ہے کہ حضرتِ انس نے یہ کہا اور حضرت ابن عمر نے یہ کہا مگر تعلیم نبی اور فرمانِ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دونوں جگہ کوئی ذکر نہیں، حالانکہ مسائلِ شرعیہ وقوانین اسلامیہ اور عباداتِ الٰہیہ میں اصل اور مضبوط حتمی ویقینی فیصلہ تو تبلیغ نبوی وتعلیم نبوت سے ہی ہوسکتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے اکثر وہ مسائل جو امامِ اعظم کے مسلک سے مختلف بتائے گئے اِس قسم کی کمزوریوں سے بھرپور ہیں، مسئلہ اقامت میں یہ وہ اعتراضات ہیں جو حنفی علما نے آئمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین پر بارہا کئے مگر مدلل جواب کوئی بھی نہ دے سکا، اب بھی یہ چیلنج بنے ہوئے ہیں دوسری جانب سے خاموشی وروپوشی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سعودی لوگوں کی اقامت شریعتِ اسلامیہ کے خلاف اور بے ثبوت ہے یہ تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ قوت ہے کہ آپ کا ہر ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے آیئے دیکھتے ہیں اِس مسئلے اِقَامَۃ میں **حنفی دلائل**۔ کیا ہیں اور کس قوت وشان کے ہیں **پہلی دلیل**۔ مشکوٰۃ شریف بَابُ الْاَذَانِ فصل ثانی ص۶۳ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَّالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنِّسَآئِیُّ وَالدَّارِمِیُّ، وَابْنُ مَاجَہ۔ (بَیْنَ السُّطُوْرِ) وَبِھٰذَا قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ **ترجمہ**۔ روایت ہے حضرت ابومحذورہؓ سے کہ بے شک نبی کریم آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اذان کے اُنیس ۱۹ کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ ۱۷ کلمات سکھائے اِس حدیثِ مقدسہ کو مسند امام احمد بن حنبل نے اور ابوداؤد نے اور نسائی نے اور دارمی نے اور ترمذی نے اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا یہاں سطروں کے درمیان میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پاک سے اپنا مسلک بتایا، تمام محدثین وشارحین کے نزدیک یہ حدیث مبارکہ سنداً ومتناً بالکل درست ہے۔ اور ابومحذورہؓ کی اذان اُنیس کلمات کا واقعہ اس طرح ہے کہ اَبُومحذورہ ابن مغیرہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اس سے پہلے یہ اسلام کے

خلاف اتنے شدید تھے کہ گلی محلوں میں توحید و رسالت کے خلاف نعرے لگاتے پھرتے تھے اور مکے کا ہر شخص کافر و مسلمان اُن کی مخالفت و دشمنیٔ اسلام کو جانتا تھا بلکہ ان کو دشمنی کا دیوانہ کہا جاتا تھا جب فتح مکہ ہوا تو خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ لیکن آقاءِ کائنات رحمۃ عالمین حضور اقدس نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حُسنِ سلوک دیکھ کر اور خون کے پیاسے دشمنوں کو عام معافی دینے کا اعلان سن کر نہایت ادب و احترام سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے۔ اور سچی قلبی عقیدت سے اہلِ مکہ میں سے سب میں پہلے ایمان لے آئے، کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کا آواز بہت بلند تھا، آپ کو حرم شریف کعبہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ اور اُسی دن جب مسجدِ حرم شریف میں پہلی بار اذان کہی تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلمات سکھاتے جاتے تھے اور ابو محذورہ کلمات اذان ادا کرتے جاتے تھے، بہت سے کفار و مسلمان قریب موجود سن رہے تھے تمام کلمات تو بلند آواز سے ادا کئے لیکن اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پر پہنچے تو سابقہ دشمنی اور مخالفانہ نعروں کا خیال کر کے پاس کھڑے کافروں مسلمان سے شرمندگی کی بنا پر یہ کلمات بہت ہی آہستہ کہے تب آقاءِ دوجہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شہادتین کے کلمات باآوازِ بلند دوبارہ دو دو بار کہلوائے۔ اس طرح کلماتِ شہادتین چار مرتبہ ہوگئے یہ واقعہ صرف ایک بار ہی پیش آیا اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو محذورہؓ نے خود ہی اُسی دن اپنی اس اذان کا واقعہ لوگوں کو سنایا، جس کا ایک حصہ یہاں محدثین نے نقل فرمایا کہ ابو محذورہ فرماتے ہیں ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمات تعلیم فرمائے بعد میں جماعت کھڑی ہونے کے وقت اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ پورے واقعے کا ذکر اور شہادتین پہلے آہستہ کہنے پھر بلند آواز سے کہلوانے کا ذکر شارحین نے کیا ہے اس پہلی اذان کے بعد باقی تمام اذانیں تاعمر حضرت ابو محذورہ عام اذان چہار وقتہ پندرہ کلمات سے ہی ادا کرتے رہے خیال رہے کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار مؤذن مقرر فرمائے ۱ مسجد نبوی شریف کے لیے عام حالات میں حضرت بلال ۲ حضرت بلال کی غیر موجودگی میں اور ماہِ رمضان میں اذانِ فجر کے لیے حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتوم ۳ مسجد قبا میں حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعد قرظی ۴ مکہ مکرمہ

مسجد حرم کے مؤذن اَبُوْ محذورہ ابن مغیرہ مقرر فرمائے گئے اَبُوْ محذورہ آپ کی کنیت تھی آپ کے اصل نام میں تین قول ہیں مراۃ شرح مشکوٰۃ شریف جلد اوّل ص۴۰ پر ہے کہ بعض نے فرمایا آپ کا نام سمرہ تھا، بعض نے کہا آپ کا نام اَوْس تھا بعض نے لکھا کہ آپ کا نام سلمان تھا۔ اکمال فِیْ اَسْمَاءِ الرِّجال کے ص۳۳ پر ہے۔ ابو محذورۃ۔ هُوَ اَبُوْ مَحْذُوْرَةَ اِسْمُهٗ سَمُرَةُ بْنُ مِغْيَرَةَ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَقِيْلَ اَوْسُ بْنُ مِغْيَرَةَ وَهُوَ مُؤَذِّنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بِمَكَّةَ مَاتَ بِهَا سَنَةَ تِسْعٍ وَّ خَمْسِيْنَ وَلَمْ يُهَاجِرْ وَلَمْ يَزَلْ مُقِيْمًا بِمَكَّةَ حَتّٰى مَاتَ۔ ترجمہ: ابو محذورہ کا نام سمرہ ابن مغیرہ تھا کہا گیا ہے آپ کا نام اَوْس بن مغیر تھا یہ مکہ مکرّمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ مؤذن تھے، انہوں نے مکہ مکرّمہ سے بالکل ہجرت نہ فرمائی تاعمر مکے میں ہی رہے یہاں تک کہ ۵۹ھ ہجری میں وفات پائی مکے شریف میں ہی، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی یہ بیان کردہ حدیث پاک کتنی واضح اور صاف ہے نہ کوئی جہولیت نہ کوئی الجھن نہ اجمال نہ اِخفا نہ مَرَّتَیْن مَرَّتَیْن نہ مَرَّةً مَرَّةً تعلیم نبوی کا بھی ذکر ہے اور تعدادِ کلمات کا بھی اِقَامَۃ کے لیے سترہ کلمات مقرر ہو جانے کے بعد پھر تکبیر و اِقَامَۃ کو کم کر دینا ظاہراً تو امام اعظم کے مقابل مسلک بنانا ہے مگر حقیقت میں حدیث پاک کی سراسر مخالفت ہے۔

دوسری دلیل مشکوٰۃ شریف باب الاذان فصل ثالث ص۶۴ پر ہے۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ۔ قَالَ مَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةَ۔ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَسَلَّمَ۔ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ۔ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ۔ فَقَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اَرٰى

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، رَوَاہُ التِّرمِذِی وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارمِی وَابْنُ مَاجہ وَقَالَ التِّرمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ، اس کی شرح میں مرقات کی عبارت حاشیہ ۶۲ پر اس طرح لکھی ہے۔ قَوْلُہٗ لَقَدْ رَاٰیْتُ مِثْلَ مَا رَاٰی۔ ھٰذَا الْقَوْلُ صَدَرَ عَنْہُ بَعْدَ مَا حُکِیَ لَہٗ بِالرُّؤْیَا السَّابِقَۃِ۔ ترجمہ حضرت عبد اللہ بن زید سے روایت ہے کہ جب آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے واسطے جمع کرنے کے لیے یہ عمل کیا جائے کہ کوئی چیز (دف نقارہ یا ناقوس) بجائی جایا کرے تو رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد چکر لگا رہا ہے یعنی چل پھر رہا ہے اور اس نے ہاتھ میں ناقوس اٹھایا ہوا ہے، تو اُس کو میں نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندے کیا تو یہ ناقوس بیچے گا، اُس نے پوچھا تم اِس کا کیا کرو گے میں نے جواباً کہا کہ ہم اُس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے، اُس شخص نے جواب میں کہا کہ کیا میں تم کو اِس سے اچھا طریقہ نہ بتا دوں نماز کے لیے بلانے کا۔ میں نے کہا ہاں ضرور بتایئے۔ تب اُس نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت کہا کرو اللہ اکبر اور آخر تک اُس نے مجھے یہ تمام کلمات اَذان بتائے سکھائے، اور اتنے ہی آخر تک اُس شخص نے خواب میں اِقامۃ کے کلمات سکھائے پھر جب صبح فجر کا وقت شروع ہوا میں حاضر بارگاہِ رسالت ہوا اور میں نے رات کی خواب کا یہ پورا واقعہ نبی کریم حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنایا جو کچھ میں نے دیکھا تھا۔ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ خواب انشاء اللہ تعالیٰ حق سچ ہے۔ لہٰذا اے عبد اللہ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور بلال کو یہ کلمات بتاتے جاؤ اور وہ خوب بلند آواز سے اِن کلمات کی آذان دیتے جائیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں تب میں بلال کے ساتھ کسی اونچی جگہ کھڑا ہوا۔ میں اَذان کے الفاظ بلال کو بتاتا جاتا تھا اور بلال اذان دیتے جاتے تھے۔ یہ آوازِ اَذان سن کر حضرت عمر فاروق اپنے گھر سے جلدی جلدی نکل کر مسجد میں آئے حالانکہ بستر کی چادر بھی اوڑھتے گھیٹتے چلے آرہے تھے آپ نے یہ خواب کا واقعہ صحابہ سے سنا تو عرض کرنے لگے یا رسول اللہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے البتہ بے شک میں نے بھی بالکل ویسی ہی خواب دیکھی ہے جیسے انہوں نے خواب دیکھی، تو

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (شکر الحمد للہ) اس جگہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ ۵۶ میں بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ لکھا ہے کہ فاروق اعظم کا یہ کہنا۔ لَقَدْ رَأَیْتُ مِثْلَ مَا رَأَی۔ آج رات میں نے بھی خواب میں وہی کچھ دیکھا ہے جو عبداللہ بن زید نے دیکھا یہ خواب سننے کے بعد عرض کیا تھا اس حدیث پاک سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خواب میں آنے والے بشکلِ انسانی فرشتے نے اذان کے جتنے کلمات بتائے اتنے ہی تکبیر کے بتائے، یعنی جتنی بار اذان کے کلمات دہرائے اتنی ہی بار تکبیر کے کلمات دُہرائے تکرار کلمات میں تفریق نہ کی، کیونکہ لفظ کذا الاقامۃ کا معنیٰ ہے کہ تکرار کلمات وتعدادِ کلماتِ اذان وتکبیر کی مقدار میں برابر ہے۔ لفظ کذا اسماءِ کنایات میں سے ہے، چنانچہ کافیہ کے ص۳۴ پر ہے۔ اَسْمَاءُ الْکِنَایَاتِ اَرْبَعَۃٌ۔ کَمْ وَکَذَا وَکَیْتَ وَذَیْتَ وَکَذَا لِلْعَدَدِ۔ اے اَلْکِنَایَۃُ لِلْعَدَدِ۔ ترجمہ: اسماءِ کنایات چار ہیں۔ کم ۲ کذا ۳ کیت ۴ ذیت، اور کذا عدد ومقدار کے لیے ہوتا ہے، تو کذا الاقامۃ کا معنیٰ ہوا کہ نمازوں کی تکبیر کی مقدار بھی اتنی ہی ہے جتنی اذان، آج تک بلکہ قیامت تک اسی خواب کے مطابق اذان ہو رہی ہے لہٰذا اقامت بھی خواب کے مطابق ہی ہونا لازم وضروری، خواب کو حق فرمانا بتا رہا ہے کہ یہ خواب الہامِ ربانی تھا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذان واقامت میں کوئی تبدیلی نہ فرمائی نہ ہی زبانِ نبوت سے تبدیلی ثابت، اس لیے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر بناوٹیں بنا کر اقامۃ کم کرنا گناہِ عظیم ہے۔

تیسری دلیل۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد اوّل ص۱۶۹ پر ہے۔ اَلْاِقَامَۃُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّہٗ یَزِیْدُ فِیْہَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ مَرَّتَیْنِ ھٰذَا فِعْلُ الْمَلَکِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ وَھُوَ الْمَشْہُوْرُ۔ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ مُعَاذٍ وَسَمّٰی صَاحِبَ الرُّؤْیَۃِ قَالَ فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ زَیْدٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ۔ اِلٰی اَنْ قَالَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ یَعْنِی الْمَلَکَ فَقَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِلٰی اٰخِرِ الْاَذَانِ۔ قَالَ ثُمَّ اَمْہَلَ ھُنَیْئَۃً۔ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَہَا اِلَّا اَنَّہٗ قَالَ زَادَ بَعْدَ مَا قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ (الخ) وَرَوٰی ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی بِسَنَدٍ قَالَ فِی الْاِمَامِ رِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحَیْنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ

زَیْدِ الْاَنْصَارِیْ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وآلہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَیْہِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی (الخ) ترجمہ: اِقَامَۃ بالکل اذان کی مثل ہے (تعداد اور ترتیب وترکیب میں) صرف فرق یہ ہے کہ پنجوقتہ اِقَامَۃ میں فلاح کے بعد دو۲ مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ہے۔ اسی طرح خواب میں آسمان سے نازل شدہ فرشتے نے اذان اور اِقَامَۃ سکھائی، اور مشہور حدیثِ پاک ہے جو امام ابوداؤد نے روایت فرمائی ابن رض ابی لیلٰی سے انہوں نے روایت کیا حضرت معاذ رض سے اور انہوں نے نام رکھا صَاحِبُ الرُّوْیَت یعنی خواب والا، حضرت معاذ رض نے فرمایا کہ ایک انصاری شخص عبداللہ رض بن زید آئے اور انہوں نے اپنی اسی رات کی خواب سنائی، یہاں تک کہ فرمایا خواب میں آنے والے شخص یعنی فرشتے نے اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلیا اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، آخر اذان تک کلمات مثل اذان ادا کیے راوی نے فرمایا کہ پھر کچھ دیر وہ فرشتہ خاموش رہا پھر اِقَامَۃ ادا کی تو تمام کلمات اذان کی تعداد وترتیب وترکیب اذان کی طرح ہی ادا کئے مگر راوی صَاحِبُ الرُّوْیَت عبداللہ نے فرمایا کہ زیادہ کیا اُس کے بعد جب کہ فرشتے نے کہدیا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، تو دو۲ مرتبہ کہا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ (الخ) اور روایت فرمایا اسی حدیث پاک کو ایک اور دوسری سند سے ابن ابی شَیْبَہ نے عبدالرحمٰن ابن اَبِی لیلٰی سے روایت کرکے، انہوں نے امام ابوداؤد کے بارے میں فرمایا کہ اُن کی سند کے تمام راوی صحیحین (مسلم بخاری) کے راویوں کی طرح ثقہ ہیں اس روایتِ ابن ابی شیبہ میں بیان فرمایا کہ حدیث بیان کی صحابہ نے کہ بے شک عبداللہ بن زید انصاری حاضر ہوئے بارگاہ رسالت میں پس عرض کیا یا رَسُوْلَ اللّٰہِ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرد کھڑا ہے اور اُس پر دو سبز چادریں ہیں پھر وہ کھڑا ہوا ایک دیوار پر تب اُس نے دو۲ دو۲ مرتبہ اذان کہی اور اِقَامَۃ بھی دو۲ دو۲ مرتبہ ہی کہی، یہی حدیثِ پاک مشکوٰۃ شریف نے ذرا اختصاراً بیان کی ہے۔ ابوداؤد کی روایت کچھ زیادہ تفصیلی ہے۔

چوتھی دلیل، فتاوی شرح عنایہ جلد اول علی فتح القدیر ص۱۶۹ پر ہے۔ وَرُوِیَ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَرَّ بِمُؤَذِّنٍ یُوْتِرُ الْاِقَامَۃَ فَقَالَ اِشْفَعْھَا لَا اُمَّ لَکَ، ترجمہ۔ اور مروی ہے کہ بے شک مولٰی علی شیر خدا ایک دفعہ ایک مؤذن کے پاس سے گزرے جو اِقَامَۃ کو وتر کر رہا تھا یعنی ہر کلمہ ایک بار کہہ رہا تھا تو آپ نے جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ تیری

بیان نہ رہے اَقَامَۃ کو بھی شُفع کر یعنی ہر کلمہ کو دو دو بارہ ادا کر (مثلِ اذان) اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں ۱۔ اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رض کی طرف منسوب روایت کہ کَانَ الاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلّم (الخ) جھوٹی بناوٹی ہے، ورنہ مولیٰ علی وَتر کرنے سے کبھی منع نہ فرماتے کیا مولیٰ علی زمانۂ نبوی کی اذان و اِقَامَۃ کو جانتے نہ تھے ؟ ۲ مَرَّ بِمُوذِّنٍ کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا نہیں نہ عہد نبوی صدیقی وفاروقی وعثمانی کا بلکہ زمانۂ علوی کا ہے جب کہ مولیٰ علی نے اپنا دار الخلافہ کوفے میں بنا لیا تھا اور کوفے میں خارجی فرقہ اور اُن کی مسجدیں بھی تھیں خارجیوں نے اسلام میں بہت سی بدعتیں اور تخریب کاریاں داخل کر دی تھیں، یہی فرقہ بعد میں معتزلی کہلایا، پھر تیمیائی اور پھر وہابی دیوبندی اِن کے بڑے لیڈروں میں ایک یزید پھر حجاج بن یوسف وغیرہ ہوئے سب سے پہلا لیڈر عبد اللہ بن صبا خارجی مصری تھا، اُموی حکمران بھی ان ہی میں سے تھے اِن کی تخریبات میں سے ۱ تراویح کو کم کرنا ۲ اِقامۃِ صَلوٰت کو بگاڑنا ۳ مرد کے لیے ریشم کو حلال سمجھنا ۴ خطبۂ جمعہ کو بعد نماز کرنا، مولیٰ علی شیر خدا ان کی ہی کسی مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے تب آپنے اس طرح غلط تکبیر ستی اور مکبّر کو جھڑکا اور صحیح مکمل اِقامت کہنے کا حکم فرمایا۔ ورنہ تکبیر وَ اِقَامۃ جماعتِ نماز کے وقت گزرنے کا کیا مقصد، اگر وہ مسجد اہل سنت کی ہوتی تو جماعت بھی وقت پر ہوتی اور مولیٰ علی اس میں شامل ہونے کے لیے مسجد میں ہوتے یا اُس وقت اپنی مسجد میں ہوتے ثابت ہوا کہ یہ مسجد خارجیوں کی تھی نہ کہ اہل سنّت کی اُس وقت مسلمانوں کے دو ہی فرقے تھے ۱ بڑی جماعت اہل سنت ۲ خارجی ٹولہ، رافضی شیعہ ٹولہ مولیٰ علی کے بعد وجود میں آیا۔ تیسری بات اس حدیث پاک کے آخری اَلفاظ لَا اُمَّ لَکَ سے ثابت ہو رہی ہے کہ وہ اِقَامَۃ کہنے والا کوئی خارجی شخص ہی تھا ورنہ مولیٰ علی اِس قسم کے بد دعائیہ سخت الفاظ سے اس کو جھڑک نہ فرماتے۔ لَا اُمَّ لَکَ کا اُردو آسان ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیری ماں مرے، بہر حال اِس حدیث پاک نے بھی صاف صاف بتا دیا کہ اِقامت بھی اذان کی مثل دو دو بار کہنی چاہیے۔ اس طرح کہ اوّلاً اللہ اکبر کو دو شفع بنائے پھر ہر کلمہ ایک ایک شفع یعنی جوڑا جوڑا، جیسے اذان کہی جاتی ہے۔ پانچویں دلیل۔ فتاوی شامی جلد اوّل صـ ۳۵۶ پر ہے۔ اِنَّ بَدْءَ الاَذَانِ کَانَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَلٰی مَافِیْ مُسْلِمٍ۔ ترجمہ، اذان کی ابتدا مدینہ منورہ سے ہوئی، اُسی

حدیث شریف کے فرمان سے جو مسلم شریف میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۵۵ پر ہے
وَالْاِقَامَۃُ سَبْعَ عَشَرَ کَلِمَۃً، خَمْسَ عَشَرَ ۃً مِنْہُ کَلِمَاتُ الْاَذَانِ وَکَلِمَتَانِ
قَوْلُہٗ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ مَرَّتَیْنِ کَذَا فِیْ فتاویٰ قاضی خان (جلد اوّل
ص۴۷) ترجمہ تکبیر اقامۃ سترہ کلمات ہیں، ان میں پندرہ کلمات تو اذان والے اور دو کلمے
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو مرتبہ، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان جلد اوّل ص۴۸ پر ہے اور
فتاویٰ بحر الرائق جلد اوّل ص۲۵۶ پر ہے وَلِاِقَامَتِ الصَّلٰوۃِ اَیْ مِثْلُ الْاَذَانِ
فِیْ کَوْنِہٖ سُنَّۃً لِلْفَرَائِضِ وَفِیْ عَدَدِ کَلِمَاتِہٖ وَفِیْ تَرْتِیْبِھَا لِحَدِیْثِ الْمَلَکِ
النَّازِلِ مِنَ السَّمَآءِ فَاِنَّہٗ اَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی۔ ترجمہ نمازوں
کی تکبیر واقامۃ اس کی مثل ہے یعنی اذان کی مثل ہے تین چیزوں میں ۱ فرضوں کی جماعت کی
سنت ہے اور ۲ اذان کے کلمات کے تعداد کی برابری میں ۳ ترتیب وار ادا کرنے میں
اس حدیث مقدسہ کے حکم کی وجہ سے جس میں آسمان سے اترنے والے فرشتے کا ذکر ہے
اس فرشتے نے اذان کے کلمات بھی دو دو بار ادا کئے تھے اور اقامۃ کے کلمات بھی دو دو
بار ادا کئے تھے چھٹی دلیل، فتاویٰ دُرِّ مختار جلد اوّل ص۳۶ پر ہے وَقَدْ قَالَ
الطَّحَاوِیُّ تَوَاتَرَتْ عَنْ بِلَالٍ اَنَّہٗ کَانَ یُثَنِّی الْاِقَامَۃَ حَتّٰی مَاتَ وَتَمَامُہٗ
فِی الْبَحْرِ وَغَیْرِہٖ۔ ترجمہ، اور طحاوی شریف نے متواتر احادیث کثیرہ کا ذکر فرمایا
کہ حضرت بلال مؤذن مسجد نبوی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ ہر
نماز کی اِقَامَۃ کے کلمات دو دو بار ہی ادا فرماتے تھے تاعمر یہاں تک کہ آپ فوت
ہو گئے اس کا پورا تفصیلی بیان فتاویٰ بحر الرائق اور دیگر کثیر کتب فتاویٰ میں موجود
یعنی حضرت بلال رضؓ کے متعلق ایسی تو بے شمار احادیث موجود اور حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں
جن میں اقامت مثل اذان دو دو مرتبہ ادا کرنے کا ذکر ہے مگر ایسی ایک بھی صحیح
حدیث موجود نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حضرت بلال رضؓ نے کبھی کسی نماز کی تکبیر ایک بار پڑھی
ہو۔ یہاں تک تو نہایت مضبوط دلائل سے ہم نے ثابت کر دیا کہ نمازوں کی اقامت بھی
ہر کلمے کو دو دو بار ادا کرنا ہی سنت صحابہ سنت خلفاءِ راشدین سُنَّۃ تابعین سنۃ
تبع تابعین اور چاروں نبوی مؤذنین بلال رضؓ، ابن ام مکتوم رضؓ، عبدالرحمن بن سعد، ابو محذورہ رضؓ
کی سنتِ ابدی دائمی ہے۔ ایک ایک بار کہنے پر عقلی، نقلی، سمعی کوئی بھی مضبوط دلیل موجود

نہیں، تو پھر یہ اقامت کو بگاڑنے اور کم کرنے کی تخریب کاری و سنتِ مقدسہ کی خلاف ورزی کب اور کیوں شروع ہوئی، آیئے ہم بتاتے ہیں۔ ساتویں دلیل۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول صـ۱۷۲ پر ہے۔ وعن ابراہیم النخعی کانت الاقامة مثل الاذان حتی کان ہٰؤلاء الملوک تجعلوہا واحدة واحدة للسرعة اذا خرجوا یعنی بنی امیة کما قال ابو الفرج بن جوزی کان الاذان والاقامة مثنی مثنی۔ فلما قام بنو امیة افردوا الاقامة۔ ترجمہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رض سے روایت ہے کہ شروع زمانے میں ہر نماز با جماعت کی اقامت (تعدادِ کلمات و ترتیب ادا میں) اذان کی مثل ہی تھی اور ہوتی رہی یہاں تک کہ ان لوگوں کی ملوکیت و بادشاہت آگئی تو ان ظالموں فاسقوں نے اقامت کو بھی بگاڑ کر کسی جلد بازی کی بنا پر کم کر کے ایک ایک مرتبہ کر دیا۔ جب خروج کیا انہوں نے یعنی بنی امیہ نے۔ جیسا کہ فرمایا امام ابو الفرج بن جوزی نے کہ پہلے ہر دور میں اذان اور اقامت کا ہر کلمہ دو دو بار ہی کہا جاتا تھا، پھر جب دین میں تخریب کاری کرنے والے بنی امیہ کے بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اقامت کو ایک ایک مرتبہ کر دیا۔ یہ ہم نے پہلے بتا دیا کہ اقامت کو بگاڑنے کم کرنے کی ابتدا انفرادی فرقہ بازی کے طور پر کوفہ کے خوارج نے کی۔ مگر حکومت اور بادشاہی کے زور پر اقامت کو خلافِ سنتِ نبوی توڑ پھوڑ کر کم کرنے کا رواج بنو امیہ کے امرا و زر اسلاطین نے ڈالا، اور غالباً سابقہ دونوں روایتیں (حضرت انس و ابن عمر والی) انہی کے کہنے پر بنائی گئیں ہوں گی، ائمہ ثلاثہ نے ذرہ تدبر نہ فرمایا اور آنکھیں بند کر کے اُن کے استدلال سے خلافِ حقیقت اپنا مسلک بنا لیا۔ اور اسی کمزور مسلک کو سعودیوں وغیر مقلد وہابیوں نے اپنا لیا۔ سعودی لوگ اپنی حکومت کے زور پر اسلامی شعائر میں اس قسم کی بدعاتِ سیئات داخل کرتے چلے جا رہے ہیں، مسلمانوں کی عبادات اور اپنے ایمانیات خراب و برباد کر رہے ہیں۔ مگر کوئی روکنے ٹوکنے منع کرنے والا نہیں۔ والی اللہ المشتکی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتب

۲۳

تیئیسواں فتوےٰ

سجدے میں زمین پر لگنے والے ضروری اعضا کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ سجدے میں کتنے اعضا زمین پر لگنے ضروری ہیں جن کے بغیر سجدۂ نماز اور سجدہ سہو یا تلاوت یا سجدۂ شکر اور سجدۂ دعا مکمل نہیں ہوتا، ہماری مسجد کا امام صاحب فرماتا ہے کہ سجدے میں زمین پر ناک لگنا بھی واجب ہے۔ اگر کسی نے ناک سجدے میں نہ لگائی تو سجدہ غلط ہو گیا اور جس نماز کا سجدہ غلط ہو وہ ساری نماز خراب ہو گئی، وہ نماز دوبارہ پڑھنی لازم ہے فرض ہو یا واجب سنّت ہو یا نفل اسی طرح تلاوت کے سجدے اور تمام سجدوں کا بھی حکم ہے۔ یعنی اگر کسی بھی سجدے میں ناک زمین پر نہ لگی تو وہ سجدہ غلط ہوا دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا۔ یہ مسئلہ ہمارے امام صاحب نے ایک درس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ مگر ایک نمازی نے کہا کہ مولوی صاحب نے یہ مسئلہ غلط کیا ہے، ہم نے علما سے سنا ہے کہ اگر کسی وقت کسی سجدے میں کسی نمازی نے جان بوجھ کر بھی ناک زمین پر نہ لگائی بغیر عذر کے تب بھی سجدہ درست ہو گا۔ نہ نماز خراب ہو گی نہ کوئی دوسرا سجدہ تلاوت وسہو وشکر وغیرہ، اور نہ نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی نہ کوئی سجدہ، فرمایا جائے کہ کس کی بات درست ہے امام صاحب کی یا اُس نمازی کی جو کہتا ہے کہ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ ناک زمین پر لگانا ضروری نہیں۔ فقط والسّلام بَیِّنُوا تُؤجَرُوا، دستخط سائل نذیر حسین ولد کبیر حسین ملتان پاکستان، براہِ کرم جلدی مکمل با دلائل باحوالہ شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ ہم سب منتظر ہیں۔ واضح رہے کہ ہم سب لوگ مقتدی اور امام صاحب حنفی مسلک ہیں۔

بِعَونِ العَلّامِ الوَهّاب

۳/۵/۹۸

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق ہر سجدے میں زمین پر ماتھا لگانا فرض ہے اور ناک لگانا نفل ومستحب ہے کیونکہ ناک بذاتِ خود سجدے میں شامل نہیں ہے وہ صرف ماتھے کو اُس کے زاویے پر درست رکھنے کے لیے لگائی جاتی ہے اس لیے کہ اگر ناک اُٹھی رہے تو اُٹھنا

زیادہ بھی ہوسکتا ہے تھوڑا بھی اگر ناک زیادہ اُٹھی رہے تو سجدے میں پیشانی اور ماتھے کے بجائے سر کا اگلا حصہ زمین پر لگے گا اور سجدہ پگڑی کے پیچ پر یا ٹوپی کے اگلے کنارے پر ہوگا اور یہ مکروہ ہے اگر پگڑی یا ٹوپی ڈھلک کر ماتھے پر آجائے تب تو پگڑی کے پیچ اور ٹوپی کے کنارے پر سجدہ جائز ہے کیونکہ اس طرح ماتھا ہی زمین پر ہوگا۔ لیکن اگر ماتھے پر پگڑی ٹوپی نہیں ماتھا ننگا ہے تو پھر بھی سر گردن ٹیڑھی کرکے پگڑی یا ٹوپی پر سجدہ ممنوع ہے کیونکہ یہ ماتھا لگائے بغیر سجدہ ہوگا یعنی زمین پر سر لگا یا نہ کہ ماتھا، تو ناک اس لیے لگانا مستحب ہوئی تاکہ ماتھا اپنے زاویہ پر درست لگ جائے، بذاتِ خود ناک زمین پر لگانا سجدے کا حصہ نہیں ہے۔ اگر کسی نمازی یا کسی سجدۂ شکر، تلاوت یا سہو کرنے والے نے زمین پر ناک نہ لگائی اور تھوڑی سی اٹھی رہنے دی تو سجدہ درست ہوگا۔ اور ناک نہ لگنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن امامِ مسجد صاحب نے ناک لگانے کو واجب کہا ہے وہ غلطی پر ہیں، سجدہ میں زمین پر ناک واجب نہیں ہے۔ چنانچہ مجموعہ احادیث کی مشہور کتاب کنوز الحقائق علیٰ جامع صغیر جلد اول ص۱۴۷ پر ہے۔ اَلسُّجُوْدُ عَلَى الْجُبْهَةِ فَرِيْضَةٌ وَعَلَى الْاَنْفِ تَطَوُّعٌ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيْ وَمُسْنَدُ الْفِرْدَوْس، ترجمہ پیشانی پر سجدہ فرض ہے اور ناک پر سجدہ کرنا نفل ہے یعنی سجدے میں ماتھا لگانا فرض ہے اور زمین پر ناک لگانا نفلی مستحب ہے نہ کہ فرض یا واجب اور مستحب و نفلی کام کے بغیر بھی عبادت درست رہتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ناک سجدے میں نہ لگائی تب بھی سجدہ اور نماز درست رہیں گے دوبارہ نہ پڑھی جائے گی۔ اس حدیث پاک کو دیلمی شریف نے بھی روایت کیا اور مسند فردوس نے بھی اور اگر بغیر عذر بھی کسی وقت کبھی کبھی کو جہ سے۔ بحالتِ سجدہ ناک زمین پر نہ لگائی تب بھی جائز ہے اور آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول طبع ایچ، ایم سعید کراچی ص۱۱۵ پر ہے عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهٖ۔ ترجمہ حضرت ابوسلمہ رضؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک بار ابوسعید خدریؓ سے دیرہی ناک لگانے کا مسئلہ) پوچھا تو آپ نے جواباً فرمایا کہ میں نے کئی بار آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ جب ... سجدہ میں

بارش سے چھت ٹپکنے کی بنا پر کیچڑ ہوتی) اور آپ اُسی مٹی پانی والی زمین پر سجدہ کرتے تو مٹی کا اثر صرف آپ کی پیشانی پر ہوتا۔ ناک پر نہ ہوتا، حضرت ابوسعید خدری اِس جواب اور چشم دید واقعے سے یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ زمین پر بحالتِ سجدہ ناک لگانا ضروری نہیں، کیونکہ نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی کبھی بینی اقدس زمین پر نہ لگاتے تھے جس کو ایک روز کیچڑ کی وجہ سے ہم نے خود بھی دیکھ لیا کہ گیلی مٹی کا اثر یعنی گیلی مٹی صرف جبین سعادت پر لگی ہوئی ہے بینی مبارک پر نہیں لگی اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناک مبارک بھی زمین سے لگائی ہوتی تو یقیناً اس پر بھی گیلی مٹی لگی ہوتی ثابت ہوا کہ سجدہ میں زمین پر ناک لگانا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ عمل شریف نے واضح بتا دیا کہ ناک لگانا نفلی مستحب ہے لگاؤ تو بہتر نہ لگاؤ تب بھی جائز اور سجدہ درست ہوگا۔ اس روایتِ مقدسہ میں لفظ رَأَيْتُ اور لفظ يَسْجُدُ نے بتایا کہ یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ چند بار کیا ہوا رَأَيْتُ فعل ماضی نے يَسْجُدُ فعل مضارع کو ماضی استمراری بنا دیا۔ اب يَسْجُدُ کا ترجمہ یہ نہیں کہ سجدہ کرتے ہیں یا کر رہے ہیں۔ بلکہ اِس کا معنیٰ ہے كَانَ يَسْجُدُ کئی بار ایسا سجدہ کرتے تھے (کہ ناک زمین پر نہ لگی ہوتی) اگر ناک لگانا واجب یا فرض ہوتا تو آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ ناک مبارک بھی زمین پر لگایا کرتے ، حالانکہ ثابت ہو چکا کہ ایسا نہیں، فرض و واجب ہونا تو بڑی بات ہے ناک لگانا تو سنت موکدہ بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ اسلامی شریعت میں صرف سات اعضا کا زمین پر لگنا سجدہ ہے ۱۔ سیدھے پیر کی انگلیاں قبلہ رُخ کرنا ۲۔ اُلٹے یعنی بائیں پیر کی انگلیاں قبلہ رخ کرنا ۳۔ داھنا گھٹنا زمین پر لگانا ۴۔ بایاں گھٹنا زمین پر لگانا ۵۔ داھنا ہاتھ یعنی کھلی ہتھیلی پوری طرح زمین پر لگانی ۶۔ بایاں ہاتھ یعنی پوری طرح کھلی کفِ دست (ہتھیلی) زمین پر لگانی ۷۔ پیشانی ماتھا زمین پر لگانا، غرضیکہ دو پاؤں دو ہاتھ، اور دونوں گھٹنے اور ایک پیشانی زمین پر لگانے کا نام اسلامی سجدہ ہے چنانچہ ابو داؤد شریف جلد اوّل کِتَابُ الصَّلٰوۃ بَابُ اَعْضَاءِ السُّجُوْدِ ص ۱۲۹ پر ہے۔ قَالَ حَمَّادٌ أُمِرَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةٍ۔

ترجمہ: حضرت حماد نے فرمایا کہ تمہارے نبی آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (رب تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیئے گئے کہ سجدہ فرمایا کریں سات اعضاء پر حاشیہ ابو داؤد ص میں اِس حدیثِ پاک کی تشریح اس طرح لکھی ہے۔ قَوْلُهٗ عَلٰى سَبْعَةٍ

اَیْ عَلَی الْجَبْهَةِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّكْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ اِعْلَمْ اَنَّ فِیْ مَذْهَبِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ لَوْ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ دُوْنَ اَنْفِهٖ جَازَ بِالْاِتِّفَاقِ۔ ترجمہ حدیث پاک کا فرمان کہ سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اس کا معنیٰ یہ کہ پیشانی پر اور دو ہاتھوں پر اور دو گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے اگلے کناروں پر جان لے کہ بیشک امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے سجدے میں ماتھا زمین پر لگا دیا ناک نہ لگائی تو بھی سجدہ جائز و درست ہے تمام کے اتفاق سے یعنی اُن حنفی فقہا کا اس مسئلے میں اتفاق ہے جو مجتہد فی الفروع ہیں جیسے امام یوسف امام محمد امام ظُفر امام حسن، امام اکثم امام ابن عطیہ وغیرہم یہ حضرات ائمہ مجتہد فی الفروع ہیں اور امام اعظم کے شاگرد ہیں کئی مسائل میں آپس میں بھی اور اپنے اُستادِ جلیل سے بھی فروعی اختلاف کر جاتے ہیں اگرچہ امام اعظم رض کے دلائل نہایت مضبوط ہوتے ہیں اسی لیے جن مسائلِ مختلفہ میں امام اعظم کا قول موجود ہوتا ہے وہاں قولِ امام پر ہی فتویٰ جاری ہوتا ہے۔ یہاں بِالْاِتِّفَاقِ فرما کر شارح علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمایا کہ سجدے کے اِس مسئلے میں تمام اُن مندرجہ بالا مجتہدین فی الفروع حنفی فقہا کا امام اعظم کے ساتھ اتفاق ہے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ یہاں لفظ بالاتفاق فرمانے سے ائمہ ثلاثہ کا اتفاق مراد نہیں۔ یہ تو اعضاءِ سجدہ کے بارے میں شارحین کا قول تھا خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اعضاءِ سجدہ کی یہی تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل صہ ۱۱۲ پر ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُمِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ وَلَا یَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا۔ اَلْجَبْهَةِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّكْبَتَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ۔ ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چیزوں کا حکم دئے گئے ایک یہ کہ سجدہ سات اعضا پر کیا جائے یعنی ہر سجدے میں زمین پر سات اعضا لگائے جائیں دوم یہ کہ بحالتِ نماز بالوں کا جوڑا نہ باندھا جائے (نہ عورت اپنے بالوں کی چٹیا کا نہ مرد اپنی زُلفوں کا کیونکہ اُس زمانے میں یہ آتش پرستوں کا مذہبی نشان تھا اور آج کل سکھوں کا) سوم یہ کہ لباس پہنے ہوئے کپڑے کو بھی بحالتِ نماز نہ لپیٹا جائے (نہ آستینوں کرتہ یا پائچوں کو اگر وضو کے لیے آستینیں چڑھا کر لپیٹی ہوں یا کسی وجہ سے پائنچے چڑھائے لپیٹے ہوں تو نماز پڑھنے سے پہلے اُتار کر سیدھے کر لے) بعض جاہل بیوقوف نماز کے وقت پائنچے

چڑھا لیتے ہیں ان کو جاہل خطیبوں نے یہ مسئلہ بنایا ہوا ہے کہ نماز میں ٹخنے ننگے رکھنے چاہئیں حالانکہ یہ حکم صرف نماز کے لیے نہیں بلکہ ہر وقت کے لیے ہے اور ٹخنے ننگے رکھنے کا مسئلہ نہیں بلکہ پائنچے ٹخنوں سے اونچے رکھنے کا حکم ہے ایسے ہی تہبند کا حکم ہے تاکہ چلتے پھرتے پائنچے اور بندھا ہوا تہبند زمین سے لگ کر پلید نہ ہو۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے مگر ابلیس لعین نے مسلمانوں کی نمازیں برباد کرنے کے لیے عجیب احمقانہ مسئلہ اور وسوسہ پھیلا دیا۔ رب تعالیٰ مسلمانوں کی جہالت دور فرمائے حضرت ابن عباس رض نے اعضاء کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ سجدہ کرتے ہیں ایک پیشانی دو ہاتھ دو گھٹنے اور دو پاؤں زمین پر لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے یہ تفصیل اس لیے مروی ہوئی کہ خود آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی تفصیل ارشاد فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اوّل ہی ص۱۱۲ پر انہی حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے اس طرح روایت ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ۔ ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ روایت فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہم سب حکم دئے گئے ہیں اس بات کا ہم جب بھی سجدہ کریں تو ہمیشہ سات ہڈیوں پر کریں یعنی سات ہڈیاں زمین پر لگائیں۔ مشکوٰۃ شریف بَابُ السُّجُوْدِ وَفَضْلِہٖ فصل اوّل ص۸۳ پر ہے ان ہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رض سے اس طرح روایت ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ عَلَی الْجَبْھَۃِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ (الخ) مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ، روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے انہوں نے فرمایا کہ آقاءِ دوجہان سرور عالمین نے ارشاد فرمایا کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ سجدہ کروں میں سات ہڈیوں پر ایک پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دونوں قدموں کے اگلے کنارے پر۔ اس کو بخاری نے بھی نقل کیا اور مسلم نے بھی۔ اس کی شرح بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ، حاشیہ ۹ ص۸۳ پر اس طرح مذکور ہے۔ قَوْلُہٗ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ۔ جَمْعُ عَظْمٍ اَیْ اُمِرْتُ بِاَنْ اَضَعَ ھٰذِہِ الْاَعْضَاءَ السَّبْعَۃَ عَلَی الْاَرْضِ اِذَا سَجَدْتُ۔ قَالَ الْقَاضِیْ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُمِرْتُ یَدُلُّ عُرْفًا عَلٰی اَنَّ الْاٰمِرَ ھُوَ اللّٰہُ تعالیٰ وَذَالِکَ یَقْتَضِیْ وُجُوْبَ وَضْعِ ھٰذِہٖ

هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ فِي السُّجُوْدِ عَلَى الْاَرْضِ۔ وَلِلْعُلَمَاءِ فِيْهِ اَقْوَالٌ۔ فَاَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ ۔۔۔ اَنَّ الْوَاجِبَ وَضْعُ جَمِيْعِهَا اَخْذًا بِظَاهِرِ الْحَدِيْثِ وَالْقَوْلُ الْآخَرُ اَنَّ الْوَاجِبَ وَضْعُ الْجَبْهَةِ وَحْدَهَا لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اقْتَصَرَ عَلَيْهِ فِي قِصَّةِ رِفَاعَةَ۔ ثُمَّ قَالَ وَعِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ يَجِبُ وَضْعُ اَحَدِ الْعُضْوَيْنِ مِنَ الْجَبْهَةِ وَالْاَنْفِ لِوُقُوْعِ اِسْمِ السُّجُوْدِ عَلَيْهِ (الخ) وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالْاَوْزَاعِيِّ وَالثَّوْرِيِّ وُجُوْبُ وَضْعِهِمَا مَعًا۔ ترجمہ، حدیث مقدسہ کا فرمانِ نبوی کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ سجدہ کیا کروں سات ہڈیوں پر ان کو زمین پر لگا کر اَعْظُم جمع ہے عظم کی بمعنی ھڈی یعنی میں اِسباتِ کا حکم دیا گیا ہوں کہ جب سجدوں کروں کروں تو ان سات اعضا کو زمین پر لگا دوں۔ قاضی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ اُمِرْتُ عُرْفًا یہ بتا رہا ہے کہ بے شک حکم دینے والا وہ اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا حکم دینا اس چیز کو بندوں پر واجب کر دیتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قانونی تقاضا کرتا ہے کہ زمین پر یہ اَعضاء رکھنے واجب ہیں۔ اور علماءِ فقہاء کے اس مسئلے میں چند قول ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل کے سجدے کے اس مسئلے میں دو قول مشہور ہیں۔ ۱۔ کچھ لوگ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اماموں کے نزدیک سجدے میں ان سب سات اعضا کا زمین پر لگانا واجب ہے حدیث پاک کے ظاہری الفاظ لیتے ہوئے یہی بات ان دونوں کے نزدیک درست ہے کہ دونوں پاؤں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ اور ایک ماتھا زمین پر رکھنا واجب ولازم ہے ۲۔ اور کچھ لوگوں نے ان دونوں اماموں کا دوسرا قول بیان کیا کہ دونوں کے مسلک میں فقط اکیلی پیشانی زمین پر رکھنی سجدے میں واجب وضروری ہے اس دوسرے قول کی دلیل یہ کہ حضرت رفاعہ کے واقعہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ سجدے میں صرف اپنی پیشانی زمین پر لگائی تھی اور اس سے سجدہ مکمل فرمالیا تھا۔ ثابت ہوا کہ صرف پیشانی زمین لگا دینا ہی اصل سجدہ ہے اس سے ہی سجدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ باقی چھ اعضا تو پیشانی رکھنے میں مدد دینے کے لیے رکھے جاتے ہیں، پھر قاضی نے فرمایا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے کہ پیشانی اور ناک میں سے ایک عضو ضرور رکھا جائے کیونکہ ان دونوں (ماتھا وناک) میں سے ایک زمین پر لگا دینے کا نام سجدہ کرنا ہے۔ (پھر آگے چل کر فرمایا) اور امام مالک وعلامہ اوزاعی ثوری کے نزدیک سجدے ان دونوں (ماتھے اور ناک) کا زمین پر لگانا ایک ساتھ واجب ہے اس تشریحی عبارت سے ثابت ہوا کہ تین اماموں کے مسلک میں اصل سجدہ صرف ماتھا لگانا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک

اگر ماتھا نہ لگایا جا سکے کسی عذر کی وجہ سے مثلاً ماتھے پر زخم وغیرہ ہو، تو صرف ناک لگانے سے بھی بوجہ مجبوری سجدہ مکمل اور درست ہو جائے گا، ہاں البتہ امام مالک کے نزدیک ناک اور ماتھا دونوں لگانے واجب ہیں۔ مذکورہ فی السؤال امام مسجد نے غالبًا امام مالک علیہ الرحمۃ کا مسلک کسی کتاب میں دیکھ کر بیان کر دیا مگر یہ نہ سوچا کہ وہ خود بھی اور تمام مقتدی بھی حنفی مسلک والے ہیں دوسرے مسلک کا مسئلہ بنانا درست نہیں، نیز امام مالک کا یہ مسلک کمزور بھی ہے کیونکہ شارحین اور صحابہ کرام بلکہ خود فرمانِ نبوی کی تفصیلی وضاحت کے خلاف ہے، ان تینوں تفصیلات میں اعضاء سجدہ کے اندر کہیں بھی ناک لگانے کا ذکر تک نہیں نہ ہی سات اعضاء سجدہ میں کسی کے تفصیلی بیان نے ناک کو شمار کیا۔ امام مالک کے پاس اپنے مسلک پر صرف یہ ایک دلیل ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں زمین پر چہرہ رکھا جاتا ہے اور چہرے میں ماتھا اور ناک شامل لہٰذا دونوں واجب، فقہ مالکی کی کتب میں بس یہی ایک دلیل لکھی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل انتہائی کمزور ہے اس لیے کہ احادیث مبارکہ کے تفصیلی بیان میں جَبْهَةٌ کا لفظ ہے نہ کہ وَجْهَةٌ یا وَجْهٌ کا اور لفظ جَبْهَةٌ کا معنیٰ پیشانی اور ماتھا ہے نہ کہ چہرہ، چہرے کی عربی وُجْهَةٌ اور وَجْهٌ ہے، نیز اگر سجدے میں چہرہ رکھنے کا حکم دیا جاتا تو پھر تو اگر کوئی داھنا رخسار زمین پر لگا دیتا یا بایاں رخسار یا ٹھوڑی (ذقن داڑھی) تب بھی سجدہ درست ہو جایا کرتا چہرے میں تو یہ بھی شامل ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی نے سجدے میں زمین پر قدم بھی درست لگا دئے دونوں ہاتھ بھی لگا دئے مگر ماتھا نہ لگایا بلکہ اس کی بجائے کوئی سا رخسار زمین لگایا، یا ٹھوڑی اور ذقن لگا دی تو سجدہ قطعًا نہ بنے گا۔ ثابت ہوا کہ اصل سجدہ ماتھا لگانا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں گھٹنے کسی سجدے میں نہ بھی لگیں یا نہ لگائے جا سکیں بوجہ معذوری اور صرف ماتھا زمین یا کسی اونچی نیچی جگہ پر لگ جائے تو سجدہ درست ہو جائے گا۔ جو نمازی شخص بوجہ معذوری زمین تک نہیں جھک سکتا وہ اگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس پر فرض ہے کہ سامنے اپنے برابر اونچی میز رکھے اور سجدہ کرتے وقت اس پر پیشانی لگائے تب درست ہوگا، صرف سر جھکا دینے کا اشارہ کافی نہ ہوگا۔ اشارہ کا سجدہ صرف اس معذور کے لیے جائز ہے جو بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے صرف لیٹ کر پڑھے، کیونکہ اصل سجدہ ماتھا لگانا ہے اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے مصافحہ کرتے ہوئے

دوسرے کے ہاتھ پر پیشانی رکھدی یا کسی مزار پر جھک کر کھڑے کھڑے پیشانی لگادی تو ایسا کرنے والا سخت گناہِ کبیرہ کا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اُس نے سجدے کا ارتکاب کیا اور یہ اُس کا کسی کے ہاتھ پر ماتھا لگانا یا قبر کے پاس کھڑے کھڑے جھک کر قبر پر ماتھا لگانا بھی سجدۂ تعظیمی ہے اور غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا ہر شریعت میں حرام ہے۔ فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۴۱۶ پر ہے وَمِنْهَا السُّجُوْدُ هُوَ لُغَةً اَلْخُشُوْعُ۔ قَامُوس۔ وَفَسَّرَهٗ فِي الْمُغْرِبِ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ۔ ترجمہ، فرائض نماز میں سے ایک فرض سجدہ کرنا بھی ہے قاموس اللغات میں سجدے کا معنیٰ ہے خضوع یعنی انتہائی عاجزی دکھانا۔ اور فتاویٰ مغرب میں سجدے کی تفسیر یہ کیگئی ہے کہ ماتھا زمین پر لگانا ہی اصل سجدہ ہے۔ مذکورہ بالا احادیثِ سجدہ کے الفاظ اُمِرْنَا اور اُمِرْتُ کی تشریح میں علماء شارحین فرماتے ہیں کہ یہ سات اعضاء پر سجدہ صرف شریعتِ اسلام کا سجدہ ہے اسی لیے اُمِرْنَا اور اُمِرْتُ کی خصوصیت فرمائی گئی اس کے باوجود کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ موجودہ اسلامی سجدے سے کچھ مختلف ہوتا تھا مگر زمین پر پیشانی لگانا ہر شریعت کے سجدے میں قائم رہا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ ماتھا لگانا ہی اصل حقیقتِ سجدہ ہے ناک لگانا اتنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر کے حاشیہ پر فتاویٰ العنایہ علی الہدایہ جلد اوّل ص۲۱۲ پر ہے۔ اَنَّ مَحَلَّ السُّجُوْدِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءُ لَا عَلٰى اَنَّ وَضْعَهَا لَازِمٌ لَا مُحَالَةَ وَالْاَنْفُ غَيْرُ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ الْمَذْكُوْرَةِ فَلَا يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلسَّجْدَةِ۔ ترجمہ بے شک سجدہ کا محل اور سجدے کی جگہ یہ سات اعضا ہیں اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ یہ سب ہی لازم فرض ہیں اور یہ ناک اور ناک ان مذکورہ سات اعضا کے علاوہ ہے اس لیے کہ وہ ناک سجدے کا محل نہیں ہے۔ اور فتاویٰ فتح القدیر جلد اوّل ص۲۱۳ پر ہے۔ فَفِي النِّهَايَةِ اَنَّ وَضْعَ الْجَبْهَةِ يَتَاَدّٰى بِهِ الْفَرْضُ بِاِجْمَاعِ الثَّلَاثَةِ وَهُوَ ظَاهِرٌ مِنَ الْهِدَايَةِ ترجمہ، فتاویٰ نہایہ میں ہے کہ بے شک پیشانی کا رکھنا ادا ہو جاتا ہے اس سے سجدے کا فرض تینوں اماموں کا اس میں اجماعی اتفاق ہے، ہدایہ شریف کی عبارت سے بھی یہ ہی ثابت و ظاہر ہے کہ سجدے میں ماتھا پیشانی زمین پر رکھدینا کافی ہے اسی سے فرضِ سجدہ ادا ہو جاتا ہے ناک لگے یا نہ لگے۔ اسلامی سجدے پانچ قسم کے ہیں اور ہر سجدے میں سات کام ہوتے ہیں ا نماز کے سجدے کہ ہر رکعت کے ساتھ دو

سجدے یہ عالم اوراح کے روحانی سجدوں کی یادگاری نقل ہے کہ تمام اَرواح نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم
کا قولی جواب دیا تھا قَالُوْا بَلٰی سے اور مومن روحوں نے لسانی جواب کے ساتھ عملی جواب
بھی دیا تھا سجدہ کر کے جب ایک سجدے سے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ کچھ روحوں نے سجدہ نہ
کیا ان کو بتایا گیا یہ کافر روحیں ہیں انہوں نے صرف قولی اقرار کیا ہے عملی اقرار نہیں تب
مومن روحوں نے اپنی خوش قسمتی پر دوسرا سجدۂ شکر ادا کیا۔ یہ ہر رکعت کے دو سجدے
انہی دو سجدوں کی یادگار اور نقل ہے از فتاوٰی بحرالرائق، فتاوٰی فتح القدیر نے فرمایا
کہ یہ دو سجدے ابلیس شیطان کو جلاتے تڑپانے کے لیے ہیں جب مومن دو سجدے
کرتا ہے تو ابلیس جلتا کڑھتا افسوس کرتا ہوا اپنے شیطانوں سے کہتا ہے کہ ہائے
افسوس مجھے ایک سجدے کا حکم ہوا تھا میں نے وہ بھی نہ کیا مگر ایمان والے اپنے رب تعالیٰ
کا حکم مانتے ہوئے دو دو سجدے کرتے ہیں ۱ سجدۂ سہو ۳ سجدۂ تلاوت ۴ سجدۂ شکر
۵ سجدۂ دعا ہر سجدے میں تین فرض ہیں ۱ دونوں قدم زمین پر لگانا ۲ پیشانی زمین پر
لگانا ۳ اور ہر سجدے میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا۔ اور ہر سجدے میں دو واجب
ہیں ۱ دونوں گھٹنے لگانا ۲ دونوں ہاتھ لگانا ہر سجدے میں ایک نفل یعنی ناک زمین پر
لگانا اور ہر سجدے میں دو مستحب ہیں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کانوں کے نیچے
رکھنا ۲ سجدے کی تسبیح تین بار سے زیادہ وتر بار کہنا یعنی پانچ بار یا سات بار یا
نو بار۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں ۱ فتاوٰی دُرِّ مختار جلد اوّل صفحہ ۴۱۶ پر ہے۔
وَمِنْهَا السُّجُوْدُ بِجَبْهَتِهٖ وَقَدَمَيْهِ وَوَضْعُ اِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ مِنْهَا شَرْطٌ۔ ترجمہ
اور نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض سجدہ کرنا ہے اپنی پیشانی پر اور اپنے دونوں قدموں
پر اور دونوں کی کم از کم ایک ایک انگلی زمین پر کعبہ رخ لگنا شرط لازم ہے۔ اس کی شرح
فتاوٰی شامی جلد اوّل صفحہ ۴۱۷ پر اس طرح ہے۔ وَاَفَادَ اَنَّهٗ لَوْ لَمْ يَضَعْ شَيْئًا مِنَ
الْقَدَمَيْنِ لَمْ يَصِحَّ السُّجُوْدُ۔ ترجمہ، دُرِّ مختار کی اس عبارت سے یہ فائدہ یعنی
شرعی مسئلہ حاصل ہوا کہ اگر بحالت سجدہ قدم سے کوئی چیز زمین پر نہ لگے گی تو سجدہ
صحیح نہ ہوگا۔ فتاوٰی دُرِّ مختار نے صفحہ ۴۲۶ پر مزید وضاحت سے فرمایا۔ وَفِيْهِ يُفْتَرَضُ
وَضْعُ اَصَابِعِ الْقَدَمِ وَلَوْ وَاحِدَةً نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَاِلَّا لَمْ تَجُزْ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُوْنَ
اور اسی فتاوٰی درمختار جلد اوّل صفحہ ۴۲۷ پر ہے وَيَسْتَقْبِلُ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ

اَلْقِبْلَةَ وَيُكْرَهُ اِنْ تَمَّ بِفِعْلِ ذَالِكَ كَمَا يُكْرَهُ لَوْ وَضَعَ قَدَمًا وَرَفَعَ اُخْرٰى بِلَا عُذْرٍ۔ ترجمہ، پہلی عبارت کا۔ اور فتاوٰی میں ہے کہ فرض کیا جاتا ہے بحالتِ سجدہ ہر قدم کی انگلیوں کا زمین پر رکھنا اگرچہ ہر قدم کی ایک انگلی ہی ہو۔ یعنی انگوٹھا، قبلہ کی طرف انگلی کا رخ کر کے ورنہ سجدہ جائز نہ ہوگا اور عوام لوگ اِس ضروری مسئلے سے زیادہ تر غافل ہیں۔ یعنی بحالتِ سجدہ قدم رکھتے ہیں بہت غلطیاں کرتے ہیں کبھی دونوں پیر اُٹھا لیتے ہیں۔ کبھی ایک پیر۔ کبھی دونوں یا ایک پیر کی انگلیاں کھڑی کر کے زمین پر لگاتے ہیں کبھی پیچھے کی طرف کر کے زمین پر لگاتے ہیں۔ یہ سب طریقے غلط ہیں ان سے سجدہ باطل اور برباد ہو جاتا ہے۔ سجدے کا پہلا صحیح فرض یہ ہے کہ دونوں پیروں کی جتنی بھی انگلیاں آسانی سے مُڑ سکیں قبلے کی طرف موڑ کر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما کر لگایا جائے۔ دوسری عبارت کا ترجمہ اور قبلے کی طرف کرے ہر نمازی مسلمان ہر قسم کے سجدے میں اپنے دونوں پیروں کی انگلیوں کے کنارے، اور مکروہ ہو جاتا ہے سجدہ اگر کوئی شخص پیروں کی انگلیاں بحالتِ سجدہ قبلے کی جانب نہ کرے جیسے کہ مکروہ ہو جاتا ہے وہ سجدہ کہ جس میں ایک قدم زمین پر لگایا ہوا اور دوسرا اٹھایا ہو بغیر کسی عذر اور بیماری تکلیف کے۔ سجدہ کا دوسرا فرض ماتھا لگانا جیسے کہ ابھی پہلے کنوز الحقائق ص۱۴۷ پر مذکور حدیثِ مبارکہ سے ثابت کیا گیا۔ سجدے کا تیسرا فرض تسبیح پڑھنا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اوّل ص۴۷۶ پر ہے

اَیْ بِنَاءً عَلَی اَنَّ الْاَمْرَ بِالتَّسْبِیْحِ لِلِاسْتِحْبَابِ۔ بَحْرٌ۔ وَفِی الْمِعْرَاجِ قَالَ اَبُوْ مُطِیْعِ الْبَلْخِیْ تِلْمِیْذُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الثَّلَاثَ فَرْضٌ۔ وَعِنْدَ اَحْمَدَ یَجِبُ مَرَّةً کَتَسْبِیْحِ السُّجُوْدِ۔ (الخ) وَالْحَاصِلُ اَنَّ فِیْ تَثْلِیْثِ التَّسْبِیْحِ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ثَلَاثَةَ اَقْوَالٍ (الخ) وَصَرَّحُوْا بِاَنَّهُ یُکْرَهُ اَنْ یَنْقُصَ عَنِ الثَّلَاثِ وَاَنَّ الزِّیَادَةَ مُسْتَحَبَّةٌ بَعْدَ اَنْ یَخْتِمَ عَلٰی وِتْرٍ خَمْسٍ اَوْ سَبْعٍ اَوْ تِسْعٍ۔ ترجمہ۔ یعنی بنا ہے اِسی مسئلے کی اِس بات پر کہ بے شک اَمرِ تسبیح پڑھنے کا بہتری کے لیے ہے۔ یہ فتاوٰی بحرالرائق کا مسئلہ ہے اور فتاوٰی معراج میں ہے کہ فرمایا امام ابو مطیع بلخی علیہ الرحمۃ نے جو امام اعظم کے ایک شاگرد ہیں، سجدے رکوع میں تین بار تسبیح پڑھنا فرض ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک ایک مرتبہ تسبیح پڑھنا رکوع میں واجب ہے جیسے سجدے کی تسبیح بھی ایک بار واجب ہے۔ اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بے شک رکوع سجود میں تین مرتبہ تسبیح کے

بارے میں فقہا کے تین قول ملتے ہیں، اور تمام علما فقہا نے تصریح اور وضاحت فرما دی ہے اس بات کی کہ بے شک تین سے کم تسبیح پڑھنا مکروہ ہے (تحریمی)، اور سجدے کا مستحب ہے تین سے زیادہ پڑھنا وتر بار کہ پانچ بار یا سات بار یا نو بار سجدے رکوع میں تسبیح پڑھے اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے جلد اوّل صہ۷۵ پر۔ وَيَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ. سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى. ثَلَاثًا وَذَالِكَ اَدْنَاهُ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّزِيْدَ عَلَى الثَّلَاثِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اَنْ يَّخْتِمَ بِالْوِتْرِ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ. فَالْاَدْنٰى فِيْهِمَا ثَلَاثُ مَرَّاتٍ وَالْاَوْسَطُ خَمْسُ مَرَّاتٍ وَالْاَكْمَلُ سَبْعُ مَرَّاتٍ كَذَا فِي الزَّادِ. ترجمہ اور سجدہ کرنے والا ہر سجدے میں کہے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى. تین مرتبہ اور یہ تین بار کہنا کم از کم ہے۔ اس سے کم جائز نہیں گویا یہ مقدار فرض ہے۔ ایسے ہی فتاویٰ محیط سرخسی میں ہے۔ اور سجدے کا مستحب یہ ہے کہ تین سے زیادہ بار کہے رکوع میں بھی سجدے میں بھی۔ مگر ہر تعدادِ مقداری ختم کرے وتر سے ایسے ہی ہدایہ میں ہے۔ پس ان دونوں رکوع و سجود میں کم از کم تین بار اور درمیانہ تعداد پانچ بار اور مکمل تعداد سات بار ہوئی۔ آدابِ سجدہ ہر سجدے کے آداب یہ ہیں کہ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں قدم شرعی طریقے پر درست کر کے رکھے پھر دونوں گھٹنے اس طرح رکھے کہ نہ دونوں جڑے ہوں نہ زیادہ فاصلہ بلکہ چار انگل برابر فاصلہ ہو جیسا کہ بوقتِ قیام دونوں قدموں میں واجب ہے (از فتاویٰ شامی جلد اوّل صہ۴۱۵) پھر دونوں ہاتھ کانوں کے نیچے رکھے، پھر ناک زمین سے لگائے، پھر ماتھا زمین پر رکھے، یہ سب کچھ بہت دھیان سے درست کرتے کے بعد تین بار یا پانچ بار۔ تسبیح پڑھے، اور پھر اٹھتے وقت پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر دونوں ہاتھ، پھر بیٹھے بقدر ایک تسبیح پھر اسی طرح جاتے آتے دوسرا سجدہ پھر اگر کھڑا ہو تو ہاتھوں کے بعد دونوں گھٹنے اٹھائے۔ یہ جوان اور تندرست کا سجدہ ہے مگر بوڑھا، بیمار، کمزور، معذور اپنی حالت کے مطابق جیسے چاہے سجدے میں آئے جائے لیکن خیال رکھے کہ آنے جانے میں سینہ اور چہرہ کعبے سے نہ پھرے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ.

کتبہ ـــــــــــــــــــــــــــــ

چوبیسواں فتویٰ

عدالتی تنسیخِ نکاح کے بعد اگر اسی خاوند سے پھر خانہ آبادی مقصود ہو تو نکاح کیا جائے گا حلالہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور تنسیخ نکاح کی دو قسمیں ۱۔ فسخ ۲۔ طلاقِ بائنہ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ چند سال پہلے ہماری ایک لڑکی نے اپنے خاوند کے ظلم اور بے جا مار پیٹ سے تنگ آکر اپنے شہر ضلع جھنگ کی کچہری میں خلع اور تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کر دیا۔ عدالت نے خوب چھان بین کر کے دو سال کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ خاوند مدعیٰ علیہ ایک دفعہ بھی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ سیشن کورٹ کے سیشن جج نے اچھی طرح تحقیق و تفتیشِ حالات اور گواہوں کی حلفیہ گواہی لے کر بیوی مدعیہ کو مظلومہ پاکر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ بیوی نے ڈگری تنسیخ لے لی عدت بھی گزر گئی۔ فیصلے کو تقریباً عرصہ تین سال ہو چکا ہے۔ اب خاوند مدعیٰ علیہ اپنے سابقہ رویّہ پر معذرت خواہ ہے، وہ خود اور اس کے لواحقین بھی اب اچھی طرح خانہ آبادی کی گارنٹی دیتے ہیں اور ہر طرح خوش اسلوبی کا تحریری وعدہ کرتے ہیں، اس لیے اب یہ بیوی مدعیہ اور اس کے لواحقین اسی خاوند مذکور کے ساتھ دوبارہ خانہ آبادی پر رضا مند ہو گئی ہے۔ لیکن ایک عالم خطیب صاحب نے کہا ہے کہ بیوی کو حلالہ کرانا پڑے گا اور خلوت صحبت طلاق پھر عدت کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے بغیر یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ خاوند مذکور مدعیٰ علیہ نے خود کبھی کوئی طلاق نہیں دی۔ صرف عدالت کے فیصلے سے ہی نکاح فسخ ہوا ہے ہمیں بزرگوں نے مشورہ دیا ہے کہ آپ علماء دین سے فتویٰ شرعی مکمل و مدلل حاصل کرو۔ جو فتوے کا حکم ہو اس پر عمل کرو۔ لہٰذا خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے کہ ہم کو مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ اور بتایا جائے کہ کیا صورتِ مذکورہ میں بغیر حلالہ سابقہ خاوند کے ساتھ دوبارہ خانہ آبادی نہیں ہو سکتی؟ شریعتِ مقدسہ کا جو حکم ہوگا ہم وہی عمل کریں گے۔

بینوا توجروا۔ ۹۷-۹-۲

دستخط سائل غلام علی جھنگوی بین بازار جھنگ شہر۔ پاکستان۔ فی الحال برطانیہ برمنگھم۔

بعونِ العلّام الوھّاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق صورۃِ مسئولہ مذکورہ میں حلالہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے نہ عدت گزرنا شرط تھی جو مذکورہ فی السوال تین سالہ مدت گزر جانے کی بنا پر لازماً گزر چکی ہے۔ اور تنسیخ نکاح کا فیصلہ تین سال قبل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب صرف سابقہ خاوند بیوی میں شرعی نکاح کیا جائے۔ اور خاوند بیوی دوبارہ آباد رہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تنسیخ نکاح شرعی ضابطوں کے مطابق طلاقِ بائنہ ہے۔ اور طلاق بائنہ میں دوبارہ خاوند بیوی کی صلح اور خانہ آبادی کے لیے نکاح کرنا لازمی ہے مگر حلالہ کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ مولوی صاحب کا حلالے کا حکم دینا غلط ہے۔ حلالے کا حکم صرف طلاقِ ثلاثہ مغلّظہ کے بعد ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی تنسیخ نکاح طلاقِ ثلاثہ مغلظہ نہیں ہوتی۔ بلکہ فیصلہ تنسیخ یا فسخ اور فسادِ نکاح ہے یا طلاقِ بائنہ۔ تنسیخ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جس کو مفتی یا اسلام یا حکومت کا مقرر کردہ قاضی یا جج توڑے۔ تنسیخ نکاح کی دو قسمیں اور دس صورتیں ہیں۔ پہلی قسم۔ اگر تنسیخ نکاح کا فیصلہ بیوی یا بیوی کے والی وارثوں کی وجہ سے ہو تو وہ تنسیخ فسخ نکاح ہوگی اور اگر تنسیخ نکاح کا فیصلہ خاوند کی وجہ سے ہو تو وہ تنسیخ طلاق بائنہ ہوگی۔ اس لیے کہ بیوی طلاق دینے کی اہل نہیں ہوتی۔ خاوند ہی طلاق کا مالک اور طلاق دینے کا اہل ہوتا ہے۔ تنسیخ کی ان دونوں قسموں کی دس صورتیں بنتی ہیں پہلی صورت خیارِ ولی۔ یعنی اگر کوئی لڑکی بالغہ اپنی مرضی سے والی وارثوں کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرے تو جب بھی والی وارثوں کو پتہ چلے وہ یہ نکاح ختم کرانے کا حق رکھتے ہیں۔ ایسا نکاح معلّق اور موقوف رہتا ہے۔ اگر والی جائز رکھیں تو جائز ہو جائے گا ہمیشہ کے لیے توڑوانا چاہئیں تو ٹوٹ جائے گا۔ اگر ایسے نکاح کی خبر سن کر وارثین خاموش ہو گئے کوئی کاروائی نہ کی نہ ارادہ ظاہر کیا تو یہ خاموشی بھی شرعاً نکاح پر رضامندی تصوّر ہوگی۔ ۲۔ خیارِ بلوغت۔ کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور شخص نے کسی مرد سے کر دیا۔ تو بیوی کو بالغہ ہوتے ہی اختیار ملتا ہے کہ چاہے اس نکاح کو منسوخ کرا دے چاہے اسی نکاح پر راضی ہو جائے۔ یہاں بھی اس کی خاموشی رضامندی تصوّر کی جائے گی۔ اور شریعت کی طرف سے ملا ہوا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس لیے چاہیئے کہ اپنے اپنے اختیار پر جلدی

عمل کریں۔ اطلاع ملتے ہی کاروائی یا ارادہ ظاہر کر دیں، ۳ خیارِ عتق۔ مگر یہ صورت اب نہیں ہوتی۔ یہ اختیار لونڈی غلام کے زمانے میں ملتا تھا۔ ان تینوں صورتوں میں تنسیخ نکاح کا عدالتی حکومتی یا فتوے شرعی کا فیصلہ طلاق نہ بنے گا فسخ نکاح ہوگا۔ لیکن بیوی کے مدخولہ یا خلوت صحیحہ ہونے کی حالت میں عدت واجب ہوگی۔ خیارِ ولی میں تو خلوت یا صحبت کا یقینی امکان ہے مگر خیارِ بلوغت میں اگر خاوند نے قریب بلوغ بیوی سے خلوت یا صحبت کر لی ہو تو بھی بالغہ ہو کر جب تنسیخ کرائے تو فیصلے کے بعد عدت واجب ہوگی۔ لیکن بالکل چھوٹی تین یا پانچ سالہ بیوی سے خلوت معتبر نہیں۔ اگر ایسا کچھ بھی کبھی بھی نہ ہوا تو تنسیخ کے بعد عدت واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر بلوغت کے بعد خلوتِ صحیحہ ہوگی تو خیارِ بلوغت ہی ختم ہو گیا، ۴ یہ کہ خاوند ظالم بدمعاش شرابی ہو بیوی نیک ہو اسے جان کا خطرہ ہو یا عزت وآبرو کا تو چونکہ بدکار بدمعاش مرد خاندانی نیک بیوی کا کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ قوم قبیلہ ایک ہو۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد پنجم ص پر بحوالہ فتاوٰی شامی جلد دوم باب الکفائت ہے۔ کہ اَلْکَفَائَۃُ فِی الدِّیْنِ وَالتَّقْوٰی اس بنا پر تنسیخ نکاح مطلوب ہو ۵ یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بے آباد . . . . . اور منعنت النفقہ کر دے اس لیے بیوی تنسیخ نکاح کا دعوٰی اور مطالبہ کرے ۶ یہ کہ خاوند دیوانہ ہو جائے اور درست ہونے کا امکان نہ رہے تو بیوی تنسیخ نکاح کا دعوٰی دائر کرے ۷ یہ کہ خاوند بغیر اطلاع کہیں غائب اور لاپتہ ہو جائے اور بیوی کو زندگی گذارنا مشکل ہو جائے تب مجبور ہو کر بیوی تنسیخ نکاح کا دعوٰی دائر کرے۔ ان مندرجہ چار صورتوں میں جب بھی عدالت سے یا فتوئے شرعی سے تنسیخ نکاح کا فیصلہ ہوگا تو وہ تنسیخ طلاقِ بائنہ بنے گی اور بیوی تین حیض عدت گزار کر آزاد ہوگی ۸ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل ص۵۱۵ پر ہے۔ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْفُرْقَۃُ الْوَاقِعَۃُ فِی اللِّعَانِ اَلْفُرْقَۃُ بِتَطْلِیْقَۃٍ بَائِنَۃٍ فَیَزُوْلُ مِلْکُ النِّکَاحِ وَتَثْبُتُ حُرْمَۃُ الْاِجْتِمَاعِ وَالتَّزَوُّجِ مَادَامَا عَلٰی حَالَۃِ اللِّعَانِ کَذَا فِی الْبَدَائِعِ۔ یُشْتَرَطُ طَلَبُہَا۔ یعنی تنسیخ نکاح کی آٹھویں صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی عدالت میں دعوٰی کر دے تب حاکم جج۔ قاضی۔ یا مفتیٔ اسلام دونوں خاوند بیوی کی زبان سے پانچ پانچ شہادتیں لے کر لعان کرائے جب لعان شرعی طریقہ پر مکمل ہو جائے تو حاکم جج

قاضی وغیرہ تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر کے دونوں کا نکاح ختم کر دے اور دونوں کو ہر طرح خانہ آبادی و رہائشی طریقہ سے جدا کر دے یہ جدائی شریعت اسلامیہ میں طلاقِ بائنہ ہوگی۔ یہی فرمایا امام اعظم ابوحنیفہ رضؓ اور اُن کے شاگرد امام محمدؒ نے لہٰذا اس طلاق بائنہ والی جدائی اور فرقت سے نکاح کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور اُس وقت تک صحبت وطی اور نکاح کرنا حرام رہے گا جب تک وہ دونوں خاوند بیوی اپنی حالتِ لعان پر قائم اور مُصِر رہیں گے ایسے ہی فتاویٰ بدائع میں ہے۔ ہاں البتہ تنسیخ نکاح میں شرط یہ ہے کہ بیوی اس کا مطالبہ کرے۔ نہ حاکم جج قاضی مفتی اپنی مرضی سے نکاح منسوخ کر سکتا ہے نہ لعان کرا سکتا ہے نہ ہی حاکم جج قاضی مفتی کے شرعی فیصلے کے بغیر کوئی نکاح کوئی والی وارث یا خود بیوی تنسیخ نکاح کر سکتی ہے اگر کسی کو کوئی نکاح ناپسند ہو تو عدالت کے جج و قاضی یا اسلام کے مفتی سے فیصلے کرائے وہ شریعتِ اسلام کے مطابق نہایت احتیاط سے تحقیق و تفتیش اور تصدیق حالات کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کریں تب صحیح تنسیخ ہوگی۔ عدالت یا فتوے اسلامی کے بغیر کوئی تنسیخ نکاح جائز نہیں۔ اور اگر عدالت کے جج یا قاضی و مفتیٔ اسلام نے صحیح تحقیق کے بغیر جلد بازی سے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تب بھی وہ جائز نہ ہوگا۔ اور نکاح بدستور قائم رہے گا۔ بڑی عدالت یا بڑے مفتیٔ اعظم اور قاضی القضاۃ کے پاس اپیل برائے نظرِ ثانی کر کے سابقہ شرعاً غلط فیصلے کو کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ تنسیخ نکاح کا ہر درست فیصلہ جس کی وجہ خاوند ہو وہ طلاقِ بائنہ ہی ہوتا ہے۔ نہ طلاق مغلظہ نہ طلاق رجعی نہ فسخ۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری اوّل صـ۵۲۴ پر ہے۔ اِنِ اخْتَارَتِ الْفُرْقَةَ اَمَرَ الْقَاضِیْ اَنْ یُّطَلِّقَهَا طَلْقَةً بَائِنَةً فَاِنْ اَبٰی فَرَّقَ بَیْنَهُمَا هٰكَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْاَصْلِ كَذَا فِی التَّبْیِیْنِ وَالْفُرْقَةُ تَطْلِیْقَةٌ بَائِنَةٌ كَذَا فِی الْكَافِیْ وَلَهَا الْمَهْرُ كَامِلًا وَعَلَیْهَا الْعِدَّةُ بِالْاِجْمَاعِ اِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ خَلَا بِهَا وَاِنْ لَّمْ یَخْلُ بِهَا فَلَا عِدَّةَ عَلَیْهَا وَلَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ اِنْ كَانَ مُسَمًّی وَالْمُتْعَةُ اِنْ لَّمْ یَكُنْ مُسَمًّی كَذَا فِی الْبَدَائِعِ۔ ترجمہ: اگر بیوی تنسیخ نکاح سے جدائی کی خواہش مند ہو تو اوّلاً قاضی اور جج خاوند کو حکم دے گا کہ اس اپنی بیوی کو طلاقِ بائنہ دیدے لیکن اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے تو حاکم جج قاضی یا مفتیٔ اسلام خود ان دونوں

خاوند بیوی کے درمیان نکاح تنسیخ کا فیصلہ کر کے تفریق اور جدائی کر دے گا۔ ایسے ہی ذکر فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب اصل مبسوط میں۔ اور ایسے ہی امام محمد کے فرمان کا ذکر فتاویٰ تبیین میں بھی ہے اور جج وقاضی کی یہ تنسیخ نکاح والی جدائی دونوں کے لیے طلاقِ بائنہ بنے گی۔ یعنی صرف رجوع کر کے خانہ آبادی اور ملاپ نہ کر سکیں گے اب اگر کبھی یہی خاوند بیوی پھر خاوند بیوی بننا چاہیں تو دوبارہ نکاح کریں گے۔ نہ رجوع جائز نہ حلالے کی ضرورت یہ ہی مسئلہ فتاویٰ کاتی میں لکھا ہوا ہے۔ قاضی و جج کی اس تفریق کے بعد مہر کا مسئلہ ہے اگر خاوند نے بیوی سے خلوت یا صحبت کی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا۔ اور دخول وخلوت نہیں ہوئی تو اگر حق مہر نکاحِ اوّل کے وقت مقرر کیا گیا تو آدھا مہر دینا پڑے گا اگر مقرر نہ کیا گیا تھا تو صرف ایک کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے کے علاوہ خاوند کی حیثیت والا دینا پڑے گا۔ مدخولہ اور خلوت والی بیوی پر عدت واجب ہوگی غیر مدخولہ پر عدت واجب نہ ہوگی۔ تنسیخ نکاح کی نویں قسم۔ یہ کہ خاوند یا بیوی اپنا مذہب بدل لے۔ یا اس طرح کہ خاوند بیوی میں سے کوئی اسلام سے مرتد ہو جائے۔ یا کفار خاوند بیوی میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ تو ان دونوں صورتوں عدالت سے تنسیخ نکاح ہو گا۔ اس طرح تنسیخ کی کُل دس صورتیں ہوگئیں۔ اگر بیوی نے دین بدلا تو تنسیخ نکاح فسخ ہوگا اور اگر خاوند نے دین بدلا تو تنسیخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل صـ۳۳۸ پر ہے۔ وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَاَبَتْ زَوْجَتُهٗ لَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا وَفِیْ عَكْسِهٖ طَلَاقٌ۔ لِاَنَّ سَبَبَهٗ الزَّوْجُ وَفِی الشَّرْعِ يَقَعُ الطَّلَاقُ مِنَ الرِّجَالِ فَقَطْ۔ ترجمہ۔ اور اگر خاوند مسلمان ہو گیا تو بیوی سے کہا جائے گا کہ تو بھی مسلمان ہو جا تاکہ تم دونوں کا نکاح برقرار رہے اگر بیوی نے انکار کر دیا تو اور عدالت نے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ تنسیخ اور فرقت، طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس تنسیخ کی وجہ بیوی بنی ہے۔ لیکن اس کے اُلٹ میں یعنی بیوی مسلمان ہو گئی تو خاوند سے کہا جائے گا کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ انکار کرے اور عدالت نکاح تنسیخ کرے تو یہ تنسیخ طلاق ہوگی کیونکہ یہاں تنسیخ کا سبب خاوند بنا ہے اور شریعتِ اسلام میں طلاق صرف خاوندوں کی طرف سے واقع ہوتی ہے خواہ دیدیں یا طلاق کا سبب بن جائیں اس کی وضاحت فتاویٰ درِ مختار جلد دوم صـ۴۲۱

پر ہے۔ ثُمَّ الفُرقَۃُ اِنْ مِّنْ قِبَلِھَا فَنَسْخٌ۔ وَاِنْ مِّنْ قِبَلِہٖ فَطَلَاقٌ ترجمہ
پھر یہ تنسیخ کے ذریعے جدائیاں اگر بیوی کی طرف سے ہوں یعنی بیوی اس تنسیخ کا
سبب بنے تو یہ تنسیخ فسخ نکاح ہے، اور اگر یہ کوئی بھی تنسیخ خاوند کی وجہ سے ہو تو
یہ تنسیخ طلاق بنے گی۔ اس کی شرح میں علامہ شامی عَلَیہِ الرَّحمۃ نے مزید وضاحت
کرتے ہوئے اسی جگہ جلد دوم ص۴۲۱ پر فرمایا۔ فِیہِ نَظَرٌ فَاِنَّہٗ یَقتَضِی اَنْ یَکُوْنَ
التَبَایُنُ۔ ترجمہ: اس شرعی حکم میں انتہائی غور طلب یہ بات ہے کہ یہ تنسیخ طلاق بنے
کی صورت میں کونسی طلاق بنے گی تو یے شک حالات کیفیات کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ
طلاق بائنہ بنے گی۔ نہ رجعی نہ ثلاثہ مغلظہ۔ کیونکہ طلاق رجعی خاوند کی زبانی یا خوشی
رضا والی تحریری صریحی ایک یا دو بار طلاق ہوتی ہے۔ اور طلاقِ ثلاثہ تین بار طلاق زبانی
یا تحریری صریحی دینے سے ہوتی ہے۔ اور حلالہ صرف طلاقِ مغلظ کے بعد ہوتا ہے۔
چنانچہ قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت نمبر۲۳۰ میں اسی حکم شرعی کا بیان ہے کہ پہلے آیت ۲۲۹
میں فرمایا گیا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی
دوبارہ بھی کوئی خاوند طلاق صاف صاف لفظوں میں دیدے تو وہ طلاقِ رجعی ہے
چاہے تو عدت کے اندر اندر رجوع کر کے بیوی کو روک لے آباد کرلے چاہے
تو نہ رجوع کرے اور احسان کر کے چھوڑ دے کسی قسم کا ظلم نہ کرے لیکن اگر
ان دو طلاقوں کے بعد۔ فَاِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔
ترجمہ، پھر اگر اے خاوندو تم میں سے کسی نے اپنی اسی رجوع کردہ بیوی کو ایک
طلاق دی یا بغیر رجوع کئے عدت کے اندر اندر ایک طلاق اور دیدی تو اب
اگر اسی بیوی کو پھر آباد رکھنا چاہئے ہو تو بغیر حلالہ کرائے ہوئے یہ تیسرے بار طلاق
یافتہ بیوی اس طلاق دینے والے کے لیے حلال نہ ہو گی۔ اور حلالہ یہ ہے کہ
دوسرا شخص خاوند بن کر اس بیوی سے مکمل وطی صحبت کرے۔ یہاں تَنْکِحَ کا معنیٰ ہے
وطی صحبت کرنا۔ تنسیخ نکاح کے بارے میں فتاویٰ شرح وقایہ جلد دوم نے ص۱۴۲ پر
ارشاد فرمایا وَتَبِیْنُ بِطَلْقَۃٍ وَلَھَا کُلُّ الْمَھْرِ اِنْ خَلَا بِھَا وَتَجِبُ الْعِدَّۃُ
ترجمہ: اور تنسیخ نکاح سے بیوی کو ایک طلاقِ بائنہ ہو جائے گی۔ اور خاوند پر پورا
حق مہر دینا واجب ہے اگر اس نے اپنی اس بیوی سے خلوت کی ہو گی اور بیوی

سے خلوت کی ہو گی۔ اور بیوی پر خلوتِ صحیحہ کاملہ ہونے کی وجہ سے عدّت بھی واجب ہے۔ اور فتاوٰی حاشیہ عمدۃ الرّعایہ جلد دوم صـ۱۴۲ پر ہے وَ لَمَّا كَانَ الْوَاجِبُ عَلَى الزَّوْجِ التَّسْرِيحُ بِإِحْسَانٍ وَنَابَ الْقَاضِي عَنْهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ عَنْهَا صَارَ فِعْلُهُ مُضَافًا إِلَيْهِ فَكَأَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهِ وَإِنَّمَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّسْرِيحُ وَدَفْعُ الظُّلْمِ يَحْصُلُ فِيهِ فَإِنَّ الزَّوْجَ يَحِلُّ فِيهَا الرَّجْعَةُ ترجمہ: اور جب کہ واجب تھا خاوند پر کہ اپنی بیوی پر ظلم نہ کرے بلکہ احسان کر کے تمام حقوق ادا کر کے باعزت طریقے سے آزاد کر دے لیکن اس ظالم نے یہ نہ کیا تو عدالت کا قاضی جج یا مفتیٔ اسلام نائب ہو گیا خاوند کا بیوی سے ہر طرح کا ظلم ختم کرنے کے لیے۔ اب قاضی کا فیصلہ خاوند کا ہی عمل مانا جائے گا۔ یعنی تنسیخ نکاح ایسا ہی ہے گویا خاوند نے ہی خود طلاق دی ہے اور یہ تنسیخ نکاح صرف طلاق بائنہ بنے گی اس لیے کہ نکاح منسوخ کرنے کا مقصد مظلومہ بیوی کو چھڑانا اور ظلم ختم کرنا ہے جو صرف طلاقِ بائنہ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ طلاقِ رجعی میں خاوند کو ہر وقت رجوع کرنے کا حق حلال اور جائز رہتا ہے۔ وہ ظالم خاوند فیصلہ عدالت کے بعد فوراً باہر نکلتے ہی رجوع کر لے اور ظلم کا باب پھر کھل جائے۔ تو مقصد تنسیخ فوت ہو گیا۔ لہٰذا شریعتِ اسلامیہ نے اس اندیشے کو ختم کرنے کے لیے ہر اس تنسیخ کو جس کا سبب خاوند بنے طلاق بائنہ بنا دیا اور وہ تنسیخ جس کا سبب بیوی بنے اس کو فسخ بنا دیا یعنی یہ نکاح بالکل ہی ایک دم اس طرح ختم ہوا گویا ہوا ہی نہ تھا۔ اس آخری دلیل نے اس کی وجہ بتائی کہ بیوی کی وجہ سے تنسیخ نکاح فسخ کیوں ہے اور خاوند کی وجہ سے طلاق بائنہ کیوں ہے خلاصہ یہ کہ تنسیخ کی دو۲ قسمیں ہیں ۱ فسخ اور ۲ طلاقِ بائنہ۔ اور دونوں کی دس۱۰ صورتیں ہیں۔ ان کے زائچہ کا نقشہ حسبِ ذیل ہے۔ تنسیخ کی چار۴ صورتیں فسخِ نکاح ہیں اور چھ۶ صورتیں طلاق بائنہ ہیں۔

۱	خیارِ بلوغ میں تنسیخ نکاح فسخ ہے	۴	خاوند مسلمان ہو جائے مگر بیوی مسلمان ہونے سے انکار کرے تو تنسیخ نکاح فسخ ہے۔
۲	خیارِ ولایت میں تنسیخ نکاح فسخ ہے		
۳	خیارِ عتق میں تنسیخ نکاح فسخ ہوتا تھا	۵	بیوی مسلمان ہو جائے خاوند مسلمان ہونے سے انکار کرے تو تنسیخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔

۶	خاوند متعنت النفقہ ہو تو فسخ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔	۹	خاوند لاپتہ غائب ہو جائے تو فسخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔
۷	خاوند دائمی دیوانہ ہو جائے تو فسخ نکاح طلاق بائنہ ہے۔	۱۰	خاوند بیوی کا لعان سے فسخ نکاح ہو تو طلاقِ بائنہ ہے۔
۸	غیر کفو میں غلطی سے نکاح ہو جائے تو فسخِ نکاح طلاقِ بائنہ ہے۔		

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

کتبہ

تفضیلی اور تبرائی شیعہ فرقے کا تاریخی پس منظر

پچیسواں فتویٰ : مسلمانوں میں سب سے پہلے تابعین کے زمانے میں تفضیلی شیعہ فرقہ پیدا ہوا پھر تبرائی شیعہ فرقہ ان میں سے ہی بنا۔ ان دونوں فرقوں کا موجد ایک یہودی تھا۔ اور فرقہ بازی کی عیارانہ شرارت سب سے پہلے مسلمانوں میں یہودیوں نے پھیلائی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تفضیلی شیعہ اور تبرائی شیعہ میں فرق کیا ہے اور یہ دونوں فرقے کب پیدا ہوئے کس نے ایجاد کیے۔ کیوں ایجاد کیے۔ ان دونوں فرقوں کے بنیادی عقائد کیا ہیں۔ اور ان دونوں میں سے اچھا کونسا فرقہ ہے اور کونسا برا ہے مسلمانوں کو اس سے کیا نقصان ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

سائل۔ حاجی محمد یونس (چوہدری) والتھم سٹو۔ لندن، برطانیہ۔ ۲/۵/۱۹۹۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّاب

الجواب

قانون شریعت کے مطابق دونوں فرقے باطل ہیں۔ تفضیلی شیعہ بھی اور تبرائی شیعہ بھی ان

دونوں فرقوں کا اصل اور ابتدائی نام رافضی ہے۔ تفضیلی شیعہ گمراہی کی حد تک باطل ہے اور تبرائی شیعہ کفر کی حد تک باطل ہے اس کی چھ وجہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ تفضیلی شیعہ مولیٰ علی شیر خدا کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے افضل مانتے ہیں حالانکہ صدیق وفاروق سے افضل ماننا قرآن مجید اور احادیث پاک اور اجماع صحابہ اور کثرت تابعین و تبع تابعین تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء علماء محدثین بلکہ خود تمام ائمہ اہلبیت بشمول مولیٰ علی کے خلاف ہے۔ یعنی تفضیلی شیعہ علی مرتضیٰ کو ان دونوں سے افضل مان کر اللہ رسول اجماع صحابہ، اجماع امت، اور مولیٰ علی و تمام اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں، دوسری وجہ یہ کہ یہ دونوں فرقے یہودی سازش کی پیداوار اور ایجاد ہیں۔ تیسری وجہ یہ کہ ان دونوں فرقوں کے عقائد اسلام کے خلاف ہیں۔ چوتھی وجہ یہ کہ وہ عقائد یہودیوں کی ایجاد ہیں ان کے پاس عقلی۔ نقلی۔ علمی دلائل سے نہ کوئی دلیل نہ ثبوت یعنی صدیق وفاروق سے مولیٰ علی کے افضل ہونے کی کسی کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے نہ قرآن مجید سے نہ حدیث پاک سے نہ عقلی نہ فطری۔ پانچویں وجہ۔ فضیلت علی کو صدیق وفاروق سے بڑھانا مسلمانوں کی افتراق اور خانہ جنگی فرقے بازی کا باعث ہے اور اس کی بنیادی اور ابتدائی وجہ محبت علی نہ تھی بلکہ امت مسلمہ میں انتشار، افتراق، فرقہ بازی کی تخریب کاری کا مقصد تھا۔ چھٹی وجہ یہ کہ ان دو فرقوں نے اسلام اور مسلمانوں کے دینی اصولی نظریات کو بہت نقصان پہنچایا۔ ان وجوہ ستہ کے دلائل و حقائق از روئے قرآن و حدیث و تاریخ حسب ذیل ہیں

پہلی وجہ کی پہلی دلیل۔ حرام، حلال اور فرضیت و اجبیت کی طرح فضیلت بھی ایسی چیز نہیں کہ ہر انسان اپنی مرضی کی فضیلت دیتا پھرے۔ بلکہ قانون شریعت کے مطابق کسی کو کسی پر فضیلت دینا بھی صرف اللہ رسول کا حق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ ترجمہ: اے پیارے نبی رحمت۔ فرما دیجئے ان تمام لوگوں سے کہ بے شک فضیلت دینا اور کسی شخص کو کسی شخص پر افضل کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضے میں ہے جس کو چاہے فضیلت عطا فرمائے کسی دوسرے انسان کو حق نہیں کہ اپنی پسند سے کسی آدمی کو کسی سے افضل سمجھے نہ انبیاء کرام علیہم السّلام میں سے نہ صحابہ میں سے۔ نہ اہل بیت میں سے نہ اولیاء اللہ نہ علماء عظام میں سے۔ لہٰذا اس دلیل قرآنی سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ رافضی فرقے کا اپنی پسند سے مولیٰ علی رضی شیر خدا کو صدیق وفاروق رضی سے افضل کہنا قرآن مجید کے خلاف ہے اور

جو عقیدہ قرآنِ مجید کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے اس لیے تفضیلی رافضی شیعہ گمراہ فرقہ ہے۔
دوسری دلیل۔ آیات قرآنِ مجید سے تمام صحابہ کرام کی فضیلتیں ثابت ہیں۔ کسی کی فضیلت ایک آیت سے کسی کی چند آیات سے کسی کی اجتماعی طریقے سے کسی کی انفرادی حیثیت سے، چنانچہ صدیق اکبر کی فضیلت گیارہ متعدد آیتوں میں بیان فرمائی گئی۔ فاروق اعظم رض کی پانچ آیتوں میں۔ عثمان غنی رض کی چار آیتوں میں۔ علی مرتضیٰ رض کی دو آیتوں میں شانِ کثیر اور فضیلتِ عظمیٰ بیان فرمائی گئی۔ ان کی وضاحتی تفسیر و تفصیل، تفسیری حاشیہ نورالعرفان و فہرست القرآن مصنفہ و مرتبہ حضرت حکیم الامت بدایونی میں دیکھئے۔ لیکن قرآن مجید کی بین آیتیں ایسی ہیں جن سے وضاحت ملتی ہے کہ صدیق اکبر رض تمام صحابہ سے افضل ہیں، مولیٰ علی شیر خدا سے بھی بلکہ افضلُ الخلق بعدَ الانبیاء ابوبکر صدیق ہی ہیں۔ چنانچہ سورۃ زمر کی آیت ۳۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ
ترجمہ، اور وہ ذاتِ محبوب جو لائے صداقتِ کلیہ تامہ دائمہ کو اور وہ شخص جس نے اس محبوب اور لائی ہوئی صداقت کی تصدیق کی وہی لوگ ہیں تقوے والے۔ اس آیت پاک نے صدیق اکبر کی اولیت اور آپ کی صدیقیت کا اظہار فرمایا کیونکہ ابوبکر صدیق رض نے ہی سب سے پہلے مسلمان ہو کر نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید (وحی الٰہی) اور دین اسلام کی حقانیت وصداقت کی تصدیق فرمائی۔ اور سب سے پہلے مومن صحابی متقی بن گئے یہ سورۂ زمر مکی ہے اس کی یہ سب آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب کہ ابھی نہ فاروقِ اعظم ایمان لائے تھے نہ عثمانِ غنی اور مولیٰ علی تو ابھی بچے ہی تھے اس سورت کا نمبر تلاوت انتالیس ہے مگر نمبر نزول ۵۹ ہے جب کہ آخری مکی سورۃ مطففین کا نمبر نزول ۸۶ ہے۔ اس کی کل آیات پچھتر ہیں غرضکہ اولیتِ ایمان تصدیقِ صدیقیت اور تقوے کا سہرا صدیق اکبر کے ہی سر ہے اور اول ہونا افضلیت کی دلیل ہے۔ پھر ایک اور جگہ سورۃ توبہ کی آیت ۴۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
ترجمہ، دو شخصوں میں سے دوسرا جس وقت وہ دونوں ہستیاں غار میں تھیں اس وقت بھی ثانی تھا جس وقت محبوب فرما رہا تھا اپنے ثانی ساتھی کو فکر و اندیشہ نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کو اپنے محبوب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ثانی فرمایا۔ اور یہ ثانیت کا مقام وشان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندگی میں چار مرتبہ نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ دین اسلام کے ماننے والوں میں جب کہ پوری زمین پر کوئی بھی مسلمان نہ تھا بجز آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس وقت تبلیغ نبوت فرمائی تو دوسرے مسلمان ہی ابوبکر صدیق تھے اور اس طرح اسلام کے ثانی اثنین بنے، پھر دوسری بار معراج النبی کی تصدیق فرما کر ثانی اثنین نے اُس وقت بھی چند ساعتوں کے لیے صدیق اکبر ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ معراج کو حق و سچ کہنے والے دوسرے شخص صدیق اکبر ہی تھے۔ تیسری بار یہ سفر ہجرت اور غارِ ثور کی ساعتیں جس کا ذکر قرآن مجید کی اِن آیت میں بڑی شان وفضیلت سے بیان فرمایا گیا۔ چوتھی بار وفات کے بعد چند سال روضۂ اقدس میں ثانی اثنین بنائے گئے اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو محض رب تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمائی گئی کسی انسان کا اس عطیۂ خصوصیہ میں دخل اور کاوش نہیں۔ ان خصوصیات میں کوئی تیسرا آپ کے ساتھ نہیں، کسی صحابی کو یہ فضیلتیں حاصل نہیں نہ خلفاءِ ثلاثہ یعنی نہ فاروقِ اعظم نہ عثمانِ غنی نہ مولیٰ علی کو سورۂ فتح کی آخری دراز آیت ۲۹ میں خلفاءِ اربعہ کی صفاتِ عالیہ کو اس ترتیب سے بیان کیا گیا کہ جس سے ترتیب خلافت کے ساتھ ساتھ ترتیب فضیلت بھی ظاہر فرما دی گئی چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ محمد رسول اللہِ۔ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس وقت پوری کائنات کے لیے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ، اور وہ شانوں والے جو حضر، سفر قبر، حیات و ممات میں ہر وقت اُن کے ساتھ ہیں۔ ابتداءِ دینوی زندگی سے انتہاءِ حیات تک۔ یعنی ابوبکر صدیق، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ اور وہ جو کفار وشیاطین پر بڑے سخت ہیں تا قیامت کفار اُن کے نام سے جلتے مرتے رہیں گے یہ عمر ابن خطاب ابوحفص فاروقِ اعظم ہیں۔ ابوحفص کا لقب آپ کو خود آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمایا۔ حفص کا معنیٰ ہے غضب ناک شیر فاروق کا لقب بذریعہ جبریئل علیہ السلام رب تعالیٰ نے عطا فرمایا جس کا اشارہ سورۃ انفال کی آیت ۶۴ میں ملتا ہے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اور وہ جو مسلمانوں کے درمیان اتنے عظیم ہمت والے مہربان رحیم۔ کریم رحم دل کی کہ اگر کوئی جھوٹے منہ سے بھی مسلمان ہو جائے اُس پر بھی رحم فرمانے والے پناہ دے کر جان بچانے والے اپنی جان کی پرواہ نہ

کرتے ہوئے مسلمانوں کے خون جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی زمین مقدس کو خون آلود ہونے سے محفوظ رکھنے والے۔ اور اسی رحم دلی میں اپنا تن من دھن جان مال مسلمانوں پر قربان کر دینے والے یعنی عثمان غنی۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ اور وہ جو کہ جب بھی دن رات صبح شام ان کو تم دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قرب کے مقرب اور رکوع سجدوں میں رہنے والے نمازوں کا نور عبادتوں کا سرور فرش و عرش تک پھیلانے والے۔ یعنی مولیٰ علی شیر خدا۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ چاروں ساتھی عَلَى الترتیب اسی ترتیب ربانی سے اپنے اپنے اپنے وقتوں خلافتوں میں چاہتے رہے پاتے رہے فضیلتوں کو اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے اور اُس کی رضا لیتے رہے۔ قرآنِ مجید کی یہ ترتیب کس شان و وضاحت سے خلافتِ راشدہ و فضیلتِ خالدہ کو اُمتِ احمدیہ کے لیے بیان فرما رہی ہے اب اس ترتیب الٰہی کے خلاف جو شخص مولیٰ علی کو فضیلت و خلافت میں صرف اپنی دل پسندی سے آگے لانے کی کوشش کرے وہ گمراہ ہی ہوگا۔ تیسری دلیل قرآن مجید کی مندرجہ دو دلیلوں سے بالوضاحت ثابت ہوگیا کہ مولیٰ علی شیر خدا، اُن تین خلفاءِ راشدین سے افضل نہیں جن کو رب تعالیٰ نے اوّلیت دی یعنی صدیق، فاروق، عثمانِ غنی، یہ چاروں جس طرح خلافت میں عَلَى الترتیب تھے اسی طرح فضیلت میں بھی ان قرآنی دلائل سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ گمراہ فرقہ ہے اور ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔ احادیث مبارکہ مقدسہ سے بھی عبارۃً، دلالۃً، اقتضاءً و اشارۃً یہ ہی ثابت ہو رہا ہے کہ افضلُ الخلقِ بعدَ الانبیاء، صرف صدیق اکبر ہیں۔ اُن کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمانِ غنی، اُن کے بعد مولیٰ علی صدیق و فاروق کی افضیلت اوّلی میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں مگر عثمان و علی کی ترتیب میں کچھ اکابر اختلاف کرتے ہیں مگر اکثریت علی مرتضیٰ کو چوتھا خلیفہ اور فضیلت میں چوتھا درجہ ہی مانتے ہیں۔ اور یہی بات ترتیب قرآنی سے بھی ثابت کر دی گئی لہٰذا یہ عقیدہ ہی درست ہے۔ آقاءِ دو عالم کی زبانِ اقدس سے بھی یہ ہی ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۶۰ پر ہے۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِی۔ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَہ عَنْ عَلِیٍّ ۔ ترجمہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا آقا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ابوبکر اور عمر تمام اوّلین آخرین جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں یعنی جو مسلمان اور مومن بڑھاپے کی عمر پاکر فوت ہوا اُن جنتی لوگوں کے سردار صدیق و فاروق ہوا ء انبیا و مرسلین کے سابقہ امتی اہل ایمان ہوں یا بعد والے تا قیامت اس حدیث پاک کو ترمذی نے تو حضرت انس سے روایت کیا مگر ابن ماجہ نے مولیٰ علی سے روایت کیا کُہُولُ ساٹھ سالہ عمر والے کو کہتے ہیں دوسری حدیث پاک۔ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ۔ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم قَالَ لِاَبِیْ بَکْرٍ اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ ترجمہ، حضرت عبد اللہ رض ابن عمر رض سے مروی ہے کہ روایت کیا انہوں نے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی ارشاد فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اَبُوبکر صدیق رض سے تم میرے غار میں بھی ثانی اثنین ساتھی رہے ہو، اور ایک وقت آئے گا جب کچھ دیر کے لیے میدان محشر میں حوض کوثر پر بھی تم میرے ثانی اثنین ساتھی ہوگے اُس وقت فقط میں حوض کوثر پہ ہوں گا اور تم ہوگے تیسرا کوئی نہ ہوگا ثانی اثنین کی شان۔ پانچویں بار میدانِ محشر میں بھی تم کو ہی نصیب ہوگی۔ تیسری حدیث، مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵ پر بحوالہ مسلم۔ بخاری بروایت عَنْ جُبَیْرُ ابْنُ مُطْعَمْ فرمایا کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر ایک بات پوچھتی ہے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر کبھی لوٹ کر آنا۔ اُسنے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں اس کے کہنے کا مقصد تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہوں تو پھر کس سے پوچھوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا۔ یعنی میرے بعد وہ ہی خلیفہ ہوں گے۔ یہ فرمان خلافتِ صدّیقی کا اشارہ ہے۔ چوتھی حدیث پاک مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی شریف بروایت عَنْ عَائِشَۃَ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں تو اُن کے ہوتے ہوئے کسی کو جائز اور لائق نہیں کہ اُن کے سوا کسی دوسرے کو امام المومنین بنائے۔ یہاں صرف امامتِ نماز کا ذکر نہیں بلکہ الفاظ

حدیث اس طرح ہے۔ لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْہِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّہُمْ غَیْرُہٗ۔ یعنی مطلقاً ہر معاملے میں صدیق اکبر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص قوم کا امام نہیں بن سکتا۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مقدسات ہیں جو صدیق و فاروق کی تمام صحابہ کرام سے افضلیت و اولیت پر دلالت یا لوضاحت فرماتی ہیں۔ لیکن تفضیلی شیعوں رافضیوں کے پاس ایک بھی ایسی حدیث نہیں جو ثابت اور واضح کرے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا صدیق و فاروق سے افضل ہوں۔ تمام اُن بناوٹی سنیوں کو چیلنج ہے جو درپردہ تفضیلی رافضی ہیں صرف دھوکا دینے اور سنیوں کی مسجدوں میں قبضہ جمانے کے لیے سنی بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام عوام اہل سنت کو ان دھوکے باز شیعوں تفضیلی رافضیوں سے بچائے آمین۔ پانچویں دلیل۔ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی یہ ہی ثابت ہے کہ صدیق و فاروق و عثمان غنی تمام صحابہ اور مولیٰ علی شیرِ خدا سے افضل ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵ پر بحوالہ بخاری و ابو داؤد شریف فصل اوّل میں۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَیْنَہُمْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاؤُدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم بَعْدَہٗ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ۔ ترجمہ، حضرت عبد اللہ ابن عمر رض سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابو بکر صدیق سے بڑا مرتبہ کسی کو نہ دیتے تھے پھر ان کے بعد حضرت عمر کو پھر حضرت عثمان کو (کیونکہ یہی سب میں بزرگ عمر رسیدہ بھی تھے اور مقربِ بارگاہِ رسالت بھی) پھر اِن تین کے بعد۔ فضیلت کا درجہ بیان کرنا آگے نہ چلاتے تھے اصحابِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں یعنی باقی صحابہ کا مقامِ فضیلت بیان نہ کرتے تھے۔ اُن کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے سب میں برابری سمجھتے تھے روایت کیا اس حدیث پاک کو بخاری شریف نے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ فرمایا ابن عمر نے کہ جب

آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی حیاتِ ظاہری میں تھے تو ہم سب کا عقیدہ یہ بنا ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہم۔ یعنی ہمارا یہ قولی عقیدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا اور آپ ہمارے اس عقیدے پر راضی تھے ورنہ ہمیں منع فرما دیتے۔ اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ افضل الخلق بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ہیں۔ نہ کہ علی مرتضیٰ۔ کسی صحابی کا عقیدہ تفضیلی شیعوں کی طرح نہ تھا۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ کوئی صحابی قرآنِ مجید اور فرمانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے مولیٰ علی کی فضیلت شیخین سے بڑھا دے۔ ایک غالی تبرائی رافضی شیعہ ابن ابی الحدید جو معتزلی بھی تھا اپنی شرح نہج البلاغہ کے صـ۱۹۸ پر لکھتا ہے کہ سولہ۱۶ صحابہ فضیلتِ علی کے قائل تھے اور کہتے تھے مولیٰ علی صدیق وفاروق سے افضل ہیں ان کے نام اس طرح گنتا ہے ۱ عمار بن یاسر ۲ مقداد بن اسود ۳ ابوذر غفاری ۴ سلمان فارسی ۵ جابر بن عبد اللہ ۶ اُبی ابن کعب ۷ حذیفہ ۸ بُریدہ ۹ ابو ایّوب ۱۰ سہل بن حنیف ۱۱ عثمان بن حنیف ۱۲ ابو الہیثم ۱۳ خزیمہ بن ثابت ۱۴ ابو طفیل ۱۵ عامر بن واثلہ ۱۶ عباس بن عبد المطلب ۱۷ اور تمام بنی ہاشم ابن ابی حدید شیعہ شارح نہج البلاغہ آگے لکھتا ہے کہ بنو اُمیہ میں بھی بعض لوگ اسی فضیلت علی کے قائل تھے مثلاً خالد بن سعید بن عاص اور عمر بن عبد العزیز۔ مگر یہ سب کچھ ابن ابی حدید تبرائی شیعہ کی کذب بیانی ہے۔ اور حقیقتاً وعقلاً بھی یہ بات قطعاً غلط ہے۔ چھ وجہ سے۔ پہلی وجہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے صرف سولہ۱۶ صحابی اجماع صحابہ اور قرآن وحدیث کا بیان کردہ حکم چھوڑ کر فضیلتِ علی کو صدیق وفاروق پر اوّلیت دینے لگیں۔ دوم یہ کہ سوائے ابن ابی حدید کے کسی کتاب میں کسی بھی صحابی یا بنو امیہ میں سے کسی کا بھی یہ تفضیلی شیعہ والا عقیدہ نہیں لکھا۔ نہ ہی تابعین وتبع تابعین کے متعلق یہ عقیدہ کسی نے لکھا فقط ابن ابی حدید نے یہ کذب بیانی کی یا پھر اسی کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کر کے الشیخ ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب حیاتِ امام ابو حنیفہ میں لکھا۔ اور شیخ ابو زہرہ

مصری خود بھی مائل بر فض ہیں۔ سوم یہ کہ مشہور شرح بخاری فتح الباری جلد سوم ص ۳۵۸ پر ہے کہ وَثَبَتَ بِالْاَحَادِیْثِ الْکَثِیْرَۃِ الْمَشْہُوْرَۃِ اَنَّ اَفْضَلَ الصَّحَابَۃِ اَبُوْبَکْرٍ۔ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَیَاتِہِ الْمُبَارَکَۃِ۔ ترجمہ: بہت سی مشہور حدیثوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں افضلِ صحابہ ابوبکر سمجھے جاتے تھے۔ چہارم یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صدیق اکبر کی فضیلت تمام صحابہ پر ہے اجماع صحابہ و اجماع تابعین سے مسلّمہ ہے۔ پنجم اسی فتح الباری شرح بخاری جلد سوم ص ۳۵۸ پر ابن ابی حدید شیعہ کی تردید فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا منکر کافر ہے کیونکہ خلافت صدیقی پر اجماع صحابہ ہے تمام صحابہ نے آپ کی بیعت کر کے آپ کی خلافت کو حق مان لیا حالانکہ خلافت کی اولیت افضیلت کی اولیت ہے۔ یعنی آپ کو خلیفۂ اوّل ماننا افضل الصحابہ ماننا ہے۔ ان بیعت کرنے والوں میں یہ سولہ صحابہ بھی شامل بلکہ مولیٰ علی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ فتح الباری کی عبارت ہے۔ فَاِذَا ثَبَتَ ھٰذَا فَقَدْ ثَبَتَ اِسْتِحْقَاقُ الْخِلَافَۃِ لِاَنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّجْعَلَ الْمَفْضُوْلَ خَلِیْفَۃً مَعَ وُجُوْدِ الْفَاضِلِ۔ ترجمہ: تو جب یہ فضیلت ثابت تب ہی بے شک خلافت کا مستحق ہونا ثابت ہوا۔ اس لیے کہ یہ جائز نہیں کہ فضیلت والے کے ہوتے ہوئے افضل کو چھوڑ کر مفضول (غیر افضل) کو خلیفہ بنا لیا جائے یعنی تمام صحابہ کے ساتھ ان سولہ مندرجہ بالا صحابہ نے بھی صدیق اکبر کو خلیفہ مان کر ثابت کر دیا کہ صدیق اکبر تمام صحابہ اور فاروق و عثمانِ غنی و مولیٰ علی سے افضل ہیں اگر مولیٰ علی افضل ہوتے تو یہ بیعت صدیقی جائز نہ تھی کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنا لینا جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں جس طرح یہاں خلافت سے افضیلت ثابت ہوئی اسی طرح فاروق و عثمان کی ترتیب خلافت سے ترتیب افضیلت ثابت ہوئی۔ فتح الباری نے کیسا مضبوط عقلی علمی فطری ضابطہ بیان فرمایا۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں بھی یہ ہی بات بیان فرمائی گئی ہے کہ صحابہ کرام کا بالاتفاق تمام صدیق اکبر پھر فاروقِ اعظم پھر عثمانِ غنی کی بیعتِ خلافت ان کی افضیلت کی ترتیب کو ہی تسلیم کرنا ہے اگر مولیٰ علی ان سے افضل ہوتے تو تمام صحابہ کرام پہلے ان کو خلیفہ بناتے کیونکہ افضل کو چھوڑ

کر غیر افضل کو خلیفہ بنانا لَا یَنْبَغِیْ. ناجائز کام ہے اور مولیٰ علی و دیگر صحابہ یہ ناجائز کام ہرگز نہ کرتے ششم وجہ یہ کہ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب قرۃ العین فی تفضیل الشیخین کے صد۳۶ پر اور منہاج السنۃ جلد اوّل صد۱۶۵ پر لکھا کہ جن صحابہ کرام کے متعلق ابن ابی حدید نے کذب بیانی کی ہے۔ اُن میں کچھ صحابہ کرام نے صراحتًا صاف صاف لفظوں سے صدیق اکبر کو مولیٰ شیر خدا سے افضل تسلیم کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے وہ تمام مستند و مشہور احادیث نقل فرمائی ہیں۔ **چھٹی دلیل**۔ کثرت تابعین اور تبع تابعین اور فقہ کے چاروں امام اور ان کے مقلدین بھی صدیق و فاروق کی افضیلت کو مولیٰ علی پر تسلیم کرتے ہیں جیساکہ ابھی فقہ شافعی سے امام شافعی کا قول بیان کیا گیا۔ جب آئمہ کا مذہب و مسلک یہ ہے تو اُن کے مقلدین کا مسلک خود بخود ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ جو حنفی شافعی مالکی حنبلی مقلد ہو کر پھر تفضیلی شیعہ بنے وہ دھوکے باز جھوٹا حنفی شافعی وغیرہ مقلد بنتا ہے۔ وہ مقلد نہیں بہروپیہ ہے۔ دیگر فقہا اور تمام محدثین بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد ہوئے کیونکہ احادیث جمع کرنے والے محدثین کو احادیث کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کے لیے ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازمی کرنی پڑتی ہے۔ محدث خود فقیہ مجتہد نہیں ہوتا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ محدث مثل عطار یعنی پنساری کی طرح ہے کہ جو دوائیں تو جمع کرتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ کس حدیث سے کیا مستنبط اور فقیہ مجتہد مثل حکیم ہے کہ جانتا ہے کہ کس دوائی سے کیا علاج اور کس حدیث سے کیا مستنبط ہے (از المناقب للمکی جلد دوم صد۹)۔ **ساتویں دلیل**۔ اسلام کے بارہ امام اہل بیت بھی صدیق و فاروق کی اولین افضیلت کے عقیدے پر تھے۔ اور تفضیلی رافضی شیعہ فرقہ کو گمراہ اور اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ چنانچہ سیرت امام ابوحنیفہ للشیخ ابوزہرہ مصری صد۱۲۷ پر ہے کہ ایک مرتبہ چند عراقی تفضیلی شیعوں نے حضرت امام باقر کی مجلس میں صدیق اکبر و فاروق اور عثمان غنی کی شان میں نامناسب طریقہ سے باتیں کیں تو امام محمد باقر رض ان پر سخت ناراض ہوئے اور ڈانٹ کر فرمانے لگے۔ کیا تم مہاجر ہو جو اہل و مال سے نکال دیئے گئے ہو؟ وہ بولے نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا۔ تم انصار میں سے ہو جنہوں نے اُن کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور اُن کے ذریعے ایمان سے مشرف ہوئے وہ کہنے لگے نہیں۔ پھر امام باقر رض نے فرمایا۔ تم وہ بھی نہیں جن کی شان میں وارد

ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (سورۃ الحشر آیت ۱۰) پھر آپ نے سخت غصہ سے فرمایا نکل جاؤ یہاں سے خدا تعالیٰ تمہیں دور کرے تم لوگ زبان سے تو اسلام کے دعویدار ہو لیکن تم کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں۔ سبحان اللہ کیسا عظیم کلام امام ہے کہ اس ایک کلام نے پورے بارہ امام کی عقیدت اور مسلک و مذہب کا نقشہ کھینچ دیا کیونکہ امام باقر پانچویں امام ہیں انہوں نے لازماً یہ مسلک اپنے والد محترم امام زین العابدین سے لیا ہوگا اور انہوں نے اپنے والد امام حسین اور اپنے تایا امام حسن سے لیا ہوگا اور امام حسن وحسین نے اپنے والد مولیٰ علی شیر خدا سے۔ جب ان پانچ اماموں کا مسلک حضرات خلفاء ثلاثہ کے متعلق یہ تھا تو بعد کے سات آئمہ اہل بیت امام جعفر صادق امام موسیٰ کاظم۔ امام علی رضا۔ امام تقی۔ امام نقی۔ امام حسن عسکری۔ امام مسلم کا مسلک ان کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ آٹھویں دلیل۔ خود مولیٰ علی شیر خدا کا مسلک بھی یہی تھا کہ صدیق وفاروق کی فضیلت تمام صحابہ واہل بیت سے زیادہ ہے۔ چنانچہ جب یہودی سازش سے تفضیلی شیعہ فرقہ نے جنم لیا تب روز روز کی تشہیر فضیلت سے چند تابعین متاثر ہوئے تو اُن میں مولیٰ علی کے **غیر فاطمی** بیٹے حضرت محمد بن حنیفہ بھی میلانِ پدری کی وجہ سے متاثر ہو کر اپنے والدِ گرامی مولیٰ علی شیر خدا سے پوچھتے ہیں کہ صحابہ میں سب سے افضل کون ہے۔ اس واقعے کی حدیث پاک مشکوٰۃ شریف صـ ۵۵۵ پر ہے کہ وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِیَّةِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ۔ وَخَشِیْتُ اَنْ یَقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ۔ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

ترجمہ، محمد بن حنیفہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک بار اپنے والد (مولیٰ علی) سے پوچھا کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل شخص کون ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا کہ سب سے افضل ابوبکر ہیں میں نے پوچھا پھر کون۔ فرمایا، عمر، تب تیسری بار میں نے اس **اندیشے** سے کہ اب آپ عثمانِ غنی کا نام نہ لے لیں اور اپنا نام نہ لیں تو میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا کہ پھر آپ۔ یعنی اُن دو کے بعد آپ سب میں افضل ہیں۔ تو مولیٰ علی

تے اپنے متعلق (انکساری کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں صرف ایک عام مسلمان آدمی ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اس کی تشریح میں فقہا فرماتے ہیں کہ محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال اِس لیے کیا کہ بعض لوگ جواب چند دنوں سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مولیٰ علی بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ میں اس کی حقیقت خود مولیٰ علی سے ہی پوچھلوں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ صدیق و فاروق کی افضیلت بیان کریں گے تو میں سوال ہی نہ کرتا۔ جب آپ نے دونوں کا نام لیا تو پھر میرا دل نہ چاہا کہ پھر ثُمَّ مَنْ کا سوال کروں کہیں عثمانِ غنی کا نام لے کر اپنی فضیلت اور پیچھے نہ لے جائیں (اور تفضیلی شیعوں رافضیوں کا بالکل ہی رد فرما دیں) اس لیے تیسری بار میں نے خود ہی ثُمَّ اَنْتَ کہدیا۔ مگر جو جواب مولیٰ علی نے دیا وہ سب نے سن لیا اس جواب کے بعد محمد بن حنفیہ بھی تفضیلی فرقہ سے علیحدہ ہوگئے۔ لمعات شرح مشکوٰۃ جلد ششم ص۲۰ پر ہے کہ جب ایک دن آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے صدیق اکبر کی افضیلت مولیٰ علی اور دیگر صحابہ نے سنی تو۔ قَالَ سَیِّدُنَا عَلِیُّ الْمُرْتَضیٰ قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَمْرِ دِیْنِنَا فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُکَ فِیْ دُنْیَانَا۔ ترجمہ۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر سے فرمایا کہ تم کو ہمارے تمام دینی معاملات میں خود رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھایا ہے تو کون شخص تم کو پیچھے کرسکتا ہے ہماری دنیوی معاملات میں شارحین اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دینی معاملات سے مراد امامت خطابت عبادت ہے اور دنیوی معاملات سے مراد خلافت، امارت ہے اسی طرح یہودی تخریب کاری کی ایجاد فرقہ تفضیلیہ کی تردید کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف ص۵۶۵ پر ہے۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فِیْکَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَتْہُ الْیَہُوْدُ حَتّٰی بَہَتُوْا اُمَّہٗ۔ وَ اَحَبَّتْہُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ بِالْمَنْزِلَۃِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَہٗ۔ ثُمَّ قَالَ یَہْلِکُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ۔ وَمُبْغِضٌ یَحْمِلُہٗ شَنَاٰنِیْ عَلٰی اَنْ یَّبْہَتَنِیْ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ۔ ترجمہ۔ حضرت علی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اے علی تم میں

عیسیٰ علیہ السّلام کی مثلیت ہے یہودیوں نے اُن سے بغض رکھا یہاں تک کہ اُن کی والدہ کو تہمت لگائی۔ اور ان سے عیسائیوں نے محبّت کی یہاں تک کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اُس درجہ تک لے گئے جو ان کے لیے نہ تھا، پھر مولیٰ علی نے فرمایا کہ میرے بارے میں ہلاک ہوں گے دو قسم کے لوگ۔ ایک وہ فرقہ جو شرعی حدود سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرنے والے ہے مجھ میں وہ فضیلتیں بیان کرتے پھریں گے جو مجھ میں نہیں اور دوسرا وہ فرقہ جو بغض اور دشمنی رکھنے والا ہے۔ میری دشمنی ان کو یہاں تک اکسائے ورغلائے گی کہ وہ مجھ پر تہمتیں لگائیں گے۔ جھوٹے بہتان باندھیں گے۔ اس حدیثِ پاک کو مسند احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث پاک کی مختصر شرح۔ یہاں چار الفاظ قابلِ غور ہیں ۱۔ مُفرِطٌ ۲۔ یُقَرِّظُنِی ۳۔ شنانی ۴۔ ترتیبِ الفاظِ حدیث۔ مُفرِطٌ اِفراطٌ کا اسم فاعل ہے، ترجمہ ہے حد سے بڑھنے والا یعنی شریعت کی حد سے بڑھنے والا رب تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے فضیلت کی بھی حد مقرر فرمائی ہے جس کو جو اور جس سے فضیلت ملی اُس کے اندر ہی اس کو مانا جائے تو عند اللہ درست ہے ورنہ ہلاکت و گمراہی اسی کا ذکر اس لفظ میں فرمایا گیا۔ تفضیلی شیعہ اسی حد پر آکر بھٹک جاتے ہیں اور اپنی مرضی کی فضیلتیں دیتے پھرتے ہیں اسی لیے بقول مولیٰ علی ہلاک و گمراہ ہیں۔ لفظ یُقَرِّظُنِی کا معنیٰ حاشیہ مشکوٰۃ نے بحوالہ لمعات اس طرح بیان فرمایا یُقَرِّظُنِی اَیْ یَمْدَحُنِی وَالتَّقْرِیْظُ۔ بِالظَّاءِ مَدْحُ الْحَیِّ وَوَصْفُہٗ۔ وَفِی الْقَامُوْسِ مُوَافِقًا لِمَا فِی الصِّحَاحِ۔ اَلتَّقْرِیْظُ مَدْحُ الْاِنْسَانِ وَھُوَ حَیٌّ بِحَقٍّ اَوْ بَاطِلٍ (از حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۶۵) ترجمہ یُقَرِّظُنِی۔ کا معنیٰ ہے۔ میری مدح کرتے ہیں۔ تقریظ ظ سے اس کا معنیٰ ہے کسی زندہ موجود انسان کی مدح اور وصف و فضیلت بیان کرنی۔ اور قاموس اللغات میں بالکل لغت کی مشہور کتاب صحاح کے مطابق کی تقریظ بمعنیٰ انسان کی مدح بیان کرنی جب کہ وہ زندہ موجود ہو۔ حق مدح ہو یا باطل جھوٹی بِمَا لَیْسَ فِیَّ کا معنیٰ ہے وہ گروہ تفضیلی شیعہ فرقہ میری ایسی فضیلت بیان کرتا ہے میری موجودگی میں بھی جو فضیلت مجھ سے میں نہیں ہے۔ اس عبارت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ تفضیلی فرقہ مولیٰ علی کی موجودگی میں ایجاد ہو چکا تھا۔ لفظ شنانی کا معنیٰ ہے۔ میری عداوت اور ناحق دشمنی، پھر اس حدیث کے ترتیبی الفاظ ان چاروں فرقوں کے زمانوں کو بیان

فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پہلے دشمنی والے یہودی ہوئے پھر غلط محبت کرنے والے عیسائی ہوئے۔ لیکن مولیٰ علی نے پہلے محبِ مُفرِط کا ذکر فرمایا پھر مُبغِض کا اس ترتیب نے بتایا کہ مولیٰ علی کے زمانے میں پہلے تفضیلی رافضی شیعہ ایجاد ہوئے پھر خارجی فرقہ بنا۔ یُهلِکُ فِیَّ کی عبارت بتا رہی ہے کہ تفضیلی رافضی شیعہ بھی گمراہ اور ہلاک، خارجی فرقہ بھی گمراہ و ہلاک ہے۔ ایک بار مولیٰ علی شیر خدا نے تفضیلی ٹولے کی تردید کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو اس گمراہ ٹولے سے بچانے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَالْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَ اَلْفَضِیْلَةُ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ فَلَا تَفَضَّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ فَلَا تُفَضِّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ فَلَا تُفَضِّلُوْنِیْ مُفْرِطًا۔ (ثَلاثًا) وَاِلَّا هَلَکْتُمْ وَضَلَلْتُمْ۔ (از خطباتِ علی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۱) ترجمہ۔ اے لوگو یاد رکھو کہ حرام صرف وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حرام فرمائے اور حلال صرف وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حلال فرمائے اور فضیلت صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ پس نہ فضیلت دو تم مجھ کو شریعت کی حدود سے نکل کر (یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا) غور کرو کہ وہ کونسی فضیلت تھی جو مولیٰ علی کو ناپسند تھی اور جس سے اس شدت کے ساتھ منع فرما رہے ہیں کہ یہ حدود شریعت کے خلاف فضیلت ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یہی فضیلت تھی جو آج بھی تفضیلی شیعہ رافضی دیتے پھرتے ہیں چنانچہ اَلشاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب قُرَّۃُ العَین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں کہ اگر میری طبیعت کو اُس کی آزادی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حضرت علی کی فضیلت کی قائل ہوتی نظر آتی ہے۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار کروں۔ شاہ وَلی اللہ صاحب کس کے حکم کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ یہی کہ مجھ کو قرآنِ مجید اور احادیث مقدسات اور خود مولیٰ علی شیر خدا کا حکم ہے۔ اسی حکم کو پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید وضاحت سے اپنی کتاب تصنیفیہ مَا بَیْنَ السُّنِّی وَ شیعہ کے صفحہ ۴۳ پر بیان فرماتے ہیں۔ اور آپ کی سوانح حیات مہر منیر کے صفحہ ۲۳ پر ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مسئلہ فضیلت میں حضرت شیخ اکبر رح بھی اکابر اہل سنّت کے ہم نوا ہیں۔ جیسا کہ فتوحاتِ مکیہ میں فضیلتِ حضرتِ صدیقِ اکبر کو واضح انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا ہی حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رح نے تصنیفیہ مَا بَیْنَ سُنّی شیعہ

میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی ص۲۳ پر آگے نیچے چل کر لکھتے ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ جیسے شرح العقائد وتبراس میں تحریر ہے۔ حضرت علی کی یہ فضائل مسئلہ فضیلت شیخین کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخین کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ نویں دلیل تفضیلی شیعہ اور تبرّائی شیعہ فرقہ کے باطل ہونے کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں فرقوں کے موجد یہودی ٹولہ ہے۔ اور تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہودی گروہ اپنے ابتدائی دور سے ہی مکاری حسد، بغض، فریب کاری جعلسازی منصوبہ بندی میں اتنے ملوث ومبتلا ہوئے کہ اب یہ ٹولہ عیاری، دھوکہ دہی اور تخریب کاری میں ضرب المثل ہو چکا ہے۔ کنجوسیت اور بہروپیت ان کے قومی نشان مشہور ہو چکے ہیں۔ ان کا نسلی آبائی نام بنی اسرائیل ہے اور مذہبی نام یہودی ہے ان کے آباؤ اجداد نے سب سے پہلے اپنے والد یعقوب اور علاتی بھائی حضرت یوسف علیہما السلام سے دھوکا فریب کیا۔ اگرچہ اُس کی معافی تو یہ ہو گئی پھر انبیاء علیہم السلام کو ستایا اور متعدد انبیا علیہم السلام کو شہید کرتے رہے بات بات میں جھوٹ فریب ان کا پیشہ وران وطیرہ بنا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بار بار ستایا، ھرون علیہ السلام کی ہر کام میں نافرمانی گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ یحیٰ وزکریا علیہما السلام کو انہوں نے ستایا اور قتل کیا حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت زنی کی عیسیٰ علیہ السلام کی بار بار گستاخی ونافرمانی کی یہاں تک کہ صلیب پر مارنے کی پوری پوری کوشش کی بلکہ اپنے خیال میں مار ہی ڈالا اور جس صلیب پر مسیح علیہ السلام کے شبہ میں اُن کی ہی مخبری کرنے والے حواری کو صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا اور مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اسی صلیب کے بارے میں تمام عیسائیوں کو دھوکہ دے کر آج تک پاگل بنایا ہوا ہے۔ یعنی جب یہودیوں نے محسوس کیا کہ اب تمام عیسائی ہمارے دشمن بن جائیں گے اور صلیب مسیح کا بدلہ لیں گے تو عیسائی دشمنی سے بچنے کے لیے ایک سخت ترین دشمن مسیح یہودی پولوس کو جھوٹا عیسائی بنایا۔ اُس نے عیسائی بن کر پہلے کفارے کا مسئلہ ایجاد کیا پھر اُس کو درست کرنے کے لیے مسیح کو ابن اللہ ٹھہرایا اور عیسائیوں کو یاد کرایا کہ مسیح ابن اللہ تھے، پھر تمام گناہوں کے کفارے میں مسیح کا اپنی خوشی سے صلیب پر چڑھ جانے کا ڈھونگ رچایا، پھر پولوس یہودی بناوٹی عیسائی نے شریعت کی گستاخی کی اور تمام عیسائیوں سے کروائی۔ اس پھندے میں پھنسا کر تمام نیکیاں بند کرا کر گناہ خوب کروائے اس طرح

تمام عیسائیت کے سچے اور پاکیزہ دین کو تاقیامت تباہ وبرباد کیا۔ اور عیسائی پولوس کے یہودیانہ فریب میں مبتلا ہوکر آج تک پاگل بنے ہوئے ہیں پھر جب اسلام کا دور آیا تو یہودیوں نے اپنی پرانی فریب کارانہ خصلت کی عادت کی بنا پر مسلمانوں کو گمراہ وکافر بناکر ہلاک وبرباد اور دینی طور پر تباہ کرنے کا ایک خطرناک منصوبہ بنایا چنانچہ یہودیت کا پہلا فریب کارانہ وار دور صدیقی میں چلانا چاہا، جس کا مختصر ذکر تفسیر روح البیان جلد ششم صفحہ ۱۴ سورۃ حج کی آخری آیت میں کیا گیا کہ مسجد نبوی میں ایک یہودی آیا اور باآواز بلند پکارا کہ تم میں نبی کا وصی کون ہے۔ صحابہ نے یہ لفظ وصی پہلی بار سنا تھا سب نے صدیق اکبر کی طرف اشارہ کیا کہ ان سے پوچھو وہ صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہوکر بولا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ میرے تین سوال ہیں ان کا جواب یا نبی جانتا ہے یا نبی کا وصی جانتا ہے پھر اس نے تین سوال کئے صدیق اور دیگر صحابہ نے کہا کہ اس کو علی مرتضیٰ کے پاس لے جاؤ۔ وہاں جاکر بھی اس نے تین سوال کئے جب مولیٰ علی نے اس کے جواب دید ئے تو بلند آواز سے وہ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ہی اپنے نبی کی وصی ہو۔ یہودیوں کی یہ وہ پہلی شرارت تھی جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں میں فرقے بازی خانہ جنگی کرانیکی ناکام کوشش کی، اس وقت سے وصی کا لفظ مسلمانوں کی سماعت میں آگیا۔ مگر چونکہ یہ سازش وشرارت ظاہر یہودی نے پھیلائی تھی اس لیے کامیاب نہ ہوئی پھر خاص منصوبہ بندی کے تحت عبد اللہ بن سبا یمنی یہودی دورِ عثمانی کے دسویں سال، مدینہ منورہ میں آکر مسلمان بنتا ہے۔ تقریبًا بالکل وہی چال جو پولوس یہودی نے عیسائیوں سے چلی اور پھر اسی انداز میں مسلمانوں میں تفضیلت علی اور حقدارِ خلافت کا چکر چلایا کہ خلافت کے حقدار صرف مولیٰ علی ہیں۔ پہلی دو خلافتیں بھی غلط تھیں اور اب یہ موجودہ خلافت عثمانی بھی غلط ہے پولوس اور ابن سبا میں فرق صرف یہ رہا کہ پولوس کی مکاری چالبازی چرب زبانی سے سارے عیسائی کافر وبرباد وہلاکت اُخروی میں جاگرے مگر عبد اللہ بن سبا کے مکر میں صرف چند نو مسلم تابعی مبتلا ہوکر تفضیلی شیعہ بن گئے جن میں شاہی نسلوں کے بچاری ایرانی نو مسلم سب سے پہلے ورغلائے گئے کیونکہ ان کی جبلت نسلی میں شاہ پرستی شامل تھی۔ وہ نسلی حکومت کے خوگر اور عادی تھے۔ لہٰذا ابن سبا کا بھی اس بات میں ساتھ دیا کہ نبی کریم کے بعد ان کی نسل وبرادری کا فرد ہی خلافت کا

حقدار ہے اور وہ علی ہیں، ایران میں صدیوں پرانی یہ ریت چلی آ رہی تھی۔ ابتدا میں ان کا یہ تفضیلی گروہ خفیہ کام کرتا رہا، ایرانیوں کے بعد کوفی، بصری، مصری نومسلم تابعین نے اس کی دعوت کو مانا، کر اس کے گروہ میں شامل ہوئے۔ دوسرا فرق یہ کہ پولوس یہودی نے عیسیٰ علیہ السّلام کو ابن اللہ بنایا۔ اور عبد اللہ بن سبا یمنی یہودی نے مولیٰ علی کو وصی بنا کر مسلمانوں فرقہ بنایا۔ صحابہ کرام نے اس گروہ کا نام رافضی رکھا۔ رافضی رِفضٌ سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے قرآن وحدیث کو یا اللہ رسول کو یا دین حق صراطِ مستقیم کو چھوڑ دینے والا فرقہ مدینے منورہ سے صحابہ کرام نے اس گروہ کو نکالا تو یہ ٹولہ اور ان کا سرغنہ عبد اللہ بن سبا بصرے چلا گیا وہاں اپنا مرکز بنایا پھر وہاں کوفہ پہنچ کر مرکز بنایا اور وہاں سے دمشق میں اپنا مرکز بنانا چاہا مگر اہل دِمشق نے وہاں زد وکوب کر کے نکالدیا۔ وہاں سے بھاگ کر یہ مصر پہنچا اور وہاں اپنا گروہ بنایا۔ یہ ہے تفضیلی شیعہ رافضی فرقے کا تاریخی پس منظر جس سے ثابت ہوا کہ تفضیلی شیعہ یہودی ایجاد ہے اوّلاً ان کا تفضیلی فرقہ مولیٰ علی کی موجودگی میں بن گیا تھا۔ پھر اِن ہی کے عقائد بگڑتے گئے اور تبرائی شیعہ رافضی بننے لگے۔ (از تاریخ ابن خلدون۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، تہذیبُ التہذیب لابنِ حجر عسقلانی)

دسویں دلیل۔ عقل وفطرت سے حق وباطل کی تفریق وتمیز اور پہچان کرنے کا آسان اور مضبوط طریقہ عقائد کو پرکھنا ہے اور عقائد کی پرکھ اور میزان دلائل نقلیہ وعقلیہ کا وجود ہے۔ جس مذہب ومسلک کے عقائد قرآن وحدیث اور اجماع امّت سے لئے گئے ہوں وہ حق مذہب ہے۔ اور جس مذہب ومسلک کے عقائد قرآن وحدیث اور اجماع امّت کے خلاف جاتے ہوں اور کسی کافرانہ سازش سے بنے ہوں وہ مذہب باطل ہے اس معیار اور قاعدۂ کلیہ سے جب تفضیلی وتبرائی رافضی شیعہ فرقوں کے عقائد دیکھیں جائیں تو سراسر قرآن وحدیث کے خلاف اور یہودی سازش کی پیداوار ہونے کی وجہ سے یہ دونوں فرقے باطل ہیں۔ چونکہ تفضیلی فرقہ پہلے بنا اس لیے پہلے اُن کے عقائد لکھے جاتے ہیں۔ **تفضیلی شیعہ کے عقائد۔**

عبد اللہ بن سبا یہودی کے بنائے ہوئے عقائد پہلا عقیدہ اپنے گروہ کا نام ان لوگوں نے شیعانِ علی اور محبانِ اہل بیت رکھا۔ جب کہ صحابہ کرام نے اس فرقے کا نام رافضی رکھا تھا رافضی، رفضٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے ... اسلام، قرآن اور صراطِ مستقیم

کو چھوڑنے والا فرقہ۔ عقیدۂ دوم، امامت جمہوری اور عام مشوروں کی چیز نہیں بلکہ امامت
ہی کا دوسرا نام خلافت ہے، اور یہ دین کا ستون اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔ کسی نبی
کے لیے اس سے غفلت برتنا جائز نہیں بلکہ نبی پر ہی واجب ہے کہ صاف صاف
لفظوں میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے جائے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر نہیں فرمایا تو یہ
اُن کی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غلطی ہے۔ عقیدۂ سوم، ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصی علی ہیں اور وصی ہی خلیفہ اور امام ہو سکتا ہے عقیدہ
چہارم۔ علی تمام صحابہ اور صدیق و فاروق سے افضل ہیں، عقیدہ پنجم۔ مولیٰ علی دنیا میں
افضل الخلق اور آخرت وجنت میں ان کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہوگا۔ عقیدۂ ششم علی
کا دشمن اللہ کا دشمن اور کافر ابدی جہنمی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
سخت خلاف اور گستاخ ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں جو ان کو کافر نہ سمجھے اس کو بھی
کہتے ہیں معاذ اللہ وغیرہ وغیرہ (از مقدمہ ابن خلدون فصل فی مذاہب الشیعہ ص ۱۶۴)
یہ وہ چند عقیدے ہیں جو اُس وقت عبد اللہ بن سبا نے پھیلائے۔ اس کے بعد تفضیلی
شیعوں نے چند ایک دیگر عقیدے بنائے جو بہت بعد کی پیداوار ہیں مثلاً، اہل بیت
کے لیے علیہ السلام کہنا۔ یہ پہلے تبرائی شیعوں کی نشانی تھی ان سے تفضیلی شیعوں نے بھی
یہ عقیدہ اپنالیا۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ اہل بیت تمام صحابہ سے افضل ہیں اس لیے اُن کے لیے
اعزازی و دعائی کلمات بھی صحابہ سے مختلف ہونے چاہیئے اہل سنت لوگ جواب دیتے
ہیں کہ اگر اہل بیت کے لیے علیحدہ کلمات ضروری ہوتے تو اللہ رسول ہی مقرر فرما دیتے
اور جس زبانِ اقدس نے مولیٰ علی کے لیے کرم اللہ وجہہ کے خصوصی الفاظ ارشاد
فرمائے اسی سے علیہ السلام بھی ارشاد ہو سکتا تھا۔ مگر قرآن مجید میں تمام صحابہ و اہل بیت
کے لیے ایک ہی طرح کے الفاظ ارشاد ہوئے (رضی اللہ عنہم) اور پھر یہ گمراہ لوگ اصل
اہل بیت ازواج کے لیے یہ کلمات نہیں بولتے۔ غرضیکہ گمراہی کی حد ہے کہ صحابہ سے
تو تفریق کرتے ہیں مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے برابر کھڑا کرتے ہیں، کیا اس طرح بدعقیدگی
اُن سے ظاہر نہیں ہوتی اگر تفریق ہی کرنی تھی تو کوئی اور کلمات ہی مقرر کر لیتے۔ بعد کا
دوسرا عقیدہ یہ بنالیا کہ سید زادہ تا دنیا مرت جہاں چاہے جس سے چاہے اونچی نیچی
جگہ غیر برادری میں نکاح کرتا پھرے اُس کو کھلی چھٹی ہے۔ لیکن سید زادی کا نکاح کبھی

بھی کسی غیر سیّد سے نکاح جائز نہیں، خواہ کتنا بڑا قبیلہ نیک پاک مومن مسلمان شرافت وعزت والا ہو اگرچہ قریشی عالم فاضل محدث مفسر ولی کامل ہو۔ اور سیّدزادی نکاح پر مجبور ہو والی وارث بھی راضی ہوں۔ اگر سیّدزادی کو سیّد گھرانے کا رشتہ نہ ملے تو بھی غیر سیّد اونچے شریف گھرانے میں نکاح جائز نہیں۔ اگرچہ سیّدزادی بغیر نکاح بوڑھی ہو کر مرجائے ان گمراہوں کا خلافِ اسلام یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ ابتدائی دور میں یہ فرقہ مدینہ منورّہ بصرہ کوفہ اور مصر میں کچھ قدرے بہت تھوڑی تعداد میں پھیلا، پھر بصرے اور مصر سے یہ لوگ ہندوستان کے شہر متھرا، لکھنو، بمبئی میں آیا وہاں سے پاکستان کے سرحدی علاقہ مضافاتِ ضلع ہزارہ اور حویلیاں میں نمودار ہوا۔ تبرائی شیعوں کے عقائد۔ یہ فرقہ خلافتِ عثمانی کے بعد وجود میں آیا اِن کے عقائد تفضیلی شیعوں کے عقائد میں مزید اضافہ سے بنے چنانچہ ان چار مندرجہ بالا تفضیلی عقائد کو شامل کر کے پانچواں عقیدہ تمام اہل بیت معصوم ہیں ان سے کوئی خطا لغزش گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں۔ اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء کرام ہیں۔ آسمانوں میں ملائکہ معصوم ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس طرح آخری نبی ہیں آخری معصوم بھی ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو سکتا ہے نہ کوئی معصوم، چھٹا عقیدہ خلیفہ ہی امام ہے اور خلیفہ و امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔ غیر معصوم نہ خلیفہ بن سکتا ہے نہ امام۔ ساتواں عقیدہ علی میں اُلوھیت اس طرح داخل ہے جس طرح جسم میں روح اور پھول میں خوشبو۔ اسی بنا پر تبرائی شیعوں کا نعرہ ہے علی رب۔ آٹھواں عقیدہ امامت نبوت سے افضل ہے لہٰذا بارہ امام تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ بعض شیعہ مولیٰ علی کو نبی کریم سے بھی افضل مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ) نواں عقیدہ۔ جبرئیل بھول کر وحی نبی کریم کی طرف لے گئے۔ اصلاً علی کی طرف لانی چاہیئے تھی۔ دسواں عقیدہ۔ اس موجودہ ظاہر قرآن میں صحابہ نے ملاوٹیں کر دیں لہٰذا یہ قرآن صحیح نہیں۔ اصل قرآن امام مہدی غار سرّہ مرّہ میں چھپا کر بیٹھے ہوئے ہیں قریب قیامت لے کر باہر آئیں گے۔ (از مقبول ترجمہ مقبول احمد رافضی کا ترجمہ قرآن) گیارہواں عقیدہ بارہ اماموں کی روحوں میں تناسخ ہوتا ہے ہر امام کی روح میں اُلوھیت موجود ہے اور پہلے امام کی روح بعد میں آنے والے امام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ مندرجہ بالا گیارہ عقائد ہر تبرائی شیعہ کا متفقہ ہے اس کے علاوہ بہت سے باطل عقیدے وہ ہیں جو متفقہ نہیں بلکہ اُن کے آپس کے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں

مثلاً کچھ کہتے حضرت علی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ روپوش ہو گئے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں معراج میں لامکان میں اللہ کی جگہ علی جلوہ گر تھے (معاذ اللہ) کچھ کہتے ہیں مخلوق میں سب سے پہلے پنجتن پاک پیدا ہوئے یعنی محمد۔ علی فاطمہ حسن حسین، اور یہ سب انبیاء سے افضل ہیں (معاذ اللہ) کچھ کہتے تھے کہ جس نے بارہ اماموں کو معصوم مان لیا وہ بخشا گیا وہی مومن اور صالح ہے۔ اُس کے لیے کوئی چیز حرام نہیں شراب مردار خنزیر، اور محرمات عورتیں بھی اس کے لیے حلال ہیں اور دلیل میں سورۂ مائدہ کی آیت ۹۳ پڑھتے ہیں۔ لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں مردار، خمور، خنزیر کی حرمت کا ذکر ہے اُس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے عداوت رکھنا ضروری ہے مثلاً صدیق، فاروق، عثمان، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور جہاں فرائض اور احکام شریعت عبادت، عمل صالح کا ذکر ہے تو اُس سے مراد محبت اہل بیت یعنی علی حسن وحسین اور ان کی اولاد سے محبت کرنا ان کو ساری مخلوق پر افضلیت دینا مراد ہے (از تاریخ مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۱ اور مقریزی کی کتاب الخطط اور شہرستانی کی کتاب الملل والنحل) ان مندرجہ بالا عقائد میں ساتواں عقیدہ عیسائیوں سے لیا گیا کہ وہی عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مانتے ہیں۔ اور گیارھواں عقیدہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے۔ وہ تناسخ کو ہندی میں آواگون کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیعہ فرقہ فارس سے چلا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہودیوں کی ایجاد ہے کیونکہ اُس کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ امام شعبی نے اپنی کتاب العقد الفرید میں یہی لکھا۔ (از سیرت امام ابوحنیفہ ابوزہرہ مصری ص۲۰۲) غرضکہ تبرائی شیعوں کے عقیدے عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، ہندومت، برہمن اور آریہ عقائد کا مجموعہ ہے۔ **گیارھویں دلیل** ۔ ان دونوں فرقوں تفضیلی و تبرائی کے باطل ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے یہ جتنے بھی عقائد بنائے گئے ہیں وہ سب اسلام قرآن اور تعلیم نبوی کے سراسر خلاف ہیں۔ یہاں تک کہ ان دونوں فرقوں کی تلاوت و قرأت کے کچھ طریقے اسلام کے خلاف، اور نماز روزہ افطار وسحری، کلمہ۔ اذان، نماز سب اعمال بھی اسلام سے جداگانہ۔ چنانچہ نمبر۱ اسلامی قرأت ہے سلام عَلٰٓی اِلْیَاسِیْنَ، انہوں نے بگاڑ کر تلاوت کی سلامٌ عَلٰی آلِ یٰسین۔ اور مراد لیا کہ اہل بیت پر سلام ہو۔ نمبر۲ اسلامی قرأت ہے۔

اِنَّ بِنْتِیْ مِنْ اَصْلِیْ۔ مگر انہوں نے کہا اِنَّ بِنْتِیْ مِنْ اَھْلِھَا۔ صرف اس لیے تاکہ کافر شیعوں کو بھی کوئی برا نہ کہے ۳ اسلام نے کہا ابو لہب و کافر جہنمی ہے "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ" مگر انہوں نے کہا کہ ابو لہب کو برا نہ کہو کیونکہ اہل بیت میں شامل ہے۔ ہاں البتہ یہ سورۃ لہب پڑھنا چھوڑ دو شیعوں کے سلف صالحین نہ پڑھتے تھے اگر ان کا بس چلے تو یہ ظالم تفضیلی و تبرائی لوگ اس سورۃ پاک کو قرآن مجید سے ہی نکال دیں ۴ اسلام نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ قرآن لاریب ہے۔ اس کتاب قرآن مجید میں کوئی شک اور ملاوٹ کمی بیشی نہیں مگر شیعوں نے کہا اس میں بہت سی ملاوٹیں تبدیلیاں کمی بیشی ہے یہ قرآن لاریب نہیں ہے ۵ اسلام نے فرمایا۔ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلو۔ رات کا ذرہ حصہ روزے میں شامل نہ کرو مگر شیعوں نے کہا کہ نہیں بلکہ کافی رات کا اندھیرا چھا جائے تب روزہ افطار کرو۔ ۶ اسلام نے فرمایا عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِیْ۔ تم اپنے آپ کو اہلِ سنت کہا کرو سنی بن کر رہو۔ مگر ان تفضیلی و تبرائی شیعوں نے اپنے آپ کا شیعانِ علی نام رکھا ۷ اسلام قرآن نے فرمایا وَ شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔ اے ایمان والوں اپنا ہر کام باہمی مشورے سے کیا کرو۔ اگرچہ خلافت کا تقرر ہو۔ مگر شیعوں نے کہا کہ خلافت الٰہی مقرر کردہ منصب ہے۔ اور معاذ اللہ نبی کریم نے خود یہ تقرر نہ کر کے غلطی کی اپنی ذمہ داری پوری نہ کی ۸ اسلام نے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سورۃ نور آیت ۵۵ یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تم نیک مسلمانوں سے کہ ان میں چند کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو بنایا۔ مگر شیعوں نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے صرف وہی خلیفہ ہوسکتا ہے ۹ تاریخ اسلام نے فرمایا کسی نبی کا کوئی وصی نہ ہوا۔ از آدم تا عیسیٰ نہ کوئی اس کا ثبوت دے سکتا ہے۔ مگر شیعوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ نبی کریم کے وصی ہیں۔ مگر ہر نبی کا وصی ہونا ثابت نہ کر سکے۔ ۱۰ اسلام قرآن نے فرمایا کہ نبی سب سے افضل اور نبی کے ثانی صدیق اکبرؓ لہذا نبی کے بعد وہ سب سے افضل مگر شیعوں نے کہا کہ علی سب سے افضل۔ نبی سے بھی صدیق سے بھی ۱۱ اسلام نے فرمایا ابو بکر و عمر سَیِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ تمام اولین آخرین جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں۔ مگر شیعوں نے کہا کہ نہیں مولیٰ علیؓ دنیا و آخرت و جنت میں سب سے بلند

مرتبے پر ہیں ۱۲ اسلام قرآن نے فرمایا تمام صحابہ واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم مگر تفضیلی وتبرائی شیعوں نے صرف پنجتن پاک اور بارہ ۱۲ اماموں کو مثلِ انبیاء علیہ السلام کہنا شروع کر دیا۔ اور اصل اہل بیت ازواج پاک اور بیٹیوں بڑی صاحبزادیوں کو اہل نہ سمجھا نہ ان کو یہ الفاظ دیئے ۱۳ اسلام نے فرمایا اذان میں صرف اللہ رسول کا نام لیا جائے۔ مگر شیعوں نے کہا کہ ہم اسلام کی اذان نہیں مانتے ہم تو عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ بھی ہر اذان میں شامل کریں گے ۱۴ اسلام نے فرمایا زمین پر انبیا کے سوا کوئی معصوم نہیں مگر شیعوں نے کہا ائمہ اہل بیت بھی معصوم ہیں ۱۵ اسلام نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات میں الٰہ واحد ہے۔ مگر شیعوں نے کہا علی میں بھی الوہیت ہے۔ ۱۶ اسلام فرماتا ہے کہ نبوت سب سے اونچا مقام ہے مگر شیعہ فرقہ کہتا ہے امامت نبوت سے بھی اونچا مقام ہے معاذ اللہ۔ غرضکہ ان دونوں فرقوں کے تمام عقائد اسلام قرآن وحدیث کے سخت خلاف ہیں اس لیے باطل وگمراہی وکفریہ ہیں۔ **بارھویں دلیل** یہ دونوں فرقے اس لیے بھی باطل ہیں کہ ان کے کسی عقیدے کسی عمل پر کوئی دلیل نہیں بس یہودی ان کے نظریات بناتے رہے اور یہ لوگ ان کے جال میں پھنس کر اپنا دین بگاڑتے رہے۔ یہودی سازش نے عیسائیت کو تو بالکل تباہ کر دیا۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اکثریت ان کے فریب میں نہ آئی صرف تھوڑے کم عقل نومسلموں کا اولاً تفضیلی پھر انہی میں سے تبرائی شیعہ ٹولہ بن گیا۔ جو آج تک نسل در نسل تھوڑا بہت چلا آ رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد پر دلیلیں قائم کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر نہ مضبوط دلیل ہاتھ آتی ہے نہ بات بنتی ہے۔ مثلاً اپنی آزادروی اور محرمات کو اپنے لیے جائز وحلال سمجھتے ہوئے سورۂ مائدہ کی آیت ۹۳ پیش کرتے ہیں جو ابھی پہلے بیان کی گئی۔ مگر بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آیت گزشتہ کے لیے ہے نہ کہ آئندہ کے لیے۔ اور آیتِ پاک میں بتایا جا رہا ہے کہ شراب وغیرہ وہ اشیا جو اَب حرام ہوئی ہیں، حرام ہونے سے پہلے جن مومن متقی مسلمانوں نے اُس کو پیا تھا وہ فوت ہو گئے ہیں یا زندہ موجود ہیں اور اب آئندہ کے لیے پکا پرہیز کرتے ہیں تو ان پر پچھلا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اُس وقت تو حرام ہی نہ ہوئی تھی۔ ہاں البتہ اب اگر کوئی شراب پیئے گا تو بڑا سخت گناہ پڑے گا۔ اسی طرح شیعہ لوگ تفضیلِ علی کے لیے غدیر خم کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمانِ مقدس کو

افضیلت اور خلافت بلافصل اور وصی رسول ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ یعنی جس کا میں مولیٰ اس کے علی مولیٰ ثابت ہوا کہ علی ہی خلیفہ اور علی ابوبکر صدیق وفاروق وعثمان سے افضل اور علی وصی رسول۔ اور اس تاریخ کو عید غدیر مناتے ہیں مکہ مکرمہ سے چھ میل اور جحفہ سے تین میل دور حرمین کے درمیان مقام خُم ہے غدیر یعنی بڑا حوض میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل صرف شان علی پر ہے نہ کہ خلافت وفضیلت ووصی ہوتے پر کیونکہ مولیٰ کا معنی ہے مددگار تو اس فرمانے حدیث کا صرف یہ معنیٰ ہے کہ جس مسلمان کا میں مددگار اس کے علی بھی مددگار ہوں گے۔ یعنی مولیٰ علی اس کے دشمن اور مخالف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مولیٰ بمعنیٰ دوست بھی کیا جائے تب بھی یہ معنیٰ ہے کہ جس کا میں دوست اُس کے علی بھی دوست اس معنیٰ میں بھی وصی اور خلیفہ یا صدیق وفاروق سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا کچھ لوگوں نے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ یہ فرمان اقدس ایسا بھی ہو سکتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کہے کہ آج سے جس کا میں مددگار ہوں میرے سب گھر والے بھی اُس کے مددگار ہوں گے۔ یا میری فوج اور پولیس بھی اُس کی مددگار ہو گی تو اس فرمان سے کسی فوجی کا درجہ وزیر اعظم سے زیادہ نہ ہو جائے گا شیعوں کی تیسری دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی تمہاری صلح میری صلح اور تم سے لڑائی میرے خلاف اعلان جنگ۔ دیکھو دیکھو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ علی صدیق وفاروق سے افضل۔ اور علی ہی وصی اور خلیفہ بلافصل۔ شیعوں کی چوتھی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی۔ یا اللہ علی کے دوست کو دوست اور علی کے دشمن کو دشمن بنانے دیکھو ہو گیا نا ثابت کہ علی صدیق وفاروق سے افضل۔ خلیفہ بلافصل اور وصی رسول اللہ۔

شیعوں کی پانچویں دلیل۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تم کو صرف مومن ہی پسند کرتا ہے اور منافق ہی تمہارے خلاف بغض وعناد رکھتا ہے اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ مولیٰ علی صدیق وفاروق سے افضل ہیں اور علی ہی وصی ہیں اور علی ہی خلیفہ بلافصل ہیں حالانکہ یہ شان تو تمام انصار کی بھی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ ص۵۷۶ باب جامع المناقب فصل اول عَنْ اَنَسٍ متفق علیہ ص۵۷۱ عَنِ الْبَرَاءِ متفق علیہ کیا عجیب دلائل ہیں۔ نہ سر نہ پیر۔ بس اسی قسم کی کمزور بے معنیٰ باتوں دلیلوں سے اپنا مذہب قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا سوال گندم جواب جو۔ ان تدرجہ

روایات نے صرف شانِ علی بتائی نہ کہ فضیلت و خلافت اور وصیت، اور یہ وہ دلیلیں ہیں جو ان کے بڑے بڑے علما و اکابر دیتے پھرتے ہیں۔ اور کتابوں میں لکھی ہیں ان کچی باتوں سے بھی ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے پاس خلافت بلافصل اور وصیِ رسول یا فضیلت پر کوئی ٹھوس مضبوط دلیل نہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ صدیق و فاروق کی فضیلت و خلافت پر قرآن و حدیث کے کثیر دلائلِ حقہ موجود ہیں جن کو یہ توڑ نہیں سکتے۔ تیرھویں دلیل۔ ان دونوں تفضیلی اور تبرائی رافضی شیعہ فرقوں کی وجہ سے مسلمانوں میں فساد انتشار، خانہ جنگی ہوئی اس لیے بھی یہ دونوں فرقے باطل ہیں۔ اسی یہودی سازش نے فضیلتِ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آڑ لے کر اٹھارہ ۱۸ ذی الحج بروز جمعرات بوقتِ عصر ۳۶ھ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی کو ان کے ہی گھر میں پچاس ۵۰ دن محصور رکھ کر۔ گھر کے پچھواڑے سے دیوار پھلانگ خفیہ طریقے سے شہید کر دیا۔ جب ایک بار عبد اللہ بن سبا نے ایک محفل میں برملا کہا کہ علی سب میں افضل ہیں پہلی دو خلافتیں بھی غلط تھیں اور یہ خلافتِ عثمانی بھی غلط ہے اور کہنے لگا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ کے وصی علی ہیں تو حضرت عبد اللہ بن سلام تورات لے آئے اور فرمایا کہ دکھا کہاں لکھا ہے۔ نیز کسی بھی نبی کا وصی بنا کہ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک کسی ایک نبی کے وصی کا نام بتا اس پر ابن سبا یہودی پریشان ولاجواب ہو گیا۔ پھر عبد اللہ بن سلام نے اسی محفل میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو میں توریت کا عالم ہوں۔ میں تم کو سابقہ تاریخ عالم سناتا ہوں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کو قتل کیا جائے تو اس کے عذاب میں کم ازکم ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں۔ اور ایسا بھی کبھی نہ ہوا کہ کسی نبی کے خلیفہ کو بغاوت کر کے قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم ازکم پینتیس ۳۵ ہزار انسانوں کا قتل نہ ہوا ہو۔ اس کے جواب میں ایک باغی نے کہا کہ ہم عثمان کو نبی کا خلیفہ مانتے ہی نہیں۔ یہ خلافت تو علی کا حق ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ تمام صحابہ مع علی مرتضیٰ کی رائے سے ان کو خلیفہ بنایا گیا اور دس سال تک خلافتِ عثمانی کا قائم رہنا کیا یہ حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ تم کو آج دس سال بعد ایک یمنی یہودی کے بھڑکانے پر یہ ناجائز خیال آیا اور بغاوت پر اُترائے نیز خود علی مرتضیٰ تمہارے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ وہ خلافتِ عثمانی کو حق مان رہے ہیں اور ان کی حفاظت میں شامل ہیں ان کے بیٹے حسن و حسین عثمانِ غنی کے پہریدار ہیں

کیا تم لوگ علی مرتضیٰ کے زیادہ خیر خواہ نکل آئے ہو۔ آپ کی اس تقریر سے تمام باغی
لاجواب ہو گئے، پھر عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ تم کو محبتِ علی نہیں بلکہ ایک شرارتی انسان
کی شرارت کے پیچھے چل پڑے ہو۔ مگر باغیوں کو پھر بھی عقل نہ آئی اور چند دن بعد دھوکے
سے عثمانِ غنی کو شہید کر دیا، جس کے نتیجے میں خلافت مولیٰ علی کا سارا دور چار سال آٹھ ماہ
پندرہ دن خانہ جنگی میں ہی گزرا۔ جنگِ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان، یہ سب خانہ جنگیاں
اسی فضیلتِ علی کے بہانے میں یہودی شرارتیں ہی تھیں۔ اِن جنگوں میں دو طرفہ تقریباً کم و
بیش چوراسی ۸۴ ہزار مسلمان شہید ہوئے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان شہید ہوئے۔ فتوحات کا
دروازہ تقریباً بند ہی رہا، اور پھر یہودیوں کا بنایا ہوا تفضیلی شیعہ ٹولہ ابتداءً حبِّ علی میں
بھی مخلص نہ تھا۔ نہ ان کو مولیٰ علی سے قلبی محبت تھی ان کو تو بس خانہ جنگی کرانا تھی چنانچہ
جب مسلمانوں میں صلح ہونے لگتی اور اُن سے خبثیوں کو اپنا منصوبہ بگڑتا نظر آتا تو راتوں
کو چھپ کر کبھی مولیٰ علی کے لشکر پر شب خون مارتے اور نام لگا دیتے کہ یہ امیر معاویہ
کے لشکر والوں نے صلح کی عہد شکنی کر کے حملہ کیا ہے، اور کبھی عائشہ صدیقہ کے لشکر پر
شب خون مار کر نام مولیٰ علی کا لگا دیتے کہ یہ علی نے صلح کی عہد شکنی کی ہے اس طرح
جنگ صفین میں امیر معاویہ اور مولیٰ علی کی کسی صلح کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ جب کبھی
ان کی یہ شرارت پکڑی جاتی تو ایک دوسرے پر الزام رکھ کر بچ نکلنے اور حالات کی نزاکت
کے پیشِ نظر ان کو کچھ نہ کہا جاتا۔ بلکہ ایک بار تو عبداللہ بن سبا کو مولیٰ علی نے قتل
کرنا چاہا تو عبداللہ ابن عباس نے عرض کیا کہ اس کو قتل نہ کرو کہیں اس کے ساتھی آپ سے جدا
نہ ہو جائیں اور آپ نے ابھی شامیوں سے لڑنا ہے، یہ سن کر آپ نے اس کو قتل تو نہ کیا
البتہ ملک بدر کر دیا۔ اور امام حسن کی خلافت کے دور میں تو اس تفضیلی شیعہ فرقے
کی دو طرفہ شرارتیں ضرب المثل مقولہ بن چکی تھیں کہ یہ حبِّ علی نہیں بلکہ بغضِ معاویہ ہے
اور اسی یہودی سازش سے جلیل القدر صحابہ طلحہ، زبیر، عمار ابن یاسر، بلکہ خود مولیٰ
علی بھی شہید کر دئے گئے۔ امیر معاویہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر وہ زخمی ہو کر بچ گئے
عمرو بن العاص پر حملے کا منصوبہ بنایا مگر کسی وجہ سے وہ اس پروگرام میں نہ پہنچے تو ان کی
جگہ دوسرا شخص شہید ہو گیا اور باغیوں کا اصل منصوبہ ناکام ہو گیا۔ ان سارے فتنوں
کی آگ بھڑکانے والا یہ عبداللہ بن سبا اور اس کا تفضیلی شیعہ ٹولہ ہی تھا۔ ورنہ صحابہ کرام

آپس میں دشمن نہ تھے اگر ایسا ہوتا تو جنگِ جمل میں مولیٰ علی۔ عائشہ صدیقہ کا احترام اور حفاظت نہ فرماتے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ غلط فہمیاں ڈالی جارہی ہیں۔ ان شرارتیوں کا بڑا سرغنہ عبد اللہ بن سبا تھا اس کی والدہ کالی یہودن حبشی النسل تھی۔ اس لیے اس کا نام ابن السودا ء یا ابن اسود بھی آتا ہے یہ خود بھی کالا حبشی تھا۔ دمشق میں اس کا نام عبد اللہ بن حرب اور مصر میں عبد اللہ بن وہب مشہور ہوا۔ اس کا دوسرا یہودی ساتھی مالک بن اُشتر نخعی تھا۔ یہ بھی مولیٰ علی کے ہاتھ پر تو مسلم بنا تھا (از مقدمہ ابن خلدون۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص۱۰۴۸)

پھر ایک خارجی فرقہ بنا جس نے مولیٰ علی کو ۴۱ھ میں ۲۱ رمضان المبارک بروز اتوار بوقت فجر کوفہ کے جامع کے دروازے پر چھپ کر قاتلانہ وار کیا اور آپ اسی دن شام کو شہید ہو گئے ان ہی تفضیلی شیعوں نے صرف اس غصے میں امام حسن کو زہر دے کر شہید کیا کہ انہوں نے امیر معاویہ سے صلح کیوں کی، حیرانی کی بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات ائمہ اہل بیت کو معصوم بھی مانتے ہیں اور پھر امام حسن کی اس صلح پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ معصوم تو ان کے نزدیک بھی وہ ہے جس سے کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تو ابتدائی تفضیلی ٹولے کی حالت تھی۔ اب موجودہ تفضیلی شیعوں کی محبتِ علی بھی بالکل عیسائیوں کی محبت مسیح کی طرح گمراہی ہے۔ اور جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں عیسائیوں سے ناخوش ہیں اسی طرح مولیٰ علی بھی ان تفضیلیوں کی محبت سے راضی نہیں ہیں عیسیٰ علیہ السلام نزولِ آسمانی کے بعد نصاریٰ اور اُن کے صلیب کو ہلاک کریں گے۔ اس طرح مولیٰ علی نے اپنی حیات طیبہ میں ان تفضیلیوں کو برا سمجھا اور ہلاکت کی خبر عید سنائی۔ میدانِ محشر میں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں سے نفرت و بیزاری فرمائیں گے۔ اسی طرح مولیٰ علی بھی بے جا نضیلت دینے کی بنا پر شیعوں سے نفرت بیزاری اور برائت فرمائیں گے۔

چودھویں دلیل یہ دونوں تفضیلی شیعہ رافضی اور تبرائی شیعہ رافضی فرقہ اس لیے بھی باطل ہے کہ اُن کے تمام عقائد اور نظریات اسلام قرآن اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مسلمانوں کے ایمان کے بالکل مخالف و متقابل ہیں۔ اِن کے سبب آج تک مسلمانوں کو نقصانات ہی پہنچا۔ اسلامی تاریخ سے ثابت ہے کہ اِن فرقوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی جاسوسیاں ہی کی ہیں مسلمانوں سے قلبی محبت اِن کی کبھی ثابت نہ ہو سکی۔ جب کہ اہل سنت نے ہمیشہ ان کی اور ان کے اکابر کی عزت ہی کی۔ خیال رہے کہ جس طرح وہابی لوگ اب کچھ عرصے سے اپنے کو

اہل سنت کہنے لگ گئے ہیں محض سنیوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس طرح یہ تفضیلی شیعہ بھی سُنی بن کر دھوکہ دیتے ہیں تاکہ سنیوں کی مساجد پر قبضہ جما سکیں۔ امامت وخطابت چمکا سکیں۔ مگر ہر چیز، ہر شخص اپنی قولی علامات ونشانات سے پہچانا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت عقائد ونظریات کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ یعنی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اس آیت پاک نے تین چیزیں واضح اور ثابت فرمائیں اوّل خصائل پنجتن پاک کہ پنجتن پاک کا پہلا گروہ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲۔ اُن کے ساتھ ابوبکر صدیق ۳۔ پھر فاروقِ اعظم اشداء علی الکفار ۴۔ پھر رحیم وسخی عثمان غنی ۵۔ پھر عابد وزاہد مولیٰ علی۔ دوم ترتیبِ خلافت، سوم ترتیب فضیلت، یہی وجہ ہے کہ

جن کا ڈنکہ بج رہا ہے چار سُو لیل ونہار
وہ ابوبکر وعمر، عثمان وحیدر چار یار

مذہب اہلسنت کا خلاصہ ۱۔ افضلُ الخلق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وسلم ۲۔ اَفضلُ الخَلْقِ بَعْدَ الانبیا ابوبکر صدیق ۳۔ افضل الخلق بعد ابوبکر فاروق اعظم عُمَر ۴۔ افضل الخلق بعد عمر فاروق۔ عثمان غنی ۵۔ اَفضل الخلق بعد عثمانِ غنی۔ مولیٰ علی مشکل کشا شیرِ خدا۔ رضی اللّٰہ عنہم۔ واللّٰہ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

اِس فتوے کے ماخوذات ۱۔ قرآنِ مجید ۲۔ مشکوٰۃ شریف ۳۔ کتاب تہذیب التہذیب مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی ۴۔ تاریخِ اسلام ۵۔ تاریخِ فرشتہ ۶۔ مقدمہ ابنِ خلدون ۷۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۸۔ حیات امام ابوحنیفہ مصنفہ الشیخ ابوزہرہ مصری ۹۔ علامہ مقریزی کی کتاب الخطط ۱۰۔ علامہ شہرستانی کی کتاب اَلْمِلَلُ وَالنِّحَلُ ۱۱۔ قرۃ العینین للشاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی ۱۲۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف ۱۳۔ فتح الباری شرح بخاری۔ تمت بالخیر۔

پچیس فتووں پر مشتمل یہ فتاویٰ العطایا جلد چہارم مکمل شد۔ بروز اتوار صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۱۶ مئی ۱۹۹۹ء

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

قادری بدایونی علیہ رحمۃ

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۷	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ۹ جلد	فقہ حنفی کا مدلل زرین فتاویٰ
سیرت امام اعظم	سوانح امام اعظم ابوحنیفہ
خطبات نعیمیہ	جمعہ وعیدین ونکاح ودیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریاتِ اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور اُن کی فکری غلطیوں کی نشاندہی

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی قادری

بدایونی علیہ الرحمۃ

حرمت سیاہ خضاب	جوازِ سیاہ خضاب میں شفیع اوکاڑوی صاحب کی کتاب کا رد
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مُسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خان گکھڑوی کی کتاب راہ سنت کا منہ توڑ جواب
از بلا	رد عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	عربی چار ہزار مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات علیٰ مکتوبات	